جدید کمپیوٹر ایڈیشن

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب

استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 021-32213768

تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر جلالین

جلد سوم

پارہ ۱۱ تا پارہ ۱۵

بقیہ سورۃ التوبۃ

تا

سورۃ الکہف

تفسیر

علامہ جلال الدین محلیؒ و علامہ جلال الدین سیوطیؒ

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب مدظلہم

استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

مکتبہ

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء

ضخامت : ۶ جلد صفحات ۳۲۲۴

تصدیق نامہ

میں نے "تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین" کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کمی نظر آئی اصلاح کردی گئی۔ اب الحمدللہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)
نمبر مجاریہ R.ROAUQ 2002/338
رجسٹرڈ پروف ریڈر محکمہ اوقاف سندھ

23/08/06

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

یہ پاکستانی طبع شدہ ایڈیشن صرف انڈیا ایکسپورٹ نہیں کیا جاسکتا

اجمالی فہرست

جلد سوم، پارہ نمبر ۱۱ تا ۱۵

پارہ نمبر ۱۱
یَعْتَذِرُوْنَ

يَعْتَذِرُوْنَ

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ فِى التَّخَلُّفِ **اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ** مِنَ الْغَزْوِ **قُلْ** لَهُمْ **لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ** نُصَدِّقَكُمْ **قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ** اَىْ اَخْبَرَنَا بِاَحْوَالِكُمْ **وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ** بِالْبَعْثِ **اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** اَىِ اللّٰهِ **فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۹۴﴾** فَيُجَازِيْكُمْ عَلَيْهِ **سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ** رَجَعْتُمْ **اِلَيْهِمْ** مِنْ تَبُوْكَ اَنَّهُمْ مَعْذُوْرُوْنَ فِى التَّخَلُّفِ **لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ** بِتَرْكِ الْمُعَاتَبَةِ **فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ** قَذَرٌ لِخُبْثِ بَاطِنِهِمْ **وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِۢمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴿۹۶﴾** اَىْ عَنْهُمْ وَلَايَنْفَعُ رِضَاكُمْ مَعَ سَخَطِ اللّٰهِ **اَلْاَعْرَابُ** اَهْلُ الْبَدْوِ **اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا** مِنْ اَهْلِ الْمُدُنِ لِجَفَائِهِمْ وَغِلَظِ طِبَاعِهِمْ وَبُعْدِهِمْ عَنْ سِمَاعِ الْقُرْاٰنِ **وَّاَجْدَرُ** اَوْلٰى اَىْ بِاَنْ **اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ** مِنَ الْاَحْكَامِ وَالشَّرَائِعِ **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِخَلْقِهٖ **حَكِيْمٌ﴿۹۷﴾** فِىْ صُنْعِهٖ بِهِمْ **وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ** فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ **مَغْرَمًا** غَرَامَةً وَخُسْرَانًا لِاَنَّهٗ لَا يَرْجُوْا ثَوَابَهٗ بَلْ يُنْفِقُهٗ خَوْفًا وَهُمْ بَنُوْ اَسَدٍ وَغَطْفَان **وَّيَتَرَبَّصُ** يَنْتَظِرُ **بِكُمُ الدَّوَآئِرَ** دَوَائِرَ الزَّمَانِ اَنْ يَنْقَلِبَ عَلَيْكُمْ فَيَتَخَلَّصَ **عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ** بِالضَّمِّ وَالْفَتْحِ اَىْ يَدُوْرُ الْعَذَابُ وَالْهَلَاكُ عَلَيْهِمْ لَا عَلَيْكُمْ **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ** لِاَقْوَالِ عِبَادِهٖ **عَلِيْمٌ﴿۹۸﴾** بِاَفْعَالِهِمْ **وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** كَجُهَيْنَةَ وَمُزَيْنَةَ **وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ** فِىْ سَبِيْلِهٖ **قُرُبٰتٍ** تُقَرِّبُهٗ **عِنْدَ اللّٰهِ وَ** وَسِيْلَةً اِلٰى **صَلَوٰتِ** دَعَوَاتِ **الرَّسُوْلِ** لَهُمْ **اَلَآ اِنَّهَا** اَىْ نَفَقَتَهُمْ **قُرْبَةٌ** بِضَمِّ الرَّآءِ وَسُكُوْنِهَا **لَّهُمْ** عِنْدَهٗ **سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىْ رَحْمَتِهٖ** جَنَّتِهٖ **اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ** لِاَهْلِ طَاعَتِهٖ **رَّحِيْمٌ﴿۹۹﴾** بِهِمْ۔

ع ۱۲

ترجمہ......... جب تم ان کے پاس (جہاد سے) واپس جاؤ گے تو وہ تمہارے پاس معذرتیں کرنے آئیں (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) تمہیں چاہئے کہ (ان سے) کہہ دو "معذرت کی باتیں نہ بناؤ" اب ہم تمہارا اعتبار کرنے والے نہیں (تمہیں سچا نہیں سمجھیں گے) اللہ نے ہمیں پوری طرح تمہارا حال بتلا دیا ہے (تمہارے حالات کی خبر دے دی ہے) اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول دیکھیں گے کہ تمہارا رویہ کیسا رہتا ہے اور پھر (قیامت میں) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح کی باتیں جاننے والا ہے (یعنی اللہ) پس وہ تمہیں بتلا دے گا کہ کیا کچھ تم کرتے رہے ہو (لہذا تمہیں وہ اس پر بدلہ بھی دے گا) جب تم لوٹ کر ان سے ملو گے (تبوک سے واپسی میں جہاد میں شریک نہ ہونے کا عذر کرتے ہوئے) تو ضرور یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے تا کہ تم ان سے درگزر کرو (ملامت وغیرہ نہ کرو) سو چاہئے کہ تم ان سے درگزر ہی کرلو یہ ناپاک ہیں (بد باطنی کی وجہ سے یہ لوگ گندے ہیں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس کمائی کے نتیجہ میں جو یہ کماتے رہے یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ ان سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم راضی بھی ہو گئے تو اللہ ایسے شریر لوگوں سے کبھی راضی ہونے والا نہیں ہے (اور اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تمہاری خوشنودی کچھ سودمند نہ ہو سکے گی) دیہاتی (گاؤں کے باشندے) کفر و نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں (بہ نسبت شہریوں کے، اپنی درشتی اور اکھڑ پنے سے اور قرآن سننے کے مواقع سے دور رہنے کی وجہ سے) اور اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول پر جو احکام نازل کئے ہیں ان سے بے خبر رہیں (یعنی شریعت کی باتیں اور احکام) اللہ تعالیٰ بڑے علم رکھنے والے ہیں (اپنی مخلوق کا) اور (ان کے ساتھ کارروائی کرنے میں) بڑی حکمت رکھنے والے ہیں اور ان دیہاتیوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اسے جرمانہ سمجھتے ہیں (تاوان اور ڈانڈ سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے ثواب کی امید تو ہوتی ہی نہیں۔ جو کچھ بھی خرچ کرنا ہوتا ہے وہ ڈر کر ہوتا ہے اور وہ بنو اسد و غطفان قبائل کے لوگ ہیں) اور آس لگائے بیٹھے ہیں (منتظر ہیں) کہ تم پر کوئی گردش آئے (زمانہ کا کوئی چکر ایسا آئے جس سے انقلاب کا رخ تمہارے خلاف ہو جائے اور انہیں کسی طرح چھٹکارا مل جائے) حقیقت یہ ہے کہ بری گردش کے دن خود ان ہی پر آنے والے ہیں (لفظ سوء ضم اور فتحہ کے ساتھ ہے یعنی تباہی اور عذاب کی گردش کا رخ خود ان کے خلاف ہو گا نہ کہ تمہارے) اور اللہ (اپنے بندوں کی سب کچھ) سنتا ہے اور (ان کے کاموں سے) پوری طرح باخبر ہے اور دیہات کے رہنے والوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں (جیسے قبیلہ جہینہ اور مزینہ کے لوگ) اور (راہ مولیٰ میں) جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ تو سن رکھو کہ یہ (خرچ کرنا) بے شک ان کے لئے قرب ہی کا باعث ہے (لفظ قربۃ ضم راء اور سکون راء کے ساتھ ہے) ان کے لئے (اللہ کے نزدیک) اللہ انہیں اپنی رحمت (جنت) کے دروازہ میں داخل کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (فرمانبرداروں کی) (بڑی بخشش کرنے والے ہیں۔ اور (ان پر) بڑا رحم فرمانے والے ہیں۔

تحقیق و ترکیب:......... **یعتذرون**. یہ تیس سے زائد منافقین تھے جو جہاد میں نہیں گئے تھے۔ ان میں سے کچھ معذرت کرنے کے لئے آ گئے تھے۔ **نصدقکم** جلال مفسرؒ نے **لکم** میں لام کے زائد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای **اللہ** یعنی ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لا کر تشدید میں اضافہ کر دیا۔ **انهم معذورون**۔ یعنی محلوف علیہ کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ **من یتخذ**. **من** موصوفہ ہے یا موصولہ اور **ماینفق**. مفعول اول اور **مغرما** مفعول ثانی ہے۔

ربط آیات:......... پچھلی آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا۔ جنہوں نے روانگی کے وقت بہانے تراشے تھے۔ ان آیات میں واپسی کے وقت بہانہ بازیاں کرنے والوں کا بیان ہے۔ گویا یہ آیات بھی آپ کی واپسی سے پہلے نازل ہو گئیں تھیں۔ جن میں ان کی بہانہ بازیوں کی پیش گوئی کی گئی ہے اور **قل لا تعتذروا الخ** سے جواب کی تعلیم ہے اور اس کے عذاب کی وعید ہے۔ اس کے بعد آیت

الاعراب الخ سے دیہاتی منافقین کی برائی اور مسلمان دیہاتیوں کی تعریف کی جارہی ہے۔

﴿تشریح﴾:............**آیت میں منافقین کے حلف کی دوغرضیں اور تین حکم جمع کرنے کی توجیہ**:............

منافقین کے حلف اور عذر کرنے کی دوغرضیں بیان فرمائیں گئی ہیں۔ایک جہادی مہم سے چھٹکارا پانا۔دوسرے مسلمانوں کی خوشنودی حاصل کرنا۔لیکن اس کے متعلق حکم تین بیان فرمائے جارہے ہیں۔ایک لاتعتذروا اور دوسرے اعرضوا تیسرے اللہ کی ناراضگی۔ پس ممکن ہے بعض کی غرض اول ہو اور بعض کی غرض دوسری۔یا ظاہر میں تو سب کی غرض اول ہو اور باطن میں دوسری غرض مقصود ہو۔یا سب کی اصلی غرض تو رضا ہوگی اور آخری درجہ میں اعراض۔اسی طرح تینوں احکام کے جمع ہونے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دل سے تو رضامندی اور زبان سے اول تو لا تعتذروا ہو اور اس کے بعد اعراض ہو۔

مسلمان اور کافر ومنافق دیہاتیوں میں فرق:............دیہاتی منافقین کی برائی اور مسلمان دیہاتیوں کی تعریف کی بنیاد یہ ہے کہ اول قسم کے لوگ تو اسباب علم سے دور رہتے ہیں۔اس لئے ان میں خشوع وخضوع اور ایمان سے بھی دوری رہتی ہے برخلاف دوسری قسم کے لوگوں کے۔وہ خود اہل علم کے پاس آتے جاتے ہیں۔جس سے ان میں تواضع، کسر نفسی، کمال ایمان کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔پس دیہاتی ہونے میں اگرچہ دونوں برابر ہیں مگر دونوں میں یہ فرق ہے۔

لفظ مغرما پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ پھر خوشدلی کے بغیر کسی کا مال لینا نہیں چاہیئے؟

جواب یہ ہے کہ اول تو اسلام میں ایسا مال کسی سے لیا نہیں جاتا تھا۔دوسری بات یہ ہے کہ یہ اعتقادی کراہت ثواب کا اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے تھی اور تقیہ کی بنیاد پر تھی جس میں منافع بھی طبعاً مرغوب ومطلوب تھے۔اس لئے یہ اعتقادی ناگواری طبعی خوشدلی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔البتہ اگر دینے والے میں ریا ہو تو لینے والے کو لینا حرام نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ممکن ہے وہ اپنے طور پر خرچ کرتے ہوں جس میں لینے والے کو ان کی ناگواری کا پتہ نہ چلتا ہو

لطائف آیات:............آیت الاعراب الخ سے معلوم ہوا کہ صلحاء کی صحبت سے دور رہنا طریق خیر سے دور رہنا ہے۔اس لئے طریقت میں صحبت صلحاء کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔آیات ومن الاعراب الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے کو مال کا مالک سمجھے گا اس کو خرچ کرنا تاوان معلوم ہوگا۔لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کو مالک سمجھے اور ان چیزوں کو اپنے پاس بطور عاریت سمجھے گا اسے خرچ کرنا بسا غنیمت معلوم ہوگا۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَهُمْ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا اَوْ جَمِيْعُ الصَّحَابَةِ **وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ** اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **بِاِحْسَانٍ** فِى الْعَمَلِ **رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** بِطَاعَتِهٖ **وَرَضُوْا عَنْهُ** بِثَوَابِهٖ **وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ** وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِزِيَادَةِ مِنْ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ** ﴿۱۰۰﴾ **وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ** يَا اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ **مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ** كَاَسْلَمَ وَاَشْجَعَ وَغِفَارٍ **وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ** مُنَافِقُوْنَ اَيْضًا **مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ** لَجُّوْا فِيْهِ وَاسْتَمَرُّوْا **لَا تَعْلَمُهُمْ** خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ بِالۡفَضِيۡحَةِ اَوِ الۡقَتۡلِ فِي الدُّنۡيَا وَعَذَابِ الۡقَبۡرِ **ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ** فِي الۡاٰخِرَةِ **اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾** هُوَ النَّارُ **وَ**قَوۡمٌ **اٰخَرُوۡنَ** مُبۡتَدَأٌ **اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ** مِنَ التَّخَلُّفِ نَعۡتُهٗ وَالۡخَبَرُ **خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا** وَهُوَ جِهَادُهُمۡ قَبۡلَ ذٰلِكَ **وَّاٰخَرَ سَيِّئًا** وَهُوَ تَخَلُّفُهُمۡ **عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۰۲﴾** نَزَلَتۡ فِيۡ اَبِيۡ لُبَابَةَ وَجَمَاعَةٍ اَوۡثَقُوۡا اَنۡفُسَهُمۡ فِيۡ سَوَارِي الۡمَسۡجِدِ لَمَّا بَلَغَهُمۡ مَا نُزِّلَ فِي الۡمُتَخَلِّفِيۡنَ وَحَلَفُوۡا اَنۡ لَّا يَحُلَّهُمۡ اِلَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَحَلَّهُمۡ لَمَّا نَزَلَتۡ **خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا** مِنۡ ذُنُوۡبِهِمۡ فَاَخَذَ ثُلُثَ اَمۡوَالِهِمۡ وَتَصَدَّقَ بِهَا **وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ** اُدۡعُ لَهُمۡ **اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ** رَحۡمَةٌ **لَّهُمۡ** وَقِيۡلَ طُمَانِيۡنَةٌ بِقَبُوۡلِ تَوۡبَتِهِمۡ **وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَاۡخُذُ** يَقۡبَلُ **الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ** عَلٰى عِبَادِهٖ بِقَبُوۡلِ تَوۡبَتِهِمۡ **الرَّحِيۡمُ ﴿۱۰۴﴾** بِهِمۡ وَالۡاِسۡتِفۡهَامُ لِلتَّقۡرِيۡرِ وَالۡقَصۡدُ بِهٖ تَهۡيِيۡجُهُمۡ اِلَى التَّوۡبَةِ وَالصَّدَقَةِ **وَقُلِ** لَهُمۡ اَوۡ لِلنَّاسِ **اعۡمَلُوۡا** مَا شِئۡتُمۡ **فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَسَتُرَدُّوۡنَ** بِالۡبَعۡثِ **اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ** اَيِ اللّٰهِ **فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾** فَيُجَازِيۡكُمۡ بِهٖ **وَاٰخَرُوۡنَ** مِنَ الۡمُتَخَلِّفِيۡنَ **مُرۡجَوۡنَ** بِالۡهَمۡزَةِ وَتَرۡكِهٖ مُؤَخَّرُوۡنَ عَنِ التَّوۡبَةِ **لِاَمۡرِ اللّٰهِ** فِيۡهِمۡ بِمَا يَشَاءُ **اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ** بِاَنۡ يُّمِيۡتَهُمۡ بِلَا تَوۡبَةٍ **وَاِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ** بِخَلۡقِهٖ **حَكِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾** فِيۡ صُنۡعِهٖ بِهِمۡ وَهُمُ الثَّلَاثَةُ الۡاٰتُوۡنَ بَعۡدُ مِرَارَةُ بۡنُ الرَّبِيۡعِ وَكَعۡبُ بۡنُ مَالِكٍ وَهِلَالُ بۡنُ اُمَيَّةَ تَخَلَّفُوۡا كَسَلًا وَمَيۡلًا اِلَى الدَّعَةِ لَا نِفَاقًا وَلَمۡ يَعۡتَذِرُوۡا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ كَغَيۡرِهِمۡ فَوُقِّفَ اَمۡرُهُمۡ خَمۡسِيۡنَ لَيۡلَةً وَهَجَرَهُمُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَلَتۡ تَوۡبَتُهُمۡ بَعۡدُ **وَ**مِنۡهُمۡ **الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا** وَهُمۡ اِثۡنَا عَشَرَ مِنَ الۡمُنَافِقِيۡنَ **ضِرَارًا** مُضَارَّةً لِاَهۡلِ مَسۡجِدِ قُبَاءٍ **وَّكُفۡرًا** لِاَنَّهُمۡ بَنَوۡهُ بِاَمۡرِ اَبِيۡ عَامِرِ الرَّاهِبِ لِيَكُوۡنَ مَعۡقِلًا لَهٗ يَقۡدَمُ فِيۡهِ مَنۡ يَّاۡتِيۡ مِنۡ عِنۡدِهٖ وَكَانَ ذَهَبَ لِيَاۡتِيَ بِجُنُوۡدٍ مِنۡ قَيۡصَرَ لِقِتَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ **وَّتَفۡرِيۡقًا بَيۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ** الَّذِيۡنَ يُصَلُّوۡنَ بِقُبَاءٍ بِصَلٰوةِ بَعۡضِهِمۡ فِيۡ مَسۡجِدِهِمۡ **وَاِرۡصَادًا** تَرَقُّبًا **لِّمَنۡ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ مِنۡ قَبۡلُ** اَيۡ قَبۡلَ بِنَائِهٖ **وَ** هُوَ اَبُوۡ عَامِرِ الۡمَذۡكُوۡرُ **لَيَحۡلِفُنَّ اِنۡ** مَا **اَرَدۡنَآ** بِبِنَائِهٖ **اِلَّا** الۡفِعۡلَةَ **الۡحُسۡنٰى** مِنَ الرِّفۡقِ بِالۡمِسۡكِيۡنِ فِي الۡمَطَرِ وَالۡحَرِّ وَالتَّوۡسِعَةِ عَلَى الۡمُسۡلِمِيۡنَ **وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾** فِيۡ ذٰلِكَ وَكَانُوۡا سَاَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَنۡ يُّصَلِّيَ فِيۡهِ فَنَزَلَ **لَا تَقُمۡ** تُصَلِّ **فِيۡهِ اَبَدًا** فَاَرۡسَلَ جَمَاعَةً هَدَمُوۡهُ وَحَرَّقُوۡهُ وَجَعَلُوۡا مَكَانَهٗ كُنَاسَةً تُلۡقٰى فِيۡهَا الۡجِيَفُ **لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ** بُنِيَتۡ قَوَاعِدُهٗ **عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ** وُضِعَ يَوۡمَ حُلِلۡتَ بِدَارِ

الْهِجْرَةِ وَهُوَ مَسْجِدُ قُبَاءٍ كَمَا فِي الْبُخَارِيِّ **أَحَقُّ** مِنْهُ **أَنْ** أَيْ بِأَنْ **تَقُومَ** تُصَلِّيَ **فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ** هُمُ الْاَنْصَارُ **يُحِبُّونَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ**﴿۱۰۸﴾ أَيْ يُثِيبُهُمْ وَفِيهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الطَّاءِ رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيحِهِ عَنْ عُوَيْمِرِ بْنِ سَاعِدَةَ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَدْ أَحْسَنَ عَلَيْكُمُ الثَّنَاءَ فِي الطُّهُورِ فِي قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ فَمَا هٰذَا الطُّهُورُ الَّذِي تَطَهَّرُونَ بِهِ فَقَالُوا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا نَعْلَمُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُ كَانَ لَنَا جِيرَانٌ مِنَ الْيَهُودِ فَكَانُوا يَغْسِلُونَ أَدْبَارَهُمْ مِنَ الْغَائِطِ فَغَسَلْنَا كَمَا غَسَلُوا وَفِي حَدِيثٍ رَوَاهُ الْبَزَّارُ فَقَالُوا كُنَّا نَتْبَعُ الْحِجَارَةَ بِالْمَاءِ فَقَالَ هُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوهُ **اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى** مَخَافَةٍ **مِنَ اللّٰهِ** وَرَجَاءِ **رِضْوَانٍ** مِنْهُ **خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا** طَرَفِ **جُرُفٍ** بِضَمِّ الرَّاءِ وَسُكُونِهَا جَانِبٍ **هَارٍ** مُشْرِفٍ عَلَى السُّقُوطِ **فَانْهَارَ بِهٖ** سَقَطَ مَعَ بَانِيهِ **فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ** خَيْرٌ تَمْثِيلٌ لِلْبِنَاءِ عَلَى ضِدِّ التَّقْوٰى بِمَا يَؤُلُ إِلَيْهِ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ أَيِ الْاَوَّلُ خَيْرٌ وَهُوَ مِثَالُ مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَالثَّانِي مِثَالُ مَسْجِدِ الضِّرَارِ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ**﴿۱۰۹﴾ **لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً** شَكًّا **فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ** تَنْفَصِلَ **قُلُوْبُهُمْ** بِأَنْ يَمُوتُوا **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ** بِخَلْقِهِ **حَكِيْمٌ**﴿۱۱۰﴾ فِي صُنْعِهِ بِهِمْ۔

ترجمہ:........اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ پہل کرنے والے ہیں (اس سے مراد شہدائے بدر ہیں یا تمام صحابہؓ) اور جتنے لوگ (قیامت تک) اخلاص اور راست بازی کے ساتھ (عمل میں) اس کی پیروی کرنے والے ہیں۔ تو اللہ ان سب سے (ان کی اطاعت سے) راضی ہوا اور وہ سب اس سے (اس کے ثواب سے) خوش ہیں اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں (اور ایک قرأت میں لفظ من زیادہ ہے) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی اور تمہارے آس پاس (اے مدینہ والوں) کچھ دیہاتی منافق (جیسے قبیلہ اسلم اور اشجع اور غفار کے لوگ) اور کچھ مدینہ والوں میں (بھی ایسے منافق) بستے ہیں جو نفاق میں پوری طرح مشاق ہو گئے ہیں (حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں اور اس پر ڈٹے رہتے ہیں) آپ انہیں نہیں جانتے (نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے) ان کو تو ہم ہی جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہری سزا دیں گے۔ (دنیا میں ان کی تھکا فضیحتی ہوگی اور قتل ہوں گے اور قبر میں جا کر گرفتار عذاب ہوں گے) پھر وہ (آخرت میں) بڑے بھاری عذاب (جہنم) کی طرف بھیجے جائیں گے اور کچھ اور لوگ ہیں (یہ مبتداء ہے) جنہوں نے اپنی غلطیوں کو مان لیا ہے (جہاد میں نہ جانے کے متعلق یہ مبتداء کی صفت ہے اور خبر آگے ہے) انہوں نے ملے جلے کام کئے تھے۔ کچھ اچھے (اس سے پہلے جہاد میں شریک ہونا۔ یا حالیہ غلطیوں کا اقرار کر لینا۔ یا دوسری اچھائیاں) اور کچھ برے (یعنی حالیہ جہاد میں شریک نہ ہونا) تو کچھ بعید ہے کہ ان پر توجہ مبذول فرمائے۔ بلاشبہ اللہ بڑے ہی بخشنے والے بڑی ہی رحمت والے ہیں (اگلی آیت.....ابولبابہ جیسے حضرات کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا۔ جب انہیں جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کے بارے میں وعیدوں کا نازل ہونا معلوم ہوا اور انہوں نے حلف اٹھایا کہ جب تک نبی کریم ﷺ ہی ہمیں نہیں کھولیں گے یونہی بندھے رہیں گے۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو آپؐ نے اپنے دست

مبارک سے انہیں کھول ڈالا) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ قبول کر لیجئے۔ جس کے ذریعہ آپ انہیں پاک صاف کر دیں گے (ان کی خطاؤں سے۔ چنانچہ آپ نے تہائی مال ان سے لے کر صدقہ کر دیا) نیز آپ ان کے حق میں دعائے خیر کیجئے۔ (انہیں دعائے برکت دے دیجئے) یقیناً آپ کی دعا ان کے دلوں کے لئے سکون (راحت) ہے (اور بعض کی رائے میں اس کے معنی قبولیت توبہ کے اطمینان کرنے کے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہی (اپنے بندوں کی توبہ) زیادہ سے زیادہ قبول کرنے والا ہے اور بڑا ہی رحمت والا ہے (ان پر یہاں استفہام تقریری ہے اور مقصد توبہ اور صدقہ کی ترغیب دینا ہے) اور آپ (ان سے یا عام لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ (جیسے چاہو) عمل کئے جاؤ۔ اب اللہ دیکھ لے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے۔ اور ضرور تمہیں اسی کے پاس (قیامت میں) جانا ہے۔ جس کے علم سے نہ تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے اور نہ چھپی ہوئی (یعنی اللہ) سو وہ تمہیں تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا (پس وہ تمہیں اس پر بدلہ دے گا) اور کچھ اور لوگ ہیں (جہاد میں نہ شریک ہونے والوں میں سے) جن کا معاملہ ملتوی ہے (یہ لفظ ہمزہ اور بلا ہمزہ کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی توبہ کا معاملہ معلق ہے) اللہ کا حکم آنے تک (ان کے بارے میں جو چاہے حکم فرما دے۔ وہ انہیں عذاب دے (بلا توبہ موت دے کر) یا ان کی توبہ قبول فرمالے اور اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کو) خوب جاننے والے ہیں (ان کے ساتھ کارروائی کرنے میں) بڑی حکمت والے ہیں (اور وہ تین حضرات تھے جو ابھی تک نہیں آ سکے۔ مرارہ بن ربیعؓ۔ کعبؓ بن مالک۔ ہلالؓ بن امیہ۔ یہ لوگ کسل مندی اور آرام طلبی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے یہ منافق نہیں تھے۔ مگر دوسروں کی طرح آنحضرت ﷺ کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر بھی نہ ہو سکے جس کی وجہ سے ان کا معاملہ پچاس روز تک لٹکا رہا اور تمام صحابہؓ نے ان کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ پھر ان کی توبہ قبول ہوگئی) اور (منافقین میں سے بعض لوگ) وہ بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنا کھڑی کی (وہ بارہ منافقین تھے) اس غرض سے کہ نقصان پہنچائیں (مسجد قبا والوں کو ضرر پہنچانے کے لئے) اور کفر کریں (ابو عامر راہب کے مشورہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی۔ تا کہ اس کے لئے یہ ایک سازش گاہ بن سکے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو اس کے پاس آئیں جائیں۔ اور ابو عامر قیصر روم کے پاس نبی کریم ﷺ کے خلاف فوج کشی کرانے کے لئے گیا ہوا تھا) اور ایمان داروں میں تفرقہ ڈالیں (مسجد قبا کے نمازیوں کو توڑنے کے لئے) اور ان لوگوں کے لئے کمین گاہ بنائیں جو آج سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں (یعنی اس مسجد ضرار کے بنانے سے پہلے۔ اس سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے) وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے ہمارا مطلب (اس کے بنانے سے) اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی (کا کام) ہو (بارش اور گرمی کے موسم میں غریبوں کے لئے آسانی اور مسلمانوں کے لئے سہولت ہو) اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں (اس بارے میں ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے اس مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تھی۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی) تم کبھی اس مسجد میں (نماز پڑھنے کے لئے) کھڑے نہ ہونا (چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کی ایک جماعت بھیج کر اس مسجد کو شہید کرا دیا اور آگ لگوا دی اور وہاں کوڑا کباڑ، مردار چیزیں پھینکوا دیں) البتہ جس مسجد کی بنیاد ''داغ بیل'' اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مسجد قبا مراد ہے جس کی بنیاد ہجرت کے سلسلہ میں تشریف آوری کے وقت رکھی گئی تھی۔ جیسا کہ بخاری میں ہے) وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں۔ وہاں ایسے آدمی ہیں (انصار) کہ وہ خوب پاک وصاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں (یعنی انہیں ثواب دیں گے۔ لفظ **یتطھرون** میں دراصل تا کا ادغام طا میں ہو رہا ہے ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں عویمرؓ بن ساعدہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اہل قبا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تمہاری مسجد کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاکی کی تعریف کی ہے۔ تو وہ کون سی پاکی ہے۔ جس کو تم

کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ: اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ خبر نہیں کہ ہمارے پڑوس میں یہودی رہتے ہیں اور قضاء حاجت کے بعد آبدست لینے کے عادی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ہم بھی یہی کرنے لگے اور بزار کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ ہم لوگ ڈھیلوں یا پتھر کے ساتھ پانی کو بھی استعمال کرتے تھے۔ غرضیکہ آپؐ نے فرمایا کہ بس یہی بات ہے۔ لہٰذا آئندہ بھی تم اس پر کاربند رہو) کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی خوشنودی (کی امید) پر رکھی یا وہ جس نے ایک کھائی (گھاٹی) کے کنارہ پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی (لفظ جرف ضم راء اور سکون راء کے ساتھ ہے کنارہ کے معنی میں) جو گرنے ہی کو ہے (گرنے کے قریب ہے) پھر وہ اس کو لے کر (بنانے والے سمیت) جہنم کی آگ میں گر پڑی (کیا وہ بہتر ہے۔ یہ مثال ہے اس عمارت کی جو تقویٰ کے خلاف بنیاد پر بنائی گئی ہو اور استفہام تقریری ہے یعنی اول بہتر ہے جس کی مثال مسجد قبا ہے۔ دوسری جس کی مثال "مسجد ضرار" ہے) اور اللہ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتے یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ ہاں مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں (یہ مر جائیں) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں (اپنی مخلوق کے بارے میں) اور (ان کے ساتھ کارروائی میں) بڑی حکمت والے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... **من المھاجرین** ابن عباسؓ اور ابن المسیبؒ کی رائے ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور تمام صحابہؓ کے سابقون اولون ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ باقی تمام مسلمانوں سے مقدم ہیں۔

لاتعلمھم دوسری آیت میں **ولتعرفنھم الخ** فرمایا گیا۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض کا جواب یہ ہے کہ انکار کی آیت پہلے ہے اور اثبات کی بعد کی۔

واٰخرون تبوک میں نہ جانے والے لوگ تین طرح کے تھے (۱) جو اپنے نفاق پر ڈٹے رہے جن کا ذکر **وممن حولکم الخ** میں گذر چکا ہے (۲) جنہوں نے بعد میں حاضر ہو کر معذرت وتوبہ کر لی اس آیت میں یہی لوگ مراد ہیں (۳) جو لوگ معذرت کرنے بھی نہیں آئے جن کا ذکر **واٰخرون مرجون الخ** میں آ رہا ہے۔

عسی اللہ قرآن کریم میں کلمات ترجی تحقیق کے معنی میں آتے ہیں۔ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ محض اپنے فضل سے توبہ قبول کرتا ہے۔ کچھ اس پر واجب نہیں ہے۔ بہر حال کریم کا طمع دلانا بھی دوسروں کے یقینی وعدوں سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔

اوثقوا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دس آدمی تبوک میں نہیں جا سکے تھے۔ جن میں سے سات نے خود کو ستون مسجد سے باندھ لیا۔ جلال محققؒ ابولبابہؓ کے ستون سے بندھنے کے واقعہ کو سورۂ انفال میں آنحضرت ﷺ کے افشاء راز کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں۔ جس پر آیت **یا ایھا الذین اٰمنوا لا تخونوا اللہ الخ** نازل ہوئی تھی اور یہاں تبوک کے سلسلہ میں بھی نقل کر رہے ہیں پس ممکن ہے مفسر علامؒ نے ان دونوں موقعوں میں ان کی شرکت مانی ہو۔

وصل علیھم صاحب مدارکؒ فرماتے ہیں کہ صدقات وصول کرنے والوں کو چاہیئے کہ صدقہ دینے والوں کے حق میں صدقہ لینے کے وقت دعائے خیر وبرکت کر دیا کریں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاکم اور افسر کو چاہیئے کہ "**اجرک اللہ فیما اعطیت وجعلہ طھورا وبارک لک فیما ابقیت ثم رغب اللہ فی ذٰلک**" کہنا چاہیئے۔ شرح اصول ابن حاجب میں لکھا ہے کہ آیت **خذ من اموالھم** سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ہر نوع مال کو صدقہ لینا چاہیئے۔ جیسا کہ ہماری رائے ہے کیونکہ جب ایک قسم مال سے صدقہ لے لیا تو **خذ من اموالھم** پر عمل ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ ایک درہم ودینار بھی تو آخر مال ہی ہے۔ پس ان میں سے بھی صدقہ لینا

چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں اس سے معلوم ہوا کہ مال کی ہر قسم مراد نہیں ہے۔ دوسرے اکثر حضرات کی رائے اس کے خلاف ہے اور مبنی اختلاف یہ ہے کہ اموال کی اضافت مفید استغراق ہے یا نہیں۔ البتہ من تبعیضیہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نہ سب مال لو اور نہ سب چھوڑو۔

تطھرھم اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال ایک طرح کا میل کچیل ہوتا ہے۔ جس کو "اوساخ الناس" فرمایا گیا ہے پس وضو کے پانی کی طرح ہوگا زکوٰۃ کا روپیہ ہے تو سید ہاشمی اور مالدار اور ذمی کو لینا حرام ہے لیکن نفلی صدقات لینے حرام نہیں ہیں ان میں میل کم ہوتا ہے۔

اور لفظ "**یاخذ الصدقات**" سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل لینے والا اللہ ہی ہوتا ہے۔ **ان الصدقة تقع فی کف الرحمٰن قبل ان تقع فی کف الفقیر** ضرورت کی وجہ سے مخصوص بندوں کو مصرف بنا دیا گیا ہے گویا اللہ کے وعدہ **وما من دآبة فی الارض الا علی اللّٰہ رزقھا** کے پورا کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ مالداروں سے وہ غریبوں کو دلا دیتا ہے۔ نیز غیر منقسم چیز کا ہبہ اگر چہ جائز نہیں ہے لیکن مشاع چیز کا صدقہ درست ہے۔ کیونکہ صدقہ لینے والا دراصل ایک ہی ہے یعنی اللہ۔ اس میں مشاع نہیں۔ برخلاف ہبہ کے اس میں اغنیاء متعدد ہو سکتے ہیں۔

خمسین لیلة سفر تبوک کی مدت بھی اتنی ہی ہے غیر حاضری کے مطابق ہی سزا ملی۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ سے مراد مسجد قباء ہے ہجرت کر کے اول آنحضرت ﷺ یہیں فروکش ہوئے تھے اور پیر سے جمعہ تک قیام فرمایا تھا اور بعض نے مسجد نبوی مراد لی ہے۔ ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا **ھو مسجد کم ھٰذا مسجد المدینة** صاحب مدارک کی رائے ہے کہ بعض کے نزدیک جو مسجد رضاء الٰہی کے علاوہ کسی اور غرض سے بنائی جائے۔ مثلاً فخر و مباہات ریاء و سمع پیش نظر ہو یا حرام مال سے بنائی جائے تو وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔

عطاء سے مروی ہے کہ فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر جب شہر کے شہر فتح ہونے لگے تو آپ نے حکم دیا تھا کہ ایک شہر میں دو دو مسجدیں اس طرح نہ بنائی جائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان ہو۔ علمائے اصول فرماتے ہیں کہ مغصوبہ زمین میں نماز، نماز ہونے کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے بلکہ دوسرے کی زمین مشغول رکھنے کی وجہ سے لغیرہ ممنوع ہے لیکن چونکہ زمین اور جگہ کا تعلق نماز سے ایسا تو ہے نہیں جیسے وقت کا تعلق نماز روزہ سے ہوتا ہے اس لئے اوقات مکروہہ میں نماز جس طرح مکروہ ہے نہ تو مغصوب زمین میں اس طرح مکروہ ہوتی ہے اور نہ عید کے دن روزہ جس طرح فاسد ہو جاتا ہے اس طرح مغصوب جگہ میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ان یتطھروا الخ اس میں پانی سے استنجے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ کیونکہ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا ڈھیلوں اور پانی دونوں سے استنجا کرنے کی وجہ سے تعریف کی گئی ہو یا ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کرنے کی وجہ سے اظہار پسندیدگی کیا گیا ہوگا۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ کی رائے ہے لیکن یہ استحباب اور افضلیت اس وقت ہے جب کہ نجاست اپنے مقام سے آگے نہ بڑھے اور اگر ادھر ادھر بھی پھیل جائے تو پھر پانی کا استعمال واجب ہو جائے گا۔ اس آیات سے علمائے اصول نے یہ سمجھا ہے کہ شرم گاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ پانی سے استنجا کرنا جب قابل تعریف ہے تو اس میں ہاتھ کا بدن کو لگنا عادۃً ضروری ہے۔ پس اگر اس ہاتھ لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا۔ تو پھر تعریف کے کیا معنی؟ فی نفسہ یہ استدلال اگر چہ مضبوط نہیں ہے۔ تاہم امام شافعیؒ پر الزام ہو سکتا ہے۔ البتہ یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ استنجے کے معنی تو پاخانہ کے بعد پاکی کے ہیں اور پیشاب کے بعد طہارت کو استبراء کہا جاتا ہے۔ پس اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف بڑے استنجے کا ہے۔ چھوٹے استنجے کا نہیں ہے۔ حالانکہ علمائے اصول کی رائے یہ ہے کہ دونوں استنجوں کا حکم یہی ہے۔

پس کہا جائے گا کہ فقہاء کے نزدیک یہی عام حکم ہی مراد ہے۔ البتہ بڑا استنجا چونکہ زیادہ تفصیل کا محتاج ہے اس لئے فقہاء کو

بیان کرنا پڑا کہ پہلا ڈھیلا پیچھے کو لے جائے اور دوسرے کو پہلے کے برخلاف پھیرے۔ اور تیسرے کو پہلے کی طرح استعمال کرے اور یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ تفصیل کسی مخصوص استنجے کی ہے۔ **فارسل جماعة** اس سے مراد مالک بن دخشم، معن بن عدی، عامر بن السکن وحشی ہیں جنہوں نے مسجد ضرار کو جاکر شہید کیا۔ **یوم حللت** اگر قباء میں آپ کا قیام چار روز رہا تو پیر سے جمعہ تک آپ کا قیام رہا اور یہ آنحضرت ﷺ نے پہلا جمعہ پڑھا تھا اور بعض نے چودہ روز اور بعض نے بائیس روز قیام بتلایا ہے۔

ان یتطهروا طہارت معنوی اور حسی دونوں مراد ہیں یا ایک۔

ربط آیات:......... اس سے پہلی آیت میں دیہاتی مسلمانوں کا ذکر تھا۔ یہاں عام مسلمانوں کا ذکر کیا جا رہا ہے پہلے افضل لوگوں کا اور بعد میں کم درجہ لوگوں کا۔ آیات **وممن حولکم الخ** سے ان منافقین کا ذکر ہے جن کا نفاق آنحضرت ﷺ کو بھی معلوم نہیں تھا۔ اس کے بعد آیت **واٰخرون اعترفوا الخ** میں ان مسلمانوں کا بیان جو محض سستی اور کاہلی سے تبوک میں نہیں جا سکے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی خدمت میں معذرت پیش کرنے کے لئے حاضر تو نہیں ہوئے البتہ خود کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ اور آیت **واٰخرون مرجون الخ** سے ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے نہ معذرت کی اور نہ خود کوئی سزا نفس کو دی۔ اس کے بعد آیت **والذین اتخذوا الخ** سے مسجد ضرار کا واقعہ اور اس کا حکم ذکر کیا گیا ہے۔

شان نزول:......... ان مختلف آیات کے اسباب نزول کی طرف خود مفسر علامؒ نے اشارہ فرمادیا ہے۔

﴿تشریح﴾:......... صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ میں درجہ بدرجہ فرق مراتب:......... لفظ **سابقون الاولون** میں تمام انصار و مہاجرین صحابہؓ داخل ہوگئے اور **الذین اتبعوهم الخ** میں باقی تمام مسلمان آگئے۔ اس طرح کہ اول وہ صحابہؓ جو مہاجرینؓ و انصارؓ کے علاوہ ہیں وہ داخل ہوگئے۔ کیونکہ بعد میں ہجرت فرض نہیں رہی تھی۔ ان کے بعد پھر تابعینؒ اور تبع تابعینؒ آگئے۔

ان کے باہمی فضل و کمال میں ترتیب کے لحاظ سے یہی فرق رہے گا اور اولیت بعد والوں کے اعتبار سے تو اس لئے باعث فضیلت ہے ہی کہ یہ حضرات بانی نیکی ہونے کے لحاظ سے حدیث **من سن سنة حسنة الخ** اور **الدال علی الخیر کفاعله** کا مصداق ہیں۔ اگر چہ بعد والے پہلے زمانہ میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ایمان لانے پر قادر نہیں تھے۔ لیکن دوسرے معاصرین کے اعتبار سے اول لوگوں کا شرف اس لئے ہے کہ قدرت حاصل ہونے کے باوجود دوسرے لوگ ایمان لانے میں پیچھے کیوں رہے اور فرق مراتب ہی کے اعتبار سے ان حضرات کی جزاؤں میں بھی فرق ہوگا اور سابقون میں احسان کی قید اس لئے نہیں لگائی کہ ان کا مہاجر اور ناصر ہونا ہی احسان پائے جانے کی کافی دلیل ہے۔

سنعذبهم الخ میں **ثم یردون الخ** کے مقابل ہونے کی وجہ سے آخرت سے پہلا زمانہ مراد لیا جائے گا۔ جس میں دنیا کی زندگی اور برزخی زندگی دونوں آجائیں گی۔ پس دنیاوی اعتبار سے تو دوسرے منافقین کی نسبت ان منافقین کو دونا عذاب اس لئے ہے۔ کہ جن کا نفاق کھل گیا ان کا معاملہ تو ایک طرف ہوا۔ مگر جن کا نفاق ابھی نہیں کھلا انہیں ہر وقت کی پریشانی اور بے چینی ہے کہ کہیں اب بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ کہیں اب قلعی نہ کھل جائے۔ اس لئے ہر وقت اخفاء کی فکر میں رہتے ہیں۔ برخلاف دوسرے منافقین کے کہ وہ اس فکر سے تو بے فکر ہوگئے...... اور اخروی عذاب کا دوگنا ہونا تو ظاہر ہے۔ بہر حال چونکہ نفاق کا مدار اخفاء پر ہوتا ہے۔ اور یہ اخفاء میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ کی ذکاوت و ذہانت کی گرد کو بھی کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن حد ہوگئی کہ انہوں نے آج تک آپ کو بھی پتہ چلنے نہیں دیا۔ اس لئے یہ نفاق میں سب سے بڑھے ہوئے نکلے۔

تبوک میں نہ جانے والے صحابہؓ کی دو قسمیں:............مخلص صحابہؓ میں جو لوگ محض سستی اور کاہلی سے تبوک میں نہیں جاسکے۔ ان میں سے بعض نے اگرچہ حاضر خدمت ہو کر معذرت نہیں کی۔ لیکن بطور خود اپنے نفس کو مسجد کے ستونوں سے باندھ کر انہوں نے سزا لے لی۔ آیت آخرون اعترفوا الخ میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی رہے جنہوں نے نہ حاضر ہو کر معذرت کی اور نہ بطور خود کوئی سزا دی۔ آیت اٰخرون مرجون الخ میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہے۔

چند تحقیقات:............ان آیتوں میں چند باتیں غور طلب ہیں (۱) گناہ اگرچہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اس گناہ کی ظلمت کا کچھ اثر باقی رہتا ہے۔ جو اگرچہ قابل مواخذہ نہ ہو۔ مگر آئندہ گناہ اور برائی کا اندیشہ رہتا ہے۔ جس کے لئے کسی بھی نیک عمل کا کرنا اس اثر اور کدورت کے ازالہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ بالخصوص صدقہ جس کے لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ الصدقۃ تطفیٔ غضب الرب اس کدورت کے ازالہ میں مؤثر سمجھا گیا ہے۔ اسی لئے خذ من اموالھم صدقۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) جہاد اگرچہ فی نفسہ فرض کفایہ تھا فرض عین نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے نہ جانا گناہ ہوتا یا عذاب کا احتمال ہوتا۔ مگر آنحضرت ﷺ کے فرما دینے کے بعد فرض عین ہو گیا۔ چنانچہ امام وقت کی طرف سے عام دعوت کے بعد جہاد میں جانا فرض عین ہو جاتا ہے۔ اس لئے پہلی جماعت کی طرف سے سوء عملی کی نسبت فرمائی اور دوسری جماعت کی طرف عذاب کا خطرہ بتلایا ہے۔

(۳) صدقہ دینے والے کے لئے مناسب دعائیہ کلمات ہونے چاہئیں۔ البتہ "اللّٰھم صل علیٰ فلان" اس لئے مناسب نہیں کہ اس سے نبوت کی طرف ایہام ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں لغوی معنی کے اعتبار سے استعمال ہو رہا ہے۔ نیز اس وقت یہ عرفی معنی تھے بھی نہیں جس سے غلط ایہام ہوتا۔

(۴) بعض اوقات توبہ چونکہ شرائط کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس لئے دوسری جماعت کے لئے توبہ کی قبولیت اور عذاب دونوں کا احتمال بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ آیت دوسری آیات توبہ کے خلاف نہیں ہے۔

مسجد ضرار کا واقعہ:............"مسجد ضرار" کے واقعہ کی طرف خود جلال محققؒ اشارہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی نیت فاسد سے کچھ منافقین نے یہ مسجد تیار کر کے کھڑی کر دی تھی اور نہایت ہی معصومانہ انداز سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں برکت کے لئے دوگانہ پڑھنے کے لئے تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت تو تبوک کی مہم سر پر ہے واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن واپسی پر حق تعالیٰ نے حقیقت واشگاف کر دی۔ تو آپؐ نے مالک بن دخشم معن بن عدی، عامر بن السکنی، وحشی کو بھیجا اور مسجد کو گروا کر آگ لگوا دی۔ حالانکہ مسجد جس کو "خیر البقاع" فرمایا گیا ہے۔ اس کا بنانا جس درجہ مستحسن ہو سکتا ہے۔ وہ حدیث من بنیٰ للّٰہ مسجدا بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنۃ سے ظاہر ہے لیکن بری نیت کی وجہ سے ایک بہترین کام بدترین شمار کر لیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل حاطب بن ابی بلتعہؓ غزوۂ بدر کے موقعہ پر مکہ کے کافر دشمنوں کو آنحضرت ﷺ کے عزائم سے باخبر کر کے ایسا خطرناک جرم کرتے ہیں۔ جس کی سزا فوجی دنیا میں موت سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے صحابہؓ سن کر بے حد افروختہ اور مشتعل ہو جاتے ہیں اور فاروق اعظمؓ جیسا صاف دل و دماغ اور صاف گو جرنیل چیخ اٹھتا ہے کہ "افلا نضرب عنقہ" لیکن زبان رسالت اس کی حسن نیت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس کی بات تسلیم کر کے اس کے عذر کی تصدیق کرتی ہے۔ بلکہ اس کو پروانۂ خوشنودی ورضا بھی عطا کر دیا جاتا ہے۔ پس اتنا بدترین عمل لیکن حسن نیت کی بدولت جائز و معقول قرار پاتا ہے۔ یہی مطلب ہے حدیث انما الاعمال بالنیات اور انما لامرئ ما نوی الخ کا۔

صاحب مدارک کی رائے پر تنقید:............ مسجد ضرار کے اس واقعہ سے تفاخر وریا کی نیت سے بنائی جانے والی مسجد کو بعض حضرات کا مسجد نہ سمجھنا محل کلام ہے۔ کیونکہ مسجد ضرار میں تو اصل نیت ہی مسجد بنانے کی نہیں تھی۔ بلکہ دوسری آباد مساجد اور دین کی بیخ کنی مقصود تھی۔ اس لئے وہ مسجد نہیں سمجھی گئی۔ لیکن شہرت ونام آوری اور دکھلاوے کی نیت سے مسجد بنانے میں مسجد بنانے کی نیت تو رہتی ہے ہاں اس میں ایک خرابی بھی شامل ہوگئی ہے۔ اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ جب کہ ایک جگہ تو فساد عقیدہ اور دوسری جگہ صرف فساد نیت پس ظاہری احکام کے اعتبار سے اس کو مسجد ہی کہا جائے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں مقبولیت نہ ہو۔ مسجد ہونے اور مقبول بننے میں تلازم نہیں۔ نہ ایک طرف سے نہ دونوں جانب سے۔

کیا منافقین کو مرنے کے بعد راحت مل جائے گی؟:............ آیت **الا ان تقطع قلوبھم** کے معنی محاورہ کے اعتبار سے دائمی حسرت کے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مرنے کے بعد انہیں راحت مل جائے گی۔ یا یہ کہا جائے کہ موت کے باوجود چونکہ قلب حقیقی مرتا نہیں۔ پس گویا چونکہ قلب کا قطع حقیقی کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دوام حسرت مراد ہو۔

ایک علمی شبہ کا ازالہ:............ ایک طرف احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق مسجد قباء والوں سے ہے اور آیت کا سیاق بھی بتلا رہا ہے کہ **لمسجد اسس علی التقوی** سے مراد اہل قبا ہی ہیں۔ مگر اس بارے میں بعض صحابہؓ کی باہمی گفتگو ہوئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے میری مسجد مراد ہے؟۔ اس علمی شبہ کا جواب یہ کہ آپ کا منشاء یہ تھا کہ اس میں مسجد قباء کی تخصیص نہیں۔ بلکہ مسجد نبوی بھی اس میں داخل ہے۔ رہا آیت کا سیاق تو کہا جائے گا کہ عبارت النص سے تو مسجد قبا ہی مراد ہے۔........ لیکن دلالۃ النص کی رو سے مسجد نبوی بھی اس میں داخل ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کی وجہ سے جب ایک مسجد میں یہ خوبی آگئی تھی تو خود صحابہؓ میں جس ذات قدسی کی بدولت نور کا ظہور ہوا۔ اس کی برکت سے خود اس کی بنائی ہوئی مسجد کے شرف وکمال کا کیا پوچھنا؟

لطائف آیات:............ آیت **لا تعلمھم الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ قلبی اعمال جیسی مخفی چیزوں کے جاننے کا دعویٰ کرنا کسی کے لئے بھی زیبا نہیں ہے اور ایسی آیات قوی دلیل ہیں کہ جو شخص صفاء قلب اور تجرد نفس کے حاصل ہوتے ہی غیبی چیزوں کے کشف کا دعویٰ کرتا ہے وہ سراسر بے بنیاد ہے۔ نیز اس میں رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کی صراحۃً نفی ہو رہی ہے۔

آیت **واخرون اعترفوا الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات میں برائی اور گناہ کی جڑ جمی نہیں تھی۔ بلکہ ان میں نور کی استعداد باقی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کی طبیعتیں نرم ہوگئی تھیں **خلطوا عملا صالحا واخر سیئا** میں اسی طرف اشارہ ہے۔ آیت **عسی اللہ ان یتوب علیھم** میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نفس لوامہ کے مرتبہ سے گزر کر قلبی اتصال کے مرتبہ میں پہنچ گئے تھے اور یہ مرتبہ قوی ہوکر ملکہ کے درجہ میں پہنچ گیا تھا۔ جس کے بعد انسان کو نفس کی مخالفت سے نجات مل جاتی ہے۔ آیت **خذ من اموالھم الخ** سے معلوم ہوا کہ اس اتصال بالقلب کو کبھی دوسرے اسباب سے بھی مدد مل جاتی ہے۔ پس مال جو بالطبع مرغوب ہوتا ہے اور تمام شہوات کی جڑ ہوتا ہے اس کو لے کر شروع ہی میں قوی نفس کو مضمحل اور کمزور کردیا جائے اور اس کی خواہشات کو دبا دیا جائے۔ آیت **صل علیھم** میں ہمت وتوجہ سے امداد کرنے اور صحبت کے انوار پہنچانے کا حکم ہے۔

اور **ان صلوتک سکن لھم** سے معلوم ہوا کہ آپؐ کی یہ ہمت وافاضہ ان پر سکینہ اترنے کا سبب ہے اور سکینہ سے مراد نور قلب ہے۔ جس سے حق پر جماؤ ہوجاتا ہے اور بے استقلالی سے نجات مل جاتی ہے۔ گناہ اور غلطی کا اقرار کرلینے کی فضیلت، معذرت کی

قبولیت، صدقہ وغیرہ اعمال اور شیخ کی برکت، شیخ کے لئے مرید کو تسلی دینے کی ہدایت ان آیات سے معلوم ہو رہی ہے۔

آیت فسیر اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ توبہ کی حدا تنی ہو جائے کہ توبہ کرنے والے پر صالحین کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے دیکھنے کا تعلق تو ان ہی علامات سے ہو سکتا ہے۔ آیت آخرون مرجون الخ سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات مرید کے معاملہ کو خوف وامید کے درمیان چھوڑ دینا چاہیئے۔ نہ تو صراحۃ اس کا عذر قبول کیا جائے کہ اس سے نصیحت کا اثر کمزور پڑ جاتا ہے اور نہ صراحۃ اس کو روک دینا چاہیئے کہ اول تو اس سے توحش ہوگا اور پھر مایوسی اور پھر دوری۔ اور یہ سب باتیں اس کے لئے نقصان دہ ہوں گی۔ لیکن اس معلق رکھنے میں مرید کی بڑی مصلحتیں ہیں۔ آیت والذین اتخذوا الخ سے معلوم ہوا کہ دین کو اپنی فاسد غرض کا آلہ بنانا برا ہے۔

آیت لا تقم الخ سے معلوم ہوا کہ شرعی کراہت کا سبب بننے سے بھی بچنا ضروری ہے۔

آیت لمسجد اسس الخ سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی بنیاد تقویٰ پر ہو اس سے نفس میں صفائی وقوت اور عمدگی حال، ذوق وجدان کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور جس چیز کی بنیاد خلاف تقویٰ پر ہو۔ اس سے نفس میں کدورت، تفرقہ قبض کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور آیت فیہ رجال میں اشارہ ہے تاثیر صحبت کی طرف اور اس مجموعہ سے یہ معلوم ہوا کہ جمعیت خاطر حاصل ہونے میں مکان، زمان، اخوان طریق کو بڑا دخل ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ يَبْذُلُوْهَا فِىْ طَاعَتِهٖ كَالْجِهَادِ **بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ** جُمْلَةُ اسْتِيْنَافٍ بَيَانٌ لِلشِّرَاءِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيْمِ الْمَبْنِىِّ لِلْمَفْعُوْلِ اَىْ فَيُقْتَلُ بَعْضُهُمْ وَيُقَاتِلُ الْبَاقِىْ **وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا** مَصْدَرَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمَحْذُوْفِ **فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ** اَىْ لَا اَحَدَ اَوْفٰى مِنْهُ **فَاسْتَبْشِرُوْا** فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ** الْبَيْعُ **هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾** النَّيْلُ غَايَةُ الْمَطْلُوْبِ **اَلتَّآئِبُوْنَ** رَفْعٌ عَلَى الْمَدْحِ بِتَقْدِيْرِ مُبْتَدَاءٍ مِنَ الشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ **الْعٰبِدُوْنَ** الْمُخْلِصُوْنَ الْعِبَادَةَ لِلّٰهِ **الْحٰمِدُوْنَ** لَهُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ **السَّآئِحُوْنَ** الصَّائِمُوْنَ **الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ** اَىِ الْمُصَلُّوْنَ **الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ** لِاَحْكَامِهٖ بِالْعَمَلِ بِهَا **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾** بِالْجَنَّةِ وَنَزَلَ فِىْ اِسْتِغْفَارِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهٖ اَبِىْ طَالِبٍ وَاسْتِغْفَارِ بَعْضِ الصَّحَابَةِ لِاَبَوَيْهِ الْمُشْرِكَيْنِ **مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِىْ قُرْبٰى** ذَوِىْ قَرَابَةٍ **مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾** النَّارِ بِاَنْ مَاتُوْا عَلَى الْكُفْرِ **وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ** بِقَوْلِهٖ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ رَجَاءَ اَنْ يُّسْلِمَ **فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ** بِمَوْتِهٖ عَلَى الْكُفْرِ **تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ** وَتَرَكَ الْاِسْتِغْفَارَ لَهٗ **اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ** كَثِيْرُ التَّضَرُّعِ وَالدُّعَاءِ **حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾**

صَبُوْرٌ عَلَی الْاَذٰی **وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ** لِلْاِسْلَامِ **حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ** مِنَ الْعَمَلِ فَلَا يَتَّقُوْهُ فَيَسْتَحِقُّوا الْاِضْلَالَ **اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾** وَمِنْهُ مُسْتَحِقُّ الْاِضْلَالِ وَالْهِدَايَةِ **اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَمَا لَكُمْ** اَيُّهَا النَّاسُ **مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَیْ غَيْرِهٖ **مِنْ وَّلِيٍّ** يَحْفَظُكُمْ مِنْهُ **وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾** يَمْنَعُ عَنْكُمْ ضَرَرَهٗ **لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ** اَیْ اَدَامَ تَوْبَتَهٗ **عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ** اَیْ وَقْتِهَا وَهِیَ حَالُهُمْ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ كَانَ الرَّجُلَانِ يَقْتَسِمَانِ تَمْرَةً وَالْعَشَرَةُ يَعْتَقِبُوْنَ الْبَعِيْرَ الْوَاحِدَ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ حَتّٰی شَرِبُوا الْفَرْثَ **مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ تَمِيْلُ **قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ** عَنْ اِتِّبَاعِهٖ اِلَی التَّخَلُّفِ لِمَا هُمْ فِيْهِ مِنَ الشِّدَّةِ **ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ** بِالثَّبَاتِ **اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾** وَتَابَ **عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا** عَنِ التَّوْبَةِ عَلَيْهِمْ بِقَرِيْنَةِ **حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ** اَیْ مَعَ رُحْبِهَا اَیْ سَعَتِهَا فَلَا يَجِدُوْنَ مَكَانًا يَطْمَئِنُّوْنَ اِلَيْهِ **وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ** قُلُوْبُهُمْ لِلْغَمِّ وَالْوَحْشَةِ بِتَاخِيْرِ تَوْبَتِهِمْ فَلَا يَسَعُهَا سُرُوْرٌ وَلَا اُنْسٌ **وَظَنُّوْا** اَيْقَنُوْا اَنْ مُخَفَّفَةٌ **لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ** وَفَّقَهُمْ لِلتَّوْبَةِ **لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾**

ترجمہ:......... بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی (تاکہ جہاد وغیرہ نیک کاموں میں اس کو صرف کریں) اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے بہشت ہو۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں جس میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں (یہ جملہ مستانفہ ہے شراء کا بیان ہے اور ایک قرأت میں مجہول صیغہ پہلے ہے۔ یعنی بعض شہید ہو جاتے ہیں اور باقی لڑتے رہتے ہیں) اس پر سچا وعدہ کیا ہے (یہ دونوں مصدر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں) تورات، انجیل، قرآن میں۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ (یعنی اس سے زیادہ وفاء عہد کرنے والا کوئی نہیں ہے) پس خوشیاں مناؤ (اس میں صیغہ غائب سے التفات پایا جاتا ہے) اپنے اس سودے پر جو اللہ سے تم نے چکایا ہے اور یہی (تجارت) ہے جو بڑی سے بڑی فیروز مندی ہے (کامیابی جو انتہائی مطلوب ہے) وہ توبہ کرنے والے (اس پر رفع مدح کی وجہ سے ہے اور مبتداء مقدر ہے یعنی کفر وشرک سے توبہ کرنے والے ہیں) عبادت گذار (اللہ کے لئے خالص عبادت کرنے والے) اللہ کی حمد وثناء کرنے والے (ہر حال میں) روزے دار (روزے رکھنے والے) رکوع سجدہ کرنے والے (نمازی) نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (اللہ کے احکام پر عمل کر کے) اور ایسے ایمانداروں کو آپ خوشخبری سنا دیجئے (جنت کی۔ اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے لئے اور بعض صحابہؓ نے اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرنا چاہا) پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ اگرچہ وہ رشتہ دار (قرابت دار) ہی ہوں۔ اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں (بشرطیکہ یہ لوگ کفر کی حالت میں مر جائیں) اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے بخشائش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کر دیں جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا (اس کے مسلمان ہونے

کی توقع پر یہ کہہ دیا تھا کہ میں اللہ کی جناب میں تمہارے لئے استغفار کروں گا) لیکن ان پر جب یہ واضح ہوگیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے (کفر پر مرجانے کی وجہ سے) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہوگئے (اور ان کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا) بلاشبہ ابراہیم بڑے ہی درمند (بے حد عاجزی اور دعا کرنے والے) بڑے ہی بردبار تھے (مصیبتوں پر صبر کرنے والے) اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو (اسلام کی) ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے۔ جب تک ان پر وہ ساری باتیں واضح نہ کردے جن سے انہیں بچنا چاہئے (پس جب ایسے کاموں سے وہ نہ بچے تو گمراہی کے مستحق ہوگئے) بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں (وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون گمراہ کرنے کا مستحق ہے اور کون ہدایت پانے کا) بلاشبہ آسمان وزمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اور (اے لوگوں) تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے (جو تمہاری حفاظت کرسکے) اور نہ کوئی مددگار ہے (جو تمہیں نقصان سے بچا سکے) یقیناً اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی (یعنی ہمیشہ سے مہربان ہے) پیغمبر کے حال پر اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی۔ جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں بھی پیغمبر کا ساتھ دیا (یعنی تنگی کے وقت بھی جب کہ غزوۂ تبوک میں ان کی یہ حالت تھی کہ دو دو آدمی ایک ایک کھجور میں شریک تھے اور دس دس آدمی باری باری ایک ایک اونٹ پر سوار ہوتے اور انتہائی گرمی سے بلبلا کر لید نچوڑ کر پینے پر مجبور ہوگئے تھے) جبکہ ایسی حالت ہوچکی تھی کہ قریب تھا (لفظ یزیغ تا اور یا کے ساتھ ہے یعنی مائل ہوجائیں) ان میں سے ایک.........گروہ کے دل ڈگمگا جائیں (آپ کے ساتھ چلنے سے انتہائی مشکلات کی وجہ سے) پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب پر متوجہ ہوگیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر بہت شفیق مہربان ہیں اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا (توبہ سے بچے رہنے کی وجہ سے۔ اگلے الفاظ کے قرینہ کی وجہ سے) یہاں تک کہ زمین اپنی ساری کشادگی کے باوجود بھی جب ان کے لئے تنگ ہوگئی (یعنی اپنی وسعت کے باوجود کوئی جگہ انہیں اطمینان کی نصیب نہیں ہوسکی) اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے (ان کے دلوں پر غم ووحشت سوار ہوگئی تھی۔ توبہ کا معاملہ ملتوی ہونے کی وجہ سے ان میں خوشی اور محبت کی رمق باقی نہیں رہی تھی) اور انہوں نے سمجھ لیا تھا (جان لیا تھا) کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اس کے دامن میں۔ پس پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی (انہیں توبہ کی توفیق بخش کر) تاکہ وہ آئندہ بھی اللہ کی طرف جھکتے رہا کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے، بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

تحقیق وترکیب:

..........اشتری کنایہ ہے بدل اور عوض سے اور نہ حقیق معنی لینا محال ہے۔

مصدران۔ ای وعدهم وعدا وحق ذلك الوعد حقا **ومن اوفی** یعنی مخلوق میں بھی وعدہ خلافی کریم لوگوں کی عادت کے خلاف ہے تو اللہ کی شان کریمی کے شایاں کیسے ہوسکتی ہے۔

بتقدیر مبتداء۔ ای **هم التائبون** اور **من الشرک** کا تعلق تائبون کے ساتھ ہے۔

السائحون ابن مسعودؓ وابن عباسؓ اس کے معنی روزہ کے لیتے ہیں۔ بلکہ بقول ابن عباسؓ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ سیاحت آیا ہے اس کے معنی روزہ کے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے **سیاح امتی الصوم**.

لعمه ابی طالب. شیخینؒ کی روایت ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا **قل کلمة احاج بها لک عند الله** یعنی کلمہ توحید پڑھ لیجئے۔ تاکہ مجھے اللہ کے سامنے حجۃ کا موقع مل سکے۔ لیکن ابوطالب نے ایمان لانے سے انکار کردیا آپؐ نے فرمایا **لا ازال استغفرک مالم انهه** یعنی جب تک مجھے اللہ کی طرف سے روکا نہیں جائے گا۔ یعنی تمہارے لئے برابر استغفار کرتا رہوں گا۔

واستغفار بعض الصحابة چنانچہ ترمذیؒ نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو اپنے مشرک ماں

باپ کے متعلق استغفار کرتے سنا تو حضرت علیؓ نے اظہار تعجب کیا۔ لیکن ان صحابیؓ نے حضرت ابراہیمؑ کا نام لے کر حوالہ دیا کہ انہوں نے بھی اپنے مشرک باپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ اس بات کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن ابن مسعودؓ ایک روایت اور نقل کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ قبرستان میں ایک قبر پر دیر تک کچھ پڑھتے رہے اور روتے رہے اور فرمایا کہ یہ میرے ماں باپ کی قبریں ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے بارے میں اجازت چاہی تھی۔ لیکن مجھے منع کر دیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئیں۔ اگر اس آیت کا نزول کئی دفعہ مانا جائے تو یہ سب روایتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ البتہ صحیحین کی روایت میں یہ اشکال ہے کہ ابوطالب کی وفات تو ہجرت سے پہلے ہو چکی ہے اور یہ سورت سب سے آخر میں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن حجرؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ پہلے ہو چکا تھا۔ مگر آیت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

بموته علی الکفر یعنی کافر ہونا تو پہلے ہی معلوم تھا۔ مگر یقینی عداوت اور ولایت کا تحقق تو مرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

ادام توبته یہ ایک اشکال کا جواب ہے کہ نبی تو معصوم ہوتا ہے اور مہاجرینؓ وانصارؓ سے اس بارے میں کوئی قصور ہوا نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تو ممانعت سے پہلے آپؐ کے اتباع میں ایسا کیا تھا؟ مفسر محققؒ اسی کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اصلی توبہ مراد نہیں۔ بلکہ دوام توبہ مراد ہے۔

الذین اتبعوه تقریباً ستر ہزار کا لشکر آپ کے ساتھ تھا۔ **تمرة** بلکہ ایک ایک آدمی ایک ہی کھجور کو تھوڑی دیر اپنے منہ میں رکھ کر دوسرے کو دے دیتا اور پھر دوسرا بھی ایسے ہی کرتا۔ حتیٰ کہ اسی طرح اس کھجور کی گٹھلی نکل آتی۔ اسی طرح نچڑی ہوئی لید کو کلیجہ پر رکھ لیتے۔ تاکہ کچھ ٹھنڈک ہی حاصل ہو جائے۔

ربط آیات: .... جہاد میں نہ جانے والوں کی برائی کے بعد اب شریک ہونے والے مجاہدین کی فضیلت وتعریف کی جارہی ہے۔ پھر ان میں سے بھی کاملین کی زیادہ توصیف کی جارہی ہے۔ اس کے بعد آیت **ما کان للنبی الخ** سے کفار ومشرکین کے ساتھ کامل اظہار بیزاری کیا جارہا ہے۔ جیسا کہ شروع سورت میں بھی **براءة من اللہ الخ** سے بیزاری کا اعلان کیا گیا تھا۔ گویا اب ان کے لئے استغفار تک سے روکا جارہا ہے اور چونکہ مشرکین کے حق میں استغفار ناجائز ہے اور ناجائز کام کرنے سے دل میں ایک طرح کی ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے پھر گمراہی کا قریبی مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بار بار کرنے سے اس میں اضافہ ہوسکتا ہے جس سے ایک مؤمن کو نقصان کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے آیت **وما کان اللہ لیضل الخ** سے ضابطہ بیان فرما کر تسلی دی جاتی ہے۔ اس کے بعد آیت **لقد تاب الخ** سے تبوک میں نہ جانے والوں میں سے سچ بولنے والوں کی تعریف کی جارہی ہے۔

شان نزول: .... آیت **ما کان للنبی الخ** کے شان نزول کی طرف مفسر علامؒ خود اشارہ کر رہے ہیں اور چونکہ اس ممانعت سے صحابہؓ کو یہ اشکال ہو رہا تھا۔ کہ ممانعت سے پہلے جو لوگ اپنے مشرک والدین کے بارے میں استغفار کر چکے ہیں ان سے بھی مواخذہ ہوگا۔ اس کی تردید میں آیت **وما کان اللہ لیضل الخ** نازل ہوئی ہے۔

﴿تشریح﴾: .... جہاد مستقل ایک فضیلت ہے مگر ان خوبیوں سے اور سونے پر سہاگہ ہوگیا: ....

آیت **التائبون الخ** کا یہ مطلب نہیں کہ جہاد کے لئے ان خوبیوں کا ہونا شرط کے درجہ میں ضروری ہے۔ کیونکہ بہت سے نصوص میں صرف جہاد پر بھی بشارت آئی ہے۔ بلکہ ان خوبیوں سے جہاد کے شرف میں اور زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ اس لئے لوگوں کو چاہیئے کہ محض جہاد پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ بلکہ ان خوبیوں کو بھی پیدا کریں۔ بذل نفس سے مراد جہاد وقتال ہے ورنہ حقیقۃ تو بذل نفس نہیں ہوسکتا۔

کیونکہ مرنے کے بعد بھی نفس وروح باقی رہتی ہے۔اور انجیل میں جیسا کہ مشہور ہے کہ جہاد کا حکم نہیں ہے۔پس انجیل میں اس حکم ہونے کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ اس میں امت محمدیہ کے لئے جہاد شروع ہونے کی خبر ہوگی اور ان سے وعدہ کی اطلاع ہوگی اور یا مال ونفس خرچ کرنے کی مطلقاً اس میں فضیلت کا ذکر ہوگا جس میں جہاد بھی آ گیا۔تاہم موجودہ انجیل کے نسخوں میں ان مضامین کا نہ پایا جانا اس لئے دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ وہ خود معتبر ومحفوظ نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے مشرکین والدین کے لئے استغفار:............ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے والد کے لئے جو واغفر لابی انه کان من الضالین سے دعا کی تھی۔اس کا مطلب یہ ہے۔واھد ابی انه کان من الضالین اسی طرح ایک آیت میں جو یوم یقوم الحساب کا لفظ آیا ہے۔اس کے معنی ہوں گے۔اھدهما لیغفر لهما یوم یقوم الحساب نیز بخاری میں ہے کہ قیامت کے روز ابراہیم علیہ السلام درخواست کریں گے۔انک وعدتنی ان لا تخزینی یوم یبعثون. فای خزی اخزی الا بعد جس کے جواب میں ارشاد ہوگا انی حرمت الجنة علی الکافرین اور حکم ہوگا ماتحت رجلیک چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے باپ کی شکل بجو کی سی نظر آئے گی اور اس کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔سو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اس وقت باپ کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔بلکہ منشاء یہ ہوگا کہ آپ نے مجھے قیامت میں رسوا نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا اور باپ کے جہنم میں جانے سے میری رسوائی ہو رہی ہے۔پس حق تعالیٰ کے فرمانے کا حاصل یہ ہوگا کہ رسوائی سے بچانے کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ اس کی بخشش کر دی جائے۔بلکہ ہم ایک دوسری صورت تجویز کئے دیتے ہیں کہ اس کی صورت مسخ کر دی گئی ہے۔اب نہ اسے کوئی پہچانے گا اور نہ تمہاری رسوائی ہوگی۔

اب بھی مشرک لوگوں کے استغفار جائز ہے یا نہیں:............غرضیکہ ''دعائے ابراہیمی'' کی اس توجیہ کے بعد اس پر کوئی اشکال نہیں رہتا۔دوسروں کو بھی اس کی تقلید جائز ہے۔اور سورہ ممتحنہ میں جو الا قول ابراهیم فرمایا گیا ہے کہ تمہیں دعائے ابراہیمی کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔سو مطلب یہ ہے کہ اس قول کا جو ظاہری مطلب سمجھ میں آتا ہے۔اس کی پیروی نہ کرو۔آیت ماکان الله لیضل الخ میں جس طرح ہدایت کے بعد گمراہی کا ہونا ''وضوح حق'' کے بعد ہوتا ہے اسی طرح ہدایت سے پہلے گمراہی بھی حق واضح ہونے کے بعد ہوتی ہے۔جیسا کہ آیت وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا سے معلوم ہوتا ہے۔پس یہ تخصیص خاص واقعہ کے اعتبار سے ہے۔

آنحضرت ﷺ کی توبہ کا مطلب:............آیت لقد تاب الخ میں اگرچہ آنحضرت ﷺ کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ آپ کی مخصوص محبوبیت اظہر من الشمس ہے۔لیکن تبرکاً نیز صحابہؓ کا دل خوش کرنے کے لئے آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جو خصوصی عنایات آپ پر متوجہ ہوں گی ان سے تم لوگ بھی محروم نہیں رہو گے۔خلاف شرع کام کرنے کی وجہ سے کسی کو سلام کلام بند کرنے کی سزا دینا اب بھی جائز ہے اور حدیث میں جو تین دن تک کلام نہ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ کسی دینی رنجش کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

لطائف آیات:............آیت التائبون الخ میں ان لوگوں کی بدحالی کا اظہار ہے جو خود کو صالحین کے زمرہ میں سمجھتے ہوئے بھی

حدود کو ضائع کرتے ہیں اور ایسے کلمات بولتے ہیں جو صوفیاء کے نزدیک بھی واہی ہیں۔ آیت ما کان للنبی الخ سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر صرف تبرکات کام نہیں آتے۔ دیکھو آنحضرت ﷺ کی قرابت سے بڑھ کر اور کیا برکت ہوسکتی ہے۔ مگر پھر بھی یہ حکم دیا گیا ہے۔ آیت وما کان استغفار الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ اپنے مرید کو کسی کام سے منع کرنے کے باوجود اگر خود کرنے پر مجبور ہو جائے تو مرید کے سامنے اجمالاً یا تفصیلاً اپنا عذر بیان کردے تاکہ وہ اس کی پیروی نہ کر بیٹھے۔ آیت حتی اذا ضاقت الخ سے معلوم ہوا کہ حسب مصلحت مرید پر شیخ کا تشدد جائز ہے۔ آیت ثم تاب اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت اپنے محبین کے ساتھ یہ ہے کہ خلاف مقام ان سے کسی کام کے سرزد ہونے پر اگر ان کو ایک خاص قسم کے جواب سے تادیب وتنبیہ کی جاتی ہے تو جب وہ اس کی تلخی چکھ چکتے ہیں تو ان پر کرم کی بارش فرمائی جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ بِتَرْكِ مَعَاصِيهِ **وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۱۱۹﴾** فِي الْإِيمَانِ وَالْعُهُودِ بِأَنْ تَلْزَمُوا الصِّدْقَ **مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ** إِذَا غَزَا **وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ** بِأَنْ يَصُونُوهَا عَمَّا رَضِيَهُ لِنَفْسِهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَهُوَ نَهْيٌ بِلَفْظِ الْخَبَرِ **ذٰلِكَ** أَيِ النَّهْيُ عَنِ التَّخَلُّفِ **بِاَنَّهُمْ** بِسَبَبِ أَنَّهُمْ **لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ** عَطَشٌ **وَّلَا نَصَبٌ** تَعَبٌ **وَّلَا مَخْمَصَةٌ** جُوعٌ **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا** مَصْدَرٌ بِمَعْنَى وَطْأً **يَّغِيْظُ** يُغْضِبُ **الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ** لِلّٰهِ **نَّيْلًا** قَتْلًا أَوْ أَسْرًا أَوْ نَهْبًا **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ** لِيُجَازَوْا عَلَيْهِ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۲۰﴾** أَيْ أَجْرَهُمْ بَلْ يُثِيبُهُمْ **وَلَا يُنْفِقُوْنَ** فِيهِ **نَفَقَةً صَغِيْرَةً** وَلَوْ تَمْرَةً **وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا** بِالسَّيْرِ **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ** ذٰلِكَ **لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۱﴾** أَيْ جَزَاءَهُ وَلَمَّا وُبِّخُوا عَلَى التَّخَلُّفِ وَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً نَفَرُوا جَمِيعًا فَنَزَلَ **وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا** إِلَى الْغَزْوِ **كَآفَّةً فَلَوْلَا** فَهَلَّا **نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ** قَبِيلَةٍ **مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ** جَمَاعَةٌ وَمَكَثَ الْبَاقُونَ **لِّيَتَفَقَّهُوْا** أَيِ الْمَاكِثُونَ **فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ** مِنَ الْغَزْوِ بِتَعْلِيمِ مَا تَعَلَّمُوهُ مِنَ الْأَحْكَامِ **لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴿۱۲۲﴾** عِقَابَ اللّٰهِ بِامْتِثَالِ أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَهٰذِهِ مَخْصُوصَةٌ بِالسَّرَايَا وَالَّتِي قَبْلَهَا بِالنَّهْيِ عَنْ تَخَلُّفِ أَحَدٍ فِيمَا إِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ** أَيِ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ مِنْهُمْ **وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً** شِدَّةً أَيْ أَغْلِظُوا عَلَيْهِمْ **وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴿۱۲۳﴾** بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ **وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ** مِنَ الْقُرْآنِ **فَمِنْهُمْ** أَيِ الْمُنَافِقِينَ **مَّنْ يَّقُوْلُ** لِأَصْحَابِهِ اسْتِهْزَاءً **اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا** تَصْدِيقًا قَالَ تَعَالَى **فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا** لِتَصْدِيقِهِمْ بِهَا **وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۱۲۴﴾** يَفْرَحُونَ بِهَا **وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ**

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضُعفُ اِعتِقَادٍ **فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ** كُفرًا اِلٰى كُفرِهِم لِكُفرِهِم بِهَا **وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ**﴿۱۲۵﴾ **اَوَلَا يَرَوْنَ** بِالْيَاءِ اَيِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالتَّاءِ اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ **اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ** يُبْتَلُوْنَ **فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ** بِالْقَحْطِ وَالْاَمْرَاضِ **ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ** مِنْ نِفَاقِهِمْ **وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ**﴿۱۲۶﴾ يَتَّعِظُوْنَ **وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ** فِيْهَا ذِكْرُهُمْ وَقَرَأَهَا النَّبِيُّ **نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ** يُرِيْدُوْنَ الْهَرَبَ وَيَقُوْلُوْنَ **هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ** اِذَا قُمْتُمْ فَاِنْ لَمْ يَرَهُمْ اَحَدٌ قَامُوْا وَاِلَّا ثَبَتُوْا **ثُمَّ انْصَرَفُوْا** عَلٰى كُفْرِهِمْ **صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ** عَنِ الْهُدٰى **بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ**﴿۱۲۷﴾ الْحَقَّ لِعَدَمِ تَدَبُّرِهِمْ **لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ** اَيْ مِنْكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **عَزِيْزٌ** شَدِيْدٌ **عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ** اَيْ عَنَتُكُمْ اَيْ مَشَقَّتُكُمْ وَلِقَاؤُكُمُ الْمَكْرُوْهَ **حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ** اَنْ تَهْتَدُوْا **بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ** شَدِيْدُ الرَّحْمَةِ **رَّحِيْمٌ**﴿۱۲۸﴾ يُرِيْدُ لَهُمُ الْخَيْرَ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** عَنِ الْاِيْمَانِ بِكَ **فَقُلْ حَسْبِيَ** كَافِيَّ **اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ** بِهٖ وَثِقْتُ لَا بِغَيْرِهٖ **وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ** الْكُرْسِيِّ **الْعَظِيْمِ**﴿۱۲۹﴾ خَصَّهٗ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهٗ اَعْظَمُ الْمَخْلُوْقَاتِ رَوَى الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ اٰخِرُ اٰيَةٍ نَزَلَتْ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ

ع ۱۶ / ۵

ترجمہ:.........مسلمانو خدا کے خوف سے (گناہ کر کے) بے پرواہ نہ ہو جاؤ اور چاہیئے کہ سچوں کے ساتھی بنو (ایمان اور عہد کے بارے میں سچ کی پابندی کرو) مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی اس کے آس پاس رہتے ہیں ان کو یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول اللہ کا ساتھ نہ دیں (غزوہ کے موقعہ پر) اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں (کہ جن مصیبتوں سے آنحضرت ﷺ دوچار ہونا پسند کرتے ہیں ان سے یہ لوگ اپنا بچاؤ کرنے لگیں۔ الفاظ تو یہاں نہیں کے ہیں مگر مقصود خبر ہے) یہ (یعنی جہاد میں نہ جانے سے روکنا) اس لئے (اس سبب سے) ہے کہ انہیں جو پیاس لگی ہے اور جو محنت (تکلیف) انہوں نے جھیلی ہے اور جو بھوک لگی ہے اللہ کی راہ میں اور وہ قدم جو چلتا ایسا چلنا (یہ مصدر ہے بمعنی روندنا) جو کفار کے لئے غیظ (غضب) کا باعث ہوتا اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی (انہیں قتل کیا یا گرفتار کیا یا لوٹا) ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا ہے (اسی کے مطابق انہیں بدلہ ملے گا) یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے (بلکہ انہیں اجر مرحمت فرماتے ہیں) اور وہ کوئی رقم خرچ نہیں کرتے وہ چھوٹی ہو (جیسے ایک کھجور) یا بڑی اور کوئی میدان (چل کر) انہیں طے کرنے نہیں پڑتے۔ مگر ان کے نام کی نیکی لکھی گئی تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمادے (یعنی جو کچھ انہوں نے کیا اس کا اجر چونکہ تبوک میں نہ جانے پر لوگوں کو جھڑ جھڑا دیا گیا تھا۔ اس لئے پھر بعد میں کسی موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے کہیں کوئی فوجی دستہ بھیجنا چاہا تو سب نکل کھڑے ہوئے۔ اس پر آیت نازل ہوئی) مسلمانوں کو یہ نہیں چاہیئے کہ (جہادی مہم کے لئے) سب ہی نکل کھڑے ہوں۔ پس ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر بڑی جماعت (خاندان) میں سے ایک مختصر حصہ (جماعت) نکل جایا کرے (اور باقی لوگ ٹھہرے رہیں) تا کہ یہ (باقی ماندہ) لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور جب یہ لوگ (جہاد سے نبٹ کر) اپنی قوم کی طرف واپس جائیں تو لوگوں کو ڈرائیں (جو احکام انہوں نے خود سیکھے ہیں وہ.....دوسروں کو سکھلا کر) تا کہ وہ لوگ بچیں (اللہ کے عذاب سے شرعی احکام کی پابندی کر کے اور ممانعتوں سے بچ کر۔ ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ یہ

حکم معمولی لڑائیوں کے متعلق ہے۔ لیکن پہلی آیتیں جن میں نہ جانے پر سرزنش کی گئی وہ اس وقت ہے جب کہ بنفس نفیس آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے جائیں۔ مسلمانوں: ان کافروں سے جنگ کرو۔ جو تمہارے آس پاس ہیں (جو زیادہ نزدیک ہوں سب سے پہلے ان سے) اور چاہیئے کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں (یعنی ان پر سختی کرو) اور یاد رکھو اللہ ان کا ساتھی ہے جو متقی ہیں (مدد اور اعانت کے لحاظ سے) اور جب (قرآن کی) کوئی سورت اترتی ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض لوگ کہتے ہیں (اپنے ساتھیوں سے تمسخر کے طریقہ پر) اس سورت نے تم میں سے کسی کے ایمان (تصدیق) میں ترقی دی؟ (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) سو حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا (کیونکہ وہ ان آیات کی تصدیق کرتے ہیں) اور وہ اس پر خوشیاں منا رہے ہیں (خوش ہو رہے ہیں) جن کے دلوں میں روگ (اعتقاد کی کمزوری) ہے تو بلاشبہ اس سورت نے ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی (ان آیات کا کفر کرنے کی وجہ سے کفر دوگونہ ہو گیا) اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے اور کیا انہیں دکھلائی نہیں دیتا (یــرون یا کے ساتھ ہے مراد منافقین ہیں اور تا کے ساتھ ہو تو مسلمانوں کو خطاب ہے) کہ یہ لوگ کسی نہ کسی آفت (مصیبت) میں پھنستے رہتے ہیں آئے سال ایک دو مرتبہ (قحط سالی اور بیماریوں کی دلدل میں) پھر بھی باز نہیں آتے (اپنے نفاق سے) اور نہ نصیحت (کچھ) پکڑتے ہیں اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے (جس میں ان کا ذکر ہوتا ہے اور پھر اسے رسول اللہ پڑھ کر سناتے ہیں) تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (بھاگنے کی سوچتے ہوئے کہنے لگتے ہیں) کہ تم پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑی؟ (جب تم کھڑے ہوئے تھے۔ پس اگر کسی نے نہ دیکھا تو کھڑے ہو گئے ورنہ وہ ٹھیر جاتے) پھر چل دیتے (اپنے کفر کی طرف) اللہ نے ان کے دل ہی پھر دیئے (راہ ہدایت سے) کیونکہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کورے ہو گئے (غور نہ کرنے کی وجہ سے حق کو نہیں سمجھتے) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں (یعنی محمد ﷺ جو تمہارے ہی ہم جنس ہیں) ان پر بہت ہی شاق (ناگوار) گزرتا ہے تمہارا رنج وکلفت میں پڑنا (یعنی تمہاری تکلیف، مشقت اور مصیبت سے دوچار ہونا انہیں کھٹکتا ہے) وہ تمہاری بھلائی (ہدایت) کے بڑے ہی خواہش مند ہیں وہ مؤمنوں کے لئے شفقت رکھنے والے (بڑے ہی شفیق) مہربان ہیں (مسلمانوں کا بھلا چاہتے ہیں) اس پر بھی اگر یہ لوگ (آپ پر ایمان لانے سے) (سرتابی کریں تو ان سے کہہ دو میرے لئے اللہ کا سہارا بس (کافی) ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا (اسی پر اعتماد کیا۔ کسی دوسرے پر نہیں) وہ عرش عظیم (کرسی) کا مالک ہے (خاص طور پر عرش کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ ساری مخلوق میں سب سے بڑھ کر ہے۔ حاکمؒ نے مستدرک میں ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ سب سے آخری آیت لقد جاء کم رسول الخ ہے۔

تحقیق وترکیب:...........مع الصادقین . مع بمعنی من ہے۔ چنانچہ قرأت شاذہ بھی من کے ساتھ ہے اور چونکہ آیت میں صادقین کی معیت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جس سے ان کی بات کا ماننا لازم ہوا۔ پس اس سے اجماع کا حجت ہونا معلوم ہوا۔

بان تلزموا الصدق اس میں صادقین کی معیت کی صورت تجویز کی گئی ہے۔ ولا یرغبوا یعنی پیغمبر جس کو پسند کرے انہیں اسے ناگوار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کبیرؒ کی رائے یہی ہے۔ لیکن ابوالسعودؒ کہتے ہیں کہ جو شدائد وتکالیف آپ کو اٹھانی پڑتی ہیں۔ تم بھی اپنے نفس کو ان سے بچانے کی کوشش نہ کرو۔ بانفسھم میں با تعدیہ کے لئے ہے۔ عما رضیه لنفسه یعنی آنحضرت ﷺ جن مشقتوں کو گوارا فرماتے ہیں تم اپنا دامن مت بچاؤ۔ موطا مصدر میمی ہے بمعنی وطأ یا ظرف مکان ہے۔ ای اجرھم جلال مفسرؒ اشارہ کر رہے ہیں کہ ضمیر کی بجائے یہاں اسم ظاہر لایا گیا ہے مدح کے خیال سے۔ صاحب کشافؒ ولا یطئون الخ کے تحت میں لکھتے ہیں کہ اس سے

اصحاب ابوحنیفہؒ استدلال کرتے ہیں کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی اگر کچھ فوجی دستے کمک کے طور پر پہنچے تو انہیں بھی شریک غنیمت کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کی آمد سے بھی دشمنوں پر ایک دھاک بیٹھی ہے اور ان میں غیظ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بنو عامر کو غنیمت کا حصہ دیا تھا۔ حالانکہ وہ لڑائی کے بعد پہنچے تھے۔ اسی طرح صدیق اکبرؓ نے بھی مہاجرینؓ کو کچھ حصہ دیا تھا۔ جب کہ انہیں عکرمہؓ بن ابو جہل کی سرکردگی میں امیۃ اور زیاد ابن ابی لبید کے پاس پانچ سو سواروں کے ساتھ بھیجا تھا۔ حالانکہ یہ فتح کے بعد پہنچے تھے۔ لیکن امام شافعیؒ اس سے متفق نہیں ہیں۔ صاحب کشافؒ نے بھی اس اختلاف کو ذکر کیا ہے۔ لیکن آیت سے تعرض نہیں کیا۔

فلولا نفر الخ اس آیت کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ لیتفقھوا اور لینذروا اور رجعوا کی ضمیریں طائفہ کی طرف لوٹائی جائیں اور قوم سے مراد فرقہ ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا برعکس کیا جائے۔ پہلی صورت کا ماحصل یہ ہوگا کہ سب مسلمانوں کو ایک دم تعلیم ہی میں نہیں لگ جانا چاہیئے کہ جہاد وغیرہ کے دوسرے شعبے تشنہ پڑے رہ جائیں۔ بلکہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہر بڑی جماعت میں ایک چھوٹی جماعت کو تحصیل علم کے لئے باہر نکلنا چاہیئے۔ تاکہ یہ جانے والے لوگ دین کی سمجھداری پیدا کر کے آئیں اور اپنی پسماندہ قوم کو آکر راہ راست پر لائیں۔ پس اسی صورت میں اس آیت سے فقہ کا فرض کفایہ ہونا معلوم ہوا اور یہ کہ خبر واحد عمل کے لئے حجت ہوتی ہے ورنہ ماننا پڑے گا کہ چھوٹی جماعت کی خبر مفید عمل نہیں ہے۔ قاضی بیضاویؒ کی رائے یہی ہے اور فخر الاسلامؒ کہتے ہیں کہ اس آیت سے فقہ کا استحباب معلوم ہوا اور یہ کہ عمل کرنا فقہ میں داخل ہے۔ نیز خبر واحد کا واجب العمل ہونا لازم آیا اور دوسری صورت کا ماحصل یہ ہے کہ جہاد میں شریک نہ ہونے پر جو ملامت کی بوچھاڑ ہوئی تو صحابہؓ اس قدر ڈر گئے کہ ایک دم سارے جہاد میں لگ گئے اور احکام کی تعلیم و تعلم کو یکسر چھوڑ دیا۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ ایسا نہ کرو۔ بلکہ ایک جماعت جہاد میں چلی جائے اور بقیہ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم میں لگے رہیں کہ یہ بھی جہاد اکبر ہے۔ غرض کہ بہر دو صورت تقسیم کار پر زور دیا گیا ہے۔ اس دوسری صورت میں خبر واحد کا حجت ہونا تو معلوم نہیں ہوا۔ مگر خبر مشہور کا حجت ہونا ثابت ہوگیا اور یہ کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور فقہ کا حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آیت کا یہ حکم اس وقت کے لئے ہے جب کہ نفیر عام نہ ہو کہ جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے اور تفقہ کا معنی اجتہاد کے ہیں جو فرض کفایہ ہے۔ رہا ضروری مسائل کا سیکھنا۔ وہ فرض عین ہے **طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ** حدیث کی رو سے۔

بالسرایا سو سے زائد اور پانچ سو سے کم تعداد فوجی دستہ کو سریہ کہتے ہیں۔ اور جو آٹھ سو تک پہنچ جائے اسے **منسر** کہتے ہیں۔ اور جو اس سے بڑھ کر چار ہزار تک پہنچ جائے اسے جیش کہا جاتا ہے اور اس سے زیادہ کو **حجفل** کہتے ہیں۔ جن فوجی دستوں میں بنفس نفیس آپ شریک نہیں ہوئے ان کی تعداد ۴۷ ہے اور جن غزوات میں آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے۔ اُن کی تعداد ۲۷ ہے۔ جن میں سے آٹھ غزوات میں جنگ بھی ہوئی۔

قاتلوا یہ آیت دوسری آیت **قاتلوا المشرکین کافۃ** کے لئے ناسخ نہیں ہے۔ بلکہ جنگی آداب کی تعلیم کے لئے ہے۔ کیونکہ جب درجہ بدرجہ جنگ ہوگی تو دور و پاس کے سب دشمنوں سے جنگ ہوجائے گی اور یہی کافۃ کا مطلب ہے۔ چنانچہ آپؐ نے بھی اسی اصول پر جنگ کی۔ اول اپنی قوم سے نبٹے۔ پھر باقی عرب والوں سے نبرد آزما ہوئے۔ اس کے بعد اہل کتاب سے۔ پھر روم اور شام والوں سے لڑے۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد صحابہؓ چلے ہیں۔

ای اغلظوا یعنی مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔ فیھا ذکر ھو مفسر علامؒ نے یہ کہہ کر اشارہ کردیا کہ اس میں تکرار نہیں ہے۔

نظر بعضھم یعنی آنکھیں مٹکا کر ایک دوسرے کی طرف اشارہ بازی کرتے ہیں اور مسلمانوں سے نظریں بچانا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ہنستے ہنستے ان کے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں **العرش العظیم** ...... آسمانی مخلوق کی طواف گاہ اور قبلہ دعا ہے۔ اس تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ عرش، کرسی کے علاوہ کوئی چیز ہے اور یہ کہ کرسی عرش سے چھوٹی ہے اور اس تفسیر سے دونوں کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی بتلاتے ہیں۔ لیکن مشہور یہ ہی ہے کہ عرش اور کرسی دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں جو مجاہدین اور تائبین کی تعریف کی گئی تھی اس کا مدار چونکہ تقویٰ اور اخلاص پر تھا۔ اس لئے آیت **یا ایھا الذین الخ** سے اس کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آگے آیت **ما کان لاھل المدینۃ الخ** میں جہاد میں نہ جانے والوں پر ملامت اور مجاہدین کی فضیلت دونوں کو یکجا جمع کیا جا رہا ہے اور چونکہ اس ملامت سے جہاد کی عینی فرضیت کا شبہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے آگے آیت **وما کان المؤمنین الخ** میں اس کا دفعیہ کیا جا رہا ہے کہ فی نفسہ تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ مگر امام وقت کے حکم سے ہر شخص پر فرض عین ہو جائے گا۔ اوپر کی آیات میں جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔

آیت **یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الخ** میں جہاد کی ترغیب بیان کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد آیت **واذا ما انزلت سورۃ** میں قرآن کریم کے ساتھ منافقین کے تمسخر کو مع جواب وعتاب کے ذکر کیا جا رہا ہے اور چونکہ سورۂ توبہ قرآن کریم کی آخری سورتوں میں سے ہے اس لئے خاتمہ پر حجت قائم کرنے اور دعوت پوری کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی رسالت، خصوصیات، کمالات کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جس میں ایک طرف نہ ماننے والوں کو ملامت ہے کہ ایسی قدسی صفات ذات کی بھی نہیں مانتے اور دوسری طرف ماننے والوں کو قدر افزائی پر ابھارا جا رہا ہے کہ آپ کی مزید قدر دانی کرو۔

شانِ نزول: .... قاضی بیضاویؒ نے آیت **لا یرغبوا بانفسھم الخ** کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابوخیثمہ صحابی اپنے باغ میں پہنچے تو ان کی حسین بیوی نے ان کے لئے ایک ٹھنڈی جگہ فرش بچھایا اور ٹھنڈا پانی اور کھجوریں پیش کیں۔ ابوخیثمہؓ نے ان نعمتوں پر جو نظر ڈالی تو بے ساختہ رسول اللہ یاد آ گئے کہنے لگے ظل ظلیل ورطب یانع وماء بارد وامرأۃ حسناء ورسول اللہ ﷺ فی الضح والریح ما ھذا بخیر یعنی کس قدر گھنا سایہ، پکی کھجوریں، ٹھنڈا پانی، خوبصورت عورت مجھے میسر ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ تکلیف اور گرم لوؤں میں چل رہے ہوں گے۔ یہ بات میرے لئے کیسے مناسب ہو سکتی ہے۔ یہ کہتے ہی کھڑے ہو گئے اور تیر و تلوار اور سواری لے کر ایک دم ہوا ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکل گئے۔ آپ ﷺ نے سفر تبوک میں نظر اٹھا کر دیکھا تو گرد و غبار اڑاتے ہوئے کوئی سوار آ رہا ہے۔ زبان مبارک سے نکلا کہ ابا خیثمہؓ ہوں گے۔ دیکھا تو واقعی وہی نکلے۔ آپ بڑے خوش ہوئے اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ آیت **وما کان المؤمنون الخ** کے شان نزول کی طرف جلال محققؒ اشارہ کر رہے ہیں۔

﴿ تشریح ﴾: ...... **جہاد ضرورت کے موقعہ پر فی نفسہ فرض کفایہ ہے:** .... آیت **وما کان المؤمنون** کا حاصل یہ ہے کہ جہاد فی نفسہ تو فرض کفایہ ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لوگ اس فریضہ کو انجام دیں اور کچھ لوگ دین کے دوسرے کاموں مثلاً احکام کی تعلیم و تعلم میں لگیں۔ ایک دم سے سب لوگ اس میں لگ جائیں گے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس کون رہے گا اور آپؐ

پر جو وحی کا نزول ہوگا اس سے استفادہ کی کیا صورت ہوگی۔ کچھ لوگ اس کام کے لئے بھی وقف رہنے چاہئیں۔ یہ پہلو تو دینی مصلحت کا ہوا۔لیکن دنیاوی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سب جہاد میں نہ چلے جائیں۔ ورنہ دارالاسلام اور دارالخلافہ خالی رہ جائے گا۔جس سے دشمن کے حملہ آور اور قابض ہوجانے کا خطرہ ہوسکتا ہے۔غرض یہ کہ ان دونوں مصلحتوں کی رعایت اور دونوں نقصان سے حفاظت ضروری ہے۔اور دینی تفقہ کے لئے باقی ماندہ لوگوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ اکثر تحصیل علم شہر میں اور قیام کی حالت میں ہوا کرتا ہے۔ہاں اگر آپ بنفس نفیس خود بھی تشریف لے جائیں تو پھر جہاد ہر شخص پر فرض عین ہوجائے گا۔اور اس صورت میں چونکہ صحابہؓ کو آپ کی ہمرکابی حاصل رہے گی اس لئے نقصان تعلیم کا خطرہ بھی درپیش نہیں ہوگا امام وقت کے اذن عام کے بعد اب بھی یہی حکم ہے۔

ترتیب جہاد.........اور آیت یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الخ میں جہاد کی ترتیب کا ذکر ہے کہ اپنے قریب سے کام شروع ہونا چاہیئے۔قریبی دشمن کو چھوڑ کر دور کے دشمنوں سے نپٹنے میں جو نقصانات ہیں وہ ظاہر ہیں آنحضرت ﷺ کے اور صحابہؓ کے غزوات کی ترتیب بھی اسی طرح رہی ہے۔

مرۃ او مرتین میں یہ خاص عدد مراد نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ آئے سال ان پر مصیبتیں آتی ہی رہتی ہیں۔کبھی ایک بار اور کبھی بار بار۔عام اور خاص دونوں طرح کی۔مگر ان پتھروں کے جونک نہیں لگتی اور ان کی آنکھیں ہیں کہ کھلنے کا نام ہی نہیں لیتیں۔

عرش کی عظمت:.........عرش کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ساری دنیا سے کئی گونہ بڑا آفتاب ہے لیکن دیکھو اس آسمان دنیا پر سورج کی جو حیثیت ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر آسمان اول دوسرے آسمان کے سامنے اور دوسرا تیسرے کے آگے ہیچ ہے۔ اسی طرح ان سارے آسمانوں کا مجموعہ کرسی کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک بڑی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں اور پھر کرسی عرش الٰہی کے آگے وہی نسبت رکھتی ہے۔اہل ہیئت کے اعتبار سے مرکز عالم سے فلک الافلاک کے مقعر تک دس کروڑ پانچ لاکھ تہتر ہزار آٹھ سو سینتالیس (۱۰۰۵۷۳۸۴۷) کوس کا فاصلہ ہے اور فلک الافلاک کے محدب تک کا فاصلہ تو اہل رصد کو اب تک معلوم ہی نہیں ہوسکا۔نیز ہیئت دان یہ ثابت نہیں کرسکے۔کہ فلک الافلاک سے اوپر کچھ نہیں ہے۔البتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش سے اوپر کوئی جسم نہیں ہے۔ پس اگر فلک الافلاک عرش کے علاوہ کوئی اور چیز ہے تو عرش یقیناً فلک الافلاک سے بھی اوپر ہوگا۔پس کیا ٹھکانا ہے اس کی عظمت و بڑائی کا۔فسبحان ذی الملک والملکوت والکبریاء والجبروت رب العرش العظیم.

اس سورت کے تمام مطالب اپنی اصلی حیثیت میں اس وقت تک واضح نہیں ہوسکتے جب تک یہ حقیقت پیش نظر نہ ہو کہ تمام تر یہ سورت اُمت کے نام ایک دوامی پیام تھا اور احکام ومواعظ سے اصل مقصود مستقبل کے پیش آنے والے معاملات ہیں نہ کہ موجودہ حالات۔یہ اصل پیش نظر رکھ کر سورت کے تمام مواعظ واحکام پر دوبارہ نظر ڈالو صاف واضح ہوجائے گا کہ آئندہ مرحلوں کے لئے لوگوں کو تیار کیا جارہا ہے۔

لطائف آیات:.........آیت یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ الخ سے صحبت صالحین کی ترغیب معلوم ہوتی ہے آیت وما کان المؤمنون سے معلوم ہوا کہ دینی مہمات کا اہتمام وانصرام اس طرح ہونا چاہیئے کہ دوسری ضروریات حتی کہ معاشیات کے انتظام میں بھی خلل نہ پڑے۔آیت یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الخ سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ سب سے قریبی دشمن نفس ہے اس لئے اسی کے مجاہدہ سے جہاد کی ابتداء کرنی چاہیئے۔آیت اولا یرون الخ سے معلوم ہوا کہ بلاء و مصیبت کی حکمت توجہ الی اللہ ہے۔آیت لقد جاء کم رسول الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ جو نائب رسول ہوتا ہے اس میں بھی یہ صفات ہونی چاہئیں۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ الْاٰيَتَيْنِ اَوِ الثَّلٰثُ اَوْ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهِ الْاٰيَةَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ اَوْ عَشْرُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿الٓرٰ﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** اَيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ **الْحَكِيْمِ﴿۱﴾** الْمُحْكَمِ **اَكَانَ لِلنَّاسِ** اَيْ اَهْلِ مَكَّةَ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ وَالْجَارُّ وَالْمَجْرُوْرُ حَالٌ مِنْ قَوْلِهٖ **عَجَبًا** بِالنَّصْبِ خَبَرُ كَانَ وَبِالرَّفْعِ اِسْمُهَا وَالْخَبَرُ وَهُوَ اِسْمُهَا عَلَى الْاُوْلٰى **اَنْ اَوْحَيْنَآ** اَيْ اِيْحَاؤُنَا **اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ** مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اَنْ** مُفَسِّرَةٌ **اَنْذِرِ** خَوِّفِ **النَّاسَ** الْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ **وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ** اَيْ بِاَنَّ **لَهُمْ قَدَمَ** سَلَفَ **صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ** اَيْ اَجْرًا حَسَنًا بِمَا قَدَّمُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ **قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا** الْقُرْاٰنَ الْمُشْتَمِلَ عَلٰى ذٰلِكَ **لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴿۲﴾** بَيِّنٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ لَسَاحِرٌ وَالْمُشَارُ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا اَيْ فِيْ قَدْرِهَا لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَوْ شَاءَ لَخَلَقَهُنَّ فِيْ لَمْحَةٍ وَالْعُدُوْلُ عَنْهُ لِتَعْلِيْمِ خَلْقِهِ التَّثَبُّتَ **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ** بَيْنَ الْخَلَائِقِ **مَا مِنْ** زَائِدَةٌ **شَفِيْعٍ** يَشْفَعُ لِاَحَدٍ **اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ** رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اَنَّ الْاَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ **ذٰلِكُمُ** الْخَالِقُ الْمُدَبِّرُ **اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ** وَحِّدُوْهُ **اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴿۳﴾** بِاِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ **اِلَيْهِ** تَعَالٰى **مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا** مَصْدَرَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ **اِنَّهٗ** بِالْكَسْرِ اِسْتِئْنَافًا وَالْفَتْحِ عَلٰى تَقْدِيْرِ اللَّامِ **يَبْدَؤُا الْخَلْقَ** اَيْ بَدَاَهٗ بِالْاِنْشَاءِ **ثُمَّ يُعِيْدُهٗ** بِالْبَعْثِ **لِيَجْزِيَ** لِيُثِيْبَ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ** مَاءٍ بَالِغٍ نِهَايَةَ الْحَرَارَةِ **وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ** مُؤْلِمٌ **بِمَا كَانُوْا**

یَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ اَیْ لِیُثِیْبَ بِسَبَبِ كُفْرِهِمْ **هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً** ذَاتَ ضِیَاءٍ اَیْ نُوْرٍ **وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ** مِنْ حَیْثُ سَیْرِهٖ **مَنَازِلَ** ثَمَانِیَةً وَّعِشْرِیْنَ مَنْزِلًا فِیْ ثَمَانٍ وَّعِشْرِیْنَ لَیْلَةً مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَیَسْتَتِرُ لَیْلَتَیْنِ اِنْ كَانَ الشَّهْرُ ثَلَاثِیْنَ یَوْمًا وَلَیْلَةً اِنْ كَانَ تِسْعَةً وَّعِشْرِیْنَ یَوْمًا **لِتَعْلَمُوْا** بِذٰلِكَ **عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ** اَلْمَذْكُوْرَ **اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ** لَا عَبَثًا تَعَالٰی عَنْ ذٰلِكَ **یُفَصِّلُ** بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ یُبَیِّنُ **الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ** ﴿۵﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ **اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ** بِالذَّهَابِ وَالْمَجِیْءِ وَالزِّیَادَةِ وَالنُّقْصَانِ **وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ** مِنْ مَلَائِكَةٍ وَشَمْسٍ وَقَمَرٍ وَنُجُوْمٍ وَغَیْرِ ذٰلِكَ **وَ فِی الْاَرْضِ** مِنْ حَیَوَانٍ وَجِبَالٍ وَبِحَارٍ وَاَنْهَارٍ وَاَشْجَارٍ وَغَیْرِهَا **لَاٰیٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰی قُدْرَتِهٖ تَعَالٰی **لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ** ﴿۶﴾ فَیُؤْمِنُوْنَ خَصَّهُمْ بِالذِّكْرِ لِاَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِهَا **اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا** بِالْبَعْثِ **وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا** بَدَلَ الْاٰخِرَةِ لِاِنْكَارِهِمْ لَهَا **وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا** سَكَنُوْا اِلَیْهَا **وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا** دَلَائِلِ وَحْدَانِیَّتِنَا **غٰفِلُوْنَ** ﴿۷﴾ تَارِكُوْنَ النَّظَرَ فِیْهَا **اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ** ﴿۸﴾ مِنَ الشِّرْكِ وَالْمَعَاصِیْ **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ** یُرْشِدُهُمْ **رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ** بِهٖ بِاَنْ یَّجْعَلَ لَهُمْ نُوْرًا یَّهْتَدُوْنَ بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ **تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ** ﴿۹﴾ **دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا** طَلَبُهُمْ لِمَا یَشْتَهُوْنَهٗ فِی الْجَنَّةِ اَنْ یَّقُوْلُوْا **سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ** اَیْ یَا اَللّٰهُ فَاِذَا مَا طَلَبُوْهُ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ **وَتَحِیَّتُهُمْ** فِیْمَا بَیْنَهُمْ **فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ** مُفَسِّرَةٌ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** ﴿۱۰﴾

ترجمہ......... سورۂ یونس مکی ہے۔ بجز فان کنت فی شك الخ دو یا تین آیتوں کے یا صرف ایک آیت ومنھم من یؤمن الخ کے اور کل آیتیں ایک سو نو یا ایک سو دس ہیں۔ الف. لام. را (اس کی اصلی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) یہ (یعنی یہ آیتیں) آیتیں ہیں ایسی کتاب کی (مراد قرآن ہے بواسطہ من ہے) جو پر از حکمت (مضبوط) ہے کیا لوگوں کو (مکہ والوں کو۔ استفہام انکاری ہے اور جار مجرور ترکیب میں حال واقع ہو رہا ہے اگلے لفظ سے) اچنبھا ہو رہا ہے (یہ لفظ نصب کے ساتھ تو کان کی خبر ہے اور رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اور اس صورت میں اس کی خبر آگے ہے جو پہلی صورت میں کان کا اسم تھا) اس بات سے کہ ہم نے وحی بھیجی ہے (یعنی ہمارا وحی بھیجنا) ان ہی میں ایک شخص (محمد ﷺ) پر۔ کہ (ان مفسرہ ہے) سب لوگوں (کافروں) کو ڈرایئے (خوف دلاؤ عذاب کا) اور جو ایمان لے آئے انہیں یہ خوشخبری سنایئے کہ پرودگار کے حضور ان کے نزدیک اچھا مقام ہے (یعنی ان کے اعمال کا بہترین صلہ ہوگا) کافر کہنے لگے بلاشبہ یہ (قرآن) جو ان مضامین پر مشتمل ہے) کھلا (صریح) جادو ہے (اور ایک قرأت میں ساحر ہے پھر مشارالیہ نبی کریم ﷺ ہوں گے) بلاشبہ تمہارے پرودگار تو وہی اللہ ہیں جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو کل چھ دنوں میں پیدا کیا (دنیا کے دنوں کے لحاظ سے یعنی اتنے متعینہ وقت میں۔ کیونکہ اس وقت نہ تو آفتاب تھا اور نہ ماہتاب کہ جن سے دنوں کا اندازہ کیا جاتا۔ اور اللہ چاہتے تو ان سب کو ایک لمحہ میں پیدا فرما سکتے تھے۔ لیکن مخلوق کو تدریج کی تعلیم دینے کے لئے ایسا کیا ہے) پھر اپنے تخت پر متمکن ہو گئے (جو تمکن ان کے شایان شان ہو) وہ (مخلوق کے) تمام کاموں کا بندوبست کر رہے ہیں۔ کوئی سفارشی نہیں (جو کسی کی سفارش کرے) ان کے حضور۔

ان کی اجازت کے بغیر (کفار کے اس کہنے کی تردید ہوگئی کہ بت ہمارے سفارشی ہو جائیں گے) یہ (پیدا کرنے والے اور بندوبست کرنے والے) ہیں اللہ تمہارے پروردگار۔ لہٰذا ان ہی کی بندگی کرو (توحید بجالاؤ) کیا تم غور وفکر سے کام نہیں لیتے؟ (دراصل اس میں تا کا ذال میں ادغام ہو رہا ہے) تم سب کو بالآخر اسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے (یہ دونوں مصدر ہیں جو اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں) بے شک وہی ہیں (ان کسر ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور فتح کے ساتھ بتقدیر لام) پہلی بار پیدا کرتے ہیں (یعنی پیدائش شروع بھی وہی کرتے ہیں) اور پھر دوبارہ بھی وہی پیدا کریں گے (قیامت کے دن) تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ (ثواب) مرحمت فرمائے۔ باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو انہیں کھولتا ہوا پانی (جو انتہائی طور پر گرم ہوگا) پینے کو ملے گا اور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ان کے کفر کی پاداش میں (یعنی ان کے کفر کے سبب یہ سزا ملے گی) وہی ہیں جنہوں نے سورج کو چمکتا ہوا (روشنی والا یعنی نور) بنایا اور چاند کو نورانی اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ (اس کی رفتار کے اعتبار سے) ٹھہرا دیا (ہر مہینہ کی ۲۸ راتوں میں ۲۸ منزلیں طے کرتا ہے۔ اگر پورا مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے تو دو رات اور اگر انتیس تاریخ کا چاند ہونا ہوتا ہے تو صرف ایک رات چھپا رہتا ہے) تاکہ تم (اس کے ذریعہ) برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ اللہ نے یہ سب (مذکورہ) چیزیں نہیں بنائیں۔ مگر حکمت ومصلحت کے ساتھ (بیکار و بے فائدہ نہیں کہ اللہ اس سے بالا ہے) ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے (تدبر کرنے والے) ہیں۔ وہ دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آنے میں (ان کے آنے جانے اور زیادتی کمی میں) اور ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں (فرشتے، آفتاب وماہتاب، ستارے وغیرہ) اور زمین میں (جانور، پہاڑ، سمندر، نہریں، درخت وغیرہ) پیدا کی ہیں نشانیاں ہیں (جو اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والی ہیں) ان لوگوں کے لئے جو ڈر مانتے ہیں (اور ایمان لے آتے ہیں خاص طور پر ان کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس سے یہی لوگ نفع اٹھانے والے ہیں) جنہیں ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (قیامت کے روز) اور وہ صرف دنیوی زندگانی ہی پر مگن ہیں (آخرت کے بجائے کیونکہ وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں ہیں) اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (مطمئن ہو گئے ہیں) اور جو لوگ ہماری نشانیوں (دلائل وحدانیت) سے بالکل غافل ہیں (ان میں قطعاً نظر نہیں کرتے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے ان کے کرتوتوں (شرک اور گناہوں) کی وجہ سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا پروردگار ان پر راہ کھول دے گا (ان کو ایک نور عطا فرمائے گا جس سے وہ قیامت کے روز رہنمائی پاسکیں گے) ان کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی جب کہ وہ نعمت الٰہی کے باغوں میں ہوں گے وہاں ان کا نعرہ (ان کی پکار جب کہ وہ جنت میں کچھ کہنا چاہیں گے) یہ ہوگا کہ خدایا ساری پاکیاں آپ ہی کے لئے ہیں (یعنی یا اللہ! پس جب وہ کسی چیز کی طلب کریں گے تو فوراً اسے اپنے سامنے پائیں گے) اور ان کا (باہمی) سلام جنت میں یہ ہوگا "السلام علیکم" اور اخیر بات یہ ہوگی (ان مفسرہ ہے) کہ الحمد للہ رب العلمین۔

تحقیق وترکیب: ....**یونس** وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ حضرت یونسؑ کا نام اور قصہ اس سورت میں مذکور ہے۔ **الآیتین** اگر دوسری آیت **من الخاسرین** پر ختم ہے تو تیسری آیت **الالیم** تک ہوگی یا دوسری آیت کا آخر **الالیم** ہے تو **لا تکونن الخ** سے **الالیم** تک ایک آیت ہو جائے گی۔ بہر حال یہ تینوں آیات مدنی ہوں گی۔ **تلک** یا تو اس سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے اور یا اس سے پہلی سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔ **الاضافة بمعنی من** اس اضافت کے لئے شرط یہ ہوتی ہے کہ مجرور کا اطلاق مبین پر صحیح ہو جائے۔ یہاں بھی سورت کی آیات تو قرآن کی آیات ہیں۔ **المحکم** اشارہ اس طرف ہے کہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ یعنی قرآن کریم کذب وتناقض سے محفوظ ہے زمانہ کے تغیرات کا اس پر کچھ اثر نہیں۔

والخبر وھو اسمھا یعنی ان او حینا پہلی قرأت پر کان کا اسم ہے اور دوسری قرأت پر کان کی خبر ہے "**وھو اسمھا**

"جملہ معترضہ ہے مبتدا خبر کے درمیان۔

قدم صدق. مسجد الجامع، صلوٰۃ الاولیٰ کی طرح موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے اور اس کا مقصد زیادتی مدح ہے۔ان ربکم. یہ جواب ہے رسالت کے بارے میں کفار کے تعجب کا۔یعنی جب ہم اتنے بڑے عالم کے پیدا کرنے پر قادر ہیں تو پھر رسول بھیجنے پر کیسے قدرت نہیں ہوگی۔

من ایام الدنیا. ابن عباسؓ زمانۂ آخرت مراد لیتے ہیں جس کا ہر دن ہزار سال کا ہے۔ان یوما لیکن پہلا ہی قول راجح ہے۔ استواء یلیق بہ یہ قید متقدمین کے طریقہ پر ہے۔متاخرین استواء کے معنی بیٹھنے کے نہیں لیتے جس کی وجہ نے اس قید کی ضرورت پیش آئے۔وہ استیلا اور غلبہ کے معنی مراد لیتے ہیں۔

لفظ ثـم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب زمین وآسمان کی پیدائش کے بعد یہ استواء ہوا ہے تو پہلے اللہ عرش سے بے نیاز تھا اور ظاہر ہے کہ پھر بعد میں بھی محتاج نہیں ہوا۔ بلکہ مستغنی ہی رہا اور جس کی شان یہ ہو وہ عرش پر مستقر نہیں ہوسکتا۔اس لئے ظاہر آیت میں تاویل کرنا ضروری ہوگیا۔مبلغھما۔ **ای وعداللہ وعدا وحق حقا**.

ضیاء یہ لفظ سوط سیاط اور حوض حیاض کی طرح یا تو ضوء کی جمع ہے یا قام قیاما اور صام صیاما کی طرح مصدر ہے۔ بہر دو صورت مضاف محذوف ہے۔ای جعل الشمس ذات ضیاءٍ القمر ذات نور نور اور ضوء میں یہ فرق ہے کہ ضوء کہتے ہیں نور قوی اور عظیم کو پس ضوء خاص ہوا بہ نسبت نور کے۔یا ضیاء کہتے ہیں نور ذاتی کو اور نور کہتے ہیں جو غیر سے مستفاد ہو۔ان لفظوں سے شمس وقمر کے انوار میں فرق ظاہر ہوگیا۔ آفتاب کی شعاع کو بعض نے جوہر اور بعض نے عرض مانا ہے صحیح رائے دوسری ہی ہے۔

ثـمـانیۃ وعشریـن منزلا۔ بارہ برجوں پر منقسم ہیں جن کے نام یہ ہیں۔حمل۔ثور۔جوزا۔سرطان۔اسد۔سنبلہ۔میزان۔ عقرب۔قوس۔جدی۔دلو۔حوت۔ ہر برج کی پوری دو منزلیں اور تہائی منزل ہوتی ہیں۔اس طرح ۲۸ منزلیں ۲۸ راتوں میں پوری ہوجاتی ہیں اور تیس تاریخ کی صورت میں اٹھائیس انتیس کو۔اور انتیس تاریخ کی صورت میں صرف اٹھائیس کو چاند نظر نہیں آتا۔جیسا کہ علامہ بغویؒ کی رائے ہے۔لیکن کامل مہینہ کی صورت میں کبھی تین رات اور ناقص مہینہ کی صورت میں کبھی دو رات بھی چاند نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ علامہ قوشجیؒ نے شرح تذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

چاند کی گردش اور اس کی منزلیں:.......... چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ۲۷ دن ۷ گھنٹوں اور ۴۳ منٹوں میں قطع کرلیتا ہے۔اس دورہ کو علمائے ہیئت "نجومی دورے" یا "نجومی مہینہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔کیونکہ اس دورہ کے ختم پر چاند پھر اسی ستارہ کے قریب دکھائی دیتا ہے۔جہاں سے اس کی گردش شروع ہوئی تھی۔نیز اپنی گردش کی ہر رات میں وہ کسی نہ کسی ستارہ یا ستاروں کے مجموعہ کے پاس ضرور پہنچ جاتا ہے اور وہ گویا اس کی گردش کے لئے ہر روز کی ایک منزل بن گیا ہے۔وہ ہمیشہ ایک خاص منزل سے سفر شروع کرتا ہے۔ہر روز کی منزل میں نمایاں ہوتا ہے اور پھر وہیں پہنچ جاتا ہے۔جہاں سے زمین کا طواف شروع کیا تھا۔اس طرح ۲۷ دن اور ۷ گھنٹہ کی مدت نے ۲۸ منزلیں بنادیں۔جب ہم (۳۶۰) کے درجوں کو (جو کامل دورہ کی مقررہ مقدار ہے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہر روز تقریباً ۱۳ درجے مسافت اپنے فلک کی طے کرلیا کرتا ہے۔اور تقریباً اس لئے کہا کہ حساب میں کچھ دقیقے زیادہ ہوتے ہیں۔انسان کی نگاہ کے لئے آسمان کی کوئی چیز بھی اس درجہ نمایاں اور پرکشش نہیں۔جس قدر چاند اور سورج کا طلوع وغروب ہے اور ان کی مقررہ رفتاریں ہیں۔معلوم ہوتا ہے چاند وسورج کی رفتاروں کے مطالعہ اور ضرورت کی یکساں حالت نے قوموں کو اسی طرف متوجہ کردیا تھا۔ہندوستان میں ان منازل کے لئے نچھتر کا لفظ اختیار کیا گیا ہے اور اس طرح ۲۷ نچھتر قرار دیئے گئے

جو "اسونی" سے شروع ہوتے ہیں اور "ریونی" پرختم ہوجاتے ہیں۔ چینیوں نے بھی ۲۷ منزلیں بنائی تھیں اور اسے "سیو" کہتے تھے۔ بابل واشور کے باشندوں نے شاید سب سے پہلے اس کا سراغ لگایا اور مجوسیوں کی ایک مذہبی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ عرب جاہلیت نے آس پاس کی قوموں سے یہ حساب لیا یا بطور خود اس نتیجہ تک پہنچے تھے۔ تاہم یہ قاعدہ ان میں رائج ضرور تھا اور اسے چاند کی منزلوں سے تعبیر کرتے تھے۔ حکماء اسلام نے ان منزلوں کو بطلیموسی نقشہ سے تطبیق دی جو مجسطی میں درج ہے۔ اختلاف الیل زمان ومکان کے قرب وبعد کے لحاظ سے دن ورات میں نمایاں فرق رہتا ہے۔ نور ا یھتدون حدیث میں ہے کہ مؤمن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کے اعمال اچھی صورت میں آکر کہیں گے انا عملك اور پھر وہی اسے جنت کی طرف لے جائیں گے۔ اسی طرح کافر جب قبر سے برآمد ہوگا تو اس کے اعمال بری صورت میں ظاہر ہوں گے اور انا عملك کہتے ہوئے اسے جہنم میں لے جائیں گے۔

ربط آیات:........... پچھلی سورت اور اس سورت میں اور اس کے اجزاء میں مناسبت یہ ہے کہ توحید ورسالت، قرآن وقیامت کا اثبات کیا جارہا ہے اور بعض قصے تہدیدی بیان کئے جارہے ہیں۔ پہلی سورت میں بھی یہی مضامین تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں سنانی محاجہ تھا اور یہاں لسانی ہے نیز وہاں کفار کے مختلف فرقوں سے خطاب تھا اور یہاں مشرکین سے گفتگو ہے۔

شانِ نزول:........... ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت عام طور پر اہل عرب نے انکار کیا کہ اللہ محمد جیسے شخص کو رسول بنانے سے بلند وبالا ہے۔ اس پر آیت اکان للناس عجبا اور وما ارسلنا قبلك الا رجالا نازل ہوئیں۔ اس پر کہنے لگے کہ انسان کو اگر نبی بنانا ہی ہے تو محمد کے علاوہ دوسرے لوگ زیادہ موزون ومناسب ہیں۔ لو لا انزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم یعنی مکہ میں ولید بن مغیرہ ہے اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی ہے وہ زیادہ حقدار ہیں۔ جس کے جواب میں آیت اھم یقسمون رحمة ربك نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:........... **دین کی بنیاد وحی ورسالت پر ہے:**........... اس سورت میں بھی تمام تر مواعظ کا مرکز اصلی دین حق کے مبادیات واساسات ہیں۔ سلسلۂ بیان منکرین وحی سے شروع ہورہا ہے کیونکہ دینی ہدایت کی سب سے پہلی کڑی یہی ہے اور اسی اعتقاد پر تمام باتوں کا اعتقاد موقوف ہے۔ بہرحال یہ لوگ ایک طرف تو وحی ورسالت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ شخص عام لوگوں کی طرح نہیں ہے۔ اس میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ پھر جب اس کی کوئی توجیہ بن نہ پڑتی۔ تو کہنے لگتے ہو نہ ہو یہ جادوگر اور قرآن جادوگری ہے پس ان کا یہ کہنا قرآن کی حیرت انگیز تاثیر کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ گویا اس کا اثر اس درجہ نمایاں اور قطعی تھا کہ انکار وعناد کے باوجود اس سے انکار نہیں کرسکتے تھے۔ اپنے ضمیر کو جھٹلانے کے لئے جادوگری سے تعبیر کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔

توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال:........... اس کے بعد توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا جارہا ہے کہ جب تم مانتے ہو کہ کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے تو پھر عالم کی تدبیر وانتظام کے لئے اقتدار کی بہت سی چوکھٹیں کیوں بنا رکھی ہیں؟ اور انہیں نیاز وبندگی کا مستحق کیوں سمجھتے ہو؟ جس طرح پیدا کرنے والی ہستی اس کے سوا کوئی نہیں۔ اسی طرح تدبیر وفرماں روائی بھی صرف اسی کی ہے۔ اس میں نہ تو کسی سفارشی کی سفارش کو دخل ہے اور نہ کسی مقرب کے تقرب کو۔

آخرت پر استدلال:............ پھر سلسلۂ بیان آخرت کی زندگی کی طرف پھر گیا ہے۔جس سے مشرکین عرب کو انکار تھا۔یہاں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔(۱) پہلی مرتبہ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی پھر دہرائے گا۔پس اگر پہلی پیدائش پر یقین کرتے ہو تو دوسری پیدائش پر تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ (۲) جزائے عمل کا قانون چاہتا ہے کہ جس طرح ایک زندگی عمل کی آزمائش کے لئے ہے۔ اسی طرح ایک زندگی جزاء عمل کے لئے بھی ہونی چاہیئے (۳) خلقت کا یہ نظام اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات حکمت ومصلحت کے بغیر نہیں ہوتی۔سورج کو دیکھو جس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں اور چاند کو دیکھو جس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کردی گئی ہیں جس سے تم مہینوں کا حساب اور سالوں کی گنتی معلوم کرتے ہو۔اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض ومصلحت کے ہو اور صرف اس لئے ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے۔ادیان عالم کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جیسے کچھ اعمال کئے ہوں گے ویسے ہی نتائج دوسری زندگی میں پیش آجائیں گے۔قرآن ایمان اللہ کا ایک بنیادی عقیدہ ہے اسی مسئلہ کو کہتا ہے۔البتہ اس نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ دوسرے پیروان مذاہب کے عام تصور سے مختلف ہے۔ وہ اس گوشۂ کو کائنات ہستی کے عالمگیر قوانین خلقت سے الگ نہیں قرار دیتا۔ بلکہ اسی کے ماتحت لاتا ہے۔وہ کہتا ہے جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر حادثہ کے نتائج ہیں۔ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص ونتائج ہیں اور یہاں مادیات کی طرح معنویات کے قوانین بھی کام کر رہے ہیں پس اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہوگا۔اور برے عمل کا نتیجہ برائی۔

آواگون اور آخرت کے نظریہ میں فرق ہے تناسخ پر قرآن سے استدلال غلط ہے:............ ہندوستان میں آخرت کی زندگی اور جزاء کے لئے آواگون (تناسخ) کا عقیدہ پیدا ہوا۔قدیم ہندو مذہب اور پیروان بودھ اور چینی لوگ تینوں جماعتیں اس خیال پر متفق ہیں۔قدیم مصریوں کے عقائد میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور بعض حکماء یونان بھی اسی طرف گئے ہیں۔ چونکہ قرآن نے آخرت کے معاملہ کے لئے ''رجوع'' کی تعبیر اختیار کی ہے یعنی وہ ہر جگہ کہتا ہے ''تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے''۔اسی لئے حال میں بعض مصنفین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کا عقیدۂ آخرت بھی تناسخ کی بنیاد پر مبنی ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ قرآن نے لوٹنے کی تعبیر اختیار کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ زندگی بار بار ظہور میں آتی ہے اور بار بار اصل مرکز کی طرف لوٹتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ استدلال کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ بلاشبہ قرآن نے آخرت کی زندگی کو ''لوٹنے'' سے تعبیر کیا ہے اور وہ اس معاملہ کو یوں قرار دیتا ہے گویا انسانی ہستی کہیں سے آئی ہے اور پھر اسی طرف لوٹے گی۔لیکن صرف اتنی ہی بات سے آواگون ثابت نہیں ہو جاتا۔ بلکہ فلسفیانہ تناسخ کی بنیاد زندگی کے بار بار اعادۂ گردش پر ہے۔صرف روح کے لوٹنے پر نہیں ہے اور مذہبی تناسخ کی بنیاد اس پر ہے کہ جزائے عمل کا معاملہ اسی اعادہ اور گردش سے مرتب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں ان دونوں عقیدہ کے لئے کوئی بنیاد نہیں ملتی۔

مہینہ اور سال کا حساب:............ یوں تو یہ دلائل سب کے لئے عام ہیں۔مگر ایسے مواقع پر اکثر اہل علم اور تقویٰ کی تخصیص بلحاظ نفع کے ہے اور منزل سے مراد وہ مسافت ہے جسے کوئی ستارہ ایک دن رات میں طے کرلے۔خواہ وہ مسافت خلاء ہو یا ملاء اور اس لحاظ سے آفتاب کو بھی ذی [illegible] کہہ سکتے ہیں۔اسی لئے بعض نے قدرہ کی ضمیر ہر ایک کی طرف انفرادی طور پر لوٹائی ہے۔لیکن چاند کی چال چونکہ سورج کی [illegible] تیز ہے اور اس کا منازل طے کرنا محسوس ہے۔اس لئے سیر منازل کی تخصیص چاند کے ساتھ مناسب ہوئی اور اس اعتبار سے چاند کی [illegible] ۳۰ منزلیں ہونی چاہئیں۔لیکن ۲۸ رات سے زیادہ چونکہ نظر نہیں آتا۔اس لئے ۲۸ منزلیں مشہور ہوگئیں ہیں اور ہر

چند کے چاند وسورج دونوں سے سال اور مہینوں کے حسابات معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن سورج کا دورہ سالانہ ہونے کی وجہ سے سال کے حساب کو سورج کے ساتھ وابستہ کرنا مناسب ہے اور ماہانہ جزوی حساب کو چاند سے منسوب کرنا موزوں ہوگا۔ ممکن ہے حساب کا لفظ اسی لئے بڑھایا گیا ہو۔ سبحان اللہ گنے چنے الفاظ میں حقیقت حال کی کیسی تصویر کھینچ دی ہے۔ جس سے کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہا اور ساتھ ہی آخرت کے تمام دلائل بھی نمایاں ہو گئے۔ آیت ان الذین اٰمنوا الخ سے معتزلہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جنت میں داخل ہونا ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے۔ لیکن اہل سنت کی طرف سے جواب ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں مجموعی طور پر جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں نہ کہ شرط۔ اور نصوص سے صرف ایمان سے جنت میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسباب میں تزاحم اور منافات نہیں ہوتی۔ ایک چیز کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔

لطائف آیات: .... آیت ان الذین لا یرجون الخ سے معلوم ہوا کہ دنیا پر فریفتہ ہونا اور رتجھنا اور اس پر مطمئن ہو بیٹھنا سراسر برا ہے۔

وَنَزَلَ لَمَّا اسْتَعْجَلَ الْمُشْرِكُوْنَ الْعَذَابَ **وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ** اَیْ كَاسْتِعْجَالِهِمْ **بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ** بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ **اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ** بِالرَّفْعِ وَالنَّصَبِ بِاَنْ يُهْلِكَهُمْ وَلٰكِنْ يُمْهِلُهُمْ **فَنَذَرُ** نَتْرُكُ **الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴿۱۱﴾** يَتَرَدَّدُوْنَ مُتَحَيِّرِيْنَ **وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ** الْكَافِرَ **الضُّرُّ** الْمَرَضُ وَالْفَقْرُ **دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ** اَیْ مُضْطَجِعًا **اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا** اَیْ فِیْ كُلِّ حَالٍ **فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ** عَلٰى كُفْرِهٖ **كَاَنْ** مُخَفَّفَةٌ وَاِسْمُهَا مَحْذُوْفٌ اَیْ كَاَنَّهٗ **لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ** كَمَا زُيِّنَ لَهُ الدُّعَاءُ عِنْدَ الضُّرِّ وَالْاِعْرَاضُ عِنْدَ الرَّخَاءِ **زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ** الْمُشْرِكِيْنَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ** الْاُمَمَ **مِنْ قَبْلِكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **لَمَّا ظَلَمُوْا** بِالشِّرْكِ **وَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** الدَّالَّاتِ عَلٰى صِدْقِهِمْ **وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا** عَطْفٌ عَلٰى ظَلَمُوْا **كَذٰلِكَ** كَمَا اَهْلَكْنَا اُولٰئِكَ **نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ﴿۱۳﴾** الْكَافِرِيْنَ **ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **خَلٰٓئِفَ** جَمْعُ خَلِيْفَةٍ **فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۴﴾** فِيْهَا وَهَلْ تَعْتَبِرُوْنَ بِهِمْ فَتُصَدِّقُوْا رُسُلَنَا **وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا** الْقُرْاٰنُ **بَيِّنٰتٍ** ظَاهِرَاتٍ حَالٌ **قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا** لَا يَخَافُوْنَ الْبَعْثَ **ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ** لَيْسَ فِيْهِ عَيْبُ اٰلِهَتِنَا **اَوْ بَدِّلْهُ** مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِكَ **قُلْ مَا يَكُوْنُ** يَنْبَغِيْ **لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ** قِبَلِ **نَفْسِيْ اِنْ** مَا **اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ** بِتَبْدِيْلِهٖ **عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴿۱۵﴾** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ** اَعْلَمَكُمْ **بِهٖ** وَلَا نَافِيَةٌ عطفٌ على مَاقَبْلَهٗ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَامٍ جَوَابِ لَوْ اَیْ لَاَعْلَمَكُمْ بِهٖ عَلٰى لِسَانِ غَيْرِیْ **فَقَدْ لَبِثْتُ** مَكَثْتُ **فِيْ**كم عُمُرًا سِنِيْنًا

اَرْبَعِيْنَ **مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ** لَا اُحَدِّثُكُم بِشَيْءٍ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾** اَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ قِبَلِي **فَمَنْ** اَيْ لَا اَحَدٌ **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** بِنِسْبَةِ الشَّرِيْكِ **اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ** الْقُرْاٰنِ **اِنَّهٗ** اَيِ الشَّاْنَ **لَا يُفْلِحُ** يُسْعِدُ **الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾** اَلْمُشْرِكُوْنَ **وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهٖ **مَا لَا يَضُرُّهُمْ** اِنْ لَّمْ يَعْبُدُوْهُ **وَلَا يَنْفَعُهُمْ** اِنْ عَبَدُوْهُ وَهُوَ الْاَصْنَامُ **وَيَقُوْلُوْنَ** عَنْهَا **هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ** لَهُمْ **اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ** تُخْبِرُوْنَهٗ **بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ** اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَيْ لَوْ كَانَ لَهٗ شَرِيْكٌ لَعَلِمَهٗ اِذْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِيْهًا لَهٗ **وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾** مَعَهٗ **وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً** عَلٰى دِيْنٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْاِسْلَامُ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ اِلٰى نُوْحٍ وَقِيْلَ مِنْ عَهْدِ اِبْرَاهِيْمَ اِلٰى عَمْرِو بْنِ لُحَي **فَاخْتَلَفُوْا** بِاَنْ ثَبَتَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ **وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ** بِتَاْخِيْرِ الْجَزَاءِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** اَيِ النَّاسِ فِي الدُّنْيَا **فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾** مِنَ الدِّيْنِ بِتَعْذِيْبِ الْكَافِرِيْنَ **وَيَقُوْلُوْنَ** اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ **لَوْ لَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ** كَمَا كَانَ لِلْاَنْبِيَاءِ مِنَ النَّاقَةِ وَالْعَصَا وَالْيَدِ **فَقُلْ** لَهُمْ **اِنَّمَا الْغَيْبُ** مَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ اَيْ اَمْرُهٗ **لِلّٰهِ** وَمِنْهُ الْاٰيَاتُ فَلَا يَاْتِيْ بِهَا اِلَّا هُوَ وَاِنَّمَا عَلَيَّ التَّبْلِيْغُ **فَانْتَظِرُوْٓا** الْعَذَابَ اِنْ لَمْ تُؤْمِنُوْا **اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾** ع

ترجمہ:.......... (مشرکین نے جب عذاب نازل ہونے کا تقاضا کیا تو اگلی آیت نازل ہوئی) اور انسان جس طرح فائدہ کے لئے جلدی مچاتا ہے۔ اگر اسی طرح (یعنی لوگوں کی جلد بازی کی طرح) اللہ اسے نقصان پہنچانے میں جلد باز ہوتا تو کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (مجہول ومعروف دونوں طرح ہے) اس کا وقت (رفع اور نصب کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ یعنی لوگوں کو تباہ کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ ٹلاتے رہتے ہیں) پس جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں (کہ وہ حیران ومتردد رہتے ہیں) اور جب کبھی انسان (کافر) کو کوئی رنج (بیماری، تنگدستی) پہنچتا ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے خواہ کسی حال میں ہو، کروٹ کے بل لیٹا ہو، کھڑا ہو، بیٹھا ہو (یعنی ہر حال میں) لیکن جب ہم اس کا رنج دور کر دیتے ہیں تو پھر اس طرح (اپنے کفر پر) چل دیتا ہے گویا کہ (کان مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی کانہ) رنج ومصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح (جیسے کہ مصیبت کے وقت دہائی دینا اور مصیبت ہٹ جانے پر پھر انجان بن جانا خوشنما معلوم ہوتا ہے) خوشنما کر دیئے گئے ہیں۔ حد سے گزرنے والوں (مشرکین) کی نگاہوں میں ان کے کارنامے اور تم سے پہلے (اے مکہ والو! کتنی ہی امتیں گزر چکی ہیں۔ جب انہوں نے ظلم (شرک) کی راہ اختیار کی تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا حالانکہ ان کے پاس رسول روشن دلیلیں (جو ان کی صداقت پر گواہ ہیں) لے کر آئے مگر وہ اس پر بھی ایمان نہیں لائے (ظلموا پر اس کا عطف ہے) مجرموں (کافروں) کو ہم اسی طرح ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں (جیسا کہ ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا ہے) پھر تمہیں (اے مکہ کے باشندو) ان امتوں کے بعد ہم نے دنیا میں ان کا جانشین (خلائف جمع خلیفہ) کیا ہے تاکہ ہم دیکھیں تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟ (اس دنیا میں آیا ان لوگوں کی حالت دیکھ کر ان سے عبرت پکڑتے ہو اور ہمارے رسولوں کو سچا سمجھتے ہو؟) اور جب تم ہماری کھلی کھلی (واضح) آیتیں (قرآن کی) انہیں پڑھ کر سناتے ہو تو جن

لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کوئی کھٹکا نہیں ہے (قیامت کا ڈر نہیں ہے) وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لا کر سناؤ (جس میں ہمارے معبودوں کی برائیاں نہ ہوں) یا اس میں کچھ ردوبدل کر دو (اپنی طرف سے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا (میرا یہ مقدور نہیں) کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ کتر بیونت کر دوں۔ میں تو اس حکم کا تابع ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں (اس کے حکم میں ردوبدل کر کے) تو عذاب کا بہت بڑا دن آنے والا ہے (قیامت کا دن) آپ یوں کہئے اگر خدا کو منظور ہوتا تو نہ میں تم کو یہ قرآن سناتا اور نہ تمہیں اس سے خبر دار کرتا (اس میں لا نافیہ ہے جس کا ماقبل پر عطف ہو رہا ہے اور ایک قرأت میں لام کے ساتھ لو کے جواب میں اور معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو میرے علاوہ کسی اور ذریعہ سے تمہیں اس کی اطلاع دیتا) پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں میں عمر کا ایک بڑا حصہ (چالیس سال) بسر کر (گزار) چکا ہوں (جس میں کبھی ایک بات بھی تم سے اس طرح کی بیان نہیں کی) کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے ہو؟ (کہ یہ کلام میری اپنی طرف سے نہیں ہوسکتا) پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے؟ (کوئی نہیں ہوسکتا) جو اپنی جی سے جھوٹ بات بنا کر اللہ پر افتراء کرلے (شریک کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) یا اس (قرآن) کی آیتوں کو جھٹلائے یقیناً ایسے مجرموں (مشرکوں) کو اصلا فلاح (کامیابی) نہیں ہوگی اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں (اگر ان کی پوجا نہ کی جائے) اور نہ فائدہ (اگر ان کی پوجا کر لی جائے مراد بت ہیں) اور (ان بتوں کے متعلق) کہتے ہیں یہ ہیں اللہ کے حضور ہمارے سفارشی (ان سے) کہہ دو کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر (اطلاع) دینی چاہتے ہو جو خود اسے معلوم نہیں نہ تو آسمانوں میں نہ زمین میں (یہ استفہام انکاری ہے یعنی اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو ضرور اللہ کو معلوم ہوتا کیونکہ کوئی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے) پاک (صاف) اور برتر ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ (اس کے ساتھ) کر رہے ہیں اور تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے تھے۔ (ایک دین اسلام پر تھے۔ آدمؑ سے لے کر نوحؑ تک اور بعض کی رائے میں ابراہیمؑ کے وقت سے لے کر عمرو بن لحی کے زمانہ تک) پھر یہ الگ الگ ہوگئے (بعض تو ایمان پر جمے رہے اور بعض نے کفر کا راستہ اختیار کرلیا) اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرادی گئی ہوتی (قیامت تک عذاب ملتوی کرنے کی) تو (ان لوگوں کے درمیان دنیا ہی میں) کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جن (مذہبی) باتوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں (اس طرح کہ کافروں کو عذاب دے دیا جاتا) اور یہ لوگ (مکہ والے) یوں کہتے ہیں کہ ان (محمدؐ) پر ان کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری؟ (جیسا کہ پچھلے انبیاء پر اونٹنی، لاٹھی اور ید بیضاء کے معجزات اتر چکے ہیں) سو (ان سے) کہہ دو غیب کا علم (جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں ان کی خبر) تو صرف اللہ کو ہے (معجزات بھی ان ہی میں داخل ہیں اس لئے ان کو وہی ظاہر کرسکتا ہے میرا کام تو صرف تبلیغ ہے) بس انتظار کرو (عذاب کا ایمان نہ لانے کی صورت میں) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

تحقیق وترکیب:............ **استعجل المشركون** اس سے مراد نضر بن الحارث وغیرہ مشرکین ہیں جنہوں نے کہا تھا اللهم ان کان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة۔

کاستعجالهم منصوب بنزع الخافض ہونے کی طرف مفسر علامؒ اشارہ کر رہے ہیں۔ **لننظر كيف تعملون** استعارہ تمثیلیہ سے کام لیا گیا ہے بادشاہ جس طرح اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیا کرتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ **فقد لبثت فيكم عمرا** یعنی پہلے سے تمہیں معلوم ہے کہ امی محض ہوں لکھنے پڑھنے سے مطلق واسطہ نہیں تھا۔ پھر ایک دم ایسی بے مثل کتاب اور لاجواب کلام کا پیش کرنا از خود کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ یہ وحی الٰہی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

بما لا يعلم یہاں لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی پر استدلال کیا گیا ہے۔ کیونکہ علم الٰہی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو کچھ بھی

موجود ہوگا وہ اللہ کے علم میں ضرور ہوگا۔لیکن جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں تو سمجھ لو کہ وہ چیز موجود ہی نہیں ہے اور ما یشرکون میں ما موصولہ ہے یا مصدر یہ۔

من ذریته ادم نوح علیہ السلام کے زمانہ میں شرک وکفر شروع ہو گیا جیسا کہ **لا تذرن الهتکم الخ** سے معلوم ہوتا ہے تو **فاخذهم الطوفان الخ** عذاب الٰہی سے انہیں تباہ کر ڈالا گیا۔اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نمرود ہلاک کیا گیا۔پھر عمرو بن لحی نے کفر و شرک پھیلایا۔بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام جانوروں کی حرمت کے احکامات گھڑے۔

لو لا حکمة چونکہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزاء ہے اس لئے یہاں سزا جزا جاری نہیں کی گئی ہے۔

ربط آیات:............پچھلی آیت **اولئك ماوٰهم النار** میں عذاب آخرت کی دھمکی دی گئی تھی۔لیکن وہ اسے نری دھمکی سمجھتے تھے اور کہتے تھے اگر واقعی عذاب کوئی چیز ہے تو **ربنا عجل لنا قطنا قبل یوم الحساب** پس آیت **ولو یعجل اللّٰه** میں اس کا جواب ارشاد ہے آگے آیت **واذا مس الانسان الخ** میں شرک کی ایک خاص طرز سے تردید کی جا رہی ہے کہ اگر واقعی ان کے معبود برحق ہوتے تو مصیبت میں کیوں انہیں یکسر چھوڑ بیٹھتے۔ معلوم ہوا کہ یہ خود بھی شرک کو صحیح نہیں سمجھتے۔جیسے کہ واقعہ میں بھی صحیح نہیں ہے۔

اس کے بعد آیت **ولقد اهلکنا الخ** سے کفار کے مستحق عذاب ہونے کی تائید میں پچھلے کفار کا عذاب الٰہی میں ہلاک ہونا اجمالاً بیان فرماتے ہیں۔تاکہ اشارہ ہو جائے کہ مستحق عذاب تو تم بھی ہو چکے ہو۔مگر بعض حکمتوں سے دنیا میں یہ عذاب ٹل رہا ہے۔تاہم آخرت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔اس لئے لامحالہ عذاب واقع ہو کر رہے گا۔وعید و معاد کی اس گفتگو کے بعد آیت **واذا تتلی الخ** سے قرآن اور رسالت کی سچائی اور حقانیت کا بیان ہے اور آیت **ویعبدون الخ** سے پھر شرک کی تردید کی جا رہی ہے۔اور آیت **ویقولون الخ** میں مسئلہ رسالت کو پھر سے چھیڑا جا رہا ہے۔

شان نزول:............نضر بن الحارث وغیرہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك فامطر علینا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب الیم اس پر آیت **ولو یعجل اللّٰه الخ** نازل ہوئی ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............آیت **ولو یعجل اللّٰه الخ** میں ''قانون امہال'' بیان کیا جا رہا ہے تاہم یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے دو چیزیں معلوم ہوئیں۔ایک یہ کہ شر مانگنے سے بھی جلدی واقع نہیں ہوتا۔دوسرے یہ کہ خیر مانگنے سے جلدی واقع ہو جاتی ہے۔حالانکہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔کیونکہ بسا اوقات دونوں کے خلاف ہوتا رہتا ہے۔

ایک اشکال کے دو جواب:............جواب یہ ہے کہ آیت کا مقصد اصلی یہ بتلانا ہے کہ رحمت الٰہی کی وجہ سے خیر کے معاملہ میں اصل اس کا جلد واقع کرنا ہے اور شر میں اصل اس کا ٹلانا ہے۔لیکن اگر کسی عارضی مصلحت کی وجہ سے اس کے خلاف ہو جائے تو مدلول آیت کے منافی نہیں ہوگا غرضیکہ آیت میں تو دونوں کا اصل تقاضا بیان کیا جا رہا ہے۔دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے جس چیز کو ہم شر سمجھ رہے ہیں وہ فی الحقیقت اس خاص شخص کے حق میں یا مصلحت عام پر نظر کرتے ہوئے کسی نہ کسی خیر کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہو۔پس اس لحاظ سے اس شر کا واقع ہونا بھی گویا خیر ہی کا واقع ہونا ہے۔اسی طرح جس خیر میں تاخیر ہوتی ہے۔اس میں ضرور کوئی شر چھپا ہوتا ہے۔پس اس شر کا ہونا گویا واقع میں خیر کا ہونا ہوتا ہے اور اس خیر کا نہ ہونا گویا شر کا نہ ہونا ہے۔

توحید ایک فطری بات ہے:.......... آیت واذا مسّ الانسان الخ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ رنج ومصیبت کی حالت میں انسان کے اندر وجدانی طور پر یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہے جو میرا دکھ درد دور کرسکتی ہے اور اسی کو پکارنا چاہیئے لیکن جب مصیبت دور ہوجاتی ہے تو پھر عیش وراحت کی غفلتوں میں پڑکر اسے بھول جاتا ہے۔ گویا اس نے کسی کو پکارا ہی نہ تھا۔ قرآن نے جابجا انسان کی اس فطری حالت سے استشہاد کیا ہے۔ کیونکہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں بے اختیار اس ولولہ کا اٹھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندرونی ادراک میں خدا کی ہستی کا اعتقاد رکھتی ہے اور اعراض وغفلت اس کی وجدانی حالت نہیں ہے۔ بلکہ خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔

شکر اور ناشکری کی حالت:.......... یہ مضمون قرآن کریم کی اسی قسم کی دوسری آیتوں میں بھی آیا ہے۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ اچھی حالت میں انسان کی طرف سے اعراض کرلینا، بھول جانا، دعا چھوڑ بیٹھنا، اترا جانا اور اکڑ جانا پایا جاتا ہے اور یہ سب باتیں ایک ساتھ جمع ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح بری حالت میں انسان کی طرف سے مایوسی، ناشکری اور دعا پائی جاتی ہے۔ ان میں سے مایوسی اور ناشکری دونوں تو خیر جمع ہوسکتی ہیں۔

دُعاء مایوسی کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتی ہے:.......... لیکن مایوسی اور دعاء کا اجتماع کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ دعاء تو امید ہی میں کی جاتی اور امید ناامیدی کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتی ہے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ زبان سے تو وہ دعا کرتا ہے۔ مگر دل میں مایوسی اور ناامیدی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اول اول خوب دعا کرتا ہے۔ مگر پھر مایوس ہوکر چھوڑ بیٹھتا ہے پس ان دونوں صورتوں میں دعاء اور مایوسی دونوں جمع ہوگئیں۔

دو آیتوں میں تعارض:.......... البتہ سورۂ حٰم فصلت کے آخر میں جو لا یسئم الانسان من دعاء الخیر فرمایا گیا ہے۔ یعنی انسان کبھی دعائے خیر سے نہیں تھکتا۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ مانگتے ہی چلا جاتا ہے۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر اس سے خیر کی حالت میں دعا کرنا مراد ہے۔ تب تو ابھی معلوم ہوچکا ہے کہ انسان اچھی حالت میں دعا چھوڑ بیٹھتا ہے۔ پس دونوں آیتوں میں تعارض ہوا اور اگر بری حالت کے اعتبار سے یہ کہا جارہا ہے تب بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ انسان بری حالت میں ہمیشہ دعا کرتا ہے کیونکہ مایوسی کی حالت میں دعا میں نشاط یقیناً فوت ہوجاتا ہے اور جب نشاط نہیں تو دعا کہاں ہوئی؟

جواب:.......... جواب یہ ہے کہ لا یسئم الانسان الخ کا حکم اچھی اور بری دونوں حالتوں کے اعتبار سے ہے لیکن دعا سے مراد جی لگا کر اور خوشدلی سے دعا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ محض استدعاء تمنا اور خواہش وحرص کے درجہ میں ہے اور یہ باتیں دونوں صورتوں میں تازہ رہتی ہیں۔

نیچریوں پر رد:.......... مشرکین عرب پیغمبرِ اسلام کی صداقت اور فضیلت سے تو انکار نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن کہتے تھے کہ تمہاری باتیں سننے کے لئے ہم تیار ہیں مگر تم جو ایسی باتیں کہتے ہو جنہیں ہم قبول نہیں کرسکتے اس لئے ان میں کچھ ایسی ترمیم کردو جس سے ہمارے پرانے عقیدوں کے مطابق ہوجائے۔ یا اس قرآن ہی کو بدل کر دوسرا قرآن لے آؤ۔ گویا وہ لوگ قرآن پاک کو بعض نیچریوں کی طرح کلام محمدی سمجھتے تھے۔ پس آیت واذا تتلٰی الخ میں اسی کے جواب کی تلقین کی جارہی ہے کہ آپ کہہ دیجئے اس بارے میں بے

اختیار ہوں۔ جو کچھ مجھ سے کہلایا جاتا ہے وہ کہہ دیتا ہوں۔

صداقت محمدی ﷺ کی دلیل: .... رہ گئی میری صداقت سو اس کی سب سے بڑی دلیل تو وہی فاتوا بسورۃ الخ ہے۔ لیکن آخری درجہ میں بطور تنزیل کے ایک وجدانی دلیل یہ بھی ہے کہ میری عمر کا چالیس سالہ بیشتر حصہ تم میں ہی گذر چکا ہے اور تمام علمائے اخلاق ونفسیات اس پر متفق ہیں کہ انسان کے اخلاق وخصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصلی زمانہ یہی چالیس سالہ دور ہوتا ہے جو سانچہ اس عرصہ میں بن گیا۔ پھر بقیہ زندگی میں وہ پختہ ہوسکتا ہے۔ مگر بدل نہیں سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس سال تک صادق، امین رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا جھوٹا لپاٹی بن جائے۔ کہ انسانوں ہی پر نہیں۔ بلکہ اپنے اور زمین وآسمان کے پیدا کرنے والے پر افتراء کرنے لگے۔ میری ساری کتاب زندگی تمہارے سامنے ہے۔ جس نے کبھی پڑھنے پڑھانے سے بلکہ پڑھوؤں سے بھی دور کا واسطہ نہ رکھا ہو۔ وہ دم کے دم میں آج کس طرح لاجواب تعلیمات کی کتاب پیش کرسکتا ہے۔ عادۃ یہ بات محال ہے اور معجزات میں محال عادی ہی پر مدار ہوا کرتا ہے۔

شریرترین انسان: .... آگے فرمایا جاتا ہے کہ تم ان دو باتوں کا انکار نہیں کرسکتے۔ ایک تو جو شخص اللہ پر افتراء کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور دوسرے جو کسی سچے انسان کو جھٹلائے وہ بھی سب سے بڑھ کر شریر انسان ہے۔ اب صورت حال نے یہاں دونوں فریق پیدا کردیئے ہیں۔ اگر میں خدا پر بہتان باندھ رہا ہوں گا تو مجھے ناکام ونامراد ہونا پڑے گا۔ ورنہ تم سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اور اللہ کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیا کرتا۔ چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہوگیا کہ جو جھٹلا رہے تھے۔ ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا اور جو سچا تھا اس کا کلمہ آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا۔

ردشرک: .... فلا یضرھم ولا ینفعھم میں اگر حقیقۃً نفع ونقصان کا نہ ہونا مراد ہے تب تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب معبودان کو یہ حکم شامل ہے۔ خواہ وہ زندہ ہوں یا بے جان۔ اور اگر محض ظاہری نفع نقصان مراد ہے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ مردہ معبودوں کو یہ حکم شامل رہے گا۔ جن بتوں کی پوجا مکہ کے باشندے کرتے تھے وہی مراد ہوں گے۔ رہا مشرکین کا یہ کہنا کہ بت ہمارے سفارشی ہیں اور سفارشی مستحق عبادت ہوتا ہے۔ آیت اتنبئون اللّٰہ میں دو طرح سے اس کو رد کیا گیا ہے۔ اول صغریٰ کے غلط ہونے سے کہ یہ شفیع ہی نہیں۔ دوسرے کبریٰ کو باطل کردینے سے کہ اگر شفیع بھی ہوں تو شفیع کا معبود بننا لازم نہیں۔ غرضیکہ غیر اللہ کی معبودیت کا اعتقاد خواہ بالذات ہو یا بالعرض شرک ہے۔

بتوں کا سفارشی ہونا غلط ہے: .... اور کفار کا بتوں کو شفیع ماننا دنیا کے لحاظ سے تو خیر حقیقۃً تھا۔ مگر آخرت کو چونکہ وہ نہیں مانتے تھے۔ اس لئے وہاں کے اعتبار سے انہیں شفیع ماننا فرضاً ہوگا۔ کہ بالفرض آخرت کوئی واقعی چیز ہوئی تو یہ ہمارے سفارشی ہوں گے۔

لطائف آیت: .... آیت واذا مس الانسان الخ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے مشاہدہ ربوبیت میں حقائق عبودیت کا ادراک نہیں کیا۔ ان پر جب بلا آتی ہے تو وہ گڑگڑانے لگتے ہیں اور جب بلا دور ہوجاتی ہے تو ایک دم بے تعلق ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ لوگ عارف ہوتے تو برابر گڑگڑاتے اور بندگی کرتے رہتے اور اگر انسان سے مراد کافر لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ دعا وعبادت اگر ایمان کے ساتھ نہ ہوں بلکہ محض اضطراراً ہوں تو ایسی دعا اور عبادت نفع بخش نہیں ہوتی۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ اَیْ کُفَّارَ مَکَّۃَ **رَحْمَۃً** مَطَرًا وَخِصْبًا **مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ** بُؤْسٍ وَجَدْبٍ **مَسَّتْھُمْ اِذَا لَھُمْ**

مَكْرٌ فِیْٓ اٰيَاتِنَا بالْاِستِهزاءِ وَالتَّكذِيبِ قُلِ لهُم اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا مُجازاةً اِنَّ رُسُلَنَا الحفظَة يَكْتُبُوْنَ مَاتَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ بالتَّاءِ وَالياءِ هُوَ الَّذِیْ يُسَيِّرُكُمْ وَفِی قِراءَةٍ يُنشِرُكُم فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ السُّفُنِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ فِيهِ اِلتِفاتٌ عَنِ الخِطابِ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ لَيِّنَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ شَدِيدَةُ الهُبُوبِ تُكسِرُ كُلَّ شَیْءٍ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ اَی اُهلِكُوا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ الدُّعاءَ لَئِنْ لامُ قَسمٍ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ الاَهوالِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ المُوحِّدِينَ فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ بالشِّركِ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ ظُلمُكُم عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ لِاَنَّ اِثمَهٗ عَلَيها هُوَ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تَتَمَتَّعُونَ فِيهَا قَلِيلًا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ بَعدَ المَوتِ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَنُجازِيكُم عَلَيهِ وَفِی قِراءَةٍ بِنَصبِ مَتاعَ اَی تَتَمَتَّعُونَ اِنَّمَا مَثَلُ صِفَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ مَطَرٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ بِسَبَبِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ وَاشتَبَكَ بَعضُهٗ بِبَعضٍ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ مِنَ البُرِّ وَالشَّعِيرِ وَغَيرِهِمَا وَالْاَنْعَامُ مِنَ الكَلَاءِ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا بُهجَتَها مِنَ النَّباتِ وَازَّيَّنَتْ بالزَّهرِ وَاَصلُهٗ تَزَيَّنَتْ اُبدِلَتِ التَّاءُ زَايًا وَادغِمَتْ فِی الزَّایِ ثُمَّ اُجتُلِبَتْ هَمزَةُ الوَصلِ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ مُتَمَكِّنُونَ مِن تَحصِيلِ ثِمارِها اَتٰهَآ اَمْرُنَا قَضاؤُنا اَو عَذابُنا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا اَی زَرعَها حَصِيْدًا كَالمَحصُودِ بالمَناجِلِ كَاَنْ مُخَفَّفَةٌ اَی كَاَنَّها لَّمْ تَغْنَ تَكُن بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ نُبَيِّنُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ اَی السَّلامَةِ وَهِیَ الجَنَّةُ بالدُّعاءِ اِلَی الاِيمانِ وَيَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ هِدايَتَهٗ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ دِينِ الاِسلَامِ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا بالاِيمانِ الْحُسْنٰى الجَنَّةُ وَزِيَادَةٌ هِیَ النَّظرُ اِلَيهِ تَعالٰی كَمَا فِی حَدِيثِ مُسلِمٍ وَلَا يَرْهَقُ يَغشٰی وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ سَوادٌ وَّلَا ذِلَّةٌ كَآبَةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ عَطفٌ عَلٰی لِلَّذِينَ اَحسَنُوا اَی وَلِلَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ عَمِلُوا الشِّركَ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ زائِدَةٌ عَاصِمٍ مانِعٍ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ اُلبِسَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا بِفَتحِ الطَّاءِ جَمعُ قِطعَةٍ وَاِسكانِها اَی جُزءًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاذكُر يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ اَی الخَلقَ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ نُصِبَ بِالزَمُوا مُقَدَّرًا اَنْتُمْ تاكِيدٌ لِلضَّمِيرِ المُستَتِرِ فِی الفِعلِ المُقَدَّرِ لِيُعطَفَ عَلَيهِ وَشُرَكَآؤُكُمْ اَی الاَصنامُ فَزَيَّلْنَا مَيَّزنا بَيْنَهُمْ وَبَينَ المُؤمِنِينَ كَمَا فِی اٰيَةِ وَامتَازُوا

الیوم ایھا المجرمون **وَقَالَ** لَھُمْ **شُرَکَآؤُھُمْ مَا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ﴿۲۸﴾** مانافیۃ وقدم المفعول للفاصلۃ **فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِنْ** مخففۃ ای اِنْ **کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ﴿۲۹﴾ ھُنَالِکَ** ای ذلک الیوم **تَبْلُوْا** من البلوی وفی قراءۃ بتائین من التلاوۃ **کُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ** قدمت من العمل **وَرُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ** الثابت الدائم **وَضَلَّ** غاب **عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴿۳۰﴾ع** علیہ من الشرکاء

ترجمہ:.........اور جب ہم لوگوں (کفار مکہ) کو دکھ درد (سختی، قحط سالی) کے بعد اپنی رحمت (بارش اور سرسبزی) کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہماری نشانیوں میں باریک باریک حیلے نکالنا شروع کر دیتے ہیں (تمسخر کرنے اور جھٹلانے لگتے ہیں) تم (ان سے) کہہ دو اللہ ان باریکیوں میں سب سے زیادہ تیز ہے (سزا دینے میں) ہمارے فرشتے (محافظین) تمہاری یہ ساری مکاریاں قلم بند کر رہے ہیں (لفظ **یکتبون** تا اور یا کے ساتھ ہے) وہی ہے جس نے تمہارے لئے سیر و گردش کا انتظام کر دیا ہے (اور ایک قرأت میں **ینشر کم** ہے) خشکی اور تری میں یہاں تک کہ جب تم جہاز میں سوار ہوتے ہو اور (جہاز) موافق (نرم) ہوا پا کر تمہیں لے اڑتے ہیں (لفظ **بھم** میں صیغہ خطاب سے التفات ہے) اور مسافر خوش ہوتے ہیں پھر اچانک ہوائے تند (ایسے سخت جھکڑ جن سے ہر چیز تہس نہس ہو جائے) کے جھونکے آ جاتے ہیں اور ہر طرف موجیں گھیر لیتی ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ بس اب ان میں آ گھرے (یعنی پھنس گئے) تو اس وقت خالص اعتقاد کر کے (دعا میں) اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں خدایا: اگر (لام قسمیہ ہے) اس (دہشت ناک) حالت سے آپ ہمیں نجات دے دیں تو ہم ضرور آپ کے شکر (توحید) گزار ہوں گے۔ پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک ملک میں ناحق (شرک کر کے) سرکشی اور فساد کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو: تمہاری سرکشی (ظلم) کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے۔ (کیونکہ ظلم کا گناہ ظالم ہی کو ہوگا) یہ دنیا کی زندگی کے فائدے ہیں (دنیا میں تھوڑے دنوں اترا لو) پھر تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے (مرنے کے بعد) اس وقت ہم تمہیں بتلائیں گے کہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی (لہٰذا تمہیں اس پر بدلہ دے گا اور ایک قرأت میں **متاع** منصوب ہے۔ یعنی تم فائدہ اٹھاتے رہو) دنیا کی زندگی کی مثال (حالت) تو بس ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے (بارش کا) پانی برسایا پھر اس پانی (کی وجہ) سے خوب گنجان ہو کر نکلے زمین کے نباتات (ایک دوسرے میں گندھ کر) جو انسانوں کی غذا میں کام آتی ہیں (گیہوں جو وغیرہ) اور چوپاؤں کے چارہ میں کام آتی ہے (یعنی گھاس پھونس) یہاں تک کہ جب زمین اپنی رونق کے سارے زیور پہن چکی (لہلہاتی ہوئی گھانس سے) اور خوب شاداب ہوگئی (سرسبزی سے اصل میں **تزینت** تاء کو زاء سے بدل کر زاء میں ادغام کر دیا گیا ہے پھر ہمزۂ وصل گر گیا) اور زمین کے مالک سمجھے کے اب فصل ہمارے قابو میں آ گئی ہے (اس کے پھلوں پر اب ہم قابض ہو چکے ہیں) تو اچانک ہماری طرف سے کوئی حادثہ (فیصلہ یا عذاب) آ پڑا رات کے وقت یا دن کے وقت۔ سو ہم نے اسے (کھیت کو) ایسا صاف کر کے رکھ دیا (جیسے درانتیوں سے کاٹ دیا جائے) گویا کہ (ان مخففہ ہے یعنی کانھا) ایک دن پہلے تک اس کا نام نشان ہی نہ تھا۔ اسی طرح ہم دلیلوں کو کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے (یعنی جنت کی طرف، ایمان کی دعوت دیتے ہوئے) اور جسے چاہتا ہے۔ (ہدایت دیتا ہے) اسے سیدھی راہ (اسلام) پر لگا دیتا ہے جن لوگوں نے نیکی کی (ایمان لائے) ان کے لئے بھلائی (جنت) ہوگی۔ اور اس سے بھی کچھ زیادہ (اللہ کے جمال کی طرف

نظر کرنا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے) ان کے چہروں پر نہ تو کالک (سیاہی) تھپے گی (چھائے گی) اور نہ ذلت (پھٹکار) برسے گی۔ ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہنے والے اور جن لوگوں نے (اس کا عطف للذین احسنوا پر ہے یعنی وللذین ہے) بدکام کئے (شرک کیا) تو برائی کا نتیجہ ویسا ہی نکلے گا۔ جیسی کچھ ویرانی و پریشانی ہوگی اور ان پر ذلت چھا جائے گی اللہ سے بھی انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا (مـــــن زائدہ ہے) ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائے گی جیسے پرت کے پرت ان کے چہروں پر اڑھا دیئے (پہنا دیئے) گئے ہوں (لفظ قطعاً فتح اور سکون طاء کے ساتھ قطعة کی جمع ہے بمعنی ٹکڑہ) اندھیری رات کے۔ سو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے۔ اور (یاد کیجئے) اس وقت کو جب کہ ہم ان سب (مخلوقات) کو اپنے حضور اکٹھا کریں گے۔ پھر مشرکین سے کہیں گے۔ ٹھرو: (لفظ مكان منصوب الزموا مقدر کی وجہ سے) تم (یہ فعل مقدر کی ضمیر مستتر کی تاکید ہے عطف درست کرنے کے لئے) اور وہ سب معبود جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا (یعنی بت) پھر پھوٹ ڈال دیں گے (الگ الگ کر دیں گے) ان میں (اور مسلمانوں میں جیسا کہ دوسری آیت وامتازوا اليوم ايها المجرمون میں ہے) اور (ان سے) شرکاء بولیں گے کہ تم نے ہماری عبادت نہیں کی تھی (ما نافیہ ہے اور مفعول کو فاصلہ کی رعایت سے مقدم کر دیا گیا ہے) سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ (ان مخففہ ہے یعنی انا) تھا ہم تمہاری پرستشوں سے یکسر بے خبر تھے۔ اس مقام پر (یعنی اس دن) جانچ لے گا (یہ لفظ بلوی سے ماخوذ ہے اور ایک قرأت میں یہ لفظ دو تا کے ساتھ آیا ہے۔ تلاوة سے مشتق کر کے) ہر آدمی جو کچھ کہ وہ پہلے کر چکا ہے (کارنامہ انجام دے چکا ہے) سب اللہ کے حضور جو ان کا مالک حقیقی (ثابت اور دائم) ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے (شرکاء) غائب ہو جائیں گے۔

تحقیق وترکیب:.........**اذا اذقنا**. **اذا** شرطیہ ہے۔ جس کا جواب آگے **اذا لهم مكر الخ** میں اذا مفاجاتیہ سے آ رہا ہے۔ وفی قراءة ابن عامرؒ کی قرأت ہے ینشرکم کے معنی یفرتکم کے ہیں۔ حتی اذا کنتم. حتی غایۃ کے لئے ہے۔ لیکن یسیرکم کی غایۃ صرف حتی اذا کنتم نہیں ہے۔ تا کہ یہ اشکال ہو کہ کشتی میں ہونا تو سیر کی غایۃ نہیں ہوتی۔ بلکہ کشتی میں ہونا سیر سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ پس کہا جائے گا کہ مابعد کے معطوفات مل کر مجموعہ غایۃ بنے گا۔ اب یہ اشکال نہیں رہے گا۔

لام قسم. ای قائلین واللہ لئن انجیتنا. بغیر الحق. ناحق کی قید لگا کر مسلمانوں کے کافروں پر استیلاء کو خارج کر دیا کہ وہ حق ہوتا ہے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ بغی تو ناحق ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ قید کیوں لگائی گئی ہے۔ **لان اثمه** اشارہ ہے کہ **انما بغیکم** بتقدیر مضاف ہے ای **انما اثم بغیکم**.

متاع الحیوة اکثر کی قرأت رفع کے ساتھ اور حفصؒ کی قرأت نصب کے ساتھ ہے۔ رفع کی صورت میں **بغیکم الخ** مبتداء اور متاع خبر ہوگی۔ یا بغیکم مبتداء اور انفسکم خبر ہے۔ اور متاع خبر ہوگی مبتداء محذوف کی ای **هو متاع الحياة الخ** لیکن نصب کی حالت میں ترکیب اس طرح ہوگی کہ **بغیکم** مبتداء اور **انفسکم** اس کی خبر ہے اور **متاع الحیوة** مصدر مؤکد ہے۔ ای **تستمعون متاع الحیوة** لفظ بغی جب علی کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے تو ظلم کے معنی میں۔ اور جب فی کے صلہ سے آتا ہے تو فساد کے معنی میں ہوتا ہے۔

کماء انزلناہ الخ آسمانی پانی کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آسمانی پانی کی طرح دنیا بلا کسب حاصل ہو جاتی ہے بخلاف زمینی پانی کے وہ آلات کا محتاج ہوتا ہے۔

احسنوا بالایمان یہ قید لگا کر اشارہ کر دیا کہ مؤمن اگرچہ گنہگار ہو تب بھی اس میں داخل ہو جائے گا۔

الحسنیٰ مبتداء مؤخر ہے۔ وزیادۃ ترمذی ومسلم کی روایت ہے کہ اہل جنت سے حق تعالیٰ دریافت فرمائیں گے۔ کچھ اور مزید چاہیئے؟ عرض کریں گے آپ نے ہمیں جنت سے نوازا جہنم سے چھٹکارا بخشا اور کیا کمی رہ گئی۔ چنانچہ حجاب اٹھا دیا جائے گا کہ جمال الٰہی کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوگی۔

وقال شرکاؤھم اس سے اگر بت وغیرہ بے جان چیزیں مراد ہوں تو حق تعالیٰ پہلے ان میں زندگی اور گویائی پیدا فرما دیں گے تب یہ گفتگو ہوگی۔

ربط آیات: .... آیت **اذا اذقنا الناس الخ** میں گذشتہ قول **لولا انزل علیه الخ** کی علت اور اس علت کی علت اغراض ومقاصد کا حصول مع وعید بیان فرماتے ہیں۔ نیز اس آیت کا مضمون پچھلی آیت **فلما کشفنا عنه ضره الخ** کا تتمہ اور آئندہ آیت **فلما انجاھم الخ** کی تمہید بھی ہے۔ آیت **ھو الذی الخ** سے پھر توحید کا بیان ہے۔ جس میں **ھو الذی** سے تحقیق اور **دعوا اللّٰه الخ** سے الزام دونوں سے کام لیا گیا ہے۔

آیت **یا ایھا الذین الخ** میں یہ بتلانا ہے کہ دنیا کی کامرانی چندروزہ ہے۔ پھر آخرت میں سزا بھگتنا ہے۔ آگے آیت **انما مثل الخ** میں دنیا کا فانی اور آخرت کا باقی ہونا بیان کیا جا رہا ہے۔ جزاء وسزا کی تفصیل ہے۔

آیت **ویوم نحشرھم الخ** معبودان باطل کا اپنے عابدین سے بے تعلق ہونا ظاہر کیا جا رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **راحت ومصیبت میں انسان کی حالت کا فرق:** .... جب تک دنیوی اسباب وعلائق کا کوئی ادنیٰ سہارا بھی باقی رہتا ہے انسان کا وجدان بیدار نہیں ہوتا اور ایک تنکے کا سہارا بھی اس لئے کافی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے غافل ہو جائے لیکن جوں ہی اسباب وعلائق کے رشتے ٹوٹے اور یاس وناامیدی کی کامل حالت طاری ہوئی اور اس نے دیکھا کہ اب دنیا کا کوئی ہاتھ اسے بچا نہیں سکتا۔ تو اچانک اس کا سویا ہوا وجدان بیدار ہو جاتا ہے اور خدا پرستی کا جوش اپنے سارے اخلاص کے ساتھ اس کے اندر ابھر آتا ہے۔ اس وقت وہ خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا۔ سارے رشتے، سارے بھروسے، ساری ہستیاں یک قلم نابود ہو جاتی ہیں۔ وہ بے اختیار خدا کو پکارنے لگتا ہے اور اس کی یہ پکار اس کے دل کے ایک ایک ریشہ کی پکار ہوتی ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا یہی پہلی حالت قائم رہتی ہے؟ نہیں جوں ہی اس کی ڈوبتی کشتی اچھلی اور امید ومراد کی گم شدہ صورت واپس آگئی، پھر وہی اس کی غفلتیں ہوتی ہیں اور وہی سرکشیاں۔ اگر تم غور کرو گے تو اس حالت کی مثالیں خود اپنی ہی زندگی میں تمہیں مل جائیں گی۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم بیمار ہوئے اور طبیبوں نے جواب دے دیا؟ یا کسی دوسری مصیبت میں پڑے اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو اس وقت تمہاری خدا پرستی اور خدا پرستی کے اخلاص کا کیا حال تھا؟ قرآن نے جابجا اس حالت کے بیان کے لئے بحری سفر کی مثال اختیار کی ہے۔ کیونکہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لئے اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی۔ دین حق کی تعلیم وتزکیہ کا مقصد یہی ہے کہ اس حالت سے انسان کو نجات دلا دے اور اس کا وجدان اس طرح بیدار کر دے کہ خدا پرستی کا جو اخلاص خاص خاص حالتوں میں ابھرتا ہے وہ اس کی پوری زندگی کی ایک دائم اور مستقر حالت ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کی حالت یہ فرمائی گئی ہے کہ مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت وسرور کا عالم۔ لیکن خدا کی یاد سے دل پر غفلت طاری نہ ہو۔

دنیا کی حالت سے انسان فریب کا شکار ہو جاتا ہے: .... یعنی دو لفظوں میں ہر قسم کی سرکشی داخل ہے لیکن جب اس کو "فی الارض" کے ساتھ کہا جائے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیا کی دولت وطاقت حاصل ہو جاتی ہے اور اس گھمنڈ

میں آ کر ظلم وفساد کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں۔ چونکہ ان کی سرکشی کا اصل سرچشمہ دنیوی زندگانی کے سروسامان کا غرور ہوتا ہے اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ دنیاوی زندگانی کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کاشتکاری کا دھندہ کہ آسمان سے پانی برستا ہے اور کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ وقت آتا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ اب فصل پک گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے قبضہ میں ہے تو اچانک کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے گویا اس کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔ یعنی دنیاوی زندگانی کی ساری کامرانیاں اور دلفریبیاں وقتی اور ہنگامی ہیں۔ تم یہاں کی کسی چیز اور کسی حالت پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ ضرور ایسی ہی رہے گی۔ اول تو زندگی ہی چندروزہ ہے۔ پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں۔ پھر زندگی کی ساری دلفریبیوں کا حال یہ ہے کہ صبح ہیں تو شام کو نہیں، شام کو ہیں تو صبح کو نہیں۔ ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت وگمراہی کی اور کیا بات ہوگی کہ انسان حق وراستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے اور کس چیز کے بھروسہ پر؟ اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار کے بھروسہ پر جسے چند لمحوں کے لئے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہہ سکتا۔

غافل انسان: .... لیکن انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے کوئی نہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہو۔ مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگردانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے۔ یہی غفلت ہے جسے دین حق دور کرنا چاہتا ہے وہ دنیا و دین کی کامرانیوں سے نہیں روکتا۔ مگر ان کے غرور باطل اور بے اعتدالی کی راہیں بند کر دینی چاہتا ہے۔ کیونکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرور باطل ہے۔ خوشحالی اور کامرانی سے چہروں کا چمک اٹھنا اور نامرادی وخواری سے سیاہ پڑ جانا ایک طبعی حالت ہے۔ اسی کو فرمایا کہ قیامت کے دن ایک گروہ کے چہرے چمک اٹھیں گے دوسرے کے سیاہ پڑ جائیں گے۔

بت پرستی سے بتوں کی بے خبری: .... آیت ویوم نحشر الخ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تم جن پیشواؤں کو اپنی حاجت روائیوں کیلئے پکارتے ہو ان تک نہ تو تمہاری پکار پہنچتی ہے نہ تمہاری پرستاریوں کی انہیں کچھ خبر ہے پھر وہ تمہاری حاجت روائی کیا کریں گے؟ بلکہ وہ کہیں گے ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ گو ہمارا نام لیتے ہوں۔ لیکن فی الحقیقت ہمیں نہیں پوجتے تھے۔ اپنی ہوا ونفس کے پجاری تھے۔ ہمیں تو ان کی پرستش کی خبر ہی نہیں۔ قیامت کے روز بتوں کا بولنا ناممکن نہیں ہے۔ رہا ان کا غافل ہونا تو وہ بھی صحیح ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کی ان حرکات سے بے خبر ہیں اور فرشتے وغیرہ بھی اگر مراد ہوں تب بھی چونکہ ان کو علم محیط حاصل نہیں۔ پھر وہ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ انہیں از خود کسی کی کیا خبر۔ اور ھنالک کی قید زیادہ تحقق وعلم کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ مطلق علم تو مرتے ہی اور قبر میں جا کر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہاں اللہ کو مولیٰ فرمانا باعتبار معنی مالکیت ہے اور آیت لا مولیٰ لھم میں اس کا ان کی نصرت ومحبت کے معنی کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

لطائف آیات: .... آیت حتی اذا کنتم فی الفلک الخ سے معلوم ہوا کہ جو نادان لوگ ایسے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کی بجائے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے نام کی دہائیاں دیتے ہیں۔ وہ اس بارے میں مشرکین سے بھی زیادہ قابل افسوس ہیں۔ آیت للذین احسنوا الخ سے معلوم ہوا کہ تجلی الٰہی آخرت کی ساری نعمتوں سے زیادہ افضل ہے۔

قُلْ لَهُمْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ بِالْمَطَرِ **وَالْاَرْضِ** بِالنَّبَاتِ **اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ** بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ

اَیْ خَلْقَهَا وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ بَیْنَ الْخَلَائِقِ فَسَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اللّٰهُ فَقُلْ لَهُمْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَتُؤْمِنُوْنَ فَذٰلِكُمُ الْفَعَّالُ لِهٰذِهِ الْاَشْیَاءِ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ الثَّابِتُ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِیْرٍ اَیْ لَیْسَ بَعْدَهُ غَیْرُهُ فَمَنْ اَخْطَأَ الْحَقَّ وَهُوَ عِبَادَةُ اللّٰهِ وَقَعَ فِی الضَّلَالِ فَاَنّٰی کَیْفَ تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ عَنِ الْاِیْمَانِ مَعَ قِیَامِ الْبُرْهَانِ كَذٰلِكَ كَمَا صَرَفَ هٰؤُلَاءِ عَنِ الْاِیْمَانِ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَی الَّذِیْنَ فَسَقُوْا كَفَرُوْا وَهِیَ لَاَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ الْاٰیَةَ اَوْ هِیَ اَنَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ تُصْرَفُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ مَعَ قِیَامِ الدَّلِیْلِ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ بِنَصْبِ الْحُجَجِ وَخَلْقِ الْاِهْتِدَاءِ قُلِ اللّٰهُ یَهْدِیْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ یَّهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَهُوَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ یَهْتَدِیْ اِلَّآ اَنْ یُّهْدٰی اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِیْرٍ وَتَوْبِیْخٍ اَیِ الْاَوَّلُ اَحَقُّ فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ هٰذَا الْحُكْمَ الْفَاسِدَ مِنِ اتِّبَاعِ مَا لَا یَحِقُّ اِتِّبَاعُهٗ وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ فِیْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اِلَّا ظَنًّا حَیْثُ قَلَّدُوْا فِیْهِ اٰبَاءَهُمْ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا فِیْمَا الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ الْعِلْمُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَیُجَازِیْهِمْ عَلَیْهِ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی اَیْ اِفْتِرَاءً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِهٖ وَلٰكِنْ اُنْزِلَ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكُتُبِ وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ تَبْیِیْنُ مَا كَتَبَ اللّٰهُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَغَیْرِهَا لَا رَیْبَ شَكَّ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۷﴾ مُتَعَلِّقٌ بِتَصْدِیْقِ اَوْ بِاُنْزِلَ الْمَحْذُوْفِ وَقُرِئَ بِرَفْعِ تَصْدِیْقٍ وَتَفْصِیْلٍ بِتَقْدِیْرِ هُوَ اَمْ بَلْ اَ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اِخْتَلَقَهٗ مُحَمَّدٌ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ فِی الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ عَلٰی وَجْهِ الْاِفْتِرَاءِ فَاِنَّكُمْ عَرَبِیُّوْنَ فُصَحَاءُ مِثْلِیْ وَادْعُوْا لِلْاِعَانَةِ عَلَیْهِ مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَیْ غَیْرِهٖ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ فِیْ اَنَّهُ افْتِرَاءٌ فَلَمْ یَقْدِرُوْا عَلٰی ذٰلِكَ قَالَ تَعَالٰی بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ اَیْ بِالْقُرْاٰنِ وَلَمْ یَتَدَبَّرُوْهُ وَلَمَّا لَمْ یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ عَاقِبَةُ مَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ كَذٰلِكَ التَّكْذِیْبِ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهُمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۹﴾ بِتَكْذِیْبِ الرُّسُلِ اَیْ اٰخِرَ اَمْرِهِمْ مِنَ الْهَلَاكِ فَكَذٰلِكَ یُهْلَكُ هٰؤُلَاءِ وَمِنْهُمْ اَیْ اَهْلِ مَكَّةَ مَّنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ لِعِلْمِ اللّٰهِ ذٰلِكَ مِنْهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهٖ اَبَدًا وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴۰﴾ تَهْدِیْدٌ لَهُمْ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لَهُمْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَیْ لِكُلٍّ جَزَاءُ عَمَلِهٖ اَنْتُمْ بَرِیْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَهٰذَا مَنْسُوْخٌ بِاٰیَةِ السَّیْفِ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِیْ عَدَمِ الْاِنْتِفَاعِ بِمَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ وَلَوْ كَانُوْا مَعَ الصَّمَمِ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ یَتَدَبَّرُوْنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِیْ عَدَمِ الْاِهْتِدَاءِ بَلْ هُمْ اَعْظَمُ فَاِنَّهَا لَاتَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ اَیْ كَاَنَّهُمْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا فِی الدُّنْیَا اَوِ الْقُبُوْرِ اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ لِهَوْلِ مَارَاَوْا وَجُمْلَةُ التَّشْبِیْهِ حَالٌ مِنَ الضَّمِیْرِ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ یَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِذَا بُعِثُوْا ثُمَّ یَنْقَطِعُ التَّعَارُفُ لِشِدَّةِ الْاَهْوَالِ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ اَوْ مُتَعَلَّقُ الظَّرْفِ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا فِیْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِیَّةِ فِیْ مَا الزَّائِدَةِ نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ فِیْ حَیَاتِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَیْ فَذَاكَ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ قَبْلَ تَعْذِیْبِهِمْ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ مُطَّلِعٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ مِنْ تَكْذِیْبِهِمْ وَكُفْرِهِمْ فَیُعَذِّبُهُمْ اَشَدَّ الْعَذَابِ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ مِنَ الْاُمَمِ رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ اِلَیْهِمْ فَكَذَّبُوْهُ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ فَیُعَذَّبُوْا وَیُنْجِیَ الرَّسُوْلَ وَمَنْ صَدَّقَهٗ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ بِتَعْذِیْبِهِمْ بِغَیْرِ جُرْمٍ فَكَذٰلِكَ یُفْعَلُ بِهٰٓؤُلَاءِ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ بِالْعَذَابِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ فِیْهِ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا اَدْفَعُهٗ وَّلَا نَفْعًا اَجْلِبُهٗ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ یُقْدِرَنِیْ عَلَیْهِ فَكَیْفَ اَمْلِكُ لَكُمْ حُلُوْلَ الْعَذَابِ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ مُدَّةٌ مَعْلُوْمَةٌ لِهَلَاكِهِمْ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ یَتَاَخَّرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ یَتَقَدَّمُوْنَ عَلَیْهِ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اَخْبِرُوْنِیْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ اَیِ اللّٰهِ بَیَاتًا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا مَّا ذَا اَیُّ شَیْءٍ یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ اَیِ الْعَذَابِ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَلْمُشْرِكُوْنَ فِیْهِ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضَعَ الْمُضْمَرِ وَجُمْلَةُ الْاِسْتِفْهَامِ جَوَابُ الشَّرْطِ كَقَوْلِكَ اِنْ اَتَیْتُكَ مَاذَا تُعْطِیْنِیْ وَالْمُرَادُ بِهِ التَّهْوِیْلُ اَیْ مَا اَعْظَمُ مَا اسْتَعْجَلُوْهُ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ حَلَّ بِكُمْ اٰمَنْتُمْ بِهٖ اَیِ اللّٰهِ اَوِ الْعَذَابِ عِنْدَ نُزُوْلِهٖ وَالْهَمْزَةُ لِاِنْكَارِ التَّاْخِیْرِ فَلَا یُقْبَلُ مِنْكُمْ وَیُقَالُ لَكُمْ آٰلْـٰٔنَ تُؤْمِنُوْنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ اِسْتِهْزَاءً ثُمَّ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ اَیِ الَّذِیْ تَخْلُدُوْنَ فِیْهِ هَلْ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا جَزَاءً بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَیَسْتَنْبِـُٔوْنَكَ یَسْتَخْبِرُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ (وقف النبی علیہ السلام) اَیْ مَا وَعَدْتَنَا بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ وَالْبَعْثِ قُلْ اِیْ نَعَمْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (وقف النبی) وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ ع بِفَائِتِیْنَ الْعَذَابَ

ترجمہ:.........(ان لوگوں سے) پوچھیے وہ کون ہے جو تمہیں آسمان کی (بارش) اور زمین کی (نباتات) کے ذریعہ روزی دیتا ہے

کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا (سمع بمعنی اسماع ہے یعنی کس نے سننے کی طاقت پیدا کی ہے) اور دیکھنا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر وہ کون ہے جو تمام کارخانہ ہستی کا انتظام کر رہا ہے؟ یہ بول اٹھیں گے کہ (وہ) ''اللہ'' ہے پس تم (ان سے) کہو اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم ڈرتے نہیں؟ (تمہیں ایمان لے آنا چاہئے) یہی (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اللہ ہے جو تمہارا پروردگار حقیقی ہے پھر بتلاؤ سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ (استفہام تقریری ہے یعنی وضوح حق کے بعد نہ ماننا بجز گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ پس جو حق یعنی اللہ کی عبادت سے ہٹے گا وہ گمراہی میں پڑ جائے گا) تم منہ پھیرے کدھر جا رہے ہو؟ (دلائل موجود ہوتے ہوئے ایمان سے روگردانی کر رہے ہو) اسی طرح (جیسے ان لوگوں کو ایمان سے پھیر دیا ہے) آپ کے پروردگار کا فرمودہ ان لوگوں پر صادق آ گیا۔ جو سرکش ہیں (کافر ہیں وہ فرمان الٰہی یا تو لاملئن جهنم الخ ہے اور یا اگلی بات ہے) کہ وہ ایمان لانے والے نہیں اے پیغمبرؐ! ان سے پوچھئے کیا تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو خلقت کی پیدائش شروع کرے اور پھر اسے دہرائے؟ تم کہو یہ تو اللہ ہے جو پہلے پیدا کرتا ہے پھر اسے دہرائے گا۔ پس غور کرو تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر لئے جا رہی ہے؟ (دلیل ہوتے ہوئے اس کی عبادت سے کہاں پھرے جا رہے ہو) ان سے پوچھو کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے (دلائل قائم کر کے اور سیدھی راہ چلنے کی توفیق بخش کر) تم کہہ دو اللہ ہی حق کا رستہ دکھاتا ہے۔ پھر جو حق کا رستہ دکھادے (یعنی اللہ) وہ اس کا حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی جائے (اس کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ استفہام تقریری ہے توبیخ کے لئے۔ یعنی پہلی ہی صورت والی ہستی حقدار ہے) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ (اس طرح کے غلط فیصلے کہ جو پیروی کے لائق نہیں۔ اس کی پیروی کی جائے) اور ان لوگوں میں (بت پرستی کے متعلق) زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں (چنانچہ ایسی باتوں میں یہ لوگ اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہیں) اور فی الحقیقت سچائی اور حق کے پہچاننے میں بے اصل خیالات ذرا بھی مفید نہیں ہو سکتے (جہاں مقصد علم کا حاصل کرنا ہو) یہ جو کچھ کر رہے ہیں۔ یقیناً اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے (لہذا وہ اس پر انہیں بدلہ دے گا) اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گھڑ لائے۔ بلکہ یہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ کی تفصیل ہے (یعنی احکام وغیرہ) جو اللہ نے فرض کئے ہیں) اس میں کوئی شبہ نہیں۔ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے (اس کا تعلق تصدیق کے ساتھ ہے۔ یا انزل محذوف کے ساتھ ہے اور تصدیق وتفصیل کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے تقدیرھو کے ساتھ) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص (محمدؐ) نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ تم کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو قرآن کی مانند ایک سورت بنا کر پیش کر دو (جو فصاحت و بلاغت میں قرآن کا نمونہ ہو تم بھی بنا لاؤ۔ آخر تم بھی میری طرح فصیح عربی بولنے والے ہو) اور خدا کے سوا (علاوہ) جن جن ہستیوں کو اپنی مدد (اعانت) کے لئے بلا سکتے ہو بلا لو۔ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ یہ قرآن من گھڑت ہے۔ لیکن تمہیں اس پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے (قرآن کا اور اس میں تدبر کرنے کا) اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا (قرآن میں جو وعیدیں ہیں ان کا انجام) اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے ٹھیک اسی طرح (جیسے انہوں نے جھٹلایا) ان لوگوں نے بھی (اپنے نبی کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ تو دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے (جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا۔ یعنی ان کا انجام تباہی ہوا۔ پس ایسے ہی یہ بھی برباد ہوں گے) اور ان (مکہ والوں میں) کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن پر ایمان لائیں گے (علم الٰہی کے مطابق) کچھ ایسے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں (کبھی بھی) اور آپ کا پروردگار مفسدین کو خوب جانتا ہے (یہ ان کے لئے دھمکی ہے) اور اگر یہ لوگ

آپ کو جھٹلائیں تو (ان سے کہہ دو میرے لئے میرا عمل ہے تمہارے لئے تمہارا (یعنی ہر ایک کو اس کی کرنی کا پھل ملے) میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں۔تم جو کچھ کرتے ہو اس کے لئے میں ذمہ دار نہیں (یہ حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے) اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو آپ کی باتوں کی طرف کان لگا لگا بیٹھتے ہیں (جب آپ تلاوت قرآن فرماتے ہیں) پھر کیا آپ بہروں کو بات سنائیں گے (انہیں بہروں سے اس لئے تشبیہ دی کہ قرآن کی تلاوت سے انہیں فائدہ نہیں ہوتا) گوان کو (بہرے ہونے کے ساتھ) سمجھ بھی نہ ہو (تدبر نہ کرتے ہوں) اور کچھ ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کو تکتے رہتے ہیں۔پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا دیں گے۔اگر چہ انہیں کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو (انہیں اندھوں سے تشبیہ دی ہے راہ سجھائی نہ دینے میں بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔کیونکہ یہ ظاہری آنکھوں کا جانا نہیں ہے۔بلکہ اندرونی بینائی کا پٹ ہو جانا ہے) یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے۔مگر خود انسان ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔اور جس دن ایسا ہوگا اللہ ان سب کو اپنے حضور جمع کرے گا اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (یہ لوگ) اس سے زیادہ (دنیا میں یا قبروں میں) نہیں ٹھیرے جیسے گھڑی بھر کو لوگ ٹھیر جائیں (دہشت ناک منظر کی وجہ سے۔اور جملہ تشبیہ ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے) اور آپس میں صاحب سلامت کرلیں (ایک دوسرے کو پہچان لیں قبروں سے اٹھتے ہی۔بعد میں پھر ہولنا کیوں کی وجہ سے جان پہچان ختم ہو جائے گی۔یہ جملہ حال مقدرہ ہے یا ظرف کے متعلق ہے) بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں رہے جنہوں نے (قیامت میں) اللہ کی ملاقات کا اعتقاد جھٹلایا اور وہ کبھی راہ پانے والے نہ تھے۔اور یا (ان شرطیہ کا نون مـا زائدہ میں ادغام ہو رہا ہے) جن جن باتوں کا ہم نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے ان میں سے بعض باتیں آپ کو دکھلا دیں گے (یعنی عذاب، آپ کی زندگی ہی میں، جواب شرط محذوف ہے۔یعنی ''تب تو خیر'') یا ہم آپ کو وفات دے دیں (ان پر عذاب آنے سے پہلے) تب تو ہمارے پاس انہیں آنا ہی ہے۔پھر اللہ ان کے سب کاموں پر مطلع ہے (یعنی جو انہوں نے تکذیب اور کفر کو اختیار کیا ہے۔لہٰذا انہیں بد ترین عذاب میں مبتلا کرے گا) اور (پہلی امتوں میں سے) ہر امت کے لئے ایک رسول آچکا ہے۔پھر جب کسی امت میں ان کا رسول آچکتا ہے (اور وہ لوگ اس کے جھٹلانے پر تل جاتے ہیں) تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے (کہ انہیں عذاب میں گرفتار کرلیا جاتا ہے اور رسول اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو بچالیا جاتا ہے) اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا (کہ بلا جرم ان کو عذاب دے دیا جائے۔ ایسے ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا) اور یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم (اس بارے میں) سچے ہو تو بتلاؤ یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا۔آپ فرما دیجئے میں تو خود اپنی جان کا نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتا (کہ اس کو ہٹا سکوں) اور نہ نفع کا مالک ہوں (کہ اسے حاصل کرسکوں) وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے (جس چیز پر مجھے قدرت دینا چاہتا ہے۔پھر بھلا تم پر عذاب اتارنے کا مجھے کیا اختیار؟) ہر امت کے لئے ایک مقررہ وقت ہے (ان کی تباہی کی مدت معین ہے) جب وہ وقت آپہنچتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں (اس سے) نہ ایک گھڑی آگے (سرک سکتے ہیں) تم ان لوگوں سے کہو کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا (یہ تو بتلاؤ) اگر تم پر (اللہ کا) عذاب رات کو آپڑے یا دن دہاڑے تم پر مسلط ہو جائے تو تم کیا کرو گے۔کوئی چیز ایسی ہے جس (عذاب) کے لئے مجرم (مشرک) جلدی مچارہے ہیں؟ (اس میں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے اور جملہ استفہام جواب شرط ہے جیسے کہا جائے۔ ان اتیتك مـاذا تـعـطینی اور مقصد ڈرانا ہے یعنی کون سی ایسی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے یہ جلدی مچارہے ہیں) پھر کیا جب وہ آہی پڑے گا (تم پر واقع ہو جائے گا) تو اس وقت تم یقین کرو گے (اللہ پر یا عذاب پر جب وہ آپڑے گا اور ہمزہ تاخیر کے انکار کے لئے ہے۔ پس اس وقت تمہارا ایمان لانا مقبول نہیں ہوگا۔بلکہ تم سے یوں کہا جائے گا) ہاں اب مانا (یقین کیا) حالانکہ تم ہی جلدی مچایا کرتے تھے (تمسخر کرتے ہوئے) پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھو (جس میں تم ہمیشہ رہو گے) تم کو تو تمہارے ہی کئے کا

بدلہ ملا ہے اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں (پوچھتے ہیں) کہ کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟ (یعنی عذاب یا قیامت کی بابت جو آپ وعدہ کررہے ہیں (تم کہو ہاں (بے شک) قسم ہے میرے پروردگار کی یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے (عذاب سے نہیں بچ سکتے)۔

تحقیق وترکیب: .... **من یرزقکم.** توحید ثابت کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے آٹھ سوال کئے۔ جن میں سے پانچ کا جواب مشرکین کی زبانی اور دو کا جواب پیغمبر کی زبانی دلایا گیا ہے اور ایک آخر کو ظاہر ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے جس کو مفسر علامؒ نے ظاہر کر دیا۔ اممن میں ام منقطعہ ہے فماذا میں ماذا یا تو ایک ہی کلمہ ہے اشارہ پر استفہام کو غالب کر لیا گیا ہے اور ما موصولہ بمعنی الذی ہے ای ماالذی۔

افمن میں من مبتداء احق اس کی خبر ہے اور امن لا یھدی مبتداء ہے خبر محذوف ہے جس کی تقدیر مفسرؒ نے احق نکالی ہے لایھدی میں تعلیل ہوئی ہے۔ امام رازیؒ نے اس کے علاوہ چار قرأتیں اس لفظ میں اور بھی ذکر کی ہیں۔ **فما لکم** جملہ مستقلہ ہے۔ اس لئے اس پر وقف کرنا چاہیئے۔

فیما المطلوب منه العلم. یعنی علم اعتقادی کے لئے ظن مفید نہیں ہے۔ اس سے مطلقاً علم میں ظن کا غیر مفید ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے خبر واحد یا قیاس کے حجت نہ ہونے پر اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں کہ اس کا تعلق فقہیات سے ہوتا ہے نہ کہ عقائد وکلامیات سے۔ **وما کان ھذاالقراٰن** یعنی فصاحت وبلاغت میں حد اعجاز کے اعلیٰ مرتبہ پر جیسے کلام الٰہی پہنچا ہوا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو من گھڑت کہا ہی نہیں جا سکتا۔

متعلق بتصدیق. ای انزل التصدیق من رب العلمین۔ وقریٔ برفع۔ ای ولکن ھو تصدیق الخ و تفصیل۔ کا عطف بہر حال تصدیق پر ہوگا رفع اور نصب دونوں حالتوں میں ام بل اشارہ ہے ام منقطعہ ہونے کی طرف۔ سیبویہؒ وغیرہ اس کے بعد ہمزہ مقدر مانتے ہیں۔ یہ ایک کلام سے دوسرے کلام کی طرف منتقل کرنے کے لئے آتا ہے اور زمخشریؒ کی رائے میں اس کو الزام کی بجائے تقریر کے لئے مانا جا سکتا ہے۔

ولما یاتھم تاویله یعنی قرآن کریم میں جو غیب کی خبریں اور پیشگوئیاں ہیں ابھی تو وہ پوری ہو کر سامنے بھی نہیں آئیں۔ جس سے قرآن کے سچ یا غلط ہونے کا معیار نکلے۔ پھر یہ لوگ قبل از وقت کیسے تردید وتکذیب کر رہے ہیں۔ غرضیکہ قرآن کریم کا معجز ہونا دو وجہ سے ہے۔ ایک تو اعجاز نظمی۔ دوسرے اس کی پیشگوئیاں۔

بایٰة السیف. فاقتلوھم حیث وجدتموھم. افانت. اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ یہ بہرے ہیں ان سے سننے کی امید مت رکھو۔

لایبصرون. مفسر علامؒ نے بصارت کی نفی کی بجائے بصیرت کی نفی پر اس لئے محمول کیا ہے۔ تاکہ **ومنھم من ینظر الیک** کے خلاف لازم نہ آجائے۔ **الا ساعة من النھار** تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حشر تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک عام، دوسرے خاص، تیسرے اخص۔ عام حشر تو وہی ہے کہ قبروں سے اجسام اٹھائے جائیں گے۔ حشر خاص یہ ہے کہ اخروی ارواح کو دنیاوی اجسام کی قبروں سے نکالا جائے۔ سیر وسلوک کے لحاظ سے دنیا میں رہتے ہوئے روحانی طور پر۔ اور حشر اخص یہ ہے کہ انانیت روحانی کو قبر سے ہویت ربانی کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

واما نرینك اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے۔ **ولکل امة** اسی طرح وان من امة الا خلا فیھا نذیر وغیرہ

آیات سے ہر قوم کی طرف نبی کا آنا معلوم ہوتا ہے۔ پس زمانہ فترت کے بارے میں اشکال ہوگا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک پانچ سو سال سے زیادہ گزرا ہے؟ جواب یہ ہے کہ رسول کے لئے ہمہ وقت رہنا ضروری نہیں ہے۔ بعد کے زمانہ تک اس کی دعوت کا رہنا وہ نبی کے رہنے ہی کے قائم مقام ہوگا۔ دوسرے نبی کے آنے تک پہلے ہی نبی کا دورہ باقی سمجھا جائے گا۔ جیسے آنحضرت ﷺ اگرچہ ہم میں تشریف فرما نہیں۔ مگر آپ کی شریعت آپ کے قائم مقام ہے۔ زمانہ فترت میں دعوت میں کمزوری تو آجاتی ہے۔ مگر بالکل دعوت نیست و نابود نہیں ہو جاتی۔ لیکن اسماعیل حقیؒ صاحب روح البیان نے تفسیر کبیر کے اس جواب کو پسند نہیں کیا بلکہ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں عام امت کے بارے میں گفتگو نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ جس امت کو ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے اس کے بارے میں دستور بتلایا جا رہا ہے کہ تاوقتیکہ اتمام حجت نہ کر لی جائے۔ ہم اس وقت تک کسی بھی قوم کو عذاب سے ہلاک نہیں کرتے اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد عرب میں بجز آنحضرت ﷺ کے کوئی اور نبی نہیں آیا۔ اس لئے قوم کو ہلاک بھی نہیں کیا گیا۔

لا یستقدمون یہ مستقل جملہ ہے یا اس کا عطف جملہ شرطیہ پر ہے۔ صرف جزاء پر عطف اس لئے درست نہیں ہوگا کہ وقت آچکنے کے بعد تو تقدیم کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ جس کی نفی کی جائے اور بعض نے اس نفی کو مبالغہ پر محمول کرتے ہوئے جزاء پر عطف مانا ہے۔ بیاتا بتقدیر المضاف ہے **ای وقت بیات وھو اللیل**۔

اثم اذا ماوقع ہمزہ استفہام پر ثم داخل ہوا ہے۔ انکار تاخیر کے لئے۔ اور ما زائدہ ہے۔ **ای قل لھم ابعد ما وقع العذاب۔ الان** لفظ تو منون مقدر مان کر عامل محذوف کی طرف اشارہ کر دیا ہے **امنتم** کی وجہ سے نصب نہیں آیا۔ کیونکہ استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ اس لئے اس کا ماقبل اس کے بعد عمل نہیں کرے گا۔

ای وربی لفظ ای حروف ایجاب میں سے ہے نعم کے معنی میں یہ لوازم قسم میں سے ہے اسی لئے تصدیق کے موقع پر واؤ کے ساتھ لایا جاتا ہے۔ بولتے ہیں ای واللہ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل غفلت کی نظر تو محسوسات تک ہی محدود رہتی ہے احوال آخرت اور اہوال قیامت کا مشاہدہ انہیں نہیں ہوتا۔ لیکن ارباب معرفت کو تو محسوسات کی طرح ان چیزوں کا مشاہدہ بھی کرا دیا جاتا ہے۔ شب معراج میں آنحضرت ﷺ نے چشم سر سے عالم غیب کے عجائبات کا معائنہ فرمایا ہے۔

ربط آیات:............ آیت **قل من یرزقکم الخ** سے بھی سابق طریقے پر توحید و شرک کا بیان ہو رہا ہے۔ آگے آیت **وما کان ھذا القرآن الخ** سے قرآن کی حقانیت کا بیان چل رہا ہے۔ پھر آیت **وان کذبوک الخ** سے ان کے جھٹلانے کے اصرار کا اعراض کی صورت میں جواب دیا جا رہا ہے۔ جس میں ایک طرف اپنی براءت ہے اور دوسری طرف ان سے مایوسی کا اظہار ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔ اس کے بعد آیت **ویوم نحشرھم الخ** سے ان کے اس شبہ کا جواب ہے کہ جب دنیا ہی میں ہم پر عذاب نہیں آیا تو آخرت میں بھی نہیں آئے گا۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی کسی مصلحت سے دنیا میں عذاب واقع نہیں ہوتا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔ پس آخرت میں تو ضرور عذاب ہوگا۔ کیونکہ اصلی اور مکمل عذاب کا وقت وہی ہے۔ چنانچہ کبھی کبھی عذاب کا کوئی حصہ دنیا میں بھی واقع کر دیا جاتا ہے۔ پس ان وجوہ سے دنیا میں عذاب کا واقع نہ ہونا میرے حق میں مضر ہے اور نہ میرے بس میں ہے۔ بلکہ ایک درجہ میں تمہارے لئے خلاف مصلحت ہے۔ کیونکہ فوری عذاب کی صورت میں ایمان لانے کے لئے مہلت کا موقعہ نہیں رہے گا۔

﴿تشریح﴾:............ **دو شبہوں کا ازالہ:**............ **ثم یعیدہ** پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ کفار جب قیامت کے قائل ہی نہ

تھے۔ پھران سے اعادہ کے بارے میں کیوں پوچھا جارہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اعادہ اور قیامت پر چونکہ قوی دلائل موجود ہیں۔ اس لئے اس کو مسلمات میں شمار کر کے حجت قائم کی گئی ہے۔

آیت لم یحیطوا کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس بارے میں گفتگو کرے پہلے اس کی تحقیق کر لینی چاہیئے۔ تحقیق کے بعد اس پر کلام کرنے کا مجاز ہے۔ بعض لوگ آیت قل فاتوا بسورۃ میں یہ شبہ نکالتے ہیں کہ بعض کلام کرنے والوں میں کچھ ایسی مخصوص خصوصیات ہوتی ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں ایسے ہی آنحضرت ﷺ کے کلام میں بھی خصوصیات ہیں۔ جن کا مقابلہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ پس اس سے آپ کے کلام کا اعجاز کہاں ثابت ہوا؟

جواب یہ ہے کہ اولاتو اگر ایسی بات ہوتی تو یہ خصوصیت آپؐ کے تمام کلام میں ہونی چاہیئے تھی۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ قرآن کریم اور احادیث کی خصوصیات میں نمایاں فرق ہے۔ دوسرے چالیس سال کے بعد ایک دم وہ خصوصیت کہاں سے آگئی۔ یعنی چالیس سال تک وہ بات نہیں تھی۔ مگر اکتالیسویں سال میں قدم رکھتے ہی آخر ایک دم کیسے یہ انقلاب ہوگیا۔ تیسرے کسی کے کلام میں ہزار خصوصیات کیوں نہ ہوں۔ لیکن دوسرے بلغاء کوشش کر کے تھوڑا بہت ایسا کلام کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوسکا۔ آخر کیوں چوتھے یہ کہ کوئی خصوصیت والا آج تک یہ دعویٰ نہیں کرسکا کہ میرے جیسا کلام قیامت تک نہیں لایا جاسکے گا اور انفرادی اور اجتماعی کوششیں کر کے دیکھ لو۔ غرضیکہ کھلے بندوں چیلنج کیا گیا ہو۔ مگر ایک طرف سے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ دیوار بولے مگر وہ نہ بولے۔ آخر یہ کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کفار نے اس قسم کے شبہات قائم نہیں کئے تھے اور کلام حدیث بھی اگرچہ تمام انسانی کلاموں سے فائق ہے مگر اس کے بارے میں اس طرح کا دعویٰ نہیں کیا گیا تھا۔

آیت ومنھم من یستمع الخ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جہل وفساد اور تعصب وتقلید کے جمود سے انسان میں ایسی حالت پیدا ہوجاتی ہے جو انسان کی عقل وبصیرت کو یک قلم بے کار کردیتی ہے اور وہ اس قابل نہیں رہتا کہ سچائی اور حقیقت کا ادراک کرسکے۔

آیت ان اللّٰہ لا یظلم الناس الخ میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس پر مجبور نہیں کرتا۔ کیونکہ اس طرح مجبور کرنا ظلم ہے اور خدا تعالیٰ کسی پر ظلم کو روا نہیں رکھتا۔ یہ تو خود انسان ہی ہیں۔ جو خدا کی دی ہوئی روشنی ضائع کر کے اندھا بہرا بن جاتا ہے۔ آیت ویوم نحشرھم الخ میں یہ بتلانا ہے کہ آخرت طاری ہونے کے بعد انسان کو وہ تمام مدت جو مرنے کے وقت سے روز محشر تک ایسی محسوس ہوگی جیسے پلک جھپکنا۔ اس سے قیامت کے ہولناک اور دہشت ناک منظر کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

حق کا مدار اور بقا کسی خاص شخص پر نہیں ہے:.........آیت اما نرینک الخ کا مطلب یہ ہے کہ دعوت حق کی کامرانی اور کامیابی کی جو خبر دی گئی ہے کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ آپ ہی کی زندگی میں ساری کی ساری سامنے آجائے یا ان کی وعیدوں کا سلسلہ سب آپؐ کی موجودگی میں دہرایا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض باتیں آپؐ کے سامنے ہی پوری ہوجائیں اور بعض باتیں رہ جائیں وہ آپؐ کے بعد پوری ہوجائیں گی۔ اس سے منکروں کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار محمد کی زندگی پر ہے۔ آپ نہیں رہیں گے تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپؐ رہیں یا نہ رہیں لیکن احکام حق کو پورا ہونا ہے اور وہ پورا ہوکر رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شک کی چبھن:.........آیت ویستنبئونک الخ میں ان لوگوں کی بات نقل کی جارہی ہے جو صاف انکار تو نہیں کررہے

تھے۔ البتہ متردد اور متامل ضرور تھے۔ وہ جب پیغمبر اسلام ﷺ کی صدقت ودیانت پر غور کرتے تو ان کا دل کہتا کہ سچے آدمی کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکل سکتی۔ لیکن پھر جب دیکھتے کہ ان کی دعوت ایسی باتوں کا یقین دلاتی ہے جن سے وہ اور ان کے آباؤ اجداد یکسر نا آشنا رہے ہیں۔ تو طبیعت الجھ جاتی اور شک وحیرت میں مبتلا ہو جاتے اور پوچھنے لگتے۔ کیا جو کچھ تم کہہ رہے ہو فی الحقیقت ایسا ہی ہے؟ فرمایا کہہ دیجئے جب تمہیں آج تک میری سچائی میں شبہ نہیں ہوا تو آج کیوں ہو رہا ہے؟ میں جو کچھ کہتا ہوں یہ حق ہے اور اس پر میرا پروردگار شاہد ہے۔

لطائف آیات: .... آیت **وما یتبع اکثرھم الا ظنا** سے معلوم ہوا کہ علماء سوء کی حالت بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اہل ظواہر کے کلام میں ذات وصفات کے مسائل تک میں جو تعارض پایا جاتا ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔ فلسفیات ومعقولات سے تو شکوک واوہام کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ سلف صالحین کے کلام میں ہی شفا ہے۔ آیت **بل کذبوا الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حجاب منکرین کی حالت بھی ایسی ہی ہو جاتی ہے کہ وہ بزرگوں کے کلام میں غور کئے بغیر اور ان کی اصطلاحات سے واقف ہوئے بغیر ہی اس پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔

آیت **وان کذبوک الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فریق مخالف ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ تو عارف اہل طریق یہی بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں برخلاف ظاہر پرستوں کے کہ وہ کبھی مناظرہ بلکہ معارضہ بلکہ مجادلہ تک سے باز نہیں آتے۔

آیت **ولکل امۃ الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بعض لوگ ایسی ولایتوں میں گزرے ہیں جہاں رسولوں کا آنا معلوم نہیں ہوا تو ان کے بارے میں توقف اور زبان بندی سے کام لینا چاہیے۔ ممکن ہے وہاں بھی کوئی نہ کوئی رسول آیا ہو۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ كَفَرَتْ **مَا فِي الْاَرْضِ** جَمِيْعًا مِنَ الْاَمْوَالِ **لَافْتَدَتْ بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ** عَلٰى تَرْكِ الْاِيْمَانِ **لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ** اَيْ اَخْفَاهَا رُؤَسَاؤُهُمْ عَنِ الضُّعَفَاءِ الَّذِيْنَ اَضَلُّوْهُمْ مَخَافَةَ التَّعْيِيْرِ **وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ** بَيْنَ الْخَلَائِقِ **بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾** شَيْئًا **اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ **حَقٌّ** ثَابِتٌ **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اَيِ النَّاسِ **لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾** ذٰلِكَ **هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾** فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ **يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** كِتَابٌ فِيْهِ مَا لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ **وَشِفَآءٌ** دَوَاءٌ **لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ** مِنَ الْعَقَائِدِ الْفَاسِدَةِ وَالشُّكُوْكِ **وَهُدًى** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾** بِهٖ **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ** الْاِسْلَامِ **وَبِرَحْمَتِهٖ** الْقُرْاٰنِ **فَبِذٰلِكَ** الْفَضْلِ وَالرَّحْمَةِ **فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾** مِنَ الدُّنْيَا بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ **قُلْ اَرَءَيْتُمْ** اَخْبِرُوْنِيْ **مَّآ اَنْزَلَ** خَلَقَ **اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا** كَالْبَحِيْرَةِ وَالسَّائِبَةِ وَالْمَيْتَةِ **قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ** فِيْ ذٰلِكَ التَّحْرِيْمِ وَالتَّحْلِيْلِ لَا **اَمْ** بَلْ **عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾** تَكْذِبُوْنَ بِنِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَيْهِ **وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ**

الْكَذِبَ اَیْ اَیُّ شَیْءٍ ظَنُّھُمْ بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّہٗ لَا یُعَاقِبُھُمْ لَا اِنَّ اللّٰہَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَی النَّاسِ بِاِمْھَالِھِمْ وَالْاِنْعَامِ عَلَیْھِمْ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَایَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَمَا تَكُوْنُ یَا مُحَمَّدُ فِیْ شَاْنٍ اَمْرٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ اَیْ مِنَ الشَّانِ اَوِ اللّٰہِ مِنْ قُرْاٰنٍ اَنْزَلَہٗ عَلَیْكَ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ خَاطَبَہٗ وَاُمَّتَہٗ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُھُوْدًا رُقَبَآءَ اِذْ تُفِیْضُوْنَ تَاْخُذُوْنَ فِیْهِ اَیِ الْعَمَلِ وَمَا یَعْزُبُ یَغِیْبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ وَزْنِ ذَرَّةٍ اَصْغَرَ نَمْلَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۱﴾ بَیِّنٍ ھُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ فِی الْاٰخِرَةِ ھُمْ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ اللّٰہَ بِامْتِثَالِ اَمْرِہٖ وَنَھْیِہٖ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فُسِّرَتْ فِیْ حَدِیْثٍ صَحَّحَہُ الْحَاكِمُ بِالرُّؤْیَا الصَّالِحَةِ یَرَاھَا الرَّجُلُ الْمُؤْمِنُ اَوْ تُرٰی لَہٗ وَفِی الْاٰخِرَةِ بِالْجَنَّةِ وَالثَّوَابِ لَاتَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰہِ لَا خُلْفَ لِمَوَاعِیْدِہٖ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُھُمْ لَكَ لَسْتَ مُرْسَلًا وَغَیْرَہٗ اِنَّ اِسْتِیْنَافٌ الْعِزَّةَ الْقُوَّةَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ھُوَ السَّمِیْعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِیْمُ ﴿۶۵﴾ بِالْفِعْلِ فَیُجَازِیْھِمْ وَیَنْصُرُكَ اَلَآ اِنَّ لِلّٰہِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ عَبِیْدًا اَوْ مِلْكًا وَخَلْقًا وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَیْ غَیْرِہٖ اَصْنَامًا شُرَكَآءَ لَہٗ عَلَی الْحَقِیْقَةِ تَعَالٰی عَنْ ذٰلِكَ اِنْ مَا یَتَّبِعُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ اِلَّا الظَّنَّ اَیْ ظَنَّھُمْ اَنَّھَا اٰلِھَةٌ تُشْفَعُ لَھُمْ وَاِنْ مَا ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ یَكْذِبُوْنَ فِیْ ذٰلِكَ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّھَارَ مُبْصِرًا اِسْنَادُ الْاِبْصَارِ اِلَیْهِ مَجَازٌ لِاَنَّہٗ مُبْصَرٌ فِیْهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ دَلَالَاتٍ عَلٰی وُحْدَانِیَّتِہٖ تَعَالٰی لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ سِمَاعَ تَدَبُّرٍ وَاتِّعَاظٍ قَالُوْا اَیِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ بَنَاتُ اللّٰہِ اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا قَالَ تَعَالٰی لَھُمْ سُبْحٰنَهٗ تَنْزِیْھًا لَہٗ عَنِ الْوَلَدِ ھُوَ الْغَنِیُّ عَنْ كُلِّ اَحَدٍ وَاِنَّمَا یَطْلُبُ الْوَلَدَ مَنْ یَّحْتَاجُ اِلَیْهِ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِیْدًا اِنْ مَا عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ حُجَّةٍ بِھٰذَا اَیِ الَّذِیْ تَقُوْلُوْنَہٗ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ اِسْتِفْھَامُ تَوْبِیْخٍ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْكَذِبَ بِنِسْبَةِ الْوَلَدِ اِلَیْهِ لَایُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَا یُسْعَدُوْنَ لَھُمْ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ فِی الدُّنْیَا یَتَمَتَّعُوْنَ بِہٖ مُدَّةَ حَیَاتِھِمْ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ بِالْمَوْتِ ثُمَّ نُذِیْقُھُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بَعْدَ الْمَوْتِ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: .... اور اگر ہر ظالم (کافر) انسان کے قبضہ میں وہ سب کچھ آجائے جو روئے زمین میں ہے (یعنی تمام مال و دولت) تو وہ ضرور اسے فدیہ میں دے دے (قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے) اور دل ہی دل میں پچھتانے لگے (ایمان نہ لانے پر) جب

انہوں نے اپنے سامنے عذاب دیکھا (یعنی سرغنوں نے ان عوام سے چھپانا چاہا جن کو گمراہ کیا تھا بے عزتی کے اندیشہ سے) پھر ان (مخلوق) کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر کسی طرح کی زیادتی واقع ہو۔ یاد رکھو آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ بات کبھی نہ بھولو کہ اللہ کا وعدہ (قیامت اور جزاء کے بارے میں) حق ہے لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ (اس بات کو) جانتے ہی نہیں۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے (آخرت میں لہٰذا وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا)۔ اے لوگو: (مکہ والوں) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آگئی جو نصیحت ہے (کتاب جس میں تمہارے فائدہ اور نقصان کی باتیں درج ہیں یعنی قرآن کریم اور دلوں کے تمام روگوں کے لئے شفاء ہے (یعنی برے عقائد اور شبہات کے لئے) اور (گمراہی سے) ہدایت اور ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں۔ آپ کہئے یہ اللہ کا فضل (اسلام) ہے اور اللہ رحمت (قرآن) ہے پس چاہیئے کہ اس (فضل ورحمت) پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جسے وہ (دنیا میں) جمع کرتے رہتے ہیں (یہ لفظ یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے) آپ ان کہئے کیا تم نے اس پر بھی غور کیا (ذرا یہ تو بتلاؤ) کہ جو روزی اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہے تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھیرا دیا اور بعض کو حلال سمجھ لیا ہے (جیسے بحیرہ، سائبہ اور مردار جانور) تم پوچھو کیا اللہ نے اجازت دی ہے (اس حرام حلال کرنے کی؟ نہیں ایسا نہیں ہے) یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو؟ (جھوٹ بولتے ہوا اللہ کی طرف اس کی نسبت کرتے ہوئے) اور جن لوگوں کی جرأتوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افتراء پردازی کر رہے ہیں انہوں نے کیا سمجھ رکھا ہے (ان کا کیا گمان ہے) قیامت کی نسبت (کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ان پر عذاب نہیں ہوگا؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا) واقعی اللہ لوگوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے (کہ انہیں ڈھیل دیتا رہتا ہے بلکہ ان پر انعام کرتا رہتا ہے) لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔ اور (اے محمدؐ) آپ کسی حال میں ہوں اور آپ کوئی سی بھی آیت پڑھ کر سناتے ہوں (وہ آیت آپ کے حال سے متعلق ہو یا اللہ سے) قرآن کی (جو آپ پر نازل ہوا ہے) اور تم کوئی سا بھی کام کرتے ہو (اس میں آپ کو اور امت کو خطاب کیا ہے) مگر ہمیں سب کی خبر رہتی ہے (ہم نگران ہیں) جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ (کے وزن کی) برابر بھی (جو چیونٹی سے کم مقدار ہوتی ہے) غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ یا اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک واضح کتاب (لوح محفوظ) میں مندرج ہے۔ یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کی غمگینی (آخرت میں) یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور زندگی میں ڈرتے رہے (اللہ سے اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممانعتوں سے بچتے ہوئے) ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے (جس کی تفسیر ایک حدیث میں آئی ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اچھے خواب مراد ہیں جو مؤمن خود دیکھے یا اس مؤمن کے متعلق کوئی دوسرا خواب دیکھے) اور آخرت کی زندگی میں بھی (جنت وثواب کی خوشخبری ہے) اللہ کے فرمان اٹل ہیں کبھی بدلنے والے نہیں (اس کی دھمکیاں کبھی خلاف نہیں ہوسکتیں) اور یہی (مذکورہ باتیں) سب سے بڑی فیروز مندی ہے۔ آپ ان کی باتوں سے آزردہ نہ ہوجیئے (اس قسم کی باتیں جو آپ کو سناتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں) بے شک (جملہ مستانفہ ہے) ساری عزتیں (قوتیں) اللہ ہی کے لئے ہیں وہ (باتیں) سننے والا اور (افعال) جاننے والا ہے (لہٰذا وہ انہیں سزا دے گا اور تمہاری مدد کرے گا) یاد رکھو وہ تمام ہستیاں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں اللہ کے تابع فرمان ہیں (بندہ اور غلام اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے) اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں (یعنی بتوں کو جو غیر اللہ ہیں) پکارتے ہیں (اللہ کا شریک حقیقی مان کر حالانکہ اللہ کہیں اس سے برتر ہے) تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ محض وہم وگمان کی وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں (یعنی یہ کہ بت ہمارے معبود ہیں

اور ہمارے سفارشی ہوں گے) اور محض اپنی اٹکلیں دوڑا رہے ہیں (اس بارے میں جھوٹ بکتے ہیں) وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کا وقت بنایا کہ اس میں آرام پاؤ اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھو بھالو۔ (دکھلانے کی نسبت دن کی طرف مجازاً ہے ورنہ وہ تو دیکھنے کا وقت ہوتا ہے) بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں (جن سے اللہ تعالیٰ کی یکتائی معلوم ہوتی ہے) جو سنتے ہیں (غور اور نصیحت کا سننا) کہتے ہیں (یہود ونصاریٰ اور جو لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے ہیں) اللہ نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے۔ (حق تعالیٰ جواب فرماتے ہیں) سبحان اللہ (اس کے لئے اولاد سے پاکی ہو) وہ تو بے نیاز ذات ہے (سب سے اور اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے جو اولاد کا محتاج ہو) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لئے ہے (غلام مخلوق اور بندے ہونے کے لحاظ سے) تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے (جو کچھ تم بک رہے ہو) کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے؟ (استفہام توبیخی ہے) آپ کہہ دیجئے جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں (اولاد کی نسبت کر کے) وہ بھی فلاح پانے والے نہیں (کامیاب نہیں۔ ان کے لئے) صرف دنیا ہی کی (تھوڑی سی) پونجی ہے (زندگی بھر جس سے نفع اٹھا سکتے ہیں) پھر ہماری طرف لوٹنا ہے (مرکر) تب ہم انہیں سخت عذاب مزہ چکھائیں گے (مرنے کے بعد) کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں اس کا نتیجہ پالیں۔

تحقیق وترکیب: .... **ولو ان لکل نفس الخ** نہ کسی کے پاس زمین بھر مال ودولت ہوگا اور نہ فدیہ اور بدلہ ہو سکے گا۔ **لافتدت** لازمی اور متعدی دونوں طرح ہو سکتا ہے۔ **اسروا** یہ اضداد میں سے ہے اس کے معنی مخفی کے بھی ہیں اور اظہار کے بھی آتے ہیں۔ اگرچہ اول معنی میں مشہور ہے۔

موعظة من ربکم مفسر علامؒ نے **مالکم وعلیکم** کہہ کر موعظت کی دونوں صورتوں میں ترغیب وترہیب کی طرف اشارہ کر دیا۔ **الفضل والرحمة** مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ مشار الیہ دونوں متحد بالذات ہیں۔ یا مذکور کی تاویل میں ہیں۔ **تاخذون** یعنی افاضہ کے معنی یہاں مجازی ہیں کام شروع کرنا۔ **ذرة** یا چھوٹی چیونٹی کے معنی ہیں یا ہوا کے ذرات مراد ہیں۔ **الا ان اولیاء اللہ** ولایت کی دو صورتیں ہیں۔ عامہ، خاصہ۔ تمام مسلمانوں کو ولایت عامہ حاصل ہے۔ **اللہ ولی الذین اٰمنوا** فرمایا گیا ہے اور ولایت خاصہ مخصوص سالکین کو حاصل ہوتی ہے۔ جو خود کو فنا کر کے بقا بالحق حاصل کرتے ہیں۔ تکوینی کرامات کا ہونا ولی کے لئے ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ خوارق کی بہت سی صورتیں ہوتی ہیں۔ جن میں سے بعض کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں۔ البتہ استقامت دین اور اتباع سنت اور کرامات قلبیہ ہونا ضروری ہے۔

خواجہ عبیداللہ احرارؒ کیا خوب فرماتے ہیں "اگر بر آب روی خسے باشی: اگر بر ہوا پری مگسے باشی: دل بدست آر کہ کسے باشی" تاہم جس طرح نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح ولی محفوظ ہوتا ہے۔ مراتب ولایت بے شمار ہیں۔ لیکن سب نبوت سے کم تر ہیں۔ جو لوگ **الولایة افضل من النبوة** کے قائل ہیں۔

حضرت مجدد سرہندی قدس سرہ مطلقاً ان کی تردید کر رہے ہیں۔ خواہ نبی کی ولایت ہو پھر بھی نبوت سے کمتر ہی ہے۔

ولا ھم یحزنون مضارع پر نفی داخل ہونے سے استمرار ودوام کا فائدہ ہوتا ہے۔ پس یہاں بھی خوف وحزن کا دوام انتفاء مراد ہے۔ انتفاء دوام مقصود نہیں۔ پس اہل اللہ کو اسباب حزن تو پیش آتے ہیں۔ مگر وہ حزین نہیں ہوتے۔ بلکہ راضی برضا اور صابر وشاکر رہتے ہیں۔ ان کی نظر تکلیف پر نہیں ہوتی۔ بلکہ تکلیف بھیجنے والے پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس سے مسرور اور لذت اندوز رہتے ہیں اور یا کہا جائے کہ آخرت کے حزن وخوف کا انکار کیا جارہا ہے۔ اس لئے یہ شبہ نہیں کرنا چاہیئے کہ بسا اوقات اہل اللہ کو پریشان دیکھا

جاتا ہے۔ اس لئے بظاہر آیت کا مضمون صحیح نہیں ہے۔ رہا آخرت میں طبعی خوف وحزن کا ہونا آیت اس کی نفی نہیں کر رہی ہے۔ بلکہ عقلی اطمینان وسکون مقصود ہے۔ جو طبعی حزن کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ آگے الذین امنوا سے ایسے اولیاء کی شان بیان کی جارہی ہے۔ ان ھم الا یخرصون قصر موصوف علی الصفۃ ہے۔ ھو الذی جعل لکم اللیل توحید کی دلیل قطعی ہے۔ اس آیت میں صفت احتباک پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ایک نظیر کو بیان کر دیا اور دوسری کو حذف کر دیا۔ چنانچہ اول سے لیل کا وصف مظلم حذف کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی حکمت بیان کر دی۔ لیکن نہار کی حکمت حذف کر دی اور اس کے وصف کو ذکر کر دیا۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ ھو الذی جعل لکم اللیل مظلما لتسکنوا فیہ والنھار مبصرا لتبتغوا وتتحرکوا فیہ۔ النھار مبصرا نھارہ صائم۔ لیلہ قائم کی طرح مجازی ہے۔ نہار سبب ابصار ہوتا ہے۔

ربط آیات: .... آیت ولو ان لکل نفس الخ میں کفار کے لئے اسباب کا کارآمد نہ ہونا بتلانا ہے۔ کہ اس وقت کف افسوس ملیں گے۔ آیت یا ایھا الناس الخ میں قرآن کریم کی حقانیت کو پھر ثابت کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی ترغیبی دعوت بھی ہے۔ آگے آیت قل ارء یتم الخ میں مشرکین کے ایک بہت بڑے کھلے جرم کا ذکر کیا جارہا ہے کہ وہ بعض حلال جانوروں کو حرام کر دیتے تھے۔ یہ شریعت سازی کا حق انہیں آخر کس نے دیا ہے۔ اس کے بعد آیت وما تکون فی شان الخ سے آپ کو تسلی دی جارہی ہے کہ ہمیں چونکہ تمام عام اور خاص حالات کی اطلاع رہتی ہے۔ نیز اپنے اطاعت گزاروں کو ہر طرح کی آفات ومکروہات سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کسی طرح کا خوف وحزن نہ کیجئے۔ اس کے بعد آیت ھو الذی جعل لکم الخ سے پھر توحید کو ثابت کیا جارہا ہے۔

﴿تشریح﴾: ...... قرآن کریم کی چار خوبیاں: .... آیت یا ایھا الذین الخ میں قرآن کریم کے چار اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

۱: .... موعظت ہے یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں اور روح کو متاثر کرنے والے طریقوں سے ان تمام باتوں کی ترغیب دیتا ہے جو خیر اور حق کی ہوں اور ان تمام باتوں سے روکتا ہے جو شر اور برائی کی ہیں۔ کیونکہ وعظ صرف نصیحت ہی کو نہیں کہتے۔ بلکہ مؤثر پیرایۂ بیان اور دل نشین اسلوب اور دلائل کا ہونا بھی ضروری ہے۔

۲: .... وہ دل کی تمام بیماریوں کے لئے نسخۂ شفاء ہے۔ انفرادی یا اجتماعی طور پر جو بھی اس نسخہ پر عمل کرے گا وہ ہر طرح کے مفاسد اور رذائل سے پاک ہو جائے گا۔ قلب اور فواد اور صدر کے الفاظ سے مقصود انسان کی معنوی حالت پر یعنی ذہن وفکر کی قوت، ادراک عقلی، جذبات، اخلاق، عادات وغیرہ۔ اس سے وہ عضو مقصود نہیں جو فن تشریح کا دل اور سینہ ہے۔ پس دل کی شفاء کا یہ مطلب ہوا کہ انسان کی فکری اور اخلاقی حالت کے جس قدر مرض ہوسکتے ہیں۔ ان سب کے لئے یہ نسخۂ شفاء ہے۔

۳: .... یقین کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔

۴: .... ان کے لئے پیغام رحمت ہے۔ یعنی ظلم وعداوت، بغض وعناد سے دنیا کو نجات دلاتا ہے اور رحمت ومحبت، امن وسلامتی کی روح سے منور کرتا ہے۔

ہر چیز اصل میں مباح ہے: .... آیت قل ارء یتم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک ان تمام چیزوں

میں جو کھانے پینے کی پیدا ہوتی ہیں اصل اباحت ہے نہ کہ حرمت۔ یعنی جتنی چیزیں کھانے کے قابل ہیں سب حلال ہیں۔ الا یہ کہ وحی الٰہی نے کسی چیز کو حرام ٹھیرا دیا ہو۔ چنانچہ قرآن نے جابجا یہ حقیقت کھول دی ہے کہ اس نے صرف ان ہی چیزوں سے روکا ہے۔ جو خبائث ہیں۔ مضر اور گندی ہیں باقی سب چیزیں حلال وطیب ہیں۔ نیز کسی چیز کو حرام ٹھیرا دینے کا حق صرف خدا کی شریعت کو ہے۔ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ محض اپنی قیاس اور رائے سے کوئی چیز حرام ٹھیرا دے۔ کیونکہ بغیر نص کے محض اپنی رائے اور تخمین سے کوئی چیز حرام ٹھیرا دینا خدا پر بہتان باندھنے میں داخل ہے اور انسان کے عقائد واعمال کی بنیاد علم ویقین پر ہونی چاہیئے نہ کہ وہم وگمان پر۔ وہ علم ویقین کی روشنی اپنے سامنے نہ رکھنے اور محض اوہام وظنون کے پرستار بننے کو بنیادی گمراہی قرار دیتا ہے۔ جو لوگ مباح کاموں کو اپنے اوپر تنگ کر لینا۔ تقویٰ اور قرب الٰہی کی بات سمجھتے ہیں۔ یہ آیت ان کے خلاف بول رہی ہے۔

معتزلہ کے استدلال کا جواب:.......... اس آیت سے معتزلہ استدلال کرتے ہیں۔ کہ حرام چیزیں رزق نہیں ہوتیں۔ حالانکہ آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں رزق کی ایک خاص قسم کو بیان کیا گیا ہے نہ کہ مطلق رزق کو جس میں حرام حلال دونوں داخل ہوں۔ پس کفار تو حلال رزق کی بعض قسموں کو حرام کرتے تھے جس پر نکیر کی گئی ہے اور اہل سنت مطلق رزق کی دو قسمیں کرتے ہیں۔ حلال اور حرام۔ پس دونوں باتوں کو ایک سمجھنا سوءفہمی اور بدعقلی ہے۔ آیت لا خوف الخ میں خوف سے خوف حق اور غم سے غم آخرت کی نفی مراد نہیں ہے۔ بلکہ دنیوی خوف وغم کی نفی مراد ہے۔ یعنی کامل مؤمنین کو دشمنوں کا ڈر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہر وقت ان کا اعتماد اللہ پر ہے۔ وہ ہر واقعہ کی حکمت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں اور اس سے معلوم ہوگیا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کو کفار کے گمراہ ہونے کا غم تھا۔ اسی طرح ان کی طرف سے مخالفت اور نقصان رسانی کا خطرہ بھی رہتا تھا۔

لطائف آیات:.......... آیت یا ایھا الناس الخ سے معلوم ہوا کہ قلوب میں بھی شک ونفاق، حسد، کینہ وغیرہ بیماریاں ہوتی ہیں اور وہ بدنی بیماریوں سے زیادہ سخت ہوتی ہیں۔ آیت قل بفضل اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ یہ فرحت کبھی بے اختیاری کی حد تک پہنچ جاتی ہے کہ فضل خداوندی کے اظہار پر آدمی مجبور ہو جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ یہ اظہار ادب کی حدود سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ آیت قل ارء یتم سے ان متقشفین کی تردید ہوگئی جو بعض مباحات کو اعتقادا یا عملاً اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ البتہ بطور معالجہ اگر حلال چیز کو چھوڑ دیا جائے تو وہ اس سے خارج ہے۔

آیت الا ان اولیاء الخ میں ولایت کی بنیاد ایمان وتقویٰ کو قرار دینے سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے یہ تو شرط ہے۔ مگر حسی کرامت ضروری نہیں ہے۔ آیت ان العزۃ الخ سے معلوم ہوا کہ دوسروں میں جو عزت نظر آتی ہے وہ اسی کی عزت کا پرتو ہے اس سے مسئلہ مظہریت کی اصل نکل آئی۔

آیت ھو الذی جعل لکم الخ سے معلوم ہوا کہ رات کو کسی قدر سور ہنا اولیٰ ہے۔ اس سے مصلحت الٰہیہ کی رعایت ہے جو ادب ہے۔ آیت اتقولون علی اللہ الخ سے معلوم ہوا کہ ذات کے مسائل مین تخمینات سے کلام نہیں کرنا چاہیئے۔ خواہ وہ تخمینات استدلالی ہوں یا ذوقی۔ جیسا کہ اہل علم اور اہل تصورت اس میں مبتلا ہیں۔

وَاتْلُ یَامُحَمَّدُ **عَلَیْھِمْ** اَیْ کُفَّارِ مَکَّۃَ **نَبَاَ** خَبَرَ **نُوْحٍ** وَیُبْدَلُ مِنْہُ **اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنْ کَانَ کَبُرَ** شَقَّ

عَلَیْکُمْ مَّقَامِیْ لُبْثِی فِیکُم وَتَذْکِیْرِیْ وَعْظِی اِیَّاکُم بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ فَاَجْمِعُوْآ اَمْرَکُمْ اَعْزِمُوا عَلٰی اَمْرٍ تَفعَلُونَہٗ بِیْ وَشُرَکَآءَکُمْ اَلْوَاوُ بِمَعْنٰی مَعَ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّۃً مَسْتُورًا بَلْ اَظْهِرُوهُ وَجَاهِرُونِیْ بِہٖ ثُمَّ اقْضُوْآ اِلَیَّ اَمْضُوا فِیَّ مَا اَرَدْتُّمُوْهُ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ تُمْهِلُونَ فَاِنِّیْ لَسْتُ مُبَالِیًا بِکُمْ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ عَنْ تَذْکِیرِیْ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ ثَوَابٍ عَلَیہِ فَتَوَلَّوْا اِنْ مَا اَجْرِیَ ثَوَابِیْ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَکَذَّبُوْهُ فَنَجَّیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَہٗ فِی الْفُلْکِ السَّفِینَۃِ وَجَعَلْنٰهُمْ اَیْ مَنْ مَعَہٗ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا بِالطُّوفَانِ فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ اِهْلَاکِهِم فَکَذٰلِکَ نَفْعَلُ مَنْ کَذَّبَ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ اَیْ نُوحٍ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ کَاِبْرَاهِیمَ وَهُودَ وَصَالِحٍ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ بِالْمُعْجِزَاتِ فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا کَذَّبُوْا بِہٖ مِنْ قَبْلُ اَیْ قَبْلَ بَعْثِ الرُّسُلِ اِلَیْهِمْ کَذٰلِکَ نَطْبَعُ نَخْتِمُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۷۴﴾ فَلَا تَقْبَلُ الْاِیْمَانُ کَمَا طَبَعْنَا عَلٰی قُلُوبِ اُولٰٓئِکَ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِہٖ قَوْمِہٖ بِاٰیٰتِنَا التِّسْعِ فَاسْتَکْبَرُوْا عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا وَکَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْآ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۶﴾ بَیِّنٌ ظَاهِرٌ قَالَ مُوْسٰٓی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَکُمْ اِنَّہٗ لَسِحْرٌ اَسِحْرٌ هٰذَا وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَتٰی بِہٖ وَاَبْطَلَ سِحْرَ السَّحَرَۃِ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِی الْمَوْضِعَیْنِ لِلْاِنکَارِ قَالُوْآ اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا لِتَرُدَّنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ الْمُلْکُ فِی الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ وَمَا نَحْنُ لَکُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۸﴾ مُصَدِّقِینَ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِکُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۷۹﴾ فَائِقٍ فِی عِلْمِ السِّحْرِ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَۃُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓی بَعْدَ مَا قَالُوا لَہٗ اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّا اَنْ نَکُونَ نَحْنُ الْمُلْقِینَ اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ قَالَ مُوْسٰی مَا اِسْتِفْهَامِیَّۃٌ مُبْتَدَأٌ خَبَرُہٗ جِئْتُمْ بِہِ السِّحْرُ بَدَلٌ وَفِی قِرَاءَۃٍ بِهَمْزَۃٍ وَاحِدَۃٍ اِخْبَارٌ فَمَا مَوْصُولَۃٌ مُبْتَدَأٌ اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُہٗ سَیُمْحِقُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَیُحِقُّ یُثْبِتُ وَیُظْهِرُ اللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ بِمَوَاعِیدِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ طَائِفَۃٌ مِّنْ اَوْلَادِ قَوْمِہٖ اَیْ فِرْعَوْنَ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ یُصْرِفُهُمْ عَنْ دِیْنِهِمْ بِتَعْذِیبِہٖ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ مُتَکَبِّرٍ فِی الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۸۳﴾ اَلْمُتَجَاوِزِینَ الْحَدَّ بِاِدِّعَاءِ الرُّبُوبِیَّۃِ وَقَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْآ اِنْ کُنْتُمْ

ع ۸ / ۱۳

مُّسۡلِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوۡا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۸۵﴾ اَیْ لَا تُظْهِرْهُمْ عَلَيْنَا فَيَظُنُّوْا اَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيَفْتَتِنُوْا بِنَا وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰى وَاَخِيۡهِ اَنۡ تَبَوَّاٰ اِتَّخِذَا لِقَوۡمِكُمَا بِمِصۡرَ بُيُوۡتًا وَّاجۡعَلُوۡا بُيُوۡتَكُمۡ قِبۡلَةً مُصَلًّى تُصَلُّوْنَ فِيْهِ لِتَاْمَنُوْا مِنَ الْخَوْفِ وَكَانَ فِرْعَوْنُ مَنَعَهُمْ مِنَ الصَّلٰوةِ وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ؕ اَتِمُّوْهَا وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۷﴾ بِالنَّصْرِ وَالْجَنَّةِ وَقَالَ مُوۡسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيۡتَ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَاَهٗ زِيۡنَةً وَّاَمۡوَالًا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ رَبَّنَا اٰتَيْتَهُمْ ذٰلِكَ لِيُضِلُّوۡا فِیْ عَاقِبَتِهٖ عَنۡ سَبِيۡلِكَ دِيْنِكَ رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰٓى اَمۡوَالِهِمۡ اِمْسَخْهَا وَاشۡدُدۡ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اِطْبَعْ عَلَيْهَا وَاسْتَوْثِقْ فَلَا يُؤۡمِنُوۡا حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ﴿۸۸﴾ اَلْمُؤْلِمَ دَعَا عَلَيْهِمْ وَاَمَّنَ هٰرُوْنُ عَلٰى دُعَائِهٖ قَالَ تَعَالٰى قَدۡ اُجِيۡبَتۡ دَّعۡوَتُكُمَا فَمُسِخَتْ اَمْوَالُهُمْ حِجَارَةً وَلَمْ يُؤْمِنْ فِرْعَوْنُ حَتّٰى اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ فَاسۡتَقِيۡمَا عَلَى الرِّسَالَةِ وَالدَّعْوَةِ اِلٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيۡلَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾ فِیْ اِسْتِعْجَالِ قَضَائِیْ رُوِیَ اَنَّهٗ مَكَثَ بَعْدَهَا اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَجٰوَزۡنَا بِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡبَحۡرَ فَاَتۡبَعَهُمۡ لَحِقَهُمْ فِرۡعَوۡنُ وَجُنُوۡدُهٗ بَغۡيًا وَّعَدۡوًا ؕ مَفْعُوْلٌ لَهٗ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدۡرَكَهُ الۡغَرَقُ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ اَیْ بِاَنَّهٗ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ اِسْتِيْنَافًا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۹۰﴾ كَرَّرَهٗ لِيُقْبَلَ مِنْهُ فَلَمْ يُقْبَلْ وَدَسَّ جِبْرِيْلُ فِیْ فِيْهِ مِنْ حَمْاَةِ الْبَحْرِ مَخَافَةَ اَنْ تَنَالَهُ الرَّحْمَةُ وَقَالَ لَهٗ آٰلۡـٰٔنَ تُؤْمِنُ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۹۱﴾ بِضَلَالِكَ وَاِضْلَالِكَ عَنِ الْاِيْمَانِ فَالۡيَوۡمَ نُـنَجِّيۡكَ نُخْرِجُكَ مِنَ الْبَحْرِ بِبَدَنِكَ جَسَدِكَ الَّذِیْ لَا رُوْحَ فِيْهِ لِتَكُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَكَ بَعْدَكَ اٰيَةً ؕ عِبْرَةً فَيَعْرِفُوْا عُبُوْدِيَتَكَ وَلَا يُقْدِمُوْا عَلٰى مِثْلِ فِعْلِكَ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ بَعْضَ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ شَكُّوْا فِیْ مَوْتِهٖ فَاُخْرِجَ لَهُمْ لِيَرَوْهُ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ اَیْ اَهْلِ مَكَّةَ عَنۡ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ﴿۹۲﴾ لَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهَا ع ۹ ۱۴

ترجمہ .... اور (محمدؐ) انہیں (کفار مکہ کو) نوحؑ کا حال (خبر) سنایئے (آگے بدل ہے) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا" اے میری قوم! اگر تم پر یہ بات شاق (گراں) گزرتی ہے کہ میں تم کھڑا ہوں (رہوں) اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ میری نصیحت (وعظ) ہے تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو (یعنی جو کچھ کارروائی تم کرنا چاہتے ہو اسے پختہ کرلو) اور اپنے شریکوں کو بھی اپنے ساتھ لے لو (واؤ مع کے معنی میں ہے) پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہو اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کہیں کوئی پہلو نظر سے رہ نہ جائے (پوشیدہ۔ بلکہ اسے بھی برملا ظاہر کردو) پھر جو کچھ میرے خلاف کرنا ہے کر گزرو (جو کچھ ارادہ ہو اسے پورا کرلو) اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (دیر نہ کرو۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے) پھر بھی اگر (میرے وعظ سے) روگردانی کئے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا (کچھ ثمرہ کہ جس کی وجہ سے تم جان بچاتے پھر رہے ہو) میرا معاوضہ (ثواب) تو اللہ کے

ذمہ ہے مجھے حکم دے دیا گیا ہے کہ اس کے فرمانبرداروں میں شامل رہوں۔ اس پر بھی لوگوں نے انہیں جھٹلایا۔ اس لئے ہم نے انہیں اور ان کی کشتی کے سوار ساتھیوں کو بچالیا اور ان (ساتھیوں) کو ہم نے (سرزمین میں) جانشین بنادیا اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں انہیں ہم نے (طوفان میں) غرق کردیا۔ تو دیکھو ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو خبردار کردیئے گئے تھے؟ (ان کی تباہی کی نسبت۔ پس یہی انجام ان لوگوں کا بھی ہوگا جو آپ کو جھٹلائیں گے) پھر نوحؑ کے بعد ہم نے رسولوں کو ان کی قوموں میں پیدا کیا (جیسے ابراہیمؑ، ہودؑ، صالحؑ) وہ ان کے پاس روشن دلیلیں (معجزات) لے کر آئے۔ اس پر بھی ان کی قومیں تیار نہ تھیں کہ جو بات پہلے جھٹلا چکی ہیں (ان کے پاس پیغمبروں کے آنے سے پہلے) وہ اسے مان لیں۔ سو دیکھو جو لوگ حد سے گزر جاتے ہیں ہم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگادیتے ہیں (پس ان کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے ان کے دلوں پر سیل لگادی ہے) پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰؑ اور ہارونؑ کو۔ فرعون اور (اس کی قوم کے) درباریوں کی طرف اپنی (نو) نشانیوں سمیت بھیجا۔ مگر انہوں نے (ایمان لانے سے) گھمنڈ کیا اور وہ لوگ جرائم پیشہ تھے۔ پھر جب ہماری طرف سے سچائی ان پر نمودار ہوگئی تو کہنے لگے یقیناً صریح (کھلا ہوا) جادو ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم نے سچائی کے حق میں جب وہ نمودار ہوگئی۔ ایسی بات کہتے ہو؟ (کہ وہ جادو ہے) کیا یہ جادو ہے؟ (حالانکہ اس کو پیش کرنے والا کامیاب ہوگیا اور جادوگروں کا جادو ٹوٹ گیا) حالانکہ جادوگر تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے؟ (دونوں جگہ استفہام انکاری ہے) انہوں نے کہا کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے اس سے ہمیں ہٹادو۔ اور ملک (مصر) میں تم دونوں بھائیوں کے لئے سرداری ہوجائے ہم تو تمہیں ماننے والے (سچا سمجھنے والے) نہیں ہیں" فرعون بولا۔ میری مملکت میں جتنے ماہر جادوگر (جو جادوگری میں یکتائے فن) ہوں۔ سب کو میرے حضور ظاہر کرو جب جادوگر آموجود ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا (جب کہ جادوگروں نے پوچھا کہ آپ پہل کرتے ہیں یا ہم پہلے ڈالیں؟) تمہیں جو کچھ میدان میں ڈالنا ہے ڈال دو۔ جب انہوں نے ڈال دیں (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم جو کچھ (ما استفہامیہ ہے مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے (یہ بدل ہے اور ایک قرأت میں ایک ہمزہ کے ساتھ اخبار ہے۔ پس ما موصولہ مبتداء ہے) اور یقیناً اللہ اسے ملیامیٹ (درہم برہم) کردے گا اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا۔ وہ حق کو اپنے وعدوں کے مطابق ضرور ثابت (ظاہر) کر دکھائے گا اگرچہ مجرم لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔ پس اس پر بھی موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہیں لایا۔ مگر صرف تھوڑے سے آدمی ایمان لاسکے جو (فرعون) کی قوم کے (نوجوانوں) میں سے تھے وہ بھی فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں (کسی عذاب میں مبتلا کرکے ہمیں مذہب سے نہ پھیرلیں) اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک (مصر) میں بڑا ہی سرکش (مغرور) بادشاہ تھا اور بالکل ہی چھوٹ تھا (خدائی دعویٰ کرکے حد سے بڑھ گیا تھا) اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہو تو صرف اسی پر بھروسہ کرو۔ انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے پروردگار! ہمیں اس ظالم طبقہ کے لئے تختۂ مشق مت بنایئے (یعنی ہم پر انہیں غلبہ نہ دے کہ انہیں یہ گمان کرنے کا موقعہ ملے کہ وہ حق پر ہیں جس سے وہ ہمیں فتنہ میں مبتلا کردیں) اور اپنی رحمت کا صدقہ ہمیں ان کافروں کے پنجہ سے نجات بخشیئے۔ ہم نے موسیٰؑ اور ان کے بھائی پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو (نماز کے لئے مساجد بناؤ تاکہ خوف سے مامون رہو۔ فرعون نے انہیں نماز پڑھنے سے منع کردیا تھا) اور نماز قائم کرو (پورا کرو) اور ایمان لانے والوں کو (امداد اور جنت کی) بشارت دو اور موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی۔ اے خدایا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب وزینت کی چیزیں اور طرح طرح کے مال ودولت بخشے ہیں تو خدایا! کیا (آپ نے انہیں یہ سب کچھ اس لئے دیا ہے کہ) تیری راہ (دین) سے یہ لوگوں کو (انجام

کار) بھٹکائیں۔ خدایا! ان کے مال و دولت کو مٹا دے (محو کر دے) اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے (سیل کر کے سخت کر دے) کہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک اپنے سامنے دردناک عذاب نہ دیکھ لیں (جو تکلیف دہ ہو حضرت موسیٰ دعا مانگتے رہے اور حضرت ہارونؑ آمین کہتے رہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) تم دونوں کی دعا قبول کر لی ہے (چنانچہ ان کا مال تو پتھروں کی صورت میں تبدیل کر دیا اور فرعون ایمان لانے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے ڈوبنے کا وقت نہیں آگیا) پس اب تم جم کر کھڑے ہو جاؤ (رسالت اور پیغام رسالت پر۔ حتیٰ کہ ان پر عذاب الٰہی آجائے) اور ان کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے (میرے فیصلہ کے متعلق جو جلد بازی مچانے کو نہیں جانتے (روایت ہے کہ اس کے بعد چالیس سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام ٹھیرے رہے۔ یعنی قبولیت دعا میں چالیس سال لگے) اور پھر ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار اتار دیا۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا۔ (پیچھے لگ لیا) ظلم و شرارت کرنے کے لئے (یہ مفعول لہ ہے) مگر جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ فرعون ڈوبنے لگا تو اس وقت پکار اٹھا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ (ایک قرأت میں کسرۂ ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے) کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی فرمانبرداروں میں داخل ہوتا ہوں (اس بات کو اس لئے دہرایا کہ شاید اس کا ایمان قبول ہو جائے۔ مگر قبول نہیں ہوا۔ اور جبریل امینؑ نے اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس دی کہ کہیں ایسا نہ ہو رحمت الٰہی اسے نواز دے اور اس سے کہنے لگے) ہاں اب تو ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک مفسد تھا۔ (خود ہی گمراہ رہا اور دوسروں کو بھی گمراہ کئے رکھا) پس آج ہم بچائے لے رہے ہیں (سمندر سے نکال لے رہے ہیں) تیری لاش (بے جان جسم) کو تاکہ (تیرے بعد) آنے والوں کے لئے سامان عبرت ہو (نشانی ہو جس سے تیرا بندہ ہونا جان سکیں اور تیرے جیسی جرأت نہ کر سکیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ بنی اسرائیل کو چونکہ اس کے مرنے میں شبہ تھا اس لئے لاش رونما کر دی گئی تاکہ وہ آنکھوں سے دیکھ لیں) اور اکثر (مکہ کے) لوگ ہماری نشانیوں سے یک قلم غافل رہتے ہیں (ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے)۔

تحقیق وترکیب: .... **نبأ نوح.** اس پر وقف کرنا ضروری ہے۔ **اجمعوا.** اس کا تعدیہ علی کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو یہاں محذوف ہے۔ **غمة.** اس کے معنی چھپانے کے ہیں۔ "**غم علینا الهلال**" چاند مشتبہ ہوگیا۔ حدیث میں ہے **لا غمة فی امر الله.** آیت کا حاصل یہ ہے کہ تمہیں میرے خلاف تدبیر کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ کرنا ہے برملا اور کھلم کھلا کرو۔

فان تولیتم اس کی جزاء محذوف ہے۔ ای **فلا ضیر علی لانی ما سألتکم.** حضرت نوحؑ کے ساتھ اسی مرد تھے یا چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ **واغرقنا الخ** غرق کے بعد میں ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ رحمت غضب پر سابق رہتی ہے۔ **ایتنا التسع.** سورۂ اعراف میں ان کا ذکر گزر چکا ہے۔ عصا۔ ید بیضاء۔ قحط سالی۔ طوفان۔ ٹڈی دل۔ کھٹمل۔ مینڈک۔ خون۔ مسخ۔ جس کا ذکر اگلی آیت **ربنا اطمس الخ** میں آ رہا ہے۔ **قال موسیٰ** یہاں سے لے کر **ولا یفلح الساحرون.** تک تینوں جملے حضرت موسیٰ کے ہیں۔ **اسحر هذا.** مقولہ محذوف ہے کیونکہ ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے۔ **فی الموضعین** یعنی **اتقولون الخ** اور **اسحر هذا من قومه.** ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اس سے مراد فرعون کی بیوی آسیہ ہے اور اس کا وزیر خزانہ اور اس کی بیوی اور اس کی ایک خادمہ ہیں جو ایمان لا چکے تھے۔

علی الله توکلنا. توکل کی برکت سے انہیں دشمن سے نجات مل گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ توکل اگر ہو تو خالص ہونا چاہئے۔

بمصر اس کا تعلق **تبوءا** سے بھی ہو سکتا ہے یا اس کی ضمیر سے حال ہو یا بیوت سے حال ہو یا **لقومکما** سے حال ہو۔

واجعلوا بیوتکم. یعنی رہائشی مکانات کو نماز گاہ بناؤ اور قبلہ سے مراد خانہ کعبہ ہے یا بیت المقدس۔ جس طرح ابتداء میں

مسلمانوں کو نماز روزہ کی ممانعت رہی ہے یہی حال قوم موسیٰ کا تھا۔ ربنا اطمس۔ سب سے بڑا بت اللہ کے راستہ میں چونکہ مال دینا ہے اس لئے اسی کو پہلے ذکر کیا۔ مجاہدؒ کی رائے ہے کہ اللہ نے اس مال کو بالکل ہلاک کر دیا تھا اور اکثر مفسرینؒ مسخ مانتے ہیں اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ ان کا مال پتھروں کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔ محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ ان کی صورتیں پتھروں میں مل گئی تھیں۔ لیکن یہ رائے اس لئے کمزور ہے کہ حضرت موسیٰ نے مال کے مسخ کی بددعا کی تھی نہ کہ ان کی ذوات کے بارے میں۔ وامن هارون مفسر محققؒ قد اجیبت دعوتکما الخ سے تثنیوں کی تاویل کر رہے ہیں۔ اس سے آمین کا دعا ہونا بھی معلوم ہوا اور چونکہ دعا میں اخفاء اولیٰ ہے اس لئے آمین میں بھی اخفاء ہونا چاہیئے۔ جہر نہیں ہونا چاہیئے۔ دعا کی اجابت تو ہوئی مگر چالیس سال بعد جیسا کہ روی انه مكث الخ سے معلوم ہوتا ہے۔

ودس۔ امام رازیؒ اور زمخشریؒ اس کو ضعیف بلکہ غلط قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ جبریلؑ اسلام لانے سے روک رہے تھے۔ لیکن چونکہ یہ ایمان یاس تھا۔ جس کا اعتبار نہیں۔ اس لئے تذلیل کے لئے جبریلؑ نے خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون کے منہ میں آکر کیچڑ ٹھونس دی ہو۔ اور وہ بھی بحکم الٰہی جس کے بارے میں لا یسئل عما یفعل فرمایا گیا ہے۔ پس اب کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔ جب کہ جس میں بغض فی اللہ کا بھی اظہار ہو رہا ہے۔

ننجیك چونکہ ہلاک ہونے کے بعد نجات کے حقیقی معنیٰ نہیں بنتے۔ اس لئے مفسر علامؒ مجاز پر محمول کر رہے ہیں۔

ببدنك بعض نے اس کے معنی برہنہ بدن کے لئے ہیں اور بعض نے ذرہ کے معنی لئے ہیں اور بامصاحبت کی لی ہے۔

خلفك اس کے معنی اگر بعد کے ہیں تب بھی ظرف زمان ہوگا اور سوا کے معنی اگر لئے جائیں تو ظرف مکان ہوگا۔

فاخرج له چنانچہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے پانی کسی مردہ جسم کو قبول نہیں کرتا فوراً اوپر پھینک دیتا ہے۔

ربط آیات:............ پچھلے مضامین کی تائید کے لئے آیت واتل الخ سے چند قصے بیان کئے جا رہے ہیں جس میں توحید و رسالت کی تائید بھی مقصود ہے اور تکذیب کرنے والوں کی تہدید و وعید بھی نوح علیہ السلام کے واقعہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کی تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں۔

﴿تشریح﴾:............ صداقت انبیاء کی وزنی دلیل:............ آیت واتل علیهم الخ سے انبیاء کرامؑ کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ "یقین کامل" اللہ کے رسول سچے ہونے کا اپنے اندر رکھتے ہیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو للکار دیا کہ اگر تم پر میری دعوت و نصیحت گراں گزرتی ہے اور مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو جو کچھ بھی تم میرے خلاف کر سکتے ہو زیادہ سے زیادہ کوشش اور زیادہ سے زیادہ اہتمام کے ساتھ کر گزرو۔ تم سب جمع ہو، آپس میں مشورے کرو، بہتر سے بہتر تدبیریں جو میرے مٹانے کے لئے سوچی جا سکتی ہیں سوچ لو۔ معاملہ کا کوئی پہلو ایسا نہ رہ جائے۔ جس کا پہلے سے بندوبست نہ کر لیا ہو۔ پھر پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو اور اپنی حد تک ذرا بھی مہلت نہ دو۔ پھر یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو۔ تم مجھے اور میری دعوت کو مٹا سکتے ہو یا نہیں۔ کیا ممکن ہے کہ محض بناوٹ اور افتراء پردازی سے ایسا یقین ابل سکے؟ کیا ممکن ہے کہ ایک فرد پوری قوم کو اسی طرح مقابلہ کا چیلنج دے اور اس کے دل میں ذرا بھی کھٹک موجود ہو کہ اپنے بیان میں سچا نہیں؟

حضرت نوحؑ کی نبوت آنحضرت ﷺ کی طرح عام نہیں تھی:............ طوفان نوحؑ کے عام ہونے سے

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوگیا کہ جب سارا عالم تباہ ہو چکا تھا اور صرف چند ہی آدمی بچے تھے۔ جو اس وقت عالم میں موجود تھے اور ان ہی کو نوح علیہ السلام نے دعوت پیش کی۔ یا انہوں نے آپکی دعوت قبول کی۔ بہرصورت اس سے حضرت نوحؑ کی عموم بعثت ودعوت ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ عموم بعثت خصائص محمدیہؐ میں سے ہے۔ یعنی اور انبیاءؑ خاص خاص اوقات اور خاص خاص مقامات کی طرف نبی بنائے گئے۔ لیکن آنحضرت ﷺ زماناً اور مکاناً عام نبی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت وہ عموم بعثت ہے کہ مختلف قومیں اور امتیں موجود ہوں اور آپؐ سب کے نبی ہوں۔ یہ خصوصیت بلاشبہ آپؐ کی محفوظ ہے برخلاف حضرت نوحؑ کے وہاں مختلف قوموں کا وجود ہی کہاں رہا تھا۔ کہ عموم دعوت ثابت ہو۔ بلکہ جو چند اشخاص موجود تھے ان ہی کے اعتبار سے عموم کہہ لیا جائے تو دوسری بات ہے۔ کلام یہ ہے کہ جو صورت عموم کی تھی وہ خصائص محمدیہؐ میں سے نہیں اور جو عموم خصائص میں سے ہے وہ پایا ہی نہیں گیا۔

دعوت کے تین پہلو:......... اس کے بعد حضرت موسیٰؑ کی دعوت کا ذکر ہے۔ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کے حالات میں صرف ان ہی پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے۔ جو سورت کی موعظت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً (۱) اللہ پر جھوٹ باندھنے والا اور اللہ کے سچے رسول کا مقابلہ کرنے والا کبھی فلاح نہیں پا سکتا (۲) ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو پلا دو۔ جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھلا دو۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اور اب بھی ایسا ہی ہوگا (۳) حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے ہو۔ حالانکہ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ بازی ہے اور ایک انسان اپنی جادوگری، شعبدہ بازی اور کرتبوں میں کتنا ہی ہوشیار ہو لیکن حق کے مقابلہ میں کبھی ٹک نہیں سکتا۔

نبی کے مقابلہ میں یا خود نبی بننے میں جادوگر کامیاب نہیں ہوسکتا:......... آیت لا یفلح الساحرون اور لا یصلح عمل المفسدین میں مطلق جادوگر اور مفسد مراد نہیں بلکہ جھوٹا دعوت نبوت کرنے والا جادوگر اور نبی کا مقابلہ کرنے والا مفسد مراد ہے کہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ بعض جادوگر اور مفسد تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں؟ پھر آیت میں کیسے انکار کیا گیا ہے؟ الحق حق کے معنی ثبوت اور قیام کے ہیں کہ جو بات اٹل اور انمٹ ہو اور باطل اس کی ضد کو کہتے ہیں یعنی جو بات مٹ جانے والی اور باقی نہ رہنے والی ہو۔ پس قرآن نے سچائی کو حق سے اور انکار کو باطل سے تعبیر کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ سچائی کا خاصہ ثبوت وقیام ہے اور باطل کے لئے نہ ٹک سکنا اور مٹ جانا ہے۔ جابجا قرآن کریم میں اسی طرح کی تعبیرات ملتی ہیں کہ خدا حق کو حق کر دے گا اور باطل کو باطل۔ یعنی حق ثابت وقائم رہ کر اپنی حقانیت آشکارا کر دے گا اور باطل نابود ہو کر اپنے باطل ہونے کا ثبوت دے گا۔

حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والے کون تھے:......... من قومه کی ضمیر جلال محققؒ نے تو فرعون کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی فرعون کی قوم کے کچھ لوگ خوف کی وجہ سے درپردہ ایمان لائے۔ لیکن بعض حضرات اس کی ضمیر خود حضرت موسیٰؑ کی طرف لوٹاتے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی قوم میں سے بعض لوگ مخفی طریقہ پر ایمان لائے۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل تو سب ہی فرعون کے ہاتھوں مبتلائے مصائب تھے۔ جس کی وجہ سے کوئی بھی حضرت موسیٰؑ کا مخالف نہ تھا۔ پھر چند آدمیوں کے اور وہ بھی پوشیدہ طریقہ سے ایمان لانے کے کیا معنی؟ اور پھر اپنے سرداروں سے ان کے ڈرنے کا کیا مطلب؟ درانحالیکہ سیر کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے چلے تو لاکھوں کی تعداد میں تھے؟ جواب یہ ہے کہ مخالف نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایمان ہی لے آئیں۔

یہ خیال کیا ہوگا کہ ابھی سے کون مسلمان ہوکر پریشانی مول لے۔ جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔لیکن جولوگ واقعی سچے طالب تھے انہوں نے ان سب نفسانی مصلحتوں کونظرانداز کردیا اورایمان لے آئے۔اگرچہ اس کا اعلان واظہارنہیں کیا اور حکام سے مراد قبطی ہیں کہ اس وقت وہی لوگ برسراقتدار تھے۔ادنیٰ تلبس کی وجہ سے سردار ہونے کی نسبت ان کی طرف کردی اور ابتداء یہ تعداد تھوڑی رہی ہوگی۔ بعد میں جوں جوں ہمت بندھتی گئی تعداد بڑھتی رہی چنانچہ مدارک میں اول الامر کی تصریح ہے۔

کسی نئی بات کے ماننے کی اُمید جوانوں سے جتنی ہوتی ہے بوڑھوں سے نہیں ہوتی: .... تاہم ذریۃ کے معنی کم سن اولاد کے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی مقاصد وعزائم کی راہ میں شدائد ومشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جاسکتی ہے۔زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان ہی آگے بڑھتے ہیں۔کیوں کہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ظلم وفساد کی آب وہوا میں بسر ہوچکتی ہیں اور محکومی کی حالت میں رہتے رہتے عافیت کوشی کے عادی ہوجاتے ہیں۔البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے، نیا خون ہوتا ہے، نئی امنگیں ہوتی ہیں، انہیں شدائد ومصائب کا خوف مرعوب نہیں کرسکتا اس لئے اول وہی قدم اٹھاتے ہیں۔پھر تمام قوم ان کے پیچھے چلنے لگتی ہے۔مصر میں حضرت موسیٰؑ کو ایسی ہی صورت پیش آئی۔فرعون کے قہر وظلم نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ہمتیں سلب کردی تھیں۔وہ شکرگزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے۔لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا۔ ان میں ایک گروہ نکل آیا جس نے حضرت موسیٰؑ کے احکام کی تعمیل کی۔

توکل اور مکان اور مسجد بنانے کا مطلب: ....توکل کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی طرف لالچ یا خوف کی نظر نہ رہے۔ اس لئے یہ توکل دعا کے خلاف نہیں بلکہ دونوں جمع ہوسکتے ہیں اور ان تبوا لقومکما بیوتا کا یہ مطلب نہیں کہ اب تازہ مکان بناؤ۔ تاکہ یہ اشکال ہو کہ مکانات تو پہلے سے بنے ہوئے تھے۔پھر بنانے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان مکانات کو دشمنوں کے حوالہ کرکے چھوڑو مت۔اپنے ہی پاس برقرار رہنے دو اور واجعلوا بیوتکم قبلۃ کا حاصل یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں چونکہ مساجد کے علاوہ اور جگہ نماز نہیں ہوتی تھی۔لیکن خطرات کے موقعہ پر حضرت موسیٰؑ کی قوم کو گھروں کے اندر نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔جیسا کہ ابتداء اسلام میں خود مسلمانوں کا مکہ کی سرزمین پر یہی حال تھا۔تاہم اجازت میں اس توسع کے ساتھ یہ تنگی بھی تھی کہ گھروں میں بھی ایک جگہ متعین کرنی پڑتی تھی۔یہ نہیں کہ جہاں جی چاہا، نماز پڑھ لی۔البتہ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے لئے اس توسع میں توسع مکان بھی ہے جہاں چاہیں نماز پڑھ سکتے ہو جعلت لی الارض کلھا مسجدا وطھورا ارشاد نبویؐ ہے۔

مسجد البیت: .... آیت میں جس طرح قوم موسیٰؑ کے لئے بحالت خوف ''مسجد البیت'' بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔شرائع سابقہ کی حجیت کے اصول پر بوقت خوف ہمارے لئے بھی مسجد البیت کا جواز واستحباب معلوم ہوتا ہے۔اگرچہ اس کا حکم عام مساجد کی طرح نہیں ہوگا۔چنانچہ اس کی چھت پر جماع، پیشاب، پاخانہ کرنا جائز ہوگا عام مساجد کی چھتوں پر اس کی اجازت نہیں۔جیسا کہ صاحب ہدایہؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔بہر حال گھروں میں کسی جگہ کو مخصوص کرنا اور اس میں نوافل وغیرہ پڑھنا مستحب ہے۔رسول اللہ ﷺ اور تمام سلف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ علاوہ فرائض کے عام طور پر نوافل۔سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ، بالخصوص سنت فجر، وتر، بالخصوص شب جمعہ کے وتر اس مسجد البیت میں ادا کرتے رہے ہیں۔

قبولیت دعا کا اثر:............موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اقیموا الصلوٰۃ کا حکم استعینوا بالصبر والصلوٰۃ کے طریقہ پر ہے اور گویا یہ تفصیل ہے۔ قال موسی لقومہ استعینوا باللّٰہ واصبروا کی اور ان سب احکام میں دعا کی قبولیت کا اثر نمایاں ہو رہا ہے۔ کیونکہ مکانوں پر قبضہ کرنے کے حکم سے تو سفر کی تشویش سے بچالیا اور گھروں میں نماز کی اجازت دینے سے نمازوں کے لئے باہر نکل کر اپنا ایمان ظاہر کرنے سے بچالیا۔ اور نماز کا حکم دے کر نجات کی تدبیر بتلادی اور بشر میں نجات کی بشارت سنادی۔ غرضیکہ ان سب باتوں میں دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہے۔

بددعا:............آیت ربنا اطمس الخ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نبی کا آنا تو ہدایت کے لئے ہوتا ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہدایت نہ ملنے کی بددعا کیسے کر رہے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ نبی کا ہدایت کے لئے آنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو دین کا راستہ دکھلائے اور بتلائے اور اس کی طرف بلائے۔ سو یہ تو بددعا کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کرتے رہے۔ اس میں اور بددعا میں منافات نہیں ہے۔

رہا بددعا کا معاملہ۔ سو اصل مقصد گمراہی کی بددعا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یقینی طریقہ پر وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے لئے ہلاکت وتباہی کی بذدعا کرنا ہے اور واشدد علی قلوبھم سے قلبی قساوت خود مقصود نہیں۔ بلکہ تباہی کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے مقصود بالعرض ہے اور اس میں عین موافقت ہے قضاء الٰہی کی۔ جو حضرت موسیٰ پر بذریعہ کشف عیاں ہوگئی ہوگی۔ اس لئے اس میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ البتہ مال ودولت اور دنیا کی فراوانی کا سبب گمراہی ہونا۔ سو جب اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہیں اور حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس حکمت کی تعیین ہم نہ کرسکیں۔

فرعون کا ایمان لانا:............فرعون کے ساتھ جبریلؑ کی اس کارروائی پر لباب کو یہ اشکال ہے کہ غرغرہ کی اس حالت میں فرعون دو حال سے خالی نہیں۔ مکلف تھا یا نہیں۔ پہلی صورت میں جبریلؑ کو روکنا کیسے جائز تھا۔ بلکہ انہیں اور اعانت کرنی چاہیئے تھی اور بالفرض انہوں نے روک بھی دیا تو اس نے دل سے توبہ کرلی ہوگی جو گونگے کی توبہ کی طرح معتبر ہونی چاہیئے تھی اور دوسری صورت میں جبریلؑ کا روکنا بے فائدہ ہے؟ جلال محققؒ اسی شبہ کا دفعیہ کر رہے ہیں کہ بغض فی اللہ کی وجہ سے جبریلؑ نے یہ کارروائی کی ہے اور چونکہ یہ ایمان یاس کی حالت میں تھا۔ جب کہ آخرت کا معائنہ ہونے لگتا ہے۔ اس لئے اس کا اعتبار نہیں جیسا کہ آیت فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راو باسنا سے معلوم ہوتا ہے اور جس رحمت کا خطرہ حضرت جبریلؑ کو ہو رہا تھا۔ اس سے مراد دنیاوی رحمت ہے۔ کیونکہ شرعاً ایمان معتبر نہ ہونے کی وجہ سے اخروی رحمت کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ البتہ انہیں یہ خطرہ ہوا کہ کہیں منافقین کی طرح یہ بھی دنیاوی رحمت سے فائدہ نہ اٹھالے جائے۔ اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس دی۔ چنانچہ آخرت میں منافقین کا ایمان معتبر نہیں۔ تاہم ظاہری کلمہ پڑھنے سے دنیا میں اس کی جان ومال محفوظ ہوجاتے ہیں۔ تو کہیں ایسا نہ ہو کہ الفاظ کی بدولت یہ دشمن خدا بھی کہیں غرق سے نہ بچ جائے اور عالم میں فتنہ فساد کا باعث بنے۔ منہ بند کردیا۔ علامہ آلوسیؒ نے ابن جریرؒ سے اس روایت میں فیغفرلہ کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں اس کو دنیاوی معافی پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی جس طرح حقیقی اسلام سے حقیقۃً پچھلے تمام گناہوں کی معافی ہوجاتی ہے۔ اسی طرح ظاہری ایمان سے صورۃً معافی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد دنیاوی احکام میں پہلے کفریات کا انتقام نہیں لیا جاتا۔

اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بعد میں کسی شخص نے اپنی طرف سے ان کی تصنیف میں الحاق کر دیا ہوگا۔ جیسا کہ بہت سے اکابر کی کتابوں کے ساتھ مخالفین نے اسی قسم کی کارروائی کی ہے۔ چنانچہ **الیواقیت والجواهر** میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

فرعون کی نجات:............فرعون کی لاش بچالینے اور پانی پر تیر آنے کو مجازاً تمسخر کے طور پر نجات سے تعبیر فرمادیا ہے کہ تجھے ایسی نجات مل رہی ہے جو تیرے لئے مزید رسوائی کا باعث ہوگی۔ گویا اس طرح اس کی تشہیر کر کے اس کے دعویٰ خدائیت میں ذلت کی آخری کیل ٹھوک دی گئی ہے۔

اور جلال محققؒ نے ابن عباسؓ کی روایت پیش کر کے ایک مطلب یہ بھی بتلا دیا کہ فرعون کی انتہائی عظمت وہیبت کی وجہ سے بعض لوگوں کو اس کے غرق ہونے میں شبہ تھا جو اس معائنہ سے دور ہوگیا۔

لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قدیم مصریوں میں حنوط کرنے اور حمیانے کا طریقہ رائج تھا۔ بادشاہوں اور امیروں کی نعشیں ایک خاص قسم کا مصالحہ لگا کر ایک عرصہ تک کے لئے محفوظ کر دی جاتی تھیں۔ چنانچہ اٹھارہویں صدی عیسوی سے لے کر اب تک بے شمار نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور دنیا کا کوئی عجائب خانہ نہیں جن کے حصہ میں دو چار نعشیں نہ آئی ہوں۔

پس اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تو اب موت سے تو نہیں بچ سکتا۔ لیکن تیرا جسم سمندر کی موجوں سے بچالیا جائے گا۔ تاکہ حسب معمول وہ ممی کر کے رکھا جائے اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت ونصیحت کا سامان ہو۔ اگر مصریات کے بعض علماء کی یہ تحقیق درست ہے کہ یہ فرعون منفتاح ثانی تھا۔ تو اس کا بدن آج تک نہیں مٹا۔ کیونکہ اس کی ''ممی'' نکل آئی اور قاہرہ کے دارالآثار (عجائب گھر) میں صحیح سالم محفوظ ہے۔

لطائف آیات:............آیت **کذلک نطبع الخ** میں فساد استعداد کو لفظ ''طبع'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیت **ولا یفلح الساحرون** پر مشائخ باطل کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ آیت **ربنا لا تجعلنا الخ** سے یہ سمجھنا کہ دعا توکل کے خلاف ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ توکل کا حاصل ترک اسباب نہیں کہ وہ تعطل ہوتا ہے۔ بلکہ اسباب کی بجائے اسباب پیدا کرنے والے پر نظر رکھنا توکل ہے۔ پس اس اعتقاد کے ساتھ اگر اسباب بھی اختیار کر لئے جائیں تو کیا حرج ہے۔ پس غیر مادی اسباب کے ساتھ جن میں دعاء بھی داخل ہے بدرجۂ اولیٰ توکل باقی رہے گا۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا اَنْزَلْنَا **بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ** مَنْزِلَ کَرَامَۃٍ وَھُوَ الشَّامُ وَمِصْرُ **وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ**

فَمَا اخْتَلَفُوْا بِاَنْ اٰمَنَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ **حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ** ﴿۹۳﴾ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ بِاِنْجَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَتَعْذِيْبِ الْكٰفِرِيْنَ **فَاِنْ كُنْتَ** يَا مُحَمَّدُ **فِىْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ** مِنَ الْقَصَصِ فَرْضًا **فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **مِنْ قَبْلِكَ ۚ** فَاِنَّهُ ثَابِتٌ عِنْدَهُمْ يُخْبِرُوْنَكَ بِصِدْقِهِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَشُكُّ وَلَا اَسْاَلُ **لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ** ﴿۹۴﴾ الشَّاكِيْنَ فِيْهِ **وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** ﴿۹۵﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ** وَجَبَتْ **عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ** بِالْعَذَابِ **لَا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۹۶﴾ **وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ** ﴿۹۷﴾ فَلَا يَنْفَعُهُمْ حِيْنَئِذٍ **فَلَوْلَا** فَهَلَّا **كَانَتْ قَرْيَةٌ** اُرِيْدَ اَهْلُهَا **اٰمَنَتْ** قَبْلَ نُزُوْلِ الْعَذَابِ بِهَا **فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا** لٰكِنْ **قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا** عِنْدَ رُؤْيَةِ اَمَارَاتِ الْعَذَابِ الْمَوْعُوْدِ وَلَمْ يُؤَخِّرُوْا اِلٰى حُلُوْلِهِ **كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ** ﴿۹۸﴾ اِنْقِضَاءِ اٰجَالِهِمْ **وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ** بِمَا لَمْ يَشَاءُ اللّٰهُ مِنْهُمْ **حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ** ﴿۹۹﴾ لَا **وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ** بِاِرَادَتِهِ **وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ** الْعَذَابَ **عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ **قُلِ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **انْظُرُوْا مَاذَا** اَىِ الَّذِىْ **فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ** مِنَ الْاٰيَاتِ الدَّالَّةِ عَلٰى وَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ** جَمْعُ نَذِيْرٍ اَىِ الرُّسُلُ **عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۰۱﴾ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ اَىْ مَا تَنْفَعُهُمْ **فَهَلْ** مَا **يَنْتَظِرُوْنَ** بِتَكْذِيْبِكَ **اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ** مِنَ الْاُمَمِ اَىْ مِثْلَ وَقَائِعِهِمْ مِنَ الْعَذَابِ **قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا** ذٰلِكَ **اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ** ﴿۱۰۲﴾ **ثُمَّ نُنَجِّىْ** الْمُضَارِعُ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ **رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** مِنَ الْعَذَابِ **كَذٰلِكَ ۚ** اَلْاِنْجَاءِ **حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۰۳﴾ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهُ حِيْنَ تَعْذِيْبِ الْمُشْرِكِيْنَ **قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اَىْ اَهْلَ مَكَّةَ **اِنْ كُنْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ** اَنَّهُ حَقٌّ **فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غَيْرِهِ وَهُوَ الْاَصْنَامُ لِشَكِّكُمْ فِيْهِ **وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ** بِقَبْضِ اَرْوَاحِكُمْ **وَاُمِرْتُ اَنْ** اَىْ بِاَنْ **اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ﴿۱۰۴﴾ **وَ**قِيْلَ لِىْ **اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ** مَائِلًا اِلَيْهِ **وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** ﴿۱۰۵﴾ **وَلَا تَدْعُ** تَعْبُدُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ** اِنْ عَبَدْتَهُ **وَلَا يَضُرُّكَ ۚ** اِنْ لَمْ تَعْبُدْهُ **فَاِنْ فَعَلْتَ** ذٰلِكَ فَرْضًا **فَاِنَّكَ اِذًا**

ع ۱۵

مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ یُصِبْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ کَفَقْرٍ وَمَرَضٍ فَلَا كَاشِفَ رَافِعَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ دَافِعَ لِفَضْلِهٖ اَلَّذِیْ اَرَادَكَ بِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ اَیْ بِالْخَیْرِ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهٖ لَهٗ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ لِاَنَّ وَبَالَ ضَلَالِهٖ عَلَیْهَا وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۸﴾ فَاُجْبِرُكُمْ عَلَی الْهُدٰی وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ وَاصْبِرْ عَلَی الدَّعْوَةِ وَاَذَاهُمْ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ فِیْهِمْ بِاَمْرِهٖ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ اَعْدَلُهُمْ وَقَدْ صَبَرَ حَتّٰی حَکَمَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ بِالْقِتَالِ وَاَهْلِ الْکِتَابِ بِالْجِزْیَةِ

ع ۱۶

ترجمہ: ....اور ہم نے بنی اسرائیل کو بسنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا دیا (عزت کا مقام اور وہ شام ومصر کا خطہ ہے) اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کر دیا تھا۔ پھر جب کبھی انہوں نے اختلاف کیا (کہ بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر اختیار کیا) تو علم کی روشنی ضرور ان پر نمودار ہوگئی۔ قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں (یعنی دین کی بات کہ مؤمنین کی نجات ہوگی اور کافروں کو عذاب) اور اگر آپ کو (اے محمدؐ) اس بات میں کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے آپ پر (قصے) اتارے ہیں (بالفرض) تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو آپ سے پہلے کتاب (تورات) پڑھتے ہیں (کیونکہ یہ واقعات ان کے یہاں ثابت ہیں۔ ان کے سچ ہونے کی آپ کو یہ اطلاع دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہ مجھے شک ہے اور نہ مجھے پوچھنے کی ضرورت) کہ یقیناً سچائی ہے جو آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتری ہے آپ ہرگز شک (شبہ) کرنے والوں میں سے نہ ہوجیئے اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ہوئے۔ جن لوگوں پر آپ کے پروردگار کا فرمان (عذاب) صادق آگیا (ثابت ہوگیا) ہے وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے آجائیں۔ جب بھی نہ مانیں۔ یہاں تک کہ دردناک عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں (مگر اس وقت ایمان لانا فائدہ مند نہیں رہے گا) پھر کیوں نہ کوئی بستی (مراد اہل بستی ہیں) ایسی نکلی کہ یقین کر لیتی (اس پر عذاب نازل ہونے سے پہلے) اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی بجز قوم یونس کے۔ جب یہ لوگ ایمان لے آئے (مقررہ عذاب کی علامات دیکھتے ہی اور عذاب اترنے کا انتظار انہوں نے نہیں کیا) تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب ان پر سے ٹال دیا جو دنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور ایک خاص مدت تک سروسامان زندگی سے بہرہ مند ہونے کی مہلت دے دی (پیمانہ عمر لبریز ہونے تک) اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ سو کیا آپ ان پر زبردستی کر سکتے ہیں (جب کہ اللہ ان سے نہ چاہے) کہ وہ ایمان ہی لے آویں (ہرگز نہیں) حالانکہ کسی کا ایمان لانا اللہ کے حکم (ارادہ) کے بغیر اس کے اختیار میں نہیں۔ اور اللہ (عذاب کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے (اللہ کی نشانیوں میں غور نہیں کرتے) آپ (کفار مکہ سے) کہیئے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (وہ نشانیاں جو اللہ کی یکتائی پر دلالت کرنے والی ہیں) ان سب پر نظر ڈالو۔ لیکن جو لوگ (علم الٰہی میں) ایمان لانیوالے نہیں ہوتے ان کے لئے نہ تو نشانیاں ہی کچھ سودمند ہوتی ہیں اور نہ دھمکیاں (نذر جمع نذیر کی مراد رسول ہے) ہی فائدہ پہنچاتی

ہیں (انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا) پھر اگر یہ لوگ (آپ کو جھٹلا کر) صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (پچھلی امتوں میں۔ یعنی جیسے ان پر عذاب واقع ہوا ہے) تو کہہ دو: اچھا (اس کا) انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم بچا لیتے تھے (یہ مضارع ہے حال ماضی کی حکایت کے لئے) اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو (عذاب سے) اسی طرح ہم نے اپنے اوپر ضروری ٹھیرا لیا ہے کہ سب ایمان والوں کو بچا لیا کریں (نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ کو مشرکین نے تکلیفیں پہنچائیں) آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! (مکہ والو!) اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شبہ میں ہو (کہ آیا وہ حق ہے) تو اللہ کے سوا جن ہستیوں کی تم بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا (یعنی غیر اللہ بتوں کی۔ کیونکہ تمہیں اس میں شک ہے) میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے (تمہاری روح نکال کر) اور مجھے اس کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ ایمان لانے والوں کے زمرہ میں رہوں اور (مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے) میں اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف کر لوں ہر طرف سے ہٹ کر (اس کی طرف مائل ہو جاؤں) اور ایسا ہرگز نہ کیجیو کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو (عبادت مت کرو) کہ وہ تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا (اگر تم اس کی بندگی بھی کر لو) اور نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا (اگر تم اس کی بندگی نہ کرو) اگر تم نے ایسا کیا (بالفرض) تو یقیناً پھر تم بھی ظلم کرنے والوں میں گنے جاؤ گے اور اللہ کے حکم سے تمہیں کوئی دکھ پہنچے (جیسے فاقہ یا بیماری) تو جان لو کہ اسے دور کرنے والا بجز اس کے کوئی نہیں اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانی چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں (سو تمہارے متعلق اس نے طے کر لیا ہے) وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل مبذول فرما دے وہ بڑی مغفرت، بڑی رحمت والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اے لوگو! (مکہ والو) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس سچائی پہنچ چکی ہے۔ پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرے گا (کیونکہ ہدایت پانے والے کا ثواب اسی کو ملے گا) اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اس کے آگے آئے گی (کیونکہ اس کی بے راہ روی کا وبال اسی پر پڑے گا) میں تم پر نگران نہیں (کہ تمہیں ہدایت قبول کرنے پر مجبور کر سکوں) آپ پر جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس پر چلتے رہیئے اور جمے رہیئے (اپنی دعوت پر اور ان کی اذیتوں پر) یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے (اس کے بارے میں اپنا کوئی حکم بھیج کر) اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (منصفانہ فیصلہ۔ آنحضرت ﷺ نے صبر سے کام لیا۔ یہاں تک کہ مشرکین سے جہاد کرنے کا اور اہل کتاب پر جزیہ لگا دینے کا آپ کو حکم ہو گیا)۔

تحقیق وترکیب:.........**مبوا صدق** عرب کی عادت یہ ہے کہ جب کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے تو اس کی نسبت صدق کی طرف کی جاتی ہے، رجل صدق، قدم صدق، مبوء صدق۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ مبوا صدق کا مصداق کیا ہے۔ ایک قول میں مصر ہے اور دوسرے قول میں شام، قدس و اردن ہیں۔ جو سرسبز وشاداب حصے ہیں۔ مشہور اگرچہ یہی ہے کہ بنی اسرائیل کی دوبارہ واپسی مصر میں نہیں ہوئی۔ **فان کنت فی شك** اس میں بظاہر خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے یا ہر سننے والے کو عام خطاب ہے۔ بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بات انسان کو معلوم نہ ہو تو اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ **ماذا** مفسرؒ نے **الذی** کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ دو لفظ ہیں ما استفہامیہ بمعنی الذی ہے اور ظرف اس کا صلہ ہے اور بعض نے اس کو ایک ہی لفظ مرکب مانا ہے اسم اشارہ پر استفہام غالب آ گیا ہے۔ **ماتنفعهم** اشارہ کر دیا کہ **ماتغنی** میں ما نافیہ ہے۔ اگرچہ استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے۔ **کذلك**. ای مثل ذلك الانجاء ننجی المؤمنین منکم و نهلك المشرکین اور **حقا** جملہ معترضہ ہے۔ ای حق ذلك علینا حقا۔ فلا اعبد گویا یہ میرے دین کا خلاصہ ہے جس میں تمہیں شک ہو رہا ہے۔ **لشککم فیه** یعنی تمہیں غیر اللہ کی عبادت پر ابھارنے والی چیز تمہارا شک

ہے میرے دین کی حقانیت کے بارے میں باقی مجھے تو کوئی شبہ نہیں اس لئے میں غیر اللہ کی پرستش بھی نہیں کرتا۔ فان فعلت ذلک فرضا یہ اس اشکال کا جواب ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتا ہے پھر اس سے شرک کیسے ہوسکتا ہے؟ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ یہ بطور فرض کے کہا جارہا ہے۔

ربط آیات:............ آیت فان کنت الخ میں قرآن کی حقانیت سے حقانیت اسلام پر استدلال کیا جارہا ہے پھر آیت ان الذین الخ سے آپ کو تسلی فرمائی جارہی ہے کہ ان کی قسمت میں ایمان نہیں ہے۔ اس لئے آپ رنج نہ کیجئے۔ قوم یونس کی طرح اگر ان کی قسمت میں ایمان ہوتا تو یہ بھی ایمان لے آتے اور قوم یونس ہی کی کیا تخصیص ہے اگر سارے جہاں کے مقدر میں ایمان ہوجائے تو سب ہی ایمان لے آئیں۔ مگر مشیت الٰہی ہی نہیں ہے اس لئے آپ کیوں فکر میں گھلے۔ آیت قل انظروا الخ میں یاس کی حالت میں بھی تکلیفات شرعیہ سے باہر نہ ہونا بیان کیا جارہا ہے اور عناد کی وجہ سے کفار کا مستحق عذاب ہونا بیان کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد آیت قل یا ایھا الناس الخ سے توحید ثابت کی جارہی ہے جو اسلام کا رکن اعظم ہے۔ پھر یا ایھا الناس الخ سے اسلام کی حقانیت ظاہر کر کے اتمام حجت کی جارہی ہے اور آیت واتبع الخ میں آپ کو تسلی دی جارہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾............ اختلاف کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبی کو مان کر اس کے احکام میں حجتیں نکالنا اور طرح طرح کے حیلے کرنا کہ یہ اختلاف علی الانبیاء ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض انبیاء کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا کہ یہ اختلاف مع الانبیاء ہے اور سلف پر انعام، گویا خلف پر بھی انعام ہوتا ہے۔

قرآن میں شبہ اور اہل علم سے پوچھنے کا مطلب:............ فان کنت میں بظاہر خطاب آپ کو ہے مگر مقصود دوسروں کو خطاب ہے اور مقصود دراصل مبالغہ کرنا ہے کہ جب صاحب وحی کے لئے جو براہ راست اللہ سے علوم حاصل کرتا ہے اہل علم سے دریافت کرنا کافی ہے تو دوسروں کو یہ دریافت کرنا بدرجہ اولیٰ کافی ہونا چاہیئے۔ اسی طرح فلا تکونن. ولا تکونن. فتکونن میں بھی یہ بتلانا ہے کہ جس ذات گرامی میں شک اور جھٹلانے کا احتمال نہیں جب ان کو بھی روکا جارہا ہے تو جہاں احتمال ہے بدرجہ اولیٰ روکنا چاہیئے۔ اس لئے آپ نے اپنے بارے میں فرمادیا کہ لا اشک ولا اسال باقی رہی یہ بات کہ صاحب وحی تو اہل علم سے بڑھ کر ہی ہے پھر کیسے کہا جارہا ہے کہ تم اہل علم سے دریافت کرو؟ جواب یہ ہے کہ اہل علم سے پوچھنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ متبوع اور مطاع ہیں۔ بلکہ ناقل ہونے کی حیثیت سے ان سے معلوم کرنے کو کہا جارہا ہے اور وہ نقل صحیح سے حق کی تائید ہی ہوگی جو مقصود ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اہل کتاب تو خود آپ کی تکذیب کرتے تھے پھر ان سے پوچھنا کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ ان سے صرف نقل کرانا اور اصل مضمون پڑھ کر سنوانا مقصود ہے۔ پھر اس میں اخفاء نہیں رہ سکتا۔

قوم یونسؑ کا حال:............ الا قوم یونس الخ میں حضرت یونسؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان کا عبرانی نام ''یوناہ'' تھا۔ جو عربی میں ''یونس'' ہوگیا یہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ہیں اور عہد عتیق کے نوشتوں میں سے ایک نوشتہ ان کے نام سے بھی ہے۔ اس نوشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نینوا کے لوگوں کو خبردار کیا تھا کہ چالیس روز کے بعد شہر تباہ ہوجائے گا۔ یہ سن کر انہوں نے سرکشی نہیں بلکہ بادشاہ سے لے کر گدڑیئے تک سب ہی توبہ واستغفار میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چالیس دن گزر گئے مگر عذاب

نہ آیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے بات مان لی تھی اور سرکشی نہیں کی۔ لیکن یہ مہلت ایک خاص مدت تک کے لئے دی گئی تھی۔ حضرت ''یوناہ'' کے بعد ۶۹۰ قبل مسیح ان کا غلبہ وفساد پھر حد سے گزر گیا اور ایک اور اسرائیلی نبی ''ناحوم'' نامی نے انہیں پیش آنے والی تباہی سے خبر دار کر دیا۔ اس کے ستر برس بعد اہل بابل نے ان پر حملہ کیا۔ ساتھ ہی دریائے دجلہ میں اس زور کا سیلاب آیا کہ نینوا کی مشہور چہار دیواری جابجا سے گر گئی اور حملہ آوروں کے لئے کوئی روک باقی نہ رہی۔ چنانچہ آشوری تمدن کا یہ مرکز اس طرح نابود ہوا کہ ۲۰۰ قبل مسیح میں اس کا جائے وقوع بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔

رفع تعارض:...... بہر حال قوم یونس پر چونکہ عذاب نہیں آیا تھا اور نہ اس کے آثار قریبہ شروع ہوئے تھے کہ انہوں نے پہلے ہی توبہ کر لی اور وہ عذاب ٹل گیا۔ اس لئے فلم یك ینفعھم ایمانھم لما رأوباسنا کے خلاف نہیں ہوگا کہ شبہ کیا جائے اور بعض نے آیت کے عموم سے قوم یونس کے واقعہ کو مستثنیٰ کر لیا ہے اور فی الحیوۃ الدنیا قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے کہ اس میں واقعہ کا اظہار ہے اور ایمان کا آخرت کے لئے نافع ہونا یقینی ہے۔ اخروی عذاب سے بچنا مسلمانوں کے لئے تو ظاہر ہے اور پہلے عذابوں میں دنیاوی اعتبار سے بچنا بھی ظاہر ہے اور اس امت کے کفار کے عذاب قتل سے مسلمانوں کا بچنا بایں معنی ہے کہ مسلمانوں پر قتل کے واقعات عذاب کی حیثیت نہیں ہوتے۔

ایک عظیم الشان حقیقت:...... آیت ولو شاء ربك الخ میں ایک بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور غور کرو کتنے مختصر لفظوں میں کتنی عظیم الشان بات کہہ دی ہے۔ فرمایا فکر واستعداد کا اختلاف یہاں ناگزیر ہے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور وزبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دیا جائے۔ یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا جس میں فہم وقبول کی استعداد ہے۔ پھر اگر تم پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ کیوں لوگ مان نہیں لیتے تو کیا تم لوگوں پر جبر کرو گے؟ کہ تمہیں ضرور مان ہی لینا چاہیئے۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قرآن کے نزدیک دین وایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر واکراہ کی صورت کا ذکر ایک ان ہونی اور نا کردنی بات کی طرح کیا گیا ہے۔

کھرا کھرا جواب:...... آیت قل یا ایھا الناس الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میری دعوت دین کی حقیقت ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھی ہے اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید تمہارے مطلب کی باتیں بھی تھوڑی بہت میں مان لوں تو یہ وہم اپنے دماغ سے نکال دو۔ میرا اعلان صاف صاف یہ ہے کہ میں تمہارے گھڑے ہوئے معبودوں کو نہیں مانتا۔ صرف پروردگار عالم کی عبادت کرتا ہوں اور اسی کی طرف سے دعوت دینے پر مامور ہوں۔ اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد جو کچھ تمہارے جی میں آئے کرو میری راہ میرے لئے ہے۔ تمہاری راہ تمہارے لئے اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرا دین تو یہ ہے جس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیئے۔ کفار ومشرکین جب کہ اسلام کے منکر تھے۔ پھر ان کنتم فی شک من دینی کیوں فرمایا گیا؟ سو در اصل اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ دین اسلام ایسا ہے کہ اس میں تو شک بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ چہ جائیکہ جحد وانکار۔

کھری کھری باتیں:...... آیت قل یا ایھا الناس قد جاء کم الخ یہ بات واضح کرنا ہے کہ مذہبی صداقت کی

دعوت کا معاملہ سرتاسر سمجھنے بوجھنے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کر لینے کا معاملہ ہے اس میں نہ تو کسی طرح کی زبردستی ہے نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا۔ تمہاری بھلائی کے لئے ایک بات کہی گئی ہے۔ اگر سمجھ میں آجائے تو مان لو، نہ آئے تو نہ مانو تمہاری راہ تمہارے لئے ہماری راہ ہمارے لئے۔ اگر مان لوگے تو اپنا ہی بھلا کروگے، نہ مانوگے تو اپنا ہی نقصان کروگے۔ ہر شخص اپنے نفس کا مختار ہے۔ چاہے بھلائی کی راہ چلے اور بھلائی کمائے، چاہے برائی کی چال چلے اور برائی کمائے۔ اگر کوئی بھلائی کی راہ چلے گا تو کسی دوسرے کو کچھ نہیں دیدے گا کہ وہ اس کے پیچھے پڑ جائے۔ اگر کوئی برائی کی چال چلے گا تو کسی دوسرے کا نقصان نہیں کرے گا کہ وہ اس سے بگڑنے لگے۔ اپنی اپنی راہ ہے اور اپنی اپنی کمائی۔ ساتھ ہی یہ واضح کر دیا کہ داعی حق کی حیثیت کیا ہے؟ میں ایک مذکر ہوں۔ کچھ تم پر وکیل نہیں بنا دیا گیا ہوں۔ میرا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سمجھا دوں۔ یہ نہیں کہ نگہبان بن کر تم پر مسلط رہوں اور سمجھوں کہ مجھے تمہاری ہدایت کی ٹھیکہ داری مل گئی ہے۔ نیز جا بجا مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت واضح کردی کہ پیغمبر کا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی پکار بلند کرنے والا ہے۔ پیام حق پہنچا دینے والا ہے۔ نصیحت کی بات سمجھا دینے والا ہے۔ ایمان و عمل کے نتائج کی خوشخبری دیتا ہے۔ اور انکار و بدعملی کے نتائج سے خبر دار کر دیتا ہے اس سے زیادہ اس کے سر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

دین میں زبردستی:............غور کرو۔ اس سے زیادہ صاف بے لاگ اور امن وسلامتی کی کوئی راہ ہوسکتی ہے؟ اگر دنیا نے دعوت حق کی یہ روح سمجھ لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے محض اختلاف عقائد وعمل کی بنیاد پر لڑتا؟ پچھلے تمام انبیاءؑ کی دعوت کی طرح اسلام اور اس کے منکروں میں بھی جو نزاع شروع ہوئی وہ تمام تر یہی تھی۔ قرآن کہتا تھا میری راہ تبلیغ وتذکیر کی راہ ہے۔ مخالف کہتے تھے ہماری راہ جبر وتشدد کی ہے۔ قرآن کہتا تھا اگر میری بات سمجھ میں آئے تو مان لو، نہ سمجھ میں آئے تو ماننے والوں کو ان کی راہ چلنے دو۔ وہ کہتے تھے ہماری بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تمہیں ماننی ہی چاہیئے۔ نہیں مانو گے تو جبراً منوائیں گے۔

توکیل وتذکیر کا فرق:............غور کرو سارے جھگڑوں کی اصلی بنیاد کیا ہے؟ یہی ہے کہ لوگ تذکیر وتوکیل میں فرق نہیں کرتے اور قرآن کہتا ہے دونوں میں فرق کرو۔ تذکیر کی راہ یہ ہوئی کہ جو بات ٹھیک سمجھتے ہو اس کی دوسروں کو بھی ترغیب دو۔ مگر صرف ترغیب دو۔ اس سے آگے نہ بڑھو۔ یعنی یہ بات نہ بھول جاؤ کہ پسند کرنے نہ کرنے کا حق دوسروں کو ہے۔ تم اس کے لئے ذمہ دار نہیں ہو اور توکیل یہ ہوئی کہ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاؤ اور جو کوئی تم سے متفق نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جاؤ۔ گویا خدا نے تمہیں لوگوں کی ہدایت وگمراہی کا ٹھیکیدار بنا دیا ہے۔ جب قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ خدا کے رسولوں کا منصب بھی تذکیر وتبلیغ کے اندر محدود تھا۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے تو پھر ظاہر ہے کسی دوسرے انسان کے لئے وہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ وکیل مصیطر اور جبار بن جائے۔

زبردستی تبلیغ نہیں کی جاسکتی:............دراصل اعمال انسانی کے تمام گوشوں میں اصلی سوال حدود ہی کا ہے اور ہر جگہ انسان نے اسی میں ٹھوکر کھائی ہے۔ یعنی ہر بات کی جو حد ہے اس کے اندر نہیں رہنا چاہتا۔ دو چیزیں ہیں اور دونوں کو اپنی اپنی حدوں میں رہنا چاہیئے ایک چیز تذکیر وتبلیغ ہے۔ پسند اور قبولیت ہر انسان کو اس کا حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھتا ہے اسے دوسروں کو بھی سمجھائے۔ لیکن اس کا حق نہیں کہ دوسروں کے حق سے انکار کر دے۔ یعنی یہ بات بھلا دے کہ جس طرح اسے ایک بات کے ماننے نہ ماننے کا حق ہے۔ ویسا ہی دوسرے کو بھی ماننے نہ ماننے کا حق ہے اور ایک فرد دوسرے فرد کے لئے ذمہ دار نہیں۔ قرآن کہتا ہے جس بات کو تم سچ سمجھتے ہو

تمہارا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے آگے جواب دہ ہو گے۔ لیکن ساتھ ہی یاد رکھو۔ کہ فرض تذکیر وتبلیغ کا ہے توکیل واجبار کا نہیں اور جواب دہی اسی میں ہے کہ تبلیغ کی یا نہیں کی۔ اس میں نہیں کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا۔ قرآن نے ایک طرف تذکیر ودعوت پر زور دیا تاکہ حق کی طلب وقیام کی روح افسردہ نہ ہو جائے۔ دوسری طرف انسان کی شخصی آزادی بھی محفوظ کر دی کہ جبر وتشدد بے جا مداخلت نہ کر سکے۔ حد بندی کا یہی خط ہے جو یہاں صحت واعتدال کی حالت قائم رکھتا ہے۔ (ترجمان)

لطائف آیات:............آیت لما امنوا الخ سے معلوم ہوا کہ مرید پر فیض ممکن ہے جس کی اطلاع شیخ کو بھی نہ ہوا گرچہ برکت شیخ ہی کی ہوگی۔ جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو قوم کے ایمان قبول ہونے کی اطلاع نہیں ہوئی۔ حالانکہ تھی ان ہی کی برکت۔ آیت افانت تکرہ الناس الخ سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کے بعد کسی کے درپے نہیں ہونا چاہیئے۔ آیت قل انظروا الخ سے معلوم ہوا کہ حق کے لئے خلق پر نظر کرنا نظر الی الحق کے منافی نہیں ہے۔

سُوْرَةُ هُوْدٍ

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ اِلَّا اَقِمِ الصَّلٰوةَ الْاٰيَةَ اَوْ اِلَّا فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ الْاٰيَةَ وَاُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ الْاٰيَةُ مِائَةٌ وَّثِنْتَانِ اَوْ ثَلٰثٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ الٓرٰ﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا **كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ** بِعَجِيْبِ النَّظْمِ وَبَدِيْعِ الْمَعَانِيْ **ثُمَّ فُصِّلَتْ** بُيِّنَتْ بِالْاَحْكَامِ وَالْقِصَصِ وَالْمَوَاعِظِ **مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾** اَيِ اللّٰهِ اَيْ بِاَنْ **لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ** بِالْعَذَابِ اِنْ كَفَرْتُمْ **وَّبَشِيْرٌ ﴿۲﴾** بِالثَّوَابِ اِنْ اٰمَنْتُمْ **وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ** مِنَ الشِّرْكِ **ثُمَّ تُوْبُوْٓا** اِرْجِعُوْا **اِلَيْهِ** بِالطَّاعَةِ **يُمَتِّعْكُمْ** فِي الدُّنْيَا **مَّتَاعًا حَسَنًا** بِطِيْبِ عَيْشٍ وَّسِعَةِ رِزْقٍ **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** هُوَ الْمَوْتُ **وَّيُؤْتِ** فِي الْاٰخِرَةِ **كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ** فِي الْعَمَلِ **فَضْلَهٗ** جَزَاءَهٗ **وَاِنْ تَوَلَّوْا** فِيْهِ حُذِفَ اِحْدَى التَّائَيْنِ اَيْ تُعْرِضُوْا **فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾** هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾** وَمِنْهُ الثَّوَابُ وَالْعَذَابُ وَنَزَلَ كَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ فِيْمَنْ كَانَ يَسْتَحْيِيْ اَنْ يَّتَخَلّٰى اَوْ يُجَامِعَ فَيُفْضِيَ اِلَى السَّمَاءِ وَقِيْلَ فِي الْمُنَافِقِيْنَ **اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ** اَيِ اللّٰهِ **اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ** يَتَغَطَّوْنَ بِهَا **يَعْلَمُ** تَعَالٰى **مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** فَلَا يُغْنِيْ اِسْتِخْفَاؤُهُمْ **اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾** اَيْ بِمَا فِي الْقُلُوْبِ

ترجمہ:.........سورۂ ہود مکی ہے بجز آیت وان اقم وجھک الخ یا آیت فلعلک اور آیت و اولٓئک یؤمنون به کے اس میں کل ایک سو بائیس یا ایک سو تئیس آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الف. لام. را (ان لفظوں کی حقیقی مراد تو اللہ کو معلوم ہے) یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں (نظم عجیب اور بہترین معانی کے ساتھ) پھر کھول کھول کر واضح کردی گئی ہیں (احکام اور واقعات اور نصائح بیان کئے گئے ہیں) ایک حکیم باخبر ہستی (اللہ) کی طرف سے ہے۔ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یقین کرو کہ میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا (عذاب سے کفر کرنے کی صورت میں) اور خوشخبری دینے والا ہوں (ثواب کی ایمان لانے کی صورت میں) اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلبگار ہو (شرک سے) بھی اس کی طرف (اطاعت کرکے) متوجہ

ہو جاؤ (رجوع کرو) تمہیں (دنیا میں) زندگی کے فوائد سے بہت اچھی طرح بہرہ مند کرے گا (خوش عیشی اور رزق کی کشادگی کے ساتھ) ایک مقررہ وقت (مرنے) تک اور عطا فرمائے گا (آخرت میں) ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب (جزاء) لیکن اگر تم نے روگردانی کی (دوتاء میں سے ایک تاء حذف ہو رہی ہے یعنی اگر تم نے اعراض کیا) تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے (قیامت کا دن) تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں (اسی میں عذاب وثواب بھی داخل ہے بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بیت الخلاء جانے کے وقت یا جماع کرتے ہوئے آسمان کا سامنا ہونے سے شرماتے تھے اور بعض کی رائے ہے۔ کہ منافقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی) یاد رکھو وہ لوگ دوہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تا کہ اپنی باتیں اللہ سے چھپا سکیں۔ یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت کپڑے لپیٹتے ہیں (ڈھانپتے ہیں) وہ اس وقت بھی سب کچھ جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر باتیں کرتے ہیں (لہٰذا چھپنا ان کے لئے فائدہ مند نہیں ہے) وہ تو سینوں کے اندر کا بھید جاننے والا ہے (یعنی دلوں کے اندر کی باتیں)۔

تحقیق وترکیب: .... سورۃ مبتداء ہے اور مکیۃ خبر اول اور مائۃ خبر ثانی ہے۔ **اقم الصلوٰۃ** واؤ چھوٹ گیا ہے۔ **واقم الصلوٰۃ** ہے یہ قول ابن عباسؓ کا ہے دوسرا مقاتلؒ کا ہے۔ جس میں دو آیتیں ہیں ایک **فلعلك الخ** دوسرے **اولئك الخ** **ھذا کتاب** اشارہ کر دیا مبتداء محذوف کی طرف۔ **ثم فصلت** لفظ ثم محض اخبار کے لئے ہے جیسے کہا جائے۔ **فلان کریم الاصل ثم کریم الفصل** یعنی قرآن کریم محکم اور مفصل ہے اور یا ثم ترتیب زمان کے لئے ہو یعنی اولاً تو اللہ نے تمام قرآن کو محکم بنا دیا پھر مواقع اور ضرورتوں کا لحاظ کر کے تفصیل وار اتار دیا۔

ان لا تعبدوا تقدیر با سے اشارہ کر دیا ان مصدریہ ہونے کی طرف۔ **منہ نذیر** ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع ہو تو کسی کے متعلق ہو کر صفت ہوگی لیکن اس پر صفت کی تقدیم کا اشکال لازم آئے گا تو حال سے توجیہ کر لی جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع کتاب کو قرار دیا جائے یعنی کتاب اللہ کی مخالفت سے ڈرانے والے ہیں۔ **ثم توبوا** اس سے معلوم ہوا کہ استغفار اور توبہ الگ الگ دو چیزیں ہیں۔ **کل ذی فضل** یہ مفعول ہے اور **فضلہ** مفعول ثانی ہے۔ یؤتی کا اور **فضلہ** کا ضمیر یا اللہ کی طرف ہے اور یا لفظ کل کی طرف راجع ہے۔ **یثنون** بمعنی **یخفون ثنیت الثوب** کہتے ہیں جب کہ کپڑے میں پوشیدہ چیزیں لپیٹ دی جائیں۔

ربط آیات: .... سورۂ یونس میں تو الوہیت اور حقانیت قرآن ورسول اور کفر کا بطلان اور اس پر وعید کا بیان ہوا تھا اور اس سورۂ ہود میں کفار کا ہلاک ہونا اور مؤمنین کا نجات پانا اور دونوں کے لئے وعد و وعید کا ذکر ہے۔ یہ تو ہوئی دونوں سورتوں کے درمیان باہمی مناسبت۔ لیکن خود اس سورت کے مضامین کا حاصل یہ ہے کہ پہلے رسالت وتوحید کا بیان اور ایمان لانے پر دونوں جہان کی بھلائی کا وعدہ اور نہ لانے پر وعید ہے اور اسی مناسبت سے پھر قیامت کا ذکر اور عذاب نازل ہونے میں دیری سے کفار کا اشتباہ۔ اس کے بعد انکار رسالت سے آپ کا دل تنگ ہونا اور اس پر تسلی۔ پھر قرآن پر شبہ کا جواب اور کفار کے استخفاف عذاب کے شبہ کا جواب۔ پھر مسلمانوں کی فضیلت اور کفار کی بدانجامی اور ان دونوں میں فرق کی مثال۔ پھر ان مضامین کی تائید کے لئے چند واقعات اور ان پر تفریعات بیان کی گئی ہیں۔ پھر قیامت کی جزاء وسزا اور وعید میں سب مشرکین کا شریک ہونا۔ پھر آپ کی تسلی کے لئے مخالفت انبیاء کا ذکر اور عذاب میں دیر ہونے کی حکمت۔ پھر اپنے وقت پر عذاب کا آنا اور مسلمانوں کو کفار سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے کاموں میں لگے رہنے کا مشورہ۔

استقامت دین۔ترک موالات کفار۔صبر ونماز کی اقامت کا بیان اور عبرت کے لئے پچھلی امتوں کا اجمالی حال اور عذاب کا ظاہری سبب جرائم کو اور حقیقی سبب مشیت الٰہی کو قرار دینا۔ پھر گذشتہ واقعات بیان کرنے کی حکمت اور اخیر میں کفار سے یہ کہہ کر بات ختم کردینے کی تعلیم کہ اگر نہیں مانتے تو جس حال میں چاہو رہو نتیجہ خود دیکھ لو گے اور پھر اللہ کا عالم الغیب ہونا سب کاموں کا مرجع ہونا بتلا دیا اور یہ کہ وہ سب کے کاموں سے باخبر ہے۔اور اسی ذیل میں عبادت وتوکل کا حکم ہے۔غرضیکہ نہایت ترتیب وتہذیب کے ساتھ یہ سب مضامین مذکور ہیں۔سب سے پہلے قرآن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا اور توحید پر مشتمل ہونا۔اسی طرح آنحضرت ﷺ کا نذیر وبشیر ہونا توبہ واستغفار یعنی ایمان کا حکم اور اس پر بشارت مذکور ہے۔

فضائل سورت وشان نزول :............ ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سورۂ ہود کو جو شخص پڑھے گا اس کو ان لوگوں کی تعداد سے دس گونہ ثواب ملے گا۔ جنہوں نے حضرت نوح، ہود، شعیب، صالح، لوط، ابراہیم علیہم السلام کی تصدیق یا تکذیب کی ہوگی۔یا ارشاد نبویؐ ہے۔شیبتنی ھود سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا بنا دیا ہے۔مفسر علامؒ نے آیت الا انھم یثنون الخ کے دو شان نزول بیان کئے ہیں۔ایک تو بعض مسلمانوں کو غلبۂ حیاء اور استحضار تام کی وجہ سے قضاء حاجت اور جماع وغیرہ میں رکاوٹ پیش آرہی تھی اور مغلوب الحال ہو رہے تھے۔اس لئے آیت میں اعتدال کی تعلیم دی جارہی ہے۔دوسرے یہ کہ بعض منافقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ایک شخص مکان کی کوٹھڑی میں گھسا اور سامنے پردہ بھی ڈال لیا اور اپنے اوپر کپڑا ڈال کر کمر کو بھی دوہرا کرلیا اور کہنے لگا کہ کیا اب بھی خدا کو میرے دل کا حال معلوم ہوسکتا ہے؟ لیکن اس دوسرے شان نزول پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ سورت تو مکی ہے اس وقت منافقین کہاں تھے؟ جس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اخنس نامی منافق مکہ میں رہتا تھا۔

﴿تشریح﴾: مختلف قوموں کا تاریخی ذکر :............ سورۂ ہود مکی ہے اور اگرچہ اس میں خطاب عام منکرین کو ہو رہا ہے۔لیکن خصوصیت کے ساتھ مشرکین مخاطب ہیں۔قرآن نے پچھلی قوموں اور دعوتوں کا جا بجا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ مناسب مقام ایک خاص نصیحت واستدلال ذکر کئے ہیں۔منجملہ ان کے یہ سورت بھی ہے جس میں حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پچھلی دعوتوں کی سرگذشتیں بیان کی گئی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب بیان تاریخی ہے۔یعنی جس دعوت کا ذکر جس دعوت کے بعد کیا گیا ہے۔وہی اس کی تاریخی جگہ ہے۔اس نصیحت میں سورۂ اعراف کے بعد سب سے بڑی سورت یہی ہے۔اسمیں سب سے پہلے ان باتوں کا اعلان کیا جارہا ہے۔جو اول دن سے تمام دعوتوں کا عالمگیر اعلان رہا ہے۔یعنی اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور میں اس کی طرف سے مامور ہوں۔تاکہ انکار وسرکشی کے نتائج سے خبردار کردوں اور ایمان ونیک عملی کی کامرانیوں کی خوشخبری سنادوں۔اس لئے سرکشی سے باز آجاؤ اور توبہ واستغفار کرو۔اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ تم عذاب الٰہی میں کہیں گرفتار نہ ہوجاؤ۔کیونکہ سب کے اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ کے سامنے ہے۔اس کے علم سے جب ایک چیونٹی کا سوراخ بھی پوشیدہ نہیں۔تو انسان کے افکار واعمال کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

قرآن کریم کی باریکیاں :............ غور کرو قرآن کے ایک ایک لفظ میں کیسی دقیق مناسبتیں پوشیدہ ہوتی ہیں سورت کی تمام تر نصیحت کا مرکزی نقطۂ جزاء کا معاملہ ہے۔اس لئے پہلی آیت میں قرآن کریم کے صرف اسی وصف ''احکمت اٰیاتہ'' کو بیان کیا گیا ہے۔یعنی کوئی بات اس کی ایسی نہیں جو کمزور یا کچی نکلے۔بلکہ سب مضبوط ہیں۔اور چونکہ یہ حکیم وخبیر کی طرف سے ہے۔اس لئے حکیم

ہونے کے تقاضہ سے ضروری ہے۔ کہ جزائے عمل کا قانون ظہور میں آئے اور خبیر ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی عمل اس سے چھپا ہوا نہیں رہنا چاہیئے۔ اور جزائے عمل کا نفاذ ٹھیک ٹھیک ہو۔ لوگ اپنے سینوں کے بھید چھپاتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

لطائف آیات:............آیت ثم توبوا الخ سے مراد حیات طیبہ ہے۔ جو ایسے شخص کے ساتھ مخصوص ہے جن میں ایمان اور نیک عمل پایا جاتا ہو۔ اور روح المعانی میں ہے کہ اس سے امن وراحت کی زندگی مراد ہے اور چونکہ امن سے مراد غیر اللہ سے امن ہے اور راحت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نظر رکھے اور اس کا قرب حاصل کرنے سے خوش عیش ہو اس لئے یہ بات حدیث الدنیا سجن المؤمن اور حدیث ای الناس اشد بلاء قال الانبیاء ثم الا مثل فالامثل کے منافی نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسا شخص مشقت اور تکلیف کو راحت سمجھتا ہے۔

(الحمدللہ گیارہویں پارے کا ترجمہ وشرح وغیرہ تمام ہوئی)

پارہ نمبر۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

وَمَا مِنْ زائدة **دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ** هي ما دبّ عليها **اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا** تكفّل به فضلا منه **وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا** مسكنها في الدنيا او الصلب **وَمُسْتَوْدَعَهَا** بعد الموت او في الرحم **كُلٌّ** مما ذكر **فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ** ﴿٦﴾ بيّن هو اللوح المحفوظ **وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ** اوّلها الاحد واخرها الجمعة **وَّكَانَ عَرْشُهٗ** قبل خلقهما **عَلَى الْمَآءِ** وهو على متن الريح **لِيَبْلُوَكُمْ** متعلّق بخلق اي خلقهما وما فيهما منافع لكم ومصالح ليختبركم **اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** اي اطوع لله **وَلَئِنْ قُلْتَ** يا محمّد لهم **اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ** ما **هٰذَآ** القران الناطق بالبعث او الذي تقوله **اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿٧﴾ بيّن وفي قراءة ساحر والمشار اليه النبي صلّى الله عليه وسلّم **وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى** مجيء **اُمَّةٍ** جماعة اوقات **مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ** استهزاء **مَا يَحْبِسُهٗ** يمنعه من النزول قال تعالى **اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا** مدفوعا **عَنْهُمْ وَحَاقَ** نزل **بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ** ﴿٨﴾ ع من العذاب **وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ** الكافر **مِنَّا رَحْمَةً** غنى وصحة **ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ** قنوط من رحمة الله **كَفُوْرٌ** ﴿٩﴾ شديد الكفر به **وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ** فقر وشدّة **مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ** المصائب **عَنِّيْ** ولم يتوقّع زوالها ولا يشكر عليها **اِنَّهٗ لَفَرِحٌ** فرح بطر **فَخُوْرٌ** ﴿١٠﴾ على الناس بما اوتي **اِلَّا** لكن **الَّذِيْنَ صَبَرُوْا** على الضرّاء **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** في النعماء **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ** ﴿١١﴾ هو الجنّة **فَلَعَلَّكَ** يا محمّد **تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ** فلا تبلّغهم ايّاه لتهاونهم به **وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ** بتلاوته عليهم لاجل **اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ** هلّا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ** يصدّقه كما اقترحنا **اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ** فلا عليك

اِلَّا الْبَلَاغُ لَا الْاِتْیَانُ بِمَا اقْتَرَحُوْہُ **وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ** ﴿۱۲﴾ حَفِیْظٌ فَیُجَازِیْھِمْ **اَمْ** بَلْ **یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰہُ** الْقُرْاٰنَ **قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ** فِی الْفَصَاحَۃِ وَالْبَلَاغَۃِ **مُفْتَرَیٰتٍ** فَاِنَّکُمْ عَرَبِیُّوْنَ فُصَحَاءُ مِثْلِیْ تَحَدَّاھُمْ بِھَا اَوَّلًا ثُمَّ بِسُوْرَۃٍ **وَّادْعُوْا** لِلْمُعَاوَنَۃِ عَلٰی ذٰلِکَ **مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ** اَیْ غَیْرِہٖ **اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** ﴿۱۳﴾ فِیْ اِنَّہُ افْتَرَاہُ **فَاِ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ** اَیْ مَنْ دَعَوْتُمُوْھُمْ لِلْمُعَاوَنَۃِ **فَاعْلَمُوْٓا** خِطَابٌ لِلْمُشْرِکِیْنَ **اَنَّمَآ اُنْزِلَ** مُتَلَبِّسًا **بِعِلْمِ اللّٰہِ** وَلَیْسَ اِفْتِرَاءً عَلَیْہِ **وَاَنْ** مُخَفَّفَۃٌ اَیْ اَنَّہُ **لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ** ﴿۱۴﴾ بَعْدَ ھٰذِہِ الْحُجَّۃِ الْقَاطِعَۃِ اَیْ اَسْلِمُوْا **مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا** بِاَنْ اَصَرَّ عَلَی الشِّرْکِ وَقِیْلَ ھِیَ الْمُرَائِیْنَ **نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ** اَیْ جَزَاءَ مَا عَمِلُوْہُ مِنْ خَیْرٍ کَصَدَقَۃٍ وَصِلَۃِ رَحِمٍ **فِیْھَا** بِاَنْ نُوَسِّعَ عَلَیْھِمْ رِزْقَھُمْ **وَھُمْ فِیْھَا** اَیِ الدُّنْیَا **لَا یُبْخَسُوْنَ** ﴿۱۵﴾ یُنْقَصُوْنَ شَیْئًا **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ** بَطَلَ **مَا صَنَعُوْا فِیْھَا** اَیِ الْاٰخِرَۃِ فَلَا ثَوَابَ لَھُمْ **وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۶﴾ **اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ** بَیَانٌ **مِّنْ رَّبِّہٖ** وَھُوَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَھِیَ الْقُرْاٰنُ **وَیَتْلُوْہُ** یَتْبَعُہُ **شَاھِدٌ** یُصَدِّقُہُ **مِّنْہُ** اَیْ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ جِبْرَئِیْلُ **وَمِنْ قَبْلِہٖ** اَیِ الْقُرْاٰنِ **کِتٰبُ مُوْسٰٓی** التَّوْرٰۃُ شَاھِدٌ لَہُ اَیْضًا **اِمَامًا وَّرَحْمَۃً** حَالٌ کَمَنْ لَیْسَ کَذٰلِکَ **اُولٰٓئِکَ** اَیْ مَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ **یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ** اَیْ بِالْقُرْاٰنِ فَلَھُمُ الْجَنَّۃُ **وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ مِنَ الْاَحْزَابِ** جَمِیْعِ الْکُفَّارِ **فَالنَّارُ مَوْعِدُہٗ فَلَا تَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ** شَکٍّ **مِّنْہُ** مِنَ الْقُرْاٰنِ **اِنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ** اَیْ اَھْلَ مَکَّۃَ **لَا یُؤْمِنُوْنَ** ﴿۱۷﴾ **وَمَنْ** اَیْ لَا اَحَدٌ **اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا** بِنِسْبَۃِ الشَّرِیْکِ وَالْوَلَدِ اِلَیْہِ **اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّھِمْ** یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْ جُمْلَۃِ الْخَلْقِ **وَیَقُوْلُ الْاَشْھَادُ** جَمْعُ شَاھِدٍ وَھُمُ الْمَلَائِکَۃُ یَشْھَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَعَلَی الْکُفَّارِ بِالتَّکْذِیْبِ **ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّھِمْ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۱۸﴾ اَلْمُشْرِکِیْنَ **الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ** دِیْنِ الْاِسْلَامِ **وَیَبْغُوْنَھَا** یَطْلُبُوْنَ السَّبِیْلَ **عِوَجًا** مُعَوَّجَۃً **وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ** تَاکِیْدٌ **کٰفِرُوْنَ** ﴿۱۹﴾ **اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ** اللّٰہَ **فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ** اَیْ غَیْرِہٖ **مِنْ اَوْلِیَآءَ** اَنْصَارٍ یَمْنَعُوْنَھُمْ عَذَابَہُ **یُضٰعَفُ لَھُمُ الْعَذَابُ** بِاِضْلَالِھِمْ غَیْرَھُمْ **مَا کَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ** لِلْحَقِّ **وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ** ﴿۲۰﴾ اَیْ لِفَرْطِ کَرَاھَتِھِمْ لَہُ کَاَنَّ ھُمْ لَمْ یَسْتَطِیْعُوْا ذٰلِکَ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ** لِمَصِیْرِھِمْ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَۃِ عَلَیْھِمْ **وَضَلَّ** غَابَ **عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ** ﴿۲۱﴾ عَلَی اللّٰہِ مِنْ دَعْوَی الشِّرْکِ **لَا جَرَمَ** حَقًّا **اَنَّھُمْ فِی**

الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا** سَكَنُوا وَاطْمَأَنُّوا وَاَنَابُوْا **اِلٰى رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴿۲۳﴾ **مَثَلُ** صِفَةُ **الْفَرِيْقَيْنِ** الْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ **كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ** هٰذَا مَثَلُ الْكَافِرِ **وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ** هٰذَا مَثَلُ الْمُؤْمِنِ **هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا لَا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ** ﴿۲۴﴾ فِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ

ع ۲

ترجمہ:............اورزمین پر چلنے والا کوئی جانور (مــا زائد ہے اور دابۃ سے مراد زمین پر چلنے والی ہر چیز ہے) نہیں ہے جس کی روزی

کا انتظام اللہ پر نہ ہو (جو اللہ نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے) اور وہ نہ جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے (دنیا میں رہنے کی جگہ۔ یا باپ کی کمر میں ٹھہرنا) اور وہ جگہ کہاں ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا (مرنے کے بعد یا رحم مادر کی قرارگاہ) یہ سب (ذکر) واضح کتاب میں درج ہے (مراد لوح محفوظ ہے) اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا (جس کی ابتداء اتوار کو اور ختم جمعہ کو ہوا) اور اس کے تخت کی فرمانروائی (آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے) پانی پر تھی۔ (اور پانی ہوا پر تھا) تاکہ تمہاری آزمائش کرے (اس کا تعلق خــلــق کے ساتھ ہے یعنی آسمان وزمین اور ان میں آباد مخلوق کو تمہارے منافع اور مصالح کی خاطر پیدا کیا ہے تاکہ تمہارا امتحان کیا جائے) کہ تم میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے (اللہ کا زیادہ سے زیادہ فرمانبردار) اور اگر آپ (اے محمدؐ) ان لوگوں سے کہو کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔ تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں گے کہ یہ (قرآن جس سے قیامت کا ہونا معلوم ہوتا ہے یا وہ بات جو تم کہہ رہے ہو) تو صریح جادو کی سی باتیں ہیں (اور ایک قرأت میں لفظ ساحر ہے جس سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں) اور اگر ان پر عذاب نازل کرنا ہم ملتوی کردیتے تھوڑے دنوں (کے آنے) تک تو یہ کہنے لگتے (بطور تمسخر کے) کون چیز اس عذاب کو روک رہی ہے؟ عذاب آنے میں کیا رکاوٹ ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) سو سن رکھو جس دن ان پر عذاب آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا (ہٹے گا) اور جس بات (عذاب) کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ وہی انہیں آلگی (آدبایا) اور اگر انسان (کافر) کو اپنی رحمت (خوشحالی، تندرستی) کا مزہ چکھادیں اور پھر اس سے چھین لیں تو یک قلم وہ مایوس (اللہ کی رحمت سے ناامید) اور ناشکرا (انتہائی کفر کرنے والا) ہو جاتا ہے اور اگر اسے کسی تکلیف (تنگدستی اور سختی) کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھادیں تو پھر کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد (دلدّر) دور ہو گیا (حالانکہ اس کے دور ہونے کی اسے توقع نہیں تھی۔ نہ اس نے اس پر شکر ادا کیا) وہ اترانے (شیخی بگھارنے) لگتا ہے اور ڈینگیں مارنے لگتا ہے (لوگوں کے سامنے اپنی خوشحالی پر) مگر ہاں! جو لوگ مستقل مزاج (مصیبتوں پر صبر کرنے والے) ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (اچھی حالت میں بھی) ایسے ہی لوگ ہیں جن کیلئے بخشش اور بڑا اجر (جنت) ہے پھر کیا (اے محمد!) آپ ان احکام میں سے جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں بعض کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں (سستی کی وجہ سے ان کی تبلیغ نہیں کرنا چاہتے) اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے (ان کے سامنے قرآن تلاوت کرنے کی وجہ سے کیونکہ) وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا۔ یا ان کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا (جو ان کی تصدیق کرتا جیسا کہ ہماری فرمائش بھی تھی) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (بجز تبلیغ کے آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ ان کی فرمائشیں پوری کرنا آپ کے ذمہ نہیں) اور ہر چیز پر اللہ ہی نگہبان ہے (نگران کار ہے لہٰذا وہی انہیں بدلہ دے گا) پھر کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے یہ

(قرآن) اپنے جی سے گھڑ لیا ہے؟ آپ جواب دیجئے تم بھی دس سورتیں (فصاحت وبلاغت میں) اس جیسی گھڑی ہوئی لے آؤ (کیونکہ میری طرح تم بھی تو فصیح عرب ہو۔ پہلے پورے قرآن کا چیلنج دیا گیا۔ پھر صرف ایک سورت پر اکتفاء کرلیا گیا) اور (اپنی مدد کے لئے) اللہ کے سوا جس کسی کو پکار سکتے ہو پکار لو اگر تم سچے ہو (اس کہنے میں کہ یہ قرآن گھڑا ہوا ہے) پھر (جنہیں تم اپنی مدد کیلئے پکارو) اگر تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو (مشرکین سے خطاب ہے) کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے (آراستہ ہوکر) اترا ہے (من گھڑت نہیں ہے) اور یہ بات بھی سچی ہے کہ (ان مخففہ ہے اصل عبارت انـہ تھی) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اب بتلاؤ کیا پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ (اس قطعی دلیل کے بعد۔ یعنی مسلمان ہو جاؤ) جو کوئی محض دنیا کی زندگی اور اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے (شرک پر جما رہتا ہے اور بعض نے ریاکار مراد لئے ہیں) تو اس کی کوشش وعمل کے نتائج ہم پورے پورے بھگتا دیتے ہیں (یعنی ان کے اچھے کاموں کا صلہ دے دیتے ہیں۔ مثلاً: انہوں نے اگر صدقہ دیا ہو یا کسی سے صلہ رحمی کی ہو) دنیا ہی میں (اس طرح کہ ان کو روزی میں فراخی دے دیتے ہیں) اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں رہتی (کہ کچھ گھٹا کر دیا جائے) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ سب اکارت [illegible] گا (ناکارہ ثابت ہوگا یعنی آخرت میں انہیں کچھ ثواب نہیں ملے گا) اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ نیست ونابود ہونے والا ہے۔ بھلا وہ [illegible] اپنے پروردگار کی جانب سے ایک روشن دلیل رکھتے ہوں (نبی کریم ﷺ یا مسلمان۔ اور دلیل سے مراد قرآن ہے) اور ایک گواہ یعنی اللہ کی طرف سے (اس کی تصدیق کرنے والا) اس کے ساتھ (اس کے پیچھے) ہو (یعنی جبرئیل) اور ایک اس (قرآن) سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات بھی شاہد ہو) پیشوائی کرتی ہوا اور سراپا رحمت آچکی ہو (کیا اس شخص کی حالت اس کے برابر ہوسکتی ہے جو ایسا نہ ہو ہرگز نہیں) یہی لوگ (یعنی جن کے پاس دلیل موجود ہے) ہیں جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں (اس لئے ان کے لئے جنت بھی ہے) اور (کفار کے) مختلف گروہوں میں سے جو قرآن کا انکار کرے گا تو یقین کرو کہ آگ ہی اس کا ٹھکانا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پس آپ اس (قرآن کی بابت کسی طرح کے شک میں مت پڑنا۔ بلاشک وشبہ تمہارے پروردگار کی جانب سے وہ سچی کتاب ہے البتہ بہت سے (مکہ کے) آدمی ایمان نہیں لاتے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کرکے) جو ایسا کر رہے ہیں وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کئے جائیں گے (قیامت کے روز۔ سب مخلوق کے ساتھ) اور گواہی دینے والے فرشتے گواہی دیں گے (اشھـاد جمع شـاھـد کی ہے وہ فرشتے جو انبیاء کے حق میں ان کی تبلیغ کی اور کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی گواہی دیں گے) کہ یہ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔ سب سن لو کہ ان ظالموں (مشرکوں) پر خدا کی پھٹکار جو اوروں کو بھی اللہ کی راہ (دین اسلام) سے روکتے تھے اور اس میں کجی نکالنے کی تلاش میں رہا کرتے تھے (غلط راستے ڈھونڈتے تھے) اور یہی لوگ آخرت کے بھی (دوسری ضمیر ھـــم تاکید کے لئے ہے) منکر تھے نہ تو یہ لوگ زمین کے تختہ پر (اللہ کو) عاجز کرسکتے تھے۔ اور نہ اللہ کا ان کے سوا کوئی مددگار تھا (کہ جو انہیں عذاب الٰہی سے بچالے) انہیں دوگنا عذاب ہوگا (اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی وجہ سے) یہ لوگ نہ تو (حق بات) سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ (یعنی حق سے اس قدر سخت نفرت تھی جس کی وجہ سے سننے اور دیکھنے کی طاقت کا انکار کیا جارہا ہے) یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو برباد کرلیا ہے (کیونکہ ان کا ٹھکانا ابدی آگ ہے) اور زندگی میں جو کچھ (اللہ پر شرک وغیرہ کا دعویٰ کرکے) افتراء پردازیاں کی تھیں وہ سب ان سے کھوئی گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں سب سے زیادہ تباہ حال ہوں گے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اچھے کام کئے اور اپنے پروردگار کی طرف جھکے (سکون واطمینان سے رہے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے) تو ایسے لوگ جنتی ہیں اور ہمیشہ کے لئے جنتی

ہیں۔ان دونوں فریق (کفاراور مؤمنین) کی مثال (حالت) جیسے ایک اندھا بہرا (یہ تو کافر کی مثال ہوئی) اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا (یہ مؤمن کی مثال ہے) بھلا بتلاؤ کیا یہ دونوں مثالیں برابر ہوسکتی ہیں؟ (ہرگز نہیں) کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے (دراصل اس میں تـــا کا ادغام ذال میں ہورہا ہے تذکرون بمعنی تتعظون ہے یعنی کیا تم اس سے سبق حاصل نہیں کرتے؟)۔

تحقیق وترکیب:............**اولھا الاحد** عالم کی پیدائش سے پہلے جب زمانہ بھی نہیں تھا۔ پھران دونوں کی تعیین کیسی؟ رہا یہ جواب کہ مقدار ایام مراد ہیں تو یہ مطلقاً زمانہ کے وجود کا جواب تو ہوسکتا ہے۔مگر دنوں کی تعیین اس سے نہیں ہوسکتی۔لیکن چونکہ یہ تعیین حدیث میں آچکی ہے۔جس کی تخریج ابن جریرؒ نے کی ہے اس لئے قیاس کو دخل نہیں دینا چاہیئے کہ دنوں کی تعیین تو بالفعل زمانہ کو چاہتی ہے اور اس وقت زمانہ موجود ہی نہیں تھا۔

وکان عرشه اس سے ثابت ہوا کہ زمین وآسمان کی پیدائش سے پہلے پانی اور عرش کا وجود ہو چکا تھا۔دوسری آیت **وجعلنا من الماء کل شیئ حی** سے بھی پانی کا منبع حیات ہونا معلوم ہوتا ہے۔باقی پانی خود کیسے بنا۔سو روایت میں ہے کہ اللہ نے ایک سبز موتی پیدا فرما کر اس پر نظر ڈالی جس کی ہیبت سے وہ پانی پانی ہوگیا۔پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا پیدا فرمائی اور اس کے ذریعہ پانی نے قرار پکڑا اور پانی پر عرش اعظم جو اللہ رب العزت کا پایہ تخت ہے ٹھہرایا گیا۔بعض ہندو فرقے کنول کے پھول کو رام جی کا تخت کہتے ہیں۔جس کی بیل پانی پر ہوتی ہے۔ممکن ہے یہی بات کہی گئی ہو اور تعبیر میں ان سے غلطی ہوگئی ہو یا نہیں غلط تعبیر یاد رہ گئی ہو اور ہزاروں لاکھوں سال پرانے مذہب کی نقول میں ایسا ہونا کچھ عجیب نہیں ہے۔بہرحال عالم کی ابتداء کا حال مشکلات اور مبہمات میں سے ہے۔ہندو مذہب نے طول طویل مگر لایعنی تفصیلات پیش کی ہیں۔اسلام نے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے نظر انداز کردیا۔زمین وآسمان کے وجود سے پہلے پانی پر عرش کے ہونے سے معلوم ہوا کہ عرش کا ان دونوں میں حلول نہیں ہے۔

علیٰ متن الریح جیسا کہ ابن عباسؓ سے ثابت ہے **لان قلت** لام قسمیہ ہے اس لئے **لیقولن** جواب قسم ہے لیکن جواب شرط محذوف ہے اسی طرح **لئن اخرنا الخ** اور **لئن اذقنا الخ** میں چاروں جگہ یہی ترکیب ہوگی۔

نعماء بعد ضراء نعماء کہتے ہیں جس کا اثر صاحب نعمت پر ظاہر ہو اور ضراء جس کا اثر صاحب ضرر پر ظاہر ہو یہی فرق ہے نعمت اور نعماء میں اور ضرار اور ضراء میں۔ **لعلك** حرف شک ہے۔لیکن اہل عرب کی عادت ہے کہ جب کسی کو کسی کام سے دور رکھنا ہو تو کہتے ہیں۔ **لعلک تقدر ان تفعل کذا** یا اپنے بچہ کو کسی کام کے کرنے کو کہنا ہو تو کہا جاتا ہے۔ **لعلك تقصر فیما امرتک به** اور مقصد تاکید ہوتی ہے کہ یہ کام مت چھوڑنا۔

تحداھم بها اولا یعنی اولاً سورۂ اسراء میں پورے قرآن کے مثل کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ **قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذا القرآن لا یاتون بمثله** اس کے بعد دس سورتوں کے مثل لانے کا مطالبہ اس آیت میں کیا جارہا ہے۔ اس کے بعد سورۂ بقرہ میں **فاتوا بسورة** کا مطالبہ کیا گیا۔جیسا کہ سورۂ یونس میں بھی گزر چکا ہے۔پس سورۂ اسراء سب سے پہلے پھر سورۂ ہود ہے پھر سورۂ یونس پھر سورۂ بقرہ اخیر میں نازل ہوئی اور اس سے یہ اشارہ کرنا ہے کہ اگر تم ایک سورت بھی بنالائے تو ہم اسے پورے قرآن کے برابر سمجھیں گے۔لیکن ہم کہہ دیتے ہیں کہ جس طرح سارا قرآن بنانا تمہارے لئے ناممکن ہے۔ایک سورت کا بنالانا بھی پورے قرآن کے درجہ میں ناممکن ہے۔

یعلم الله یعنی جس طرح اللہ کا علم بے مثل ہے اسی طرح اللہ کا کلام بھی بے نظیر ہے۔کیونکہ کلام بقدر علم متکلم ہوا کرتا ہے۔

من کان یرید اس آیت میں اہل دنیا کے اوصاف اور اگلی آیت **افمن کان الخ** میں اہل آخرت کے اوصاف بیان کئے جارہے

ہیں۔ یتلوہ یتلوء سے مشتق ہے تابع ہونے کے معنی میں ہیں۔ شاھد قرآن یا آنحضرت ﷺ یا جبریلؑ مراد ہیں اور بعض نے اعجاز قرآنی مرادلیا ہے۔

کمن لیس کذلک اشارہ ہے افمن کان کے جواب محذوف کی طرف مریة بکسر المیم لغت حجاز ہے اور بالضم لغۃ اسد وتمیم ہے۔ مشہور اول ہے۔ ومن اظلم یہاں سے لاجرم الخ تک چودہ اوصاف بیان کئے ہیں لاجرم کے متعلق اختلاف ہے۔ خلیلؒ اور سیبویہؒ کے نزدیک یہ لفظ خمسة عشر کی طرح مرکب اسم ہے اور معنی میں حق فعل کے ہے اور اس کا مابعد فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ اور حقاً مصدر ہے۔ جو اس کے قائم مقام ہے اور بعض کی رائے میں لا نافیہ ہے اور جرم فعل ہے بمعنی حق اور اس کا مابعد فاعل ہے اور بعض کے نزدیک لا زائد ہے اور جرم بمعنی کسب اور فاعل مضمر ہے اور بعض کے نزدیک لا رجل کی طرح مرکب ہے اور مابعد خبر ہے اور اس کے معنی لامحالہ اور لابد کے ہیں اور بعض نے اس کو بتقدیر جار مانا ہے اور بعض نے لاضد اور لامنع کے معنی لئے ہیں۔

ربط وآیات:......... آیت وما من دآبة سے لے کر وھو الذی الخ تک توحید ثابت کرنے کے لئے علم قدرت کے ساتھ اللہ کی صفت ترزیق، تخلیق اور حکمت تخلیق کا بیان ہے اور چونکہ پچھلی آیت یمتعکم میں ثواب کا وعدہ اور وان تولوا الخ میں وعید کا بیان گزر چکا ہے اور ظاہر ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں قیامت میں ہوں گی۔ اس لئے آیت لئن قلت الخ سے آخرت کا مضمون شروع ہوتا ہے اور چونکہ عذاب کی تاخیر سے کفار عذاب ہی کا انکار کرنے لگے تھے۔ اس لئے آیت ولئن اذقنا الخ سے انسان کا ایک خاصہ بیان کر کے اس کی تائید کی جارہی ہے اور ابتداء سورت میں توحید ورسالت کی بحث تھی۔

آیت فلعلك الخ سے بھی رسالت کا مضمون اس ترتیب سے بیان کیا جارہا ہے کہ اول کفار کے استہزاء سے قلب مبارک کے تکدر کو زائل کر کے تسلی دی جارہی ہے۔ پھر قرآن سے متعلق کفار کے شبہ کا جواب اور قرآن کی حقانیت ہے۔ اسی کے ساتھ توحید کا بیان ہے جو رسالت کا مقصد عظیم ہے اور بعض آیات میں چونکہ توحید ورسالت، قرآن اور قیامت کے منکرین کی وعید کا ذکر تھا۔ ممکن ہے وہ اپنی مہمانداری یا صلہ رحمی جیسی بعض نیکیوں کو یاد کر کے یہ کہیں کہ قیامت اگر کوئی چیز ہے تو ہمیں ان خوبیوں پر ثواب ملنا چاہیئے نہ کہ عذاب۔ اس لئے آیت من کان الخ سے اس پندار کو بے بنیاد بتلایا جارہا ہے اور کفار کے اس تذکرہ کے بعد آیت افمن کان سے قرآن کی تصدیق کرنے والے مؤمنین کا ذکر خیر اور جو قرآن کی حقانیت پر استدلال اور منکرین کے لئے وعید مذکور ہے اور قرآن کی تصدیق وتکذیب کرنے والوں کی حالت یکساں نہ ہونے کو بیان کر کے آیت ومن اظلم الخ میں دونوں کی جزاء کے یکساں نہ ہونا مع مثال بیان کیا جارہا ہے۔

شان نزول:......... آیت من کان یرید الحیوة الخ کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ بعض نے یہود ونصاریٰ کو مانا ہے اور بعض نے ان منافقین کو جو رسول اللہ ﷺ سے مال غنیمت مانگتے تھے اور بعض نے ریاکار مسلمانوں کے بارے میں آیت کو مانا ہے۔ لیکن الفاظ کے اعتبار سے صحیح عموم ہی ہے۔

﴿ تشریح ﴾:......... علم الٰہی سے کوئی چیز بھی باہر نہیں:......... مستقر اور مستودع کی یہ تفسیر مشہور ہے اگرچہ تمام جانوروں کو شامل نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب مستقر اور مستودع میں رہنے والی مستور چیزیں علم الٰہی سے باہر نہیں تو جو چیزیں مستقر اور مستودع نہیں وہ ظاہر وباہر ہونے کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ احاطۂ علم الٰہی میں داخل ہوں گی۔ پس اس اعتبار سے علمی تعلق کا عموم کلام کا مدلول ہوگیا۔

دابة سے مراد وہ جاندار ہیں جنہوں نے کچھ کھایا پیا ہو۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بہت سے جاندار تو بغیر کھائے پیے مرجاتے ہیں۔ پس ان کو کہاں رزق پہنچتا ہے؟ اور خوش عیشی سے مراد حیات طیبہ ہے اور یؤت کل ذی فضل فضله کے لئے ایمان اس لئے ضروری ہے کہ ایمان کے بغیر اعمال معتبر نہیں ہوتے۔

آیت ولئن اذقنا الخ کا حاصل یہ ہے کہ جب دنیا میں واقع ہونے والے نقصان کے اثر کو زائل ہونے کے بعد بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ اس نقصان کے پھر لوٹنے کا احتمال رہتا ہے تو قیامت تو ابھی واقع بھی نہیں ہوئی۔ اس کا انکار تو اور بھی باعث تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی طرح نعمت چھننے کے بعد دوبارہ حاصل ہونے سے مایوسی اور ناامیدی ہوجاتی ہے۔ غرضیکہ واقع فی الحال کے عدم زوال کا یقین اور واقع فی المآل کا عدم احتمال ان میں رہتا ہے۔

قرآن کے چیلنج میں تدریج: .... سورۂ یونس اور سورۂ بقرہ دونوں میں مثلہ کا لفظ آیا ہے۔ سورۂ بقرہ چونکہ مدنی ہے اور سورۂ ہود مکی۔ اس لئے تحدی میں یہ ترتیب مناسب ہے کہ پہلے سورۂ ہود میں دس سورتوں کا مطالبہ کیا گیا ہوگا وہ پورا نہیں ہوسکا۔ تو ایک سورت کا مطالبہ کیا گیا ہے اور بقول اتقان سورۂ یونس اگر مدنی ہو تو اس کی توجیہ بھی یہی ہوگی۔ لیکن اگر سورۂ یونس مکی ہو اور سورۂ ہود سے پہلے ہی ہو جیسا کہ اتقان کے دوسرے قول سے معلوم ہوتا ہے تو پھر اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ مکہ معظمہ میں فی نفسہ معجزہ ہونے کے اعتبار سے تو ایک سورت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے دعویٰ قدرت "لو نشاء لقلنا مثل هذا" کے لحاظ سے دس سورتوں کا مطالبہ کیا ہے۔

جیسے سب کفار کی نیت صرف دنیا ہی کمانا نہیں ہوتی ایسے ہی سب مسلمانوں کی نیت میں خالص آخرت نہیں ہوتی: .... آیت ومن کان یرید الخ میں صرف ان کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جن کی نیت بجز دنیا کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ تمام کفار کا حال بیان نہیں کیا گیا۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ بعض کفار کا حال تو ایسا نہیں ہوتا۔ چنانچہ بعض مسلمانوں کی نیت بھی بجز دنیا کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ اسی لئے بعض مفسرینؒ نے آیت کو عام کہا ہے۔ لیکن لیس لهم فی الأخرة الا النار کے قرینہ سے کفار کے ساتھ خاص کرنا اولیٰ ہے۔ اگرچہ ان الفاظ میں بھی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ لیس لهم علی هذه الاعمال الا النار تاہم یہ تاویل ذرا بعید ہوگی اور یوں بھی ان میں معافی کا احتمال موجود ہے اور ریاکار مسلمانوں کے لئے اور احادیث بھی موجود ہیں۔ اسی طرح جن کفار کی نیت آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ...... ہوتی ہے ان کا حکم دوسری جگہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ جن میں اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان کا شرط ہونا معلوم ہورہا ہے۔

آیت سے دو حکم اور ان پر شبہات مع جوابات: .... اور آیت سے بظاہر دو حکم معلوم ہورہے ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا میں ایسے لوگوں کو سزا ضرور ملتی ہے۔ اس پر تو یہ شبہ ہے کہ بعض دفعہ دنیا میں کچھ بھی سزا نہیں ملتی اور دوسرا حکم یہ معلوم ہورہا ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں کچھ نفع نہیں ہوگا۔ اس پر یہ شبہ ہے کہ بعض روایات سے آخرت کے عذاب کی تخفیف کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے کہ اچھے برے کاموں کے اثرات مختلف ہوتے ہیں دونوں کے مجموعہ کے اعتبار سے جو عذاب ہوگا۔ اسی کا اثر مرتب ہوجائے گا اور یہ خصوصیات علم الٰہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ہمارے علم میں منضبط نہیں۔

اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ روایات تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ بعض کفار کو شروع ہی سے ہلکا عذاب ہوگا۔ لیکن آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس درجہ کا عذاب بھی ہوگا۔ پھر کم نہیں ہوگا۔ بلکہ آیت زدناهم عذابا فوق العذاب کی رو سے آئندہ کے لئے

بظاہر اضافہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اضافہ کے ساتھ ہلکا عذاب اس کی نسبت ہلکا ہوگا....... جو شروع ہی سے زائد ہے۔ پس اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کا عذاب دوامی طور پر سب سے ہلکا رہے گا۔

عمل اور پاداش میں برابری:.......... آیت یضعف لهم العذاب کی تفسیر میں اضلال کی قید بڑھا دینے سے جلال محققؒ نے اس شبہ کو دور کر دیا کہ دوسری آیت من جاء بالسيئة فلا يجزى الا مثلها الخ سے تو گناہ اور سزا میں برابری معلوم ہو رہی ہے۔ جس سے زیادہ عذاب کی نفی ہوگئی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی سزا عمل کے برابر ہی ہے۔ کیونکہ یہاں عمل بھی دوہرا ہے۔ ایک خود کی گمراہی اور ایک دوسروں کو گمراہ کرنا اس لئے سزا بھی دوگنی ہوگئی۔ پس مثلیت کے خلاف نہیں ہو رہا اور اگر ایعدون کے معنی صرف اعراض کرنے کے لئے جائیں۔ جس میں دوسروں کو گمراہ کرنا نہیں آتا۔ تو اب عمل تو ایک ہی رہا۔ دوگنا نہ ہوا۔ لیکن جرم اعراض کی شدت، عذاب کی زیادتی کو چاہتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی مماثلت عذاب محفوظ رہی۔

لطائف آیات:.......... آیت وما من دابة الخ میں توکل کی عظیم ترغیب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ اعتقاد کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی انتظام کر سکتا ہے۔ اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ غرضیکہ توکل کا تعلق اعتقاد اور قلب کے ساتھ ہے نہ کہ ترک اسباب کے ساتھ۔

آیت ولئن اذقنا الانسان الخ میں اللہ تعالیٰ اس شکایت سے یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ بندہ کو ہر حال میں عیش ہو یا طیش، نعمت ہو یا نقمت، اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ اور توکل رکھنا چاہیئے۔ آیت فلعلك الخ سے معلوم ہوا کہ مرید کو شیخ کے کلام کی طرف رغبت وتوجہ نہ ہو تو شیخ کا قلب بھی منقبض ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدایت وارشاد کی بات اگر ضروری ہو تو شیخ کو انقباض پر عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ یعنی کلام چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ آیت فان لم يستجيبوا الخ سے معلوم ہوا کہ خوارق اعتقاد کی قوت میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

آیت من كان الخ سے معلوم ہوا کہ جو شخص آخرت کے کام سے دنیاوی اغراض کا ارادہ کرے انہیں دنیا ہی میں بدلہ چکا دیا جاتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ لذات نفسانیہ اور طبعی وجد وسرور کی نیت سے طاعت بجالانا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ یہ چیزیں بھی دنیا ہیں۔

آیت ومن اظلم الخ سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی وضع قطع اور دعویٰ سے اظہار ولایت کرے اور اولیاء اللہ جیسی باتیں کرے اور فی الحقیقت فاسق ہو وہ بھی اس آیت کا مصداق ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ اَیْ بِاَنِّیْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْکَسْرِ عَلٰی حَذْفِ الْقَوْلِ **لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ** ﴿۲۵﴾ بَیِّنُ الْاِنْذَارِ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ** اِنْ عَبَدْتُّمْ غَیْرَهٗ **عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ** ﴿۲۶﴾ مُؤْلِمٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ **فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ** وَهُمُ الْاَشْرَافُ **مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا** وَلَا فَضْلَ لَكَ عَلَیْنَا **وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا** اَسَافِلُنَا کَالْحَاکَةِ وَالْاَسَاکِفَةِ **بَادِيَ الرَّاْيِ** بِالْهَمْزَةِ وَتَرْکِهٖ اَیْ اِبْتِدَاءً مِنْ غَیْرِ تَفَکُّرٍ فِیْكَ وَنَصْبُهٗ عَلَی الظَّرْفِ اَیْ وَقْتَ حُدُوْثِ اَوَّلِ رَاْیِهِمْ **وَمَا**

نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَتَسْتَحِقُّوْنَ بِهِ الْاِتِّبَاعَ مِنَّا بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ فِيْ دَعْوَى الرِّسَالَةِ اَدْرَجُوْا قَوْمَهُ مَعَهُ فِي الْخِطَابِ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اَخْبِرُوْنِيْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ بَيَانٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰنِيْ رَحْمَةً نُبُوَّةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ خُفِيَتْ عَلَيْكُمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ الْمِيْمِ وَالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا اَنُجْبِرُكُمْ عَلٰى قُبُوْلِهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ لَا نَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ عَلٰى تَبْلِيْغِ الرِّسَالَةِ مَالًا تُعْطُوْنِيْهِ اِنْ مَا اَجْرِيَ ثَوَابِيْ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَمَا اَمَرْتُمُوْنِيْ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ بِالْبَعْثِ فَيُجَازِيْهِمْ وَيَاْخُذُ لَهُمْ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ وَطَرَدَهُمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ يَمْنَعُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَيْ عَذَابِهٖ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَيْ لَا نَاصِرَ لِيْ اَفَلَا فَهَلَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ بِاِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ تَتَّعِظُوْنَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَنِّيْ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ بَلْ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْ تَحْتَقِرُ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قُلُوْبِهِمْ اِنِّيْٓ اِذًا اِنْ قُلْتُ ذٰلِكَ لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا خَاصَمْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ فِيْهِ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ تَعْجِيْلَهٗ لَكُمْ، فَاِنَّ اَمْرَهٗ اِلَيْهِ لَا اِلَيَّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ بِفَائِتِيْنَ اللّٰهَ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ اَيْ اِغْوَائِكُمْ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ قَالَ تَعَالٰى اَمْ بَلْ يَقُوْلُوْنَ اَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ افْتَرٰىهُ اِخْتَلَقَ مُحَمَّدٌ الْقُرْاٰنَ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ اَيْ عُقُوْبَتُهٗ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ مِنْ اِجْرَامِكُمْ فِيْ نِسْبَةِ الْاِفْتِرَاءِ اِلَيَّ

ع ۳

ترجمہ:.......... اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا کہ میں (اور ایک قرأت میں کسر ہمزہ کے ساتھ ہے لفظ قول حذف کر کے) آشکارا طور پر خبردار کرنے والا (کھلے بندوں ڈرانے والا) ہوں۔ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ میں ڈرتا ہوں (اگر تم نے غیر اللہ کی پوجا کی) کہیں تم پر عذاب کا ایک دردناک دن نہ آ جائے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دینے والا ہو) اس پر قوم کے ان سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی۔ ہم تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو۔ (تمہیں ہمارے مقابلہ پر کوئی بڑائی حاصل نہیں ہے) اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلتے ہیں انہیں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں کے بالکل ہی رذیل ہیں (کمینے جیسے جلاہے، موچی) اور وہ بھی سرسری نظر سے بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہولئے (لفظ رای ہمزہ کے ساتھ ہے اور بغیر ہمزہ کے یعنی انہوں نے تمہارے متعلق کچھ غور و فکر بھی نہیں کیا۔ اس پر نصب ظرفیت کی بناء پر ہے یعنی سطحی نظر کے وقت) ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی بات بھی زیادہ نہیں پاتے (جس کی وجہ سے ہم تمہیں پیروی کے لائق سمجھیں) بلکہ تمہیں

جھوٹا سمجھتے ہیں (دعویٰ نبوت میں۔اور خطاب میں نبی کے ساتھیوں کو بھی لے لیا) نوحؑ نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات پر بھی غور کیا (مجھے ذرا یہ تو بتلاؤ) کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (بیان) پر قائم ہوں اور اس نے اپنے پاس سے رحمت (نبوت) بھی مرحمت فرمادی ہو مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے (نہ سوجھے اور ایک قرأت میں لفظ عمیت میم کی تشدید کے ساتھ اور مجہول صیغہ سے آیا ہے تو کیا ہم اسے تمہارے گلے مڑھ دیں (زبردستی اسے منوائیں) اور تم اس سے بیزاری کئے چلے جاؤ؟ (یعنی ہم ایسا نہیں کر سکتے) لوگو یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال نہیں مانگتا (کہ تم مجھے دو) میرا معاوضہ (ثواب) تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں میں انہیں اپنے پاس سے نہیں دھتکار سکتا (جیسا کہ تم چاہتے ہو) انہیں بھی اپنے پروردگار سے ایک دن ملنا ہے (قیامت کے روز کہ وہی انہیں صلہ مرحمت فرمائے گا۔ہاں! جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہوگا وہ انہیں خود رسوا کرے گا اور دھکے دے دے گا) لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو (انجام سے بے خبر ہو) اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں تو اللہ (کے عذاب) کے مقابلہ میں کون میری مدد کر (کے مجھے بچا) لے گا (یعنی مجھے کوئی نہیں بچا سکتا) کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟ (دراصل اس میں تائے ثانی ذال میں مدغم ہو رہی ہے بمعنی تتعظون) اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں فرشتہ ہوں (بلکہ تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں) اور نہ ان تمام لوگوں کی نسبت جن کو تمہاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز ثواب نہیں دے گا۔ان کے دل میں جو کچھ ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے میں (اگر ایسی بات کہوں تو) ایسی صورت میں ظالم ہی ٹھہروں گا۔وہ لوگ کہنے لگے اے نوحؑ! تم ہم سے بحث کر چکے (جھگڑ چکے) اور بحث بھی خوب ہی کر چکے۔سو جس (عذاب) سے تم ہمیں دھمکایا کرتے ہو وہ ہمارے سامنے لا دکھاؤ اگر تم سچے ہو (اس بارے میں) نوحؑ نے فرمایا: اگر اللہ کو منظور ہوگا تو بلاشبہ تم پر وہ بات لے آئے گا (اگر اسے جلدی منظور ہوگا۔کیونکہ یہ تو اس کے اختیار میں ہے نہ کہ میرے بس میں) اور تمہیں یہ قدرت نہیں کہ اسے مات دے دو۔(یعنی اللہ سے بچ کر نہیں جا سکتے) اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے تو میں کتنا ہی نصیحت کرنا چاہوں میری نصیحت کچھ سودمند نہ ہوگی (ان یغویکم اغوائکم کے معنی میں ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔لا ینفعکم نصحی اس پر دلالت کرتا ہے) وہی تمہارا پروردگار ہے۔اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے (حکم الٰہی ہوا) کیا یہ لوگ (مکہ کے کافر) کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنے جی سے گھڑ لیا ہے؟ (محمدؐ نے قرآن گھڑ لیا ہے) آپ کہہ دیجئے۔اگر میں نے یہ بات گھڑ لی ہے تو میرا یہ جرم مجھ پر آئے گا (یعنی اس کی سزا) اور تم جو جرم کر رہے ہو میں اس سے بری الذمہ ہوں (قرآن تراشنے کی نسبت میری طرف کر کے جو جرم کر رہے ہو)

تحقیق وترکیب:............حذف القول. ای فقال لقومه بین اشارہ کردیا کہ مبین ابان لازم ہے۔ان لا تعبدوا اشارہ اس طرف ہے کہ ان مصدریہ ہے اور با کا تعلق ارسلنا ہے اور لا ناہیہ ہے۔تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نوح سے مراد روح اور قوم سے مراد قلب، نفس، بدن ہے اور دنیا اور اس کی شہوات کی پرستش اور آخرت اور اس کے درجات کی طلب۔

الیم. یوم کی صفت نہیں بلکہ عذاب کی صفت ہے اور نهارہ صائم کی طرح اسناد مجازی ہے۔

قال الملا یہاں سے تین شبہے قوم نے پیش کئے۔اول مانراك الا بشرا دوسرے مانراك اتبعك تیسرے ما نری لکم ان تینوں کا اجمالی جواب یا قوم ارأیتم الخ سے اور تفصیلی جواب لا اقول الخ سے دیا گیا ہے۔یہ آخری شبہ کا جواب ہے اور لا اعلم الغیب دوسرے شبہ کا اور لا اقول لکم اول شبہ کا جواب ہے۔

بادی الرای. بدو کے معنی ظاہر کے ہیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اراذل سے مراد روح کے خدام بدن اور ظاہری اعضاء ہیں۔ کیونکہ بدن کو روح کی دعوت قبول کرنی چاہیئے اور اعضاء کو احکام شرع کی تعمیل میں لگا دینا چاہیئے۔ لیکن نفس امارہ کفر پر ابھارتا رہتا ہے اور بدن کو طاعت دینیہ میں لگنے نہیں دیتا۔

نصحی زمخشریؒ اور تفتازانیؒ کی رائے کے بموجب تقدیر کلام اس طرح ہے ان کان اللہ یرید ان یغویکم لا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم لیکن بیضاویؒ نے پورے جملہ شرطیہ کو دلیل کا جواب بنایا ہے۔ اس صورت میں تقدیر کلام ایسے ہوگی ان کان اللہ یرید ان یغویکم فان اردت ان انصح لکم لا ینفعکم نصحی۔

چنانچہ اگر کوئی یہ کہے کہ انت طالق ان دخلت الدار ان کلمت زیدا اور عورت پہلے مکان میں داخل ہو جائے پھر کلام کرے تو طلاق پڑ جائے گی۔ پس اس صورت میں کلام متضمن دو شرطوں کو ہوگا۔ ایک شرط دوسری کا جواب ہوگی اور پہلی کی صورت میں ایک شرطیہ مقید ہوگا۔

وجواب الشرط یعنی پہلی شرط کا جواب محذوف ہے اور **لا ینفعکم الخ** کو اس لئے جواب نہیں بتایا کہ بصریوں کے نزدیک جواب شرط پر مقدم نہیں ہوتا۔ اگرچہ کوفیوں کے نزدیک جائز ہے۔ یعنی دوسری شرط کا جواب پہلی شرط ہے اور خود اپنا جواب بھی ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ان کان اللہ یرید ان یغویکم فان اردت ان انصح لکم فلا ینفعکم نصحی کیونکہ کلام میں جب دو شرطیں جمع ہو جائیں۔ اور ایک جواب۔ تو شرط ثانی اول کی شرط ہو جاتی ہے۔ پس جواب واقع نہیں ہوگا۔ جب تک دوسری شرط حاصل نہیں ہو جائے گی اور واقع میں پہلی شرط سے پہلے پائی جائے گی۔ کیونکہ خارج میں مشروط سے پہلے شرط نہیں پائی جایا کرتی۔ پس اگر معاملہ برعکس ہو جائے کہ پہلی شرط پہلے پائی جائے تو معلق شرط بھی نہیں پائی جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی اپنے غلام سے کہے انت حر ان کلمت زیدا ان دخلت الدار تو جب تک کلام سے پہلے مکان میں داخل ہونا نہیں پایا جائے گا۔ اس وقت تک غلام آزاد نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کلام پہلے پایا جائے تو معلق چیز بھی نہیں پائی جائے گی۔

ام یقولون افترٰہُ اکثر مفسرینؒ اس کو قصہ نوحؑ میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن جلال محققؒ اس کو جملہ معترضہ مان رہے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کی طرف کلام منتقل کیا گیا ہے۔

ربط آیات:......... توحید و رسالت، معاد کی حقانیت کے مسائل اور وعد و وعید کے مضامین گزر چکے ہیں اس کے بعد ہی گذشتہ وقائع کا بیان شروع ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت ہے۔

﴿تشریح﴾:...... حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا جواب:......... نوح علیہ السلام کی سیدھی سادی دعوت کے جواب میں قوم کے مغرور نمائندوں نے کہا "تم بھی ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو پھر تمہاری بات کیوں مانیں۔ یعنی اگر تم میں کوئی ایسا اچنبھا پایا جاتا جو اوروں میں نہیں پایا جاتا۔ یا دیوتاؤں کی طرح تم بھی اتر آئے ہوتے تو تمہاری تصدیق کر لیتے اور کہنے لگے جو ہم میں کمینے ہیں وہی بے سمجھے بوجھے تمہیں مان رہے ہیں پھر کیا ان بے وقوفوں کی طرح ہم بھی مان لیں؟ نیز ایسی جماعت میں ہم کیوں کر شریک ہو سکتے ہیں۔ جہاں رذیل و شریف میں کوئی امتیاز نہ ہو؟

حضرت نوحؑ کا جواب:......... حضرت نوحؑ نے فرمایا: انسان کی ہدایت تو انسان ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے اور وہ اتنا ہی کر سکتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے۔ تم کہتے ہو میں جھوٹا ہوں لیکن بتلاؤ اگر تم مجھے سچا سمجھتے تو کیا اس بات کی توقع رکھتے کہ میں جبراً

تمہیں سچائی کی راہ دکھادوں۔ خدا کی طرف سے کتنی ہی واضح دلیل حق مجھے مل گئی ہو۔ لیکن تم سمجھنے سے انکار کردو تو میں کیا کرسکتا ہوں ؟ اور فرمایا کہ تم جن لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہو میں کبھی نہیں کہوں گا کہ وہ ذلیل ہیں اور انہیں خوبی وسعادت نہیں مل سکتی۔ اگر میں ایسا کروں تو خدا کے مواخذہ سے بچ نہیں سکوں گا اور فرمایا کہ میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سچائی کا پیغامبر ہوں۔ مجھے طاقت وتصرف کا دعویٰ نہیں۔ نہ میں انسانیت سے بالاتر کوئی ہستی ہوں۔

انکار کرنے والوں کا ردِ عمل:............ لیکن انکار کرنے والوں نے نہ صرف یہ کہ ان دلائل ومواعظ سے انکار کیا اور ان کو جدال قرار دیا۔ بلکہ خود عذاب کا مطالبہ کرنے لگے۔ اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ ان سے کہہ دو" تم کہتے ہو میں جھوٹا ہوں۔ اچھا اگر میں جھوٹا ہوں تو میرا گناہ مجھ پر۔ اور تم اگر سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو اس کی پاداش تمہیں جھیلنی ہے۔ میں اس سے بری ہوں۔ اب فیصلہ کا انتظار کرو۔

انی لا اسئلکم علیه مالا میں مال کی تخصیص اس لئے کہ اکثر جھوٹے لوگوں کا مقصد مال ہی ہوتا ہے اور عزت بھی اگر مطلوب ہوتی ہے تو مال ہی کی خاطر اور ایمان لانے والوں کو اراذل ان کی غربت اور معمولی پیشوں کی وجہ سے کہا، جنہیں عرفا لوگ حقیر سمجھتے ہوں۔

غریب اور کم درجہ کے لوگ ہی پہلے ہدایت قبول کرتے ہیں:............ اور کفار نے جو مسلمانوں کو کمزور رائے سمجھا اور ان کی شرافت کا انکار کردیا۔ چونکہ نبوت کا ثابت کرنا اس جواب پر موقوف نہیں تھا۔ اس لئے اس کے جواب کی فکر نہیں کی گئی اور ویسے ہی جواب ظاہر ہے کہ حق کے قبول کرنے میں ایسی باتوں کا لحاظ کرنا غلط ہے۔ بلکہ ایسے ہی لوگ حق کو جلد قبول کرلیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں میں عرفی بڑائی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک درجہ یہ بھی ان کی سلامتی رائے اور فضیلت کی دلیل ہے اور جب حضرت نوحؑ کی نبوت دلیل سے ثابت ہوگئی۔ تو پھر اس کو بعید سمجھنا اول تو کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ بعض چیزیں جو عقل کی گرفت سے باہر ہوتی ہیں وہ اگرچہ بعید معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ان چیزوں کے فی نفسہ ممکن ہونے کے ساتھ۔ اگر مخبر صادق کی سچی خبر بھی ان کے ساتھ مل جائے تو ان چیزوں کا واقع ہونا مرجح ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر عقلی یا شرعی دلیل سے ان چیزوں کا ممتنع ہونا ثابت ہوجائے تو پھر بلاشبہ وہ استبعاد مقبول ومعتبر ہوگا بلکہ استبعاد سے بڑھ کر پھر تو محال اور ممتنع ماننا واجب ہوگا۔ لیکن یہاں تو حضرت نوحؑ نے کوئی مستبعد چیز بھی پیش نہیں کی۔ اگر ایسا کرتے تو انکار کا کسی درجہ میں مضائقہ نہیں تھا۔ اگرچہ دلیل کے بعد وہ انکار بھی پھر قابل انکار ہوجاتا۔

حضرت نوحؑ نے **انهم ملقوا ربهم الخ** سے پہلے تو اہل ایمان کو ثابت فرمایا۔ پھر **لا اقول للذین تزدری الخ** سے تلطیف دعوت کے طور پر فرمایا کہ اگر تم ان مسلمانوں کے اخلاص کے معتقد نہیں ہو تو کم از کم بلادلیل انہیں غیر مخلص بھی نہ مانو۔ آیت **قل ان افتریته الخ** میں اخیر درجہ کا جواب دیا گیا ہے۔ ورنہ اصل جواب تو وہی ہے کہ تم پہلے اس افتراء کا افتراء ہونا ثابت کردکھاؤ۔ لیکن جو شخص نہ دلیل کو تسلیم کرے اور نہ اس میں قدح کرسکے۔ اس لئے آخری بات یہی کہی جاسکتی ہے کہ میاں جیسا میں نے کیا ہوگا۔ میں بھگتوں گا جیسا تم کررہے ہو تم بھگتو گے۔

لطائف آیات:............ آیت **وما نراك اتبعك الخ** سے ان لوگوں کی تردید ہورہی ہے جو ولایت کو عرفی شرافت کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں۔ آیت **انلزمکموها الخ** سے معلوم ہوا کہ منکرین اہل اللہ سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ آیت **یا قوم لا اسئلکم الخ** سے معلوم ہوا کہ مشائخؒ کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ طلب مال لوگوں کو طلب ہدایت سے روک دے گا۔ بلکہ امور خیر میں چندہ کرنے سے بھی انہیں احتیاط کرنی چاہیئے۔

آیت یا قوم من ینصرنی الخ سے معلوم ہوا کہ طالبین کے یہ حقوق مشائخ کے ذمہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے والے سے اعراض کرے خدا اس سے اعراض کرلے گا۔ آیت لا اقول لکم عندی الخ سے معلوم ہوا کہ صاحب ارشاد کا صاحب تصرف یا صاحب کشف ہونا یا انسانی ضروریات میں عوام سے ممتاز ہونا ضروری نہیں ہے۔ البتہ رشد وہدایت کرنے والے کے لئے علم وعمل سے متصف ہونا ضروری ہے۔

آیت انما یاتیکم الخ سے معلوم ہوا کہ اہل حق کی یہی شان ہوتی ہے۔ لیکن باطل پرست لوگ فضول کی ڈینگیں مارا کرتے ہیں کہ میری مخالفت میں فلاں کا حال ایسا ہوگا۔ آیت لا ینفعکم نصحی سے معلوم ہوا کہ شیخ کے قبضہ میں ہدایت نہیں ہوتی۔ آیت ان تسخروا الخ سے معلوم ہوا کہ انتقام کے موقعہ پر ترکی بترکی جواب دینا مکارم اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ تَحْزَنْ **بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾** مِنَ الشِّرْكِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ رَبِّ لَا تَذَرْ الخ فَاَجَابَ اللّٰهُ تَعَالٰى دُعَاءَهٗ وَقَالَ **وَاصْنَعِ الْفُلْكَ** السَّفِيْنَةَ **بِاَعْيُنِنَا** بِمَرْأًى مِنَّا وَحِفْظِنَا **وَوَحْيِنَا** اَمْرِنَا **وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا بِتَرْكِ اِهْلَاكِهِمْ **اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ** حِكَايَةُ حَالٍ مَاضِيَةٍ **وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ** جَمَاعَةٌ **مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ** اِسْتَهْزَءُوْا بِهٖ **قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾** اِذَا نَجَوْنَا وَغَرِقْتُمْ **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ** مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ **يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ** يَنْزِلُ **عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾** دَائِمٌ **حَتّٰى** غَايَةٌ لِلصُّنْعِ **اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا** بِاِهْلَاكِهِمْ **وَفَارَ التَّنُّوْرُ** لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَامَةً لِنُوْحٍ **قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا** فِي السَّفِيْنَةِ **مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ** اَيْ ذَكَرٍ وَاُنْثٰى اَيْ مِنْ كُلِّ اَنْوَاعِهِمَا **اثْنَيْنِ** ذَكَرًا وَاُنْثٰى وَهُوَ مَفْعُوْلٌ وَفِي الْقِصَّةِ اِنَّ اللّٰهَ حَشَرَ لِنُوْحٍ السِّبَاعَ وَالطَّيْرَ وَغَيْرَهُمَا فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِيَدَيْهِ فِيْ كُلِّ نَوْعٍ فَتَقَعُ يَدُهُ الْيُمْنٰى عَلَى الذَّكَرِ وَالْيُسْرٰى عَلَى الْاُنْثٰى فَيَحْمِلُهُمَا فِي السَّفِيْنَةِ **وَاَهْلَكَ** اَيْ زَوْجَتَهٗ وَاَوْلَادَهٗ **اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ** اَيْ مِنْهُمْ بِالْاِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَتُهٗ وَوَلَدُهٗ كَنْعَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وَحَامٍ وَيَافِثَ فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتِهِمْ ثَلٰثَةً **وَمَنْ اٰمَنَ وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾** قِيْلَ كَانُوْا سِتَّةَ رِجَالٍ وَنِسَاءَهُمْ وَقِيْلَ جَمِيْعُ مَنْ كَانَ فِي السَّفِيْنَةِ ثَمَانُوْنَ نِصْفُهُمْ رِجَالٌ وَنِصْفُهُمْ نِسَاءٌ **وَقَالَ** نُوْحٌ **ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا** بِفَتْحِ الْمِيْمَيْنِ وَضَمِّهِمَا مَصْدَرَانِ اَيْ جَرْيُهَا وَرُسُوُّهَا اَيْ مُنْتَهٰى سَيْرِهَا **اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾** حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْنَا **وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ** فِي الْاِرْتِفَاعِ وَالْعِظَمِ **وَنَادٰى نُوْحُ نِ ابْنَهٗ** كَنْعَانَ **وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ** عَنِ السَّفِيْنَةِ **يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ** يَمْنَعُنِيْ **مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ**

اَمْرِ اللّٰهِ عَذَابِهٖ اِلَّا لٰكِنْ مَنْ رَّحِمَ ۚ اللّٰهُ فَهُوَ الْمَعْصُوْمُ قَالَ تَعَالٰى وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ الَّذِىْ نَبَعَ مِنْكِ فَشَرِبَتْهُ دُوْنَ مَا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَصَارَ اَنْهَارًا وَبِحَارًا وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ اَمْسِكِيْ عَنِ الْمَطَرِ فَاَمْسَكَتْ وَغِيْضَ نَقَصَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ تَمَّ اَمْرُ هِلَاكِ قَوْمِ نُوْحٍ وَاسْتَوَتْ وَقَفَتِ السَّفِيْنَةُ عَلَى الْجُوْدِيِّ جَبَلٌ بِالْجَزِيْرَةِ بِقُرْبِ الْمُوْصِلِ وَقِيْلَ بُعْدًا هَلَاكًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الْكٰفِرِيْنَ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ كَنْعَانَ مِنْ اَهْلِيْ وَقَدْ وَعَدْتَّنِيْ بِنَجَاتِهِمْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ الَّذِىْ لَا خُلْفَ فِيْهِ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ اَعْلَمُهُمْ وَاَعْدَلُهُمْ قَالَ تَعَالٰى يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ النَّاجِيْنَ اَوْ مِنْ اَهْلِ دِيْنِكَ اِنَّهٗ سُؤَالُكَ اِيَّاىَ بِنَجَاتِهٖ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَاِنَّهٗ كَافِرٌ وَلَا نَجَاةَ لِلْكٰفِرِيْنَ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ مِيْمِ عَمِلَ فِعْلٌ وَنَصْبُ غَيْرَ فَالضَّمِيْرُ لِاِبْنِهٖ فَلَا تَسْئَلْنِ بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ مِنْ اِنْجَاءِ اِبْنِكَ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ بِسُؤَالِكَ مَا لَمْ تَعْلَمْ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۖ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ مَا فَرَطَ مِنِّيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ اِنْزِلْ مِنَ السَّفِيْنَةِ بِسَلٰمٍ بِسَلَامَةٍ اَوْ بِتَحِيَّةٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ خَيْرَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۖ فِي السَّفِيْنَةِ اَىْ مِنْ اَوْلَادِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاُمَمٌ بِالرَّفْعِ مِمَّنْ مَّعَكَ سَنُمَتِّعُهُمْ فِى الدُّنْيَا ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ فِى الْاٰخِرَةِ وَهُمُ الْكُفَّارُ تِلْكَ اَىْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ الْمُتَضَمِّنَةُ قِصَّةَ نُوْحٍ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ اَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ ۚ يَا مُحَمَّدُ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ الْقُرْاٰنِ فَاصْبِرْ ۛ عَلَى التَّبْلِيْغِ وَاَذٰى قَوْمِكَ كَمَا صَبَرَ نُوْحٌ اِنَّ الْعَاقِبَةَ الْمَحْمُوْدَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ ع

ترجمہ:.........اور نوحؑ پر وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ پس جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر کچھ غم (رنج) نہ کھاؤ (یعنی شرکیہ کام پر چنانچہ پھر نوحؑ نے قوم کے لئے رب لاتذر الخ سے بد دعا کی اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرما کر حکم دیا کہ اور ہماری نگرانی ہمارے سامنے اور ہماری حفاظت میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بنانا شروع کر دو اور ان ظالموں کے بارے میں (جنہوں نے کفر کیا ہے) اب ہم سے کچھ عرض معروض نہ کرنا (کہ انہیں ہلاک نہ کیا جائے) یقیناً یہ سب غرق کئے جائیں گے۔ چنانچہ نوحؑ کشتی بنانے لگے (یہ حکایت حال ماضیہ ہے) جب ان میں سے کچھ لوگوں کا گزر نوح علیہ السلام پر ہوتا تو لوگ تمسخر کرنے لگتے (نوح علیہ السلام کا مذاق اڑانے لگتے) نوحؑ انہیں جواب دیتے کہ تم اگر ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو اسی طرح ہم بھی ہنسیں گے (جب ہم بچیں گے اور تم ڈوبو گے) وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے (یہ موصولہ علم کا مفعول ہو رہا ہے) جس پر عذاب آتا ہے کہ اسے رسوا کر دے اور پھر دائمی عذاب بھی اس پر نازل ہو۔ یہاں

تک کہ (یہ کشتی بنانے کی غایت ہے) جب وہ وقت آگیا کہ (انہیں ہلاک کرنے کے متعلق) ہمارا حکم آپہنچا اور تنور نے جوش مارا (جو روٹیاں پکانے کا تھا۔ اس سے پانی ابلنے لگا اور نوح علیہ السلام کو یہی عذاب کی علامت بتلائی گئی تھی) تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے جوڑے (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ ہر قسم کے جانوروں میں سے) دو دو (نر اور مادہ۔ ترکیب میں یہ مفعول ہے اور واقعہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کے لئے درندے پرندے وغیرہ سب جانور اکٹھے کر دیئے۔ چنانچہ جب پکڑنے کے لئے وہ ہاتھ بڑھاتے تو بے اختیاری میں ان کا داہنا ہاتھ نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا۔ غرضیکہ اس طرح ان جانوروں کو انہوں نے کشتی میں چڑھالیا) لے لو اور اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) کو بھی سوار کرلو۔ مگر اہل وعیال میں وہ لوگ داخل نہیں جن کے لئے پہلے کہا جاچکا ہے (یعنی جن کے ہلاک ہونے کا حکم ہو چکا ہے۔ آپ کی بیوی اور کنعان لڑکا۔ بخلاف سام، حام، یافث کے۔ چنانچہ ان تینوں صاحبزادوں کو مع ان کی بیویوں کے ساتھ لے لیا) اور ان لوگوں کو بھی لے لو جو ایمان لا چکے ہیں اور نوحؑ پر بہت ہی تھوڑے لوگ ایمان لا سکے (بعض کی رائے میں چھ مرد اور عورتیں تھیں اور بعض نے کشتی پر سب کی مجموعی تعداد اسی بتلائی ہے جن میں سے آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں) اور (نوحؑ نے) ساتھیوں سے کہا کشتی پر سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے اسے چلنا ہے اور اللہ ہی کے نام سے ٹھہرنا) دونوں لفظوں میں میم کا فتح اور ضمہ ہے اور دونوں مصدر ہیں۔ یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا جس سے مراد کشتی کے ٹھہرنے کی انتہاء ہے) بلاشبہ میرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے (کہ اس نے ہمیں ہلاک نہیں کیا) اور ایسی موجوں میں جو (بلند اور بڑی ہونے میں پہاڑ کی طرح اٹھتی ہیں کشتی انہیں لے جارہی ہے اور نوح نے اپنے بیٹے (کنعان) کو پکارا۔ وہ (کشتی سے) ایک طرف کنارہ پر کھڑا تھا۔ اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ۔ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ نوح نے کہا: آج اللہ کے قہر (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر ہاں وہی جس پر اللہ رحم کردے (وہی بچ سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کہ اتنے میں ان دونوں کے بیچ میں ایک موج حائل ہوگئی۔ پس وہ بھی غرق ہوگیا اور حکم ہوا کہ اے زمین! اپنا پانی پی لے (جو تیرے اندر سے نکلا تھا۔ چنانچہ زمین نے سارا پانی چوس لیا۔ البتہ آسمان سے جو پانی برسا تھا وہ ندی، نالوں، دریاؤں، سمندروں کی شکل میں باقی رہ گیا اور اے آسمان! تھم جا (برسنے سے رک جا پس وہ بھی ٹھہر گیا) اور پانی کا چڑھاؤ اتر گیا (گھٹ گیا) اور قصہ ختم ہوا (قوم نوح کے ہلاک ہونے کا حادثہ پورا ہوگیا) اور کشتی جودی (ایک پہاڑ ہے موصل کے قریب ایک جزیرہ میں) اس پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ نامرادی (تباہی) ظلم کرنے والے کافروں کے) گروہ کے لئے ہے اور نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور عرض کیا خدایا! میرا بیٹا (کنعان) تو میرے گھر کے لوگوں میں سے ہے (جن کے بارے میں آپ نے نجات کا وعدہ کررکھا ہے) اور یقیناً آپ کا وعدہ سچا ہے۔ آپ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں (جو آپ سے زیادہ باخبر اور منصف ہو) فرمایا (حق تعالیٰ نے) اے نوح! وہ تمہارے گھر کے لوگوں میں شمار نہیں (جو نجات پانے والے یا آپ کے دین پر ہوں) واقعہ یہ ہے کہ یہ (تمہارا اس کی نجات کے متعلق سفارش کرنا ہی) ٹھیک کام نہیں ہے (کیونکہ وہ کافر ہے اور کافروں کی نجات ہوگی نہیں اور ایک قرأت میں عمل فعل کے میم کا کسرہ پڑھا گیا ہے اور غیر منصوب ہے پس اس صورت میں ضمیر ابن کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس جس بات کی تمہیں خبر نہ ہو (یعنی اپنے بیٹے کی رہائی) اس کے بارے میں مجھ سے درخواست مت کرو (لفظ تسئلن تخفیف اور تشدید نون کے ساتھ پڑھا گیا ہے) میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تم نادان مت بن جاؤ۔ (جس بات کا پتہ نہ ہو اس کا سوال کرکے) عرض کیا خدایا! میں اس بات سے آپ کے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں کہ جس کی حقیقت کا مجھے علم نہ ہو۔ اگر آپ نے مجھے (اپنی کوتاہی پر) معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ حال لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا اے نوح! اب کشتی سے اتر آؤ (کشتی سے باہر نکل آؤ) ہماری طرف سے سلامتی (سلام بمعنی

سلامتی ہے یا سلام کرنا مراد ہے) اور برکتیں (بھلائیاں) لے کر۔ جو آپ پر اور آپ کے ساتھ والی جماعتوں پر ہوں (جو کشتی میں ساتھ رہیں یعنی ان کی اولاد اور نسل پر مراد تمام اہل ایمان ہیں) اور کتنی ہی جماعتیں ہیں (رفع کے ساتھ ہے آپ کے ہمراہیوں میں سے) جنہیں ہم (دنیا میں) چند روز عیش دیں گے۔ لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ (آخرت میں اس سے مراد کفار ہیں) یہ قصہ (یعنی یہ آیتیں جن میں قصۂ نوح کی تفصیل ہے) غیب کی خبروں میں سے ہے (جو باتیں آپ کے سامنے کی تھیں) جسے وحی کے ذریعہ ہم آپ کو بتلا رہے ہیں (اے محمد) اس (قرآن) سے پہلے نہ تو یہ خبریں آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو پتہ تھا۔ پس صبر کیجئے (تبلیغ کے سلسلہ میں اور اپنی قوم کے ستانے پر۔ جس طرح نوح علیہ السلام نے صبر کیا تھا) یقیناً (نیک) انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔

تحقیق وترکیب:............ **بمرای** اشارہ اس طرف ہے کہ حفاظت سے کنایہ ہے ورنہ حقیقۃ اللہ تعالیٰ جوارح سے منزہ ہے۔ **لا تخاطبنی** تفسیر کبیر میں ہے کہ ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ عذاب کی تاخیر ان کے بارے میں مت چاہنا۔ کیونکہ ان کے لئے عذاب مقدر ہو چکا ہے اس کے بعد منشائے خداوندی کو سامنے رکھتے ہوئے۔ **رب لا تذر الخ** سے حضرت نوح نے بددعا کی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کے متعلق عذاب کی جلدی مت کرنا کیونکہ مقررہ وقت سے تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ **الذین ظلموا الخ** سے ان کی بیوی اور بیٹا مراد ہیں۔ صاحب روح البیان نے اخیر جواب کو پسند کیا ہے۔ استھزئوا چنانچہ کشتی بناتے دیکھ کر کہنے لگے کہ نبوت کے بعد یہ آپ کو نجاری خوب ملی۔ ویسے بھی یا تو یہ لوگ کشتی کو جانتے نہیں ہوں گے۔ اس لئے نئی چیز کو دیکھ کر مذاق اڑانا شروع کر دیا بغیر پانی کے کیسے چلے گی۔ اس پر ہنسے ہونگے۔

للخباز اور کوفہ میں ایک جگہ تھی جس کا نام غاروق تھا۔ غرق کی ابتداء وہیں سے ہوئی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تنور حضرت آدمؑ کا تھا جو پتھر کا تھا۔ تنور کی جگہ میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے نوحؑ کے مکان میں بتلایا ہے اور بعض نے کوفہ میں گرجا کے قریب جگہ بتلائی ہے۔ اور بعض نے ہند میں کوئی جگہ بتلائی ہے اور بعض نے شام میں ''عین اردہ'' ایک جگہ بتلائی ہے اور بعض نے تنور کے معنی ظاہر زمین کے کہے ہیں۔ عرب روئے زمین کو تنور کہتے ہیں۔ **ومن کل زوجین** کشتی کے تین حصے تھے۔ نچلے میں وحوش اور درمیانی میں کھانے پینے کی چیزیں اور اوپر کی منزل میں خود حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھی تھے اور بعض نے اوپر کے حصے میں پرندے اور درمیان میں آدمی بتلائے ہیں۔ **واھلک** حضرت نوحؑ کی دو بیویاں ہوں گی۔ ایک مؤمنہ ایک کافرہ۔ مؤمنہ ان کے ساتھ رہی اور کافرہ غرق ہوئی جس کا نام ''داعلہ'' تھا۔

بسم اللہ یہ خبر مقدم ہے اور **مجریھا ومرساھا** مبتداء مؤخر ہے **مجری** میں امالہ ہونے کی وجہ سے ''**مرساھا**'' کے خلاف پڑھا جائے گا۔ آیت **قیل یا ارض ابلعی الخ** اس کے متعلق صاحب کشافؒ نے لکھا ہے کہ علمائے بیان اس آیت کے لطائف معانی اور نکات فصاحت وبلاغت پر سر دھنتے ہیں۔ جس کی جھلک روح المعانی میں دکھلائی گئی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں کل انیس کلمات ہیں مگر علم بدیع کی ۲۱ اقسام کی صفتیں موجود ہیں (۱) مناسبت (۲) مطابقت (۳) مجاز (۴) استعارہ (۵) اشارہ (۶) تمثیل (۷) ارواث (۸) تعطیل (۹) صحت التقسیم (۱۰) احتراس (۱۱) ایضاح (۱۲) مساوات (۱۳) حسن خلق (۱۴) ایجاز (۱۵) تسہیم (۱۶) تہذیب (۱۷) حسن بیان (۱۸) تمکین (۱۹) تجنیس (۲۰) مقابلہ (۲۱) ذم وصف۔ ان کی تفصیلات میں علماء نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

ان ابنی من اھلی. دعا کے لئے اہل کا ہونا ضروری نہیں۔ تاہم قبولیت سے قریب کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ نیز لن

یؤمن الخ کی وجہ سے جن لوگوں کے ایمان سے ناامید تھے۔ ان کے بارے میں تو انہوں نے لب تک نہیں ہلائے۔ مگر اس سوتیلے بیٹے کا ایمان معلوم نہیں تھا۔ محتمل الایمان ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں دعا کر دی۔ تورات میں کنعان کو حضرت کا بیٹا ہونے کی بجائے پوتا ہونا لکھا ہے۔ یعنی حام کا بیٹا تھا۔ مگر قرآن پاک کے مقابلہ میں تورات کا بیان غیر معتبر ہے کیونکہ اس میں بکثرت تحریفات ہوئی ہیں۔

ربط آیات:.........اس رکوع میں بھی حضرت نوحؑ کے واقعہ کا تتمہ ہے۔

﴿تشریح﴾:......مخالفین حق کا انجام:.........فرمایا: پس جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ بلکہ اب تو یہ سب لوگ غرق ہونے والے ہیں۔ اس لئے ایک کشتی بنالو۔ لیکن نہ ماننے والوں نے اس کا بھی مذاق اڑایا۔ آخر کار اپنے ٹھیک وقت پر طوفان نوحؑ کا ظہور ہوا اور حضرت نوحؑ ان سب کو ساتھ لے کر سوار ہوئے جن کے ساتھ لینے کا حکم ہوا تھا۔ غرضیکہ سیلاب اور طوفانی ہواؤں کا یہ عالم تھا کہ پہاڑ جیسی اونچی اونچی موجیں اٹھنے لگیں۔ اسی میں حضرت نوحؑ کا اپنا سوتیلا بیٹا کنعان یاد آیا۔ جوش پدری سے اسے آواز دی۔ مگر وہ آوارہ صحبت میں نالائق ہو چکا تھا۔ اس کی مت ماری گئی تھی۔ اس لئے باپ کی نصیحت وشفقت کو نہ سمجھا۔ بے بنیاد سہاروں پر کھڑا ہونا چاہا کہ تقدیر الٰہی اور اپنی شامت اعمال سے ایک پانی کا ریلہ باپ بیٹے کے درمیان آکر حائل ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے باپ کی نظروں سے اوجھل کر کے موجوں کی آغوش کے حوالہ کر دیا۔ باپ تڑپ اٹھا اور جوش محبت میں بے چین ہو کر بولا خدایا! وہ میرے اہل وعیال میں سے ہے۔ جس کے محفوظ رکھنے کا تو نے وعدہ کیا تھا مگر یہ کیا ہوا؟

ارشاد ہوا وہ بدعمل تھا اس لئے وہ تمہارا نہیں تھا۔ برا اچھوں میں کیسے ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ یہ جسمانی رشتہ ایک برگزیدہ پیغمبر کا بھی کام نہ آیا۔ جو کچھ ہے وہ ایمان وعمل کار آمد ہے۔ حضرت نوحؑ نے لجاجت کے ساتھ معذرت کی۔ طوفان اور سیلاب تھما، کشتی جودی پہاڑ پر رکی۔ اور قصہ ختم ہوا۔

سورۂ قمر کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے لگاتار بارش ہوئی تھی اور زمین کی تمام نہروں میں سیلاب آگیا تھا۔ تورات میں اتنا اشارہ اور ہے کہ بڑے سمندر کی تمام سوتیں پھوٹ نکلیں تھیں۔

حضرت نوحؑ کی دعوت کا میدان:.........حضرت نوحؑ کا ظہور اس سرزمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلی ہیں اور بہت دور نکل کر الگ الگ بہہ کر عراق زیرین میں جا کر باہم مل گئی ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے جا ملی ہیں۔ آرمینیا کے یہ پہاڑ ارارات کے علاقہ میں واقع ہیں۔ اسی لئے تورات میں اسے ارارات کا پہاڑ کہا گیا ہے۔ لیکن قرآن نے اس پہاڑ کا ذکر کیا۔ جس پر کشتی ٹھہری تھی اور وہ جودی پہاڑ تھا۔ زمانۂ حال کے بعض شارحین تورات کا خیال بھی اس کی تصدیق کر رہا ہے اور کم از کم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی تک وہاں ایک معبد موجود تھا جس کا نام لوگوں نے کشتی کا معبد رکھ دیا تھا۔

طوفان نوحؑ محدود تھا یا عالمگیر:.........طوفان نوحؑ کے سلسلہ میں مفسرینؒ کی دو رائے ہیں۔ بعض تو اس کو ایک خاص ملک میں محدود مانتے ہیں۔ لیکن عام مفسرینؒ اس طوفان کو عام مانتے ہیں۔ جس کی لپیٹ میں سارا عالم آگیا تھا۔ چنانچہ آیت وجعلنا ذریته هم الباقين اور آیت رب لا تذر على الارض من الكافرين ديارا کے الفاظ بھی عموم پر دلالت کرتے ہیں۔ جن کی

تاویل ذرا مشکل سے ہوگی۔

طوفان نوحؑ کے عام ہونے پر بعض اشکالات کے جوابات:........... البتہ طوفان نوحؑ کو عام ماننے پر مندرجہ ذیل بعض اشکالات ہوسکتے ہیں۔ان اشکالات اور جوابات کو ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

پہلا شبہ اور جواب:........... (۱) جانوروں کی ہزاروں لاکھوں قسموں کا اگر ایک ایک جوڑا بھی لیا جائے تو اتنی بڑی تعداد کیسے ایک کشتی میں سما سکتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ جس قدر جانور پانی کے رہنے والے ہیں ان کے سوار کرنے کی تو چنداں ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے ان کو خارج مانا جائے۔ رہ گئے خشکی کے جانور تو ان میں سے جو محتاج تناسل نہیں وہ بھی خارج رہیں۔ان کے علاوہ وہ جانور جو انسانی ضروریات سے غیر متعلق ہوں ان کو بھی نکال دیا جائے جیسے درندے وغیرہ۔ان کو اللہ نے دوبارہ پیدا کردیا ہوگا یا بطور خرق عادت اسی کشتی میں ان کے لئے بھی جگہ کردی گئی ہوگی۔ اب صرف وہ جانور رہ جاتے ہیں جو انسان کے کھانے، سواری اور لادنے، جوتنے کے کام آتے ہوں تاکہ طوفان ختم ہونے کے بعد آئندہ چل کر بقیہ افراد انسانی کو تکلیف نہ ہو۔ سو ایسے جانوروں کی تعداد تو بہت ہی مختصر رہ جاتی ہے۔ان کا ایک ایک جوڑا رکھنا کچھ مشکل نہیں۔

دوسرا شبہ اور جواب:........... (۲) ایک اشکال یہ ہے کہ جانوروں نے آخر کیا خطا کی تھی۔ جس کی وجہ سے انہیں بھی مبتلائے عذاب کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ جو بھی مبتلائے مصیبت ہوا سے مبتلائے عذاب بھی کہا جائے۔ چھوٹے معصوم بچے آخر حوادث کا شکار ہوتے ہیں۔ انہوں نے کون سا قصور کیا ہے کہ مبتلائے عذاب کہا جائے۔ بات یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کے کئی رخ ہوتے ہیں۔اب یہی طوفان نوحؑ ہے وہ کفار کے حق میں تو مکلف ہونے کی وجہ سے تھا۔لیکن جانوروں کے حق میں طبعی موت کے درجہ میں تھا۔ چنانچہ جیل میں وارڈ کے ملازمین اور آفیسران بھی ہوتے ہیں اور قیدی اور مجرم بھی ہوتے ہیں۔لیکن ایک کے حق میں وہی جیل باغ وچمن ہے اور دوسرے کے حق میں قید محن یا جہنم میں مامور فرشتے اور داروغۂ جہنم بھی رہیں گے اور کفار وفساق بھی لیکن دونوں کے لئے جہنم کا حکم الگ الگ ہوگا۔

تیسرے شبہ کے تین جواب (۳):........... ایک شبہ یہ ہے کہ نابالغ بچے جو معصوم اور غیر مکلف تھے۔انہوں نے جب کوئی خطا ہی نہیں کی تھی۔ پھر انہیں کیوں غرق طوفان کیا گیا؟ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو ابھی گزر چکا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ وہ واقعہ ان کے حق میں عذاب ہی ہو۔ بلکہ ان کے حق میں وہ صرف ایک حادثہ اور دوسرے مصائب کی طرح ایک آفت تھی۔ دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ روح المعانی میں عبداللہ بن زیاد بن سمعان سے اسحاق بن بشیر کی ایک روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ طوفان سے چالیس سال پہلے توالد وتناسل روک دیا گیا تھا۔ پس پرانے نابالغ تو اس عرصہ میں بالغ ہوگئے ہوں گے۔اور تازہ نابالغ کوئی آیا نہیں۔اس لئے شبہ کی بنیاد ہی ختم ہوگئی۔ تیسری توجیہ بر سبیل تسلیم یہ ہوسکتی ہے کہ چونکہ آئندہ چل کر وہ بچے بڑے ہوکر کافر ہونے والے تھے۔اس لئے ان کو پہلے ہی ہلاک کردیا گیا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات کے واقعہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔

واقعۂ نوحؑ کا تتمہ اور چند نکات:........... کشتی میں سوار ہونے والے مؤمنین کی تعداد میں اختلاف ہے۔ سب سے بڑا عدد اسی مرد اور اسی عورتوں کا ہے۔لیکن بعد میں نسل سب سے نہیں چلی۔ بلکہ موجودہ تمام عالم کا سلسلۂ نسب صرف حام، سام، یافث کی نسل سے

چل رہا ہے۔ اسی لئے حضرت نوحؑ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کہ وہ ازسرنو اس دوسری آبادی کے باوا آدمؑ ہیں۔ رہا یہ کہ وہ کشتی حضرت نوحؑ نے الہام خداوندی سے خود بنائی تھی یا کاریگروں سے بنوائی تھی؟ دونوں قول ہیں۔ اور کنعان کو بعض نے ان کا حقیقی بیٹا مانا ہے اور بعض نے ربیب یعنی داعلہ نامی بیوی کا بیٹا مانا ہے۔ جو حضرت نوحؑ کا سوتیلا بیٹا ہوتا ہے۔ تورات کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی پہاڑ سے بھی پندرہ پندرہ ہاتھ اونچا ہوگیا اور قصہ ختم ہونے میں حضرت نوحؑ کی نجات، کافروں کا غرق ہونا اور طوفان کا فرو ہو جانا سب ہی چیزیں آگئیں۔

حق تعالیٰ نے **و اھلک** کے ساتھ اگرچہ **الا من سبق علیه القول** سے اشارہ فرما دیا تھا کہ نا اہل اہل میں داخل نہیں۔ مگر اس کا مصداق متعین نہیں فرمایا تھا۔ اور یہ ابہام غرق یا نجات کے واقعہ ہونے تک ہونا مصلحت تھا۔ پس کھلے کافر کے حق میں دعا کرنے کی ممانعت تو اس سے مقصود تھی ہی۔ لیکن جن کی حالت مشتبہ تھی وہ بھی اس ممانعت میں داخل تھے، جیسے پسر نوح۔ اسی طرح **لا تخاطبنی فی الذین ظلموا الخ** بھی اگرچہ عام تھا یقینی اور مشتبہ ظالم کو۔ مگر حضرت نوحؑ صرف یقینی کو سمجھے اور مشتبہ ان پر مشتبہ رہے اس لئے شفقت پدری سے انہوں نے دعا کر دی۔ بیٹے کا کافر ہونا انہیں معلوم نہیں تھا۔ ادھر **الذین ظلموا الخ** سے مراد **ظلموا فی علمنا** تھی۔ یعنی حضرت نوحؑ سمجھے کہ **ظلموا فی علم نوح** مراد ہے۔ اس لئے اپنی دانست کے مطابق اسے غیر کافر سمجھتے ہوئے دعا کر بیٹھے۔ اس لئے جب لتاڑ پڑی تو **مالیس لک به علم** بھی فرمایا گیا اور آئندہ کے لئے فہمائش کر دی گئی۔

اگر شبہ ہو کہ **لن یؤمن من قومک** تو فرما دیا گیا تھا۔ جس سے حضرت نوحؑ سمجھ جاتے کہ بیٹا مؤمن نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ بلحاظ قوم کے فرمایا گیا ہے **من اھلک** کی قید اس میں نہیں ہے۔ اس لئے حضرت نوحؑ کی عصمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

ایسے طوفان وسیلاب کے بعد دنیا کی جو حالت ہوگئی ہوگی اس کی ہولناکی محتاج بیان نہیں۔ قدرتی طور پر حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کو خیال گزرا ہوگا کہ یہ سرزمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ہوگئی ہے۔ اب اس وحشت کدہ میں ہم کیوں کر زندگی بسر کریں گے؟ اس لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر قدم رکھو۔ تمہارے لئے خوف کی کوئی بات نہیں۔ سامان زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آجائیں گی "**و امم سنمتعھم**" "تمہارے بعد جو امتیں آئیں گی۔ انہیں اگرچہ زندگی کی ساری کامرانیاں ملیں گی۔ مگر پھر پاداش عمل سے تباہی میں پڑیں گی۔

حضرت نوحؑ کے اعتبار سے مخاطبین کی چار ہی قسمیں ہوسکتی ہیں (۱) ان کے سامنے موجودہ مسلمان (۲) اور آئندہ آنے والے غائب مسلمان (۳) کافر حاضر (۴) کافر غائب۔ پہلی اور چوتھی قسم یعنی حاضر مسلمان اور غائب کافر تو صراحۃ علی الترتیب **وعلی امم ممن معک** و **امم سنمتعھم** میں مذکور ہیں اور دوسری قسم یعنی غائب مسلمان بھی پہلے جملہ **وعلی امم** کے مفہوم میں داخل ہیں۔ البتہ تیسری قسم یعنی کافر حاضر اس وقت رہے ہی نہیں تھے سب ختم ہو چکے تھے۔ آیت **قیل یا نوح الخ** میں تقریباً بیس میم جمع کر دیئے گئے ہیں۔

لطائف آیات:............آیت **ونادیٰ نوح الخ** سے معلوم ہوا کہ جن اسباب کے اختیار کرنے کی اجازت ہو ان کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کشتی پر سوار ہونا۔ لیکن جن اسباب کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے ان کو اختیار کرنا خلاف توکل ہوگا جیسے کنعان کا پہاڑ کی پناہ لینا۔

آیت **انه لیس من اھلک الخ** سے معلوم ہوا کہ شرف نسبی کے ساتھ اصلاح نہ ہو تو وہ کالعدم ہے اور نیک و بد صحبت کا مؤثر ہونا بھی پسر نوح کے واقعہ سے معلوم ہوا۔ آیت **فلا تسئلن الخ** سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ جو ہر قسم کی جائز و ناجائز، مناسب و نامناسب دعا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں یا بعض سالکین بعض ایسے احوال کی دعا کرنے لگتے ہیں جن کا نفع نقصان کچھ معلوم نہیں۔ پس ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِیْلَةِ **هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** وَحِّدُوْهُ **مَا لَكُمْ مِّنْ** زَائِدَةٌ **اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ** مَا **اَنْتُمْ** فِیْ عِبَادَتِكُمُ الْاَوْثَانَ **اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾** كَاذِبُوْنَ عَلَى اللّٰهِ **یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ** عَلَى التَّوْحِیْدِ **اَجْرًا اِنْ** مَا **اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ** خَلَقَنِیْ **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ** مِنَ الشِّرْكِ **ثُمَّ تُوْبُوْآ** اِرْجِعُوْا **اِلَیْهِ** بِالطَّاعَةِ **یُرْسِلِ السَّمَآءَ** اَلْمَطَرَ وَكَانُوْا قَدْ مُنِعُوْهُ **عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا** كَثِیْرًا الدُّرُوْرِ **وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی** مَعَ **قُوَّتِكُمْ** بِالْمَالِ وَالْوَلَدِ **وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿٥٢﴾** مُشْرِكِیْنَ **قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ** بِبُرْهَانٍ عَلٰی قَوْلِكَ **وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ** اَیْ لِقَوْلِكَ **وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿٥٣﴾ اِنْ** مَا **نَّقُوْلُ** فِیْ شَانِكَ **اِلَّا اعْتَرٰىكَ** اَصَابَكَ **بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ** فَخَبَّلَكَ بِسَبِّكَ اِیَّاهَا فَاَنْتَ تَهْذِیْ **قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ** عَلَیَّ **وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾** بِهٖ **مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ** اِحْتَالُوْا فِیْ هَلَاكِیْ **جَمِیْعًا** اَنْتُمْ وَاَوْثَانُكُمْ **ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾** تُمْهِلُوْنِ **اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ** زَائِدَةٌ **دَآبَّةٍ** نَسَمَةٌ تَدُبُّ عَلَى الْاَرْضِ **اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا** اَیْ مَالِكُهَا وَقَاهِرُهَا فَلَا نَفْعَ وَلَا ضَرَرَ اِلَّا بِاِذْنِیْ وَخُصَّ النَّاصِیَةُ بِالذِّكْرِ لِاَنَّ مَنْ اُخِذَ بِنَاصِیَتِهٖ یَكُوْنُ فِیْ غَایَةِ الذُّلِّ **اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٥٦﴾** اَیْ طَرِیْقِ الْحَقِّ وَالْعَدْلِ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** فِیْهِ حَذْفُ اِحْدَی التَّائَیْنِ اَیْ تُعْرِضُوْا **فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَیْكُمْ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْئًا** بِاِشْرَاكِكُمْ **اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿٥٧﴾** رَقِیْبٌ **وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا** عَذَابُنَا **نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ** هِدَایَةٍ **مِّنَّا وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿٥٨﴾** شَدِیْدٍ **وَتِلْكَ عَادٌ** اِشَارَةٌ اِلٰی اٰثَارِهِمْ اَیْ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ وَانْظُرُوْا اِلَیْهَا ثُمَّ وَصَفَا اَحْوَالَهُمْ فَقَالَ **جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ** جَمَعَ لِاَنَّ مَنْ عَصٰی رَسُوْلًا عَصٰی جَمِیْعَ الرُّسُلِ لِاِشْتِرَاكِهِمْ فِیْ اَصْلِ مَا جَاءُوْا بِهٖ وَهُوَ التَّوْحِیْدُ **وَاتَّبَعُوْٓا** اَیِ السَّفَلَةُ **اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿٥٩﴾** مُعَانِدٍ مُعَارِضٍ لِلْحَقِّ مِنْ رُؤَسَائِهِمْ **وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً** مِنَ النَّاسِ **وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ** لَعْنَةً عَلٰی رُؤُسِ الْخَلَائِقِ **اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا** جَحَدُوْا **رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا** مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ **لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ** مِنَ الْقَبِیْلَةِ **صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** وَحِّدُوْهُ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ** اِبْتَدَأَ خَلْقَكُمْ **مِّنَ الْاَرْضِ** بِخَلْقِ اَبِیْكُمْ اٰدَمَ مِنْهَا **وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا** جَعَلَكُمْ عُمَّارًا تَسْكُنُوْنَ بِهَا **فَاسْتَغْفِرُوْهُ** مِنَ الشِّرْكِ **ثُمَّ تُوْبُوْٓا** اِرْجِعُوْا **اِلَیْهِ** بِالطَّاعَةِ **اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ** مِنْ خَلْقِهٖ بِعِلْمِهٖ **مُّجِیْبٌ ﴿٦١﴾** لِمَنْ سَاَلَهٗ **قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ**

كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا نَرْجُوا أَنْ تَكُونَ سَيِّدًا قَبْلَ هٰذَآ الَّذِي صَدَرَ مِنْكَ أَتَنْهٰنَآ أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا مِنَ الْأَوْثَانِ وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ مُرِيبٍ ﴿۶۲﴾ مُوقِعٍ فِي الرَّيْبِ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ بَيَانٍ مِّنْ رَّبِّي وَاٰتٰنِي مِنْهُ رَحْمَةً نُبُوَّةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِي يَمْنَعُنِي مِنَ اللّٰهِ أَيْ عَذَابِهِ إِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيدُونَنِي بِأَمْرِكُمْ لِي بِذٰلِكَ غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿۶۳﴾ تَضْلِيلٍ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً حَالٌ عَامِلُهُ الْإِشَارَةُ فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيٓ أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوٓءٍ عُقْرٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿۶۴﴾ إِنْ عَقَرْتُمُوهَا فَعَقَرُوْهَا عَقَرَهَا قُدَارٌ بِأَمْرِهِمْ فَقَالَ صَالِحٌ تَمَتَّعُوْا عِيشُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ ثُمَّ تُهْلَكُونَ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فِيهِ فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا بِإِهْلَاكِهِمْ نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَهُمْ أَرْبَعَةُ الْآفٍ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ نَجَّيْنَاهُمْ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ بِكَسْرِ الْمِيمِ إِعْرَابًا وَفَتْحِهَا بِنَاءً لِإِضَافَتِهٖ إِلٰى مَبْنِيٍّ وَهُوَ الْأَكْثَرُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿۶۶﴾ الْغَالِبُ وَأَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوْا فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ بَارِكِينَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِينَ كَأَنْ مُخَفَّفَةٌ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَيْ كَأَنَّهُمْ لَّمْ يَغْنَوْا يُقِيمُوا فِيْهَا فِي دَارِهِمْ أَلَآ إِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ بِالصَّرْفِ وَتَرْكِهٖ عَلٰى مَعْنَى الْحَيِّ وَالْقَبِيلَةِ

ترجمہ:............اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے (قبیلہ کے) بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگوں! اللہ کی بندگی (توحید) بجالاؤ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یقین کرو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ (بت پرستی کر کے) افتراء پردازیاں کر رہے ہو (خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو) اے میری قوم کے لوگوں! میں تم سے اس (توحید کی دعوت) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اس ذات پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم یہ بھی نہیں سمجھتے؟ اور اے میری قوم کے لوگوں! اپنے پروردگار سے (شرک کی) معافی مانگو اور اس کی جناب میں توبہ مانگو (اس کی اطاعت کی طرف رجوع کرو) وہ تم پر خوب (موسلا دھار) بارش برسائے گا (ان پر بارش کی بندش تھی) اور تمہاری قوت میں (مال و اولاد کے ذریعہ سے) اور قوت کا اضافہ فرمائے گا اور جرم (شرک) کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود! آپ ہمارے سامنے کوئی دلیل تو لے کر آئے نہیں (اپنے دعویٰ پر کوئی پیش نہیں کی) ہم تو تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں (آپ کے متعلق) ہمارا فیصلہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں ہی میں سے کسی کی مار (آفت) تم پر پڑ گئی ہے (ان کی شان میں برا بھلا کہنے اور بے ادبی کرنے کی وجہ سے تمہارے دماغ میں فتور آ گیا جس سے تم یہ ہذیان بک رہے ہو) ہود نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے میں ان سے بیزار ہوں بجز خدا کے۔ لہٰذا تم سب مل کر (تم اور تمہارے معبود) میرے خلاف جو کچھ داؤ گھات، ہلاک کرنے کی تدبیر) کر سکتے ہو ضرور کرو۔ پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے کوئی حرکت کرنے والی (زمین پر چلنے والی چیز) نہیں ہے (من زائد ہے) مگر اس کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے (یعنی اللہ ہی سب کا مالک اور سب پر غالب ہے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو بھی نفع نقصان نہیں پہنچ سکتا اور

خصوصیت سے پیشانی کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ جس کی پیشانی دوسرے کے قبضہ میں چلی جاتی ہے وہ انتہائی بے بس اور عاجز ہوجاتا ہے) بلاشبہ میرا پروردگار سیدھی راہ (حق وانصاف کے طریقہ) پر ہے۔ پھر بھی اگر تم پھرے رہے (دوتا میں سے ایک تا حذف ہورہی ہے۔ یعنی اگر تم نے روگردانی کی) تو جس بات کے لئے میں بھیجا گیا ہوں وہ میں نے تم تک پہنچادی ہے اور میرا پروردگار کسی دوسرے طبقہ کو تمہاری جگہ دنے دے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے (اس کے ساتھ شرک کرکے) یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگران حال (نگہبان) ہے اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا۔ تو ہم نے اپنی رحمت (ہدایت) سے ہود کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی بچایا اور ایسے عذاب سے بچایا جو بہت ہی سخت (شدید) تھا۔ یہ سرگذشت عاد کی تھی (اس قوم کے حالات کی طرف اشارہ ہے یعنی ملک میں چل پھر کر ان آثار پر نظر ڈالو۔ چنانچہ ان احوال کا تذکرہ کیا جارہا ہے) جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی (رسول کو جمع کے صیغہ سے اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے ایک رسول کی نافرمانی کی اس نے سب رسولوں کی نافرمانی کی۔ کیونکہ اصل دعوت توحید تو سب کی ایک ہی تھی) اور (ان میں سے کمتر درجہ کے لوگ) متکبر اور ضدی لوگوں (حق کا مقابلہ کرنے والے سرکش سرداروں) کے کہنے پر چلتے رہے۔ اس دنیا میں بھی ان پر (لوگوں کی) لعنت ملامت پڑی۔ اور قیامت کے دن بھی (سب کے سامنے پھٹکار) پڑے گی۔ خوب سن لو تو قوم عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو کہ (رحمت الٰہی سے) دوری ہوگئی عاد کو جو قوم تھی ہودؑ کی۔ اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے (برادری کے) بھائی بندوں میں سے صالحؑ کو بھیجا۔ صالحؑ نے وعظ کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی (تنہا) بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا (شروع میں بنایا) زمین سے (سب انسانوں کے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر اسی میں تمہیں بسادیا (تمہیں آباد کردیا کہ تم اس میں رہنے لگے) پس چاہیئے کہ اس سے بخشش مانگو (شرک سے) اور (اطاعت کرکے) اس کی طرف رجوع کرو، یقین کرو میرا پروردگار پاس ہے (اپنی مخلوق کے علم کے لحاظ سے) اور قبول فرمانے والا ہے۔ (دعاؤں کو) کہنے لگے اے صالح! (اس معاملہ سے) پہلے تو تم ایسے آدمی تھے کہ ہم سب کی امیدیں قوم سے وابستہ تھیں (کہ تم سب میں ہونہار ہوگے) پھر کیا تم ہمیں ان چیزوں کی پوجا سے روکتے ہو (بت پرستی سے) جن کی پوجا ہمارے باپ دادے کرتے چلے آئے ہیں۔ ہمیں اس بات میں بڑا ہی شبہ ہے جس (توحید) کی طرف تم بلا رہے ہو جس نے ہمیں تردد میں ڈال رکھا ہے (دل میں اترتی نہیں ہے) صالحؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (بیان) پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت (نبوت) مجھے مرحمت فرمائی ہو۔ تو پھر کون ہے جو اللہ کے (عذاب کے) مقابلہ میں میری مدد کرے اگر میں اس کے حکم کی سرتابی کروں؟ پس تم مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے ہو (مجھے اس بات پر آمادہ کرکے) مگر میرا سراسر نقصان کر رہے ہو (گمراہ کرکے) اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ تمہارے لئے ایک نشانی ہے (آیۃ حال ہے جس میں ھذہ اسم اشارہ ہے عمل کررہا ہے) پس اسے چھوڑ و اللہ کی زمین میں چرتی پھرے۔ اسے کسی طرح کی اذیت مت پہنچانا (کبھی کوچیں کاٹ دو) ورنہ فوراً تمہیں عذاب آپکڑے گا (اگر تم نے اس کی ٹانگیں چھانگیں) لیکن لوگوں نے اسے مار ڈالا (قدار نامی ایک شخص نے سب لوگوں کے کہنے سے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں) تب صالحؑ بولے کہ تم اپنے گھروں میں کھاپی لو (مزے اڑالو) تین دن (پھر تم پر تباہی آنے والی ہے) اس وعدہ میں ذرا جھوٹ نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا حکم (ان کی تباہی کے بارے میں) آپہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جوان کے ساتھ ایمان لاچکے تھے (چار ہزار آدمی) اپنی رحمت سے بچالیا اور اس دن کی بڑی رسوائی سے نجات دے دی۔ یومئذ میم کے کسرہ کی صورت میں معرب اور فتح میم کی صورت میں مبنی ہوگا۔ مبنی کی طرف مضاف ہونے کی وجہ اور یہی اکثری حالت ہے) بلاشبہ پروردگار ہی قوت اور

غلبہ والا (غالب) ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ایک زور کی کڑک نے انہیں آلیا جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے (گھٹنوں کے بل مردہ پڑے تھے) گویا (ان مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ہے کانھم تھا) ان (گھروں) میں کبھی بسے (آباد ہوئے) ہی نہ تھے۔ خوب سن رکھو کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی۔ ثمود کو رحمت سے دوری ہوگئی (لفظ ثمود منصرف اور غیر منصرف پڑھا گیا ہے۔ قبیلہ کے معنی میں لے کر)۔

تحقیق وترکیب:............ **وارسلنا** اشارہ کردیا کہ مفرد پر عطف نہیں ہے بلکہ جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔ **ھود ا** یہ سام کی اولاد میں سے ہے۔ حضرت نوحؑ کے آٹھ سو سال بعد ہوئے۔ عاد قبیلہ کا نام ہے۔ یہ بھی اولاد نوحؑ سے ہے۔ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح سلسلہ نسب ہے۔ اسی طرح ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد ہے۔ حضرت ہود کی عمر چار سو سال ہوئی یا چار سو ساٹھ سال۔

لا اسئلکم اس سے مقصود خودستائی نہیں بلکہ مخاطبین کو قبول ہدایت کے لئے آمادہ کرنا ہے۔

ثم لا تنصرون اس قدر قوت قلبی کا مظاہرہ کرنا معجزہ ہے بغیر تائید غیبی کے پورے مخالف ماحول کا اس آزادی سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

فان تولوا جواب محذوف ہے **وقد ابلغتکم** دال پر جواب ہے۔ **یستخلف** یہ سخت وعید ہے۔ **وعصوا رُسُلَہ** انسان العیون میں ہے کہ قوم جب کسی نبی کی تکذیب کرتی تھی تو نبی بیت اللہ میں آکر مقیم ہوجاتے اور وہیں اپنی عمر پوری کرتے۔ چنانچہ رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیانی حصہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں ہود، شعیب، صالح، اسماعیل علیہم السلام کے مزارات ہیں۔

ثمود قبیلہ کا نام ہے ثمود بن عامر بن ارم بن سام کے نام پر رکھا گیا اور صالح بن مجید بن جادر بن ثمود ہیں اور بعض نے صالح بن عبید بن آسف بن ماسخ بن عبید بن خاور بن ثمود کہا ہے **من الارض** بعض نے **من** کو **فی** کے معنی میں لیا ہے ای **فی الارض**۔

بخلق ابیکم مادۂ منویہ اور نطفہ بھی زمین ہی کی پیداوار سے بنتا ہے۔ **مریب** راب لازم سے ہے بمعنی صار یا اراب متعدی سے اسم فاعل ہے۔ شک کی طرف سے اسناد مجازی ہے۔ **ان کنت علی بینۃ** حرف شک ارخاء عنان کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ **ناقۃ اللّٰہ** ایک متعین پتھر سے اونٹنی برآمد کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ سو وہ پورا کردیا گیا اور بیت اللہ کی طرف اضافت تشریفا ہے۔

تاکل ای تشرب من ماء اللّٰہ . سرابیل تقیکم الحرّ کی طرح ایک پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ **بسوء** اس کو عام ہی رکھنا چاہیئے کونچیں کاٹنا بھی اس میں داخل ہے۔

ثلثۃ ایام تین روز اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے ہلاک ہونے پر غمزدہ رہا۔ اس لئے تین روز کی مہلت دی گئی۔ پہلے روز زرد رو ہوکر اٹھے اور دوسرے روز چہرے سرخ ہوگئے تھے اور تیسرے روز روسیاہ ہوکر ہلاک ہوگئے۔

ربط آیات:............ نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود وصالح علیہما السلام کی دعوت وتبلیغ کی مساعی کو ذکر کیا جارہا ہے۔

﴿تشریح﴾:............ حضرت ہودؑ کے وعظ کا حاصل بھی یہی ہے کہ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے عقائد واعمال حقیقت کے خلاف محض افتراء ہیں۔ میں کسی معاوضہ کا طلب گار وامیدوار نہیں ہوں۔ بلکہ یہ محض اداء فرض کا تقاضہ ہے جو مجھے دعوت حق پر مجبور کررہا ہے۔

حضرت ہودؑ کی دعوت کا جواب:..........مگر قوم نے ان نصائح پر کان دھرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ تمہارے پاس کوئی ایسی بات نہیں جو ہمارے نزدیک دلیل ہو۔ اس لئے ہم تو اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ ہماری رائے تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار تم پر پڑی ہے۔ جن کی شان میں تم نے گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں۔ اسی لئے ایسے خیالات آنے لگے اور ہذیان بکنے لگے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا جواب الجواب:..........فرمایا کہ تم کہتے ہو تمہارے معبودوں کی مار مجھ پر پڑی ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے معبودوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اب تم اور تمہارے معبود جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہو کر دیکھو۔ تمہارا بھروسہ ان معبودوں پر ہے۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ میرا کام تبلیغ حق تھا۔ سو وہ میں نے کر دیا۔ اب اگر سچائی کی طرف سے تم نے رخ پھیر ہی لیا ہے تو جان لو کہ قانون الٰہی کے مطابق تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو مل جائے گی۔ اور تم ہلاکت سے دوچار ہو گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ مؤمنوں نے نجات پائی اور سرکش ہلاک ہو گئے۔

مشرکین توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے مگر توحید الوہیت سے نا آشنا تھے:..........آیت ربی وربکم کا سارا زور اس بات پر ہے کہ ان تمام مشرک قوموں کو اس بات سے تو انکار نہیں تھا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے اور اصلی طاقت اسی کی طاقت ہے۔ یعنی وہ توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے۔ لیکن ساری گمراہی یہ تھی کہ توحید الوہیت میں کھو گئے تھے۔ یعنی سمجھتے تھے کہ اس پروردگار ہستی کے ماتحت دوسری ہستیاں بھی ہیں۔ جنہیں تصرف کا اختیار مل گیا ہے اور اسی لئے ہمیں ان کی پوجا کرنی چاہئے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ میرا بھروسہ تو اس پر ہے جسے میں بھی رب یقین کرتا ہوں اور تم بھی رب مانتے ہو۔

قوم کا ردِ عمل:..........آیت وتلک عاد الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد پر ظالم و سرکش بادشاہ حکمران تھے اور فراعنۂ مصر کی طرح اپنے آپ کو پجواتے تھے۔ عوام خدا کے رسولوں کی تو نافرمانی کرتے تھے اور ظالم و سرکش حکمرانوں کا کہا مانتے تھے۔ یعنی جو حق وعدالت کی طرف بلاتے تھے۔ ان سے تو منکر ہوئے اور جو ظلم و سرکشی کرتے تھے ان کے پیچھے چلتے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت صالحؑ کا وعظ:..........قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کے وعظ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے تمہیں زمین کی مٹی کے خمیر سے پیدا کیا اور تم سے زمین کو آباد کر دیا۔ پھر پروردگار عالم کے سوا کوئی پرستش کے لائق ہو سکتا ہے؟ سرکشی سے باز آؤ اور اس کی طرف رجوع ہو جاؤ۔

قوم کا جواب:..........قوم بولی کہ ہمیں تو تمہاری ذات سے بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ قوم کی رہنمائی کرو گے۔ لیکن ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ یہ دیکھ کر کہ ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہو اور ان سے ہمیں برگشتہ کرنا چاہتے ہو؟

عوام اتباع حق کو قابل پیشوائی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی رائے کے موافق پیروی کرانا چاہتے ہیں:......ہمیشہ سے یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ جب کبھی کوئی غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں اور اس

سے بڑی بڑی امیدیں قائم کر لیتے ہیں کہ یہ باپ دادوں کا نام روشن کرے گا۔ لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے یا ایسا کام کر لیتا ہے جوان کی عام روش اور طور طریق کے خلاف ہوتا ہے تو لوگ گردن موڑ لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو بڑا نکما نکلا، ساری امیدوں ہی پر اوس پڑ گئی۔ گویا بزرگی اور پیشوائی کا طریقہ یہ نہیں کہ جو بات حق معلوم ہو اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے۔ بلکہ جسے لوگ حق کہتے یا سمجھتے ہوں اس کی پیروی کی جائے اور اسی کی طرف لوگوں کو بھی دعوت دی جائے۔ حضرت صالحؑ نے کہا: اگر ایک شخص پر اللہ نے علم وبصیرت کی راہ کھول دی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو کہ سچائی وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے۔ تو کیا محض لوگوں کی پاس خاطر سے اس کا اظہار نہ کرے۔ اچھا بتلاؤ اگر وہ حکم حق سے سرتابی کرے تو خدا کے مؤاخذہ سے اسے کون بچالے گا۔ اگر میں محض اس خیال سے کہ تمہاری امیدوں کو ٹھیس نہ لگے۔ سچائی کا اعلان نہ کروں تو اس کا مطلب یہی ہوگا۔ کہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال دوں۔ بہر حال قوم نے سرکشی کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مؤمنوں نے نجات پائی۔ سرکش ہلاک ہوئے۔ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی سرگذشتوں میں اختصار رہا۔ کیونکہ ان دونوں کا ظہور عرب ہی میں ہوا تھا اور اہل عرب ان سے نا آشنا نہ تھے۔

لطائف آیات:.......... آیت **ویقوم استغفروا الخ** سے معلوم ہوا کہ طاعت کو دنیاوی راحت وآرام اور خوش عیشی میں بھی دخل ہے۔ آیت **فکیدونی جمیعا الخ** سے معلوم ہوا کہ قوی توکل کی یہی شان ہوتی ہے کہ انسان بڑے سے بڑے گردن کشوں کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ آیت **وعصو رسلہ الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقبولین کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے سب مقبولین کا انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ سب کا مقصود ایک ہی ہوتا ہے۔ آیت **الا بعد اللعاد الخ** سے معلوم ہوا کہ مخالفین حق کی ہلاکت کی دعا کرنا کمال کے خلاف نہیں ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى اَىْ بِاِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ بَعْدَهٗ **قَالُوْا سَلٰمًا** مَصْدَرٌ **قَالَ سَلٰمٌ** عَلَيْكُمْ **فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ** ﴿۶۹﴾ مَشْوِيٍّ **فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ** بِمَعْنٰى اَنْكَرَهُمْ **وَاَوْجَسَ** اَضْمَرَ فِىْ نَفْسِهٖ **مِنْهُمْ خِيْفَةً** خَوْفًا **قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ** ﴿۷۰﴾ لِنُهْلِكَهُمْ **وَامْرَاَتُهٗ** اَىْ اِبْرَاهِيْمَ سَارَةُ **قَآئِمَةٌ** تَخْدِمُهُمْ **فَضَحِكَتْ** اِسْتِبْشَارًا بِهَلَاكِهِمْ **فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ** بَعْدَ **اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ** ﴿۷۱﴾ وَلَدَهٗ تَعِيْشُ اِلٰى اَنْ تَرَاهُ **قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى** كَلِمَةٌ تُقَالُ عِنْدَ اَمْرٍ عَظِيْمٍ وَالْاَلِفُ مُبْدَلَةٌ مِنْ يَاءِ الْاِضَافَةِ **ءَ اَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ** لِىْ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ سَنَةً **وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا** لَهٗ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَةً وَنَصْبُهٗ عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِيْهِ مَا فِىْ ذَا مِنَ الْاِشَارَةِ **اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ** ﴿۷۲﴾ اَنْ يُّوْلَدَ وَلَدٌ لِهَرِمَيْنِ **قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ** قُدْرَتِهٖ **رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْبَيْتِ** بَيْتِ اِبْرَاهِيْمَ **اِنَّهٗ حَمِيْدٌ** مَحْمُوْدٌ **مَّجِيْدٌ** ﴿۷۳﴾ كَرِيْمٌ **فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ** الْخَوْفُ **وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى** بِالْوَلَدِ اَخَذَ **يُجَادِلُنَا** يُجَادِلُ رُسُلَنَا **فِىْ** شَانِ **قَوْمِ لُوْطٍ** ﴿۷۴﴾ **اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ** كَثِيْرُ الْاِنَاةِ **اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ** ﴿۷۵﴾ رَجَّاعٌ فَقَالَ لَهُمْ اَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا ثَلَاثُمِائَةِ مُؤْمِنٍ قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا

مِائَتَا مُؤْمِنٍ قَالُوا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا اَرْبَعُوْنَ مُؤْمِنًا قَالُوْا لَا قَالَ اَفَتُهْلِكُوْنَ قَرْيَةً فِيْهَا اَرْبَعَةَ عَشَرَ مُؤْمِنًا قَالُوْا لَا قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ فِيْهَا مُؤْمِنٌ وَاحِدٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا الخ فَلَمَّا اَطَالَ مُجَادَلَتَهُمْ قَالُوْا **يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** الْجِدَالِ **اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ** بِهَلَاكِهِمْ **وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ** حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ **وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** صَدْرًا لِاَنَّهُمْ حِسَانُ الْوُجُوْهِ فِيْ صُوْرَةِ اَضْيَافٍ فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمَهٗ **وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ﴿۷۷﴾** شَدِيْدٌ **وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ** لَمَّا عَلِمُوْا بِهِمْ **يُهْرَعُوْنَ** يُسْرِعُوْنَ **اِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ** قَبْلَ مَجِيْئِهِمْ **كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ** هِيَ اِتْيَانُ الرِّجَالِ فِي الْاَدْبَارِ **قَالَ** لُوْطٌ **يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْ** فَتَزَوَّجُوْهُنَّ **هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ** تُفْضِحُوْنِيْ **فِيْ ضَيْفِيْ** اَضْيَافِيْ **اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ﴿۷۸﴾** يَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ **قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ** حَاجَةٍ **وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ﴿۷۹﴾** مِنْ اِتْيَانِ الرِّجَالِ **قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً** طَاقَةً **اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ﴿۸۰﴾** عَشِيْرَةٍ تَنْصُرُنِيْ لَبَطَشْتُ بِكُمْ فَلَمَّا رَاَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ ذٰلِكَ **قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ** بِسُوْءٍ **فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ** طَائِفَةٍ **مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ** لِئَلَّا يَرٰى عَظِيْمَ مَا يَنْزِلُ بِهِمْ **اِلَّا امْرَاَتَكَ** بِالرَّفْعِ بَدَلٌ مِنْ اَحَدٌ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصَبِ اِسْتِثْنَاءٌ مِنَ الْاَهْلِ اَيْ فَلَا تَسْرِ بِهَا **اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ** فَقِيْلَ اِنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ بِهَا وَقِيْلَ خَرَجَتْ وَالْتَفَتَتْ فَقَالَتْ وَاقَوْمَاهُ فَجَاءَهَا حَجَرٌ فَقَتَلَهَا وَسَاَلَهُمْ عَنْ وَقْتِ هَلَاكِهِمْ فَقَالُوْا **اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ** فَقَالَ اُرِيْدُ اَعْجَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالُوْا **اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا** بِاِهْلَاكِهِمْ **جَعَلْنَا عَالِيَهَا** اَيْ قُرَاهُمْ **سَافِلَهَا** بِاَنْ رَفَعَهَا جِبْرَءِيْلُ اِلَى السَّمَاءِ وَاَسْقَطَهَا مَقْلُوْبَةً اِلَى الْاَرْضِ **وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** طِيْنٍ طُبِخَ بِالنَّارِ **مَّنْضُوْدٍ﴿۸۲﴾** مُتَتَابِعٍ **مُّسَوَّمَةً** مُعَلَّمَةً عَلَيْهَا اِسْمُ مَنْ يُرْمٰى بِهَا **عِنْدَ رَبِّكَ** ظَرْفٌ لَهَا **وَمَا هِيَ** الْحِجَارَةُ اَوْ بِلَادُهُمْ **مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **بِبَعِيْدٍ﴿۸۳﴾** ع

ترجمہ: .... اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے (حضرت اسحاقؑ کی اور ان کے بعد حضرت یعقوبؑ کی) انہوں نے سلام کیا (یہ مصدر ہے) ابراہیمؑ نے بھی سلام کا جواب دیا۔ پھر ابراہیمؑ فوراً ایک بھنا ہوا (تلا ہوا) بچھڑا لے کر آئے۔ پھر جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھتے تو انہیں توحش (اچنبھا) ہوا اور جی میں ڈرے (دل میں خطرہ محسوس کیا) فرشتے بولے۔ ڈرو مت۔ ہم تو قوم لوط کی طرف (انہیں ہلاک کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیمؑ کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی تھیں (ان کی مدارات کر رہی تھیں) وہ ہنس پڑیں (قوم لوط کے ہلاک ہونے کی خوشخبری سن کر)

پس ہم نے انہیں اسحاقؑ کی خوشخبری سنائی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی (جو اسحاقؑ کے فرزند ہوں گے۔ گویا اسحاقؑ اتنے دنوں زندہ بھی رہیں گے کہ اپنے بیٹے یعقوبؑ کو دیکھ سکیں گے) وہ بولیں ہائے خاک پڑے (یہ لفظ کسی بڑے حادثہ پر بولا جاتا ہے۔ اس میں الف یائے اضافت سے بدلا ہوا ہے) اب میں بڑھیا ہو کر بچہ جنوں گی (ننانوے سال کی میری عمر آئی) اور یہ میرے میاں بالکل بڈھے میاں ہیں (جن کی ایک سو بیس سال عمر ہے۔ شیخا حال کی وجہ سے منصوب ہے اور ذا اسم اشارہ اس میں عامل ہے) یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے (کہ ایسے دو بڈھوں کے بھی اولاد ہوگی) فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کاموں (قدرت) پر تعجب کرتی ہو؟ اس خاندان (ابراہیمؑ) پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بے شک اللہ تعریف کے لائق، بڑی ہی شان والے (کریم) ہیں۔ پھر جب ابراہیمؑ کے دل سے اندیشہ (خوف) دور ہو گیا اور ان کو (بچہ کی) خوشی کی خبر ملی تو قوم لوطؑ کے بارے میں ہم سے (ہمارے فرشتوں سے) جھگڑنا شروع کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیمؑ بڑے ہی بردبار (متحمل) بڑے ہی نرم دل، رقیق القلب (رجوع فرمانے والے) تھے (چنانچہ فرشتوں سے کہنے لگے کہ تم ایسی بستی کو برباد کرنے چلے ہو جس میں تین سو مؤمن رہتے ہیں۔ فرشتے بولے: کہ نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ جس بستی میں دو سو مسلمان رہتے ہوں انہیں تباہ نہیں کرو گے؟ کہنے لگے نہیں۔ فرمایا جس میں چالیس مسلمان رہتے ہوں؟ عرض کیا نہیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا کہ جس بستی میں چودہ مسلمان رہتے ہوں؟ بولے کہ نہیں۔ فرمایا اچھا اگر صرف ایک مؤمن رہتا ہو؟ کہا کہ پھر بھی نہیں۔ فرمایا کہ اس میں لوط علیہ السلام تو رہتے ہیں۔ فرشتوں نے عرض کیا۔ **نحن اعلم بمن فیھا الخ** غرضیکہ جب دیر تک اس طرح کی رد وقدح ہوتی رہی تو فرشتے بولے کہ۔ اے ابراہیمؑ! اب اس بات (بحث مباحثہ) کو جانے دو۔ تمہارے پروردگار کا حکم (ان کی ہلاکت کے بارے میں) آچکا ہے اور ان پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور پھر جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان فرشتوں کے آنے سے کچھ رنجیدہ (مغموم) سے ہوئے اور کچھ گھٹے رہے (کیونکہ فرشتے خوبصورت مہمانوں کی شکل میں آئے تھے۔ اس لئے حضرت لوطؑ اپنی قوم کی بدکرداری سے ڈرے) اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری (سخت) ہے اور ان کی قوم کے لوگ دوڑے ہوئے آئے (جب انہیں ان خوبصورت مہمانوں کا آنا معلوم ہوا) اور پہلے سے (ان کی آمد کے) نامعقول کاموں کے عادی تھے ہی (یعنی لواطت کے۔ لوط علیہ السلام بولے کہ) اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (تم ان سے بیاہ شادی کر سکتے ہو) یہ تمہارے لئے اچھی خاصی ہیں اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے ساتھ مجھ کو فضیحت (رسوا) مت کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا مانس نہیں؟ (جو اچھی بات کرائے اور برائی سے روکے) وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں آپ کی ان بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ تو جانتے ہیں جو ہمارا مطلب ہے (یعنی لواطت) فرمانے لگے کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور (بس) چلتا یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا (میرا خاندان یہاں ہوتا جو میری مدد کرتا تو میں تمہاری اچھی طرح خبر لیتا غرضیکہ فرشتوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو) فرشتے بولے اے لوط! ہم تو آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ آپ تک ہرگز ان کی رسائی نہیں ہوگی (کسی بری نیت سے) آپ ایسا کیجئے کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو لے کر نکل چلئے اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے (کہیں اسے وہ ہولناک منظر نظر نہ آجائے) مگر ہاں آپ کی بیوی نہیں جائے گی (یہ رفع کے ساتھ بدل ہے احد سے اور ایک قرأت میں نصب کے ساتھ اھل سے استثناء ہے یعنی بیوی کو لے کر نہ جایئے) اس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو اوروں پر آئے گی (چنانچہ بعض کی رائے ہے کہ وہ بیوی ساتھ نہیں گئی اور بعض کہتے ہیں گئی۔ لیکن مڑ کر جو دیکھا تو بے ساختہ ایک طرف تو منہ سے نکلا "ہائے افسوس قوم" اور دوسری طرف ایک دم اس کے پتھر آ کر لگا۔ جس سے وہیں ڈھیر ہو گئی۔ حضرت لوطؑ نے فرشتوں سے عذاب کا وقت پوچھا تو کہنے لگے) ان لوگوں کے لئے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے

(فرمانے لگے لوط علیہ السلام کہ میں تو اس سے بھی پہلے چاہتا ہوں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ) صبح کے آنے میں تو کچھ دیر ہے۔ سو جب ہمارا حکم (ان کی تباہی کے بارے میں) آپہنچا۔ تو ہم نے اس زمین (بستیوں) کے اوپر کا طبقہ تو نیچے کر دیا (حضرت جبریلؑ اس حصہ کو آسمان تک لے گئے اور پھر وہاں سے اوندھا کر کے پٹک دیا) اور اس سرزمین پر کنکر (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسانا شروع کر دیئے لگاتار (مسلسل) جن پر نشان لگے ہوئے تھے (ان پر ان لوگوں کا نام تھا۔ جن کے مارے گئے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربک ظرف ہے مسومۃ کا) اور یہ (پتھر یا ان کی بستیاں) ان ظالموں (مکہ والوں) سے کچھ دور نہیں ہیں۔

تحقیق وترکیب:......... **رسلنا** ان فرشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تین فرشتے تھے۔ جبریلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ۔ اور بعض کی رائے میں نو فرشتے تھے۔ اور مقاتلؒ کے نزدیک بارہ فرشتے تھے۔ محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ جبریلؑ کے ہمراہ سات فرشتے اور تھے۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ گیارہ فرشتے تھے اور سب خوبصورت غلامانوں کی طرح تھے۔

سلاما. ای سلمنا سلمًا فرشتوں نے جملہ خطابیہ کہا (اور حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں جملہ اسمیہ استعمال کیا سلام. ای سلام علیکم پس "فحیوا باحسن" کی رو سے یہ جواب بڑھ گیا۔ باقی یہ قول حکایت ہوگی۔ حضرت ابراہیمؑ کے "السلام علیکم" کہنے کی اس لئے شیعوں کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ السلام علیکم کی بجائے سلام علیکم کہنا بہتر ہے۔ ویسے بھی الف لام سے جو استغراق حاصل ہو رہا ہے وہ نکرہ کی صورت میں نہیں رہتا اور اسلامی سلام میں ابتدائی سلام "السلام علیکم" میں سلام کو تفاولاً مقدم کیا گیا ہے۔ اگر "وعلیکم السلام" کہا جاتا تو علی سے ضرر کا ایہام ہوتا جو اول ملاقات میں غیر مناسب تھا۔ لیکن جوابی سلام "علیکم السلام" میں علی سے یہ ایہام اس لئے نہیں رہا کہ واو کے ذریعہ سے اس جواب کا عطف پہلے جملہ السلام علیکم پر ہے اور وہاں سلام کا لفظ پہلے آچکا ہے وہ کافی ہے۔ **تخدمهم** اول تو دیہات کی تہذیب سادگی لئے ہوئے ہوتی ہے۔ دوسرے بڑھیاں تھیں۔ تیسرے مہمان کی مدارات میں ایسی معمولی چیزیں نظر انداز کر دی جاتی ہیں۔ بلکہ مکارمِ اخلاق میں شمار ہوتی ہیں۔ چوتھے ان کے فرشتے ظاہر ہونے کے بعد سامنے آئی ہوں گی۔

باسحاق حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ سے تیرہ یا چودہ سال پہلے پیدا ہوئے حضرت ہاجرہ کے بطن سے۔ **یعقوب** یہ عقب سے ماخوذ ہے بعد کے معنی ہیں۔ انگریزی میں یعقوب کو جیکب اور یوسف کو جوزف کہتے ہیں۔ **یجادلنا** یہ جھگڑنا ایسا تھا جیسا کہ ایک فقیر بینوا کریم اور غنی کے آگے جھگڑتا ہے۔ گویا اپنے طبعی تحمل کا اظہار عذاب کو ٹلانے کے اصرار سے کر رہے تھے۔ جس پر **حلیم اواہ منیب** دلالت کر رہا ہے۔

بناتی اگر یہ لڑکیاں حضرت لوطؑ کی حقیقی تھیں تو اس وقت مسلمان اور کافروں میں نکاح کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ ابتداء اسلام میں بھی ایسا رہا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مجازی معنی مراد ہیں۔ یعنی قوم کی بچیاں جو حضرت لوطؑ کی بیٹیاں ہی ہوئیں۔ **لو ان لی بکم قوة** ان دو جملوں میں سے پہلے جملہ کا مطلب تو یہ ہے کہ کاش مجھ میں مدافعت کی قوت ہوتی۔ خواہ اندرونی یا بیرونی۔ اور دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم میں اپنا بچاؤ ہی کر لیتا۔ اگر ان کی مدافعت نہ کر سکتا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ پہلے جملہ میں تو ان کی گستاخی دیکھ کر مدافعت کی تمنا کی۔ بعد میں دوسرے جملہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کو اولیٰ خیال کیا۔

ربط آیات:......... قوم نوحؑ، عاد وثمود کے واقعات کے بعد حضرت ابراہیمؑ ولوطؑ کے واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اور اکثر مقامات میں حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت لوطؑ کے واقعہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی **فما خطبکم** کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ

زیادہ مقصود قوم لوطؑ کا واقعہ بیان کرنا ہے۔ لیکن چونکہ دونوں جگہ فرشتوں کی ایک ہی جماعت مامور ہوئی تھی۔ نیز دونوں بستیاں قریب قریب بھی تھیں۔ پھر لوط علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجہ اور حاران کے بیٹے تھے اور اصل صاحب شریعت نبی حضرت ابراہیمؑ ہی تھے۔ لوط علیہ السلام تو نیابت میں کام کر رہے تھے۔ ان ہی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے ان کے بارے میں فرشتوں سے دیر تک تبادلۂ خیال اور سفارشی مکالمہ کیا۔ اسی طرح ان دونوں قصوں میں سے ایک قصہ دوسرے قصہ کے لئے متمم ہے۔

غرضیکہ ان وجوہ سے ان دونوں قصوں کو یکجائی ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ قہر و مہر کا مدار اصلی طاعت و معصیت پر ہے۔ ایک ہی جماعت تھی جو ابراہیمؑ کو بشارت سنانے آئی۔ لیکن وہی جماعت پاس کی بستی میں قوم لوط کے پاس عذاب بردوش ہو کر پہنچی۔ جس سے معلوم ہوا کہ مقصود اصلی قوم لوط کا واقعہ ہے۔ اسی لئے پہلے قصوں کی طرح اس واقعہ میں بھی لفظ ارسلنا لایا گیا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کی ابتداء عام روش کے خلاف ولقد جاءت کے ساتھ کی گئی ہے اور اس تغیر اسلوب میں اس طرف اشارہ ہے کہ اور واقعات کی طرح اس واقعہ میں عذاب نہیں آیا تھا۔

﴿تشریح﴾: ......**حضرت ابراہیمؑ ولوطؑ کا باہمی تعلق**: .... اس رکوع میں حضرت لوطؑ کی دعوت اور باشندگان سدوم کی تباہی کا حال ہے۔ تورات میں ہے کہ حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجہ اور حاران کے بیٹے تھے۔ جو حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ شہر ادر سے آکر سدوم ایک بستی میں ٹھہر گئے۔ جو دریائے یرون کی ترائی میں واقع تھا۔ چونکہ سدوم کی ہلاکت کی خبر پہلے حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی۔ اس لئے سرگذشت کی ابتداء ان ہی کے ذکر سے ہوئی۔ چنانچہ فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی۔ ایک قوم لوطؑ کی ہلاکت کی۔ دوسرے حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی اور پھر پوتہ یعقوبؑ کی ولادت کی بشارت۔ پس فرشتوں نے گویا بیک وقت دونوں باتوں کی اطلاع کی۔ ایک میں ایمان وعمل کی کامرانیوں کا اعلان تھا اور دوسری میں انکار و بدعملی کی ہلاکتوں کا۔ یعنی جس دن اس بات کی خبر دی گئی۔ کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے والا ہے۔ اسی دن اس کی بھی بشارت دے دی گئی کہ نیک عملی کے نتائج ایک نئی نسل تیار کر رہے ہیں اور وہ عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرنے والی ہے۔

قدرت کا تماشہ: .... پھر اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ سدوم اور عمورہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا اور معلوم ہے کہ حضرت سارہ تمام عمر اولاد کی تمنائیں کرتے کرتے بالآخر مایوس ہو چکی تھیں۔ پس قدرت الٰہی نے بیک وقت دونوں کرشمے دکھلا دیئے۔ جو زمین سب سے زیادہ شاداب ہے۔ وہ بدعملیوں کی پاداش میں ایسی اجڑے گی کہ پھر کبھی سرسبز و شاداب نہ ہو سکے گی۔ اور جو شجر بالکل سوکھ چکا ہے وہ اچانک اس طرح سرسبز ہو جائے گا کہ صدیوں تک اس کی شاخیں بارآور رہیں گی۔

چنانچہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ آتش فشاں مادہ کے پھٹنے سے ایسا بنجر ہوا کہ آج تک بنجر ہے اور بشارت پر پورا سال بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت اسحاقؑ کی پیدائش ہو گئی اور پھر ان کی نسل روز بروز بڑھتی اور پھیلتی گئی حضرت ابراہیمؑ کی ایک بیوی سارہ اور دوسری ہاجرہ تھیں۔ ہاجرہ سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ لیکن سارہ سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہاں تک کہ وہ مایوس ہو گئیں۔ پھر مایوسی کے بعد یہ بشارت ملی اور حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

خوف طبعی نبوت کے منافی نہیں: .... فرشتوں کے انسانی شکل میں آنے سے حضرت ابراہیمؑ نہیں پہچان سکے ہوں گے۔ اسی لئے کھانا پیش کیا۔ کھانا نہ کھانے سے جو انہیں پریشانی ہوئی وہ طبعی تھی۔ کیونکہ مہمان کے کھانا قبول نہ کرنے کا مطلب ان کے دستور کے مطابق شیخی اور عداوت ہوتا تھا۔ ممکن ہے خدام میں سے اس وقت کوئی دوسرا گھر میں موجود نہ ہو۔ اس لئے گھبرائے۔

پس یہ طبعی خوف نبوت کے منافی نہیں ہے۔

شروع میں توجہ نہیں ہوئی مگر بعد میں فراست نبوی سے فرشتوں کو پہچان لیا:......... اوران کو فرشتے مان لینا محض ان کے کہنے کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ فراست نبوت اور قدسی قوت کی وجہ سے تھا۔ اولا توجہ نہیں فرمائی ہوگی۔ لیکن ان کے کہنے سے متوجہ ہوئے پہچان لیا اور محسوسات میں بھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اور فما خطبکم سے پوچھنا نبوی فراست کی وجہ سے تھا وہ یہ سمجھے کہ ضرور انہیں کوئی مہم درپیش ہے اور حضرت سارہ یا تو کھانا وغیرہ کھلا رہی ہوں گی اور یا پہلے پردہ میں ہوں گی۔ پھر جب معلوم ہوگیا کہ فرشتے ہیں۔ ان سے کیا پردہ۔ سامنے آگئیں۔ رہا ان کا ہنسنا تو یہ عورتوں کی فطرت ہوتی ہے۔ کہ بات بے بات پر ہنسی آجاتی ہے۔

قوم کی بہو بیٹیاں نبیؑ کی اولاد ہوتی ہے:......... ھٰؤلاء بناتی سے مجازاً ان کی امت کی عورتیں ہیں۔ بہر حال نبی بمنزلۂ باپ کے ہوتا ہے اور امت بمنزلہ اولاد غرضیکہ یہ فرمانا کہ یہ بہو بیٹیاں جو تمہاری اپنی بیویاں اور عورتیں ہیں۔ ان سے جائز طریقہ پر اپنی ضروریات پوری کرو۔ حقیقی بیٹیاں تو یہاں اس لئے مراد نہیں ہوسکتیں کہ اگر دس پانچ بھی ہوں تو کس کس کا نکاح کردیا جاتا۔ کیونکہ وہ سب اس دیوانگی میں مبتلا تھے۔ درمنثور کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کنکریوں پر کچھ خاص رنگ کے نشانات اور مخصوص ہیئت کے نقوش بنے ہوئے تھے۔ جو عام پتھروں میں نہیں ہوتے۔

انقلاب اور پتھراؤ:......... یہاں دو عذاب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک زمین کا تختہ الٹ دینا۔ دوسرا پتھراؤ کردینا۔ پہلے زمین اوپر لے کر الٹ دی گئی اور جب نیچے کو آنے لگی تو اوپر سے پتھراؤ کردیا گیا۔ لیکن اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ زمین کے ثقل کی وجہ سے اس کی طبعی حرکت ہوگی بہ نسبت ان پتھروں کے کیونکہ ہلکے ہونے کی وجہ سے ان کی حرکت ہلکی ہوگی۔ پس جب زمین اور پتھر دونوں ساتھ حرکت کریں گے تو زمین بوجھل ہونے کی وجہ سے آگے بڑھ جائے گی اور پتھر ہلکا ہونے کی وجہ سے پیچھے رہ جائیں گے اور زمین آگے ہو اور پتھر پیچھے تب بھی تو بدرجۂ اولیٰ پتھراؤ کی کوئی صورت نہیں؟

اشکال کے تین حل:......... جواب یہ ہے کہ اگر زمین کی طبیعت کا یہ تقاضا اس وقت بھی باقی رہا ہو تو اتنی بات مان لینی پڑے گی کہ الٹنے کے وقت پتھراؤ کرنے کے لئے زمین کو کچھ دیر کے لئے معلق روک لیا ہوگا۔ ورنہ پتھراؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بطور خرق عادت اس وقت زمین کا تقاضہ طبعی باقی نہ مانا جائے۔ تو پھر پہلی توجیہ کی ضرورت نہیں رہے گی اور پتھراؤ پر کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

تیسری توجیہ بعض نے یہ کی ہے کہ ان میں سے جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان کو تو الٹ دیا گیا اور جو بستی سے باہر گئے ہوئے تھے ان پر پتھراؤ کردیا گیا۔ گویا ان دونوں عذابوں کا محل ایک نہیں رہا کہ اشکال ہو بلکہ دو محل ہوگئے۔

طبعی تقاضے کمال کے منافی نہیں ہوتے......... اور حضرت لوطؑ کا او اوی الی رکن شدید فرمانا اور اسباب ظاہری کی طرف توجہ کرنا طبعی تقاضہ کا اثر تھا۔ چنانچہ حدیث ترمذی میں ہے کہ پھر ان کے بعد تمام انبیاء جتھے والے ہوئے تاکہ اس طرح کی بے کسی کی پریشانی نہ ہونے پائے۔ نیز ایک آیت میں فاخذتھم الصیحۃ آیا ہے۔ ممکن ہے پہلے صیحہ کا عذاب آیا ہو۔ اور پھر زمین الٹنے اور پتھراؤ کرنے کا آیا ہو۔ جیسا کہ وہاں فعلنا کی فا سے معلوم ہوتا ہے۔

لطائف آیات: .... آیت فما لبث الخ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک ضیافت ودعوت کا یہ ادب کہ پہلے قیام میں اکرام کرے۔ پھر طعام میں اکرام کرے۔ دوسرے یہ کہ بعض دفعہ کامل کو بھی کشف نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ دونوں نے فرشتوں کو اول وہلہ میں نہیں پہچانا۔

آیت أ ألد وانا عجوز الخ سے معلوم ہوا کہ مسب الاسباب پر یقین رکھنے کے باوجود اسباب پر تعجب ہو سکتا ہے۔ آیت اتعجبین الخ سے معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء کے علاوہ سے بھی کلام کر سکتے ہیں۔

آیت فلما ذهب الخ سے معلوم ہوا کہ یہ مقام ناز کا اثر تھا۔ جو حضرت ابراہیمؑ نے ایسی باتیں کیں جن کو مجادلہ فرمایا گیا ہے۔ آیت هٰؤلاء بناتی الخ سے معلوم ہوا کہ رسمی اور فرضی چیزوں پر شرعی مصلحتیں ہوتی ہیں اور شریعت کے مقابلہ میں عرف کا اعتبار نہیں ہے۔ بشرطیکہ بناتی کے معنی حقیقی لئے جائیں۔

وَاَرْسَلْنَا اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۖ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ** نِعْمَةٍ تُغْنِیْكُمْ عَنِ التَّطْفِیْفِ **وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ** اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا **عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾** بِكُمْ یُهْلِكُكُمْ وَوَصْفُ الْیَوْمِ بِهٖ مَجَازٌ لِوُقُوْعِهٖ فِیْهِ **وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ** اَتِمُّوْهُمَا **بِالْقِسْطِ** بِالْعَدْلِ **وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ** لَاتَنْقُصُوْهُمْ مِنْ حَقِّهِمْ شَیْئًا **وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾** بِالْقَتْلِ وَغَیْرِهٖ مِنْ عَثِیَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ اَفْسَدَ وَمُفْسِدِیْنَ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِمَعْنٰی عَامِلِهَا تَعْثَوْا **بَقِیَّتُ اللّٰهِ** رِزْقُهُ الْبَاقِیْ لَكُمْ بَعْدَ اِیْفَاءِ الْكَیْلِ وَالْوَزْنِ **خَیْرٌ لَّكُمْ** مِنَ الْبَخْسِ **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۸۶﴾** رَقِیْبٍ اُجَازِیْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ اِنَّمَا بُعِثْتُ نَذِیْرًا **قَالُوْا** لَهٗ اِسْتِهْزَاءً **یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ** بِتَكْلِیْفِنَا **اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ** مِنَ الْاَصْنَامِ **اَوْ** نَتْرُكَ **اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا** اَلْمَعْنٰی هٰذَا اَمْرٌ بَاطِلٌ لَا یَدْعُوْ اِلَیْهِ دَاعِیْ خَیْرٍ **اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾** قَالُوْا ذٰلِكَ اِسْتِهْزَاءً **قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ** حَلَالًا اَفَاَشُوْبُهٗ بِالْحَرَامِ مِنَ الْبَخْسِ وَالتَّطْفِیْفِ **وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ** وَاَذْهَبَ **اِلٰی مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ** فَاَرْتَكِبَهٗ **اِنْ** مَا **اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ** لَكُمْ بِالْعَدْلِ **مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ** قُدْرَتِیْ عَلٰی ذٰلِكَ وَغَیْرِهٖ مِنَ الطَّاعَاتِ **اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ﴿۸۸﴾** اَرْجِعُ **وَیٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ** یَكْسِبَنَّكُمْ **شِقَاقِیْۤ** خِلَافِیْ فَاعِلُ یَجْرِمُ وَالضَّمِیْرُ مَفْعُوْلٌ اَوَّلٌ وَالثَّانِیْ **اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ** مِنَ الْعَذَابِ **وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ** اَیْ مَنَازِلُهُمْ اَوْ زَمَنُ هَلَاكِهِمْ **مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ﴿۸۹﴾** فَاعْتَبِرُوْا **وَاسْتَغْفِرُوْا**

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۚ اِنَّ رَبِّىْ رَحِيْمٌ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ مُحِبٌّ لَهُمْ قَالُوْا اِيْذَانًا بِقِلَّةِ الْمُبَالَاةِ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ نَفْهَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ ذَلِيْلًا وَلَوْ لَا رَهْطُكَ عَشِيْرَتُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ بِالْحِجَارَةِ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ كَرِيْمٍ عَنِ الرَّجْمِ وَاِنَّمَا رَهْطُكَ هُمُ الْاَعِزَّةُ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِىْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَتَتْرُكُوْنَ قَتْلِىْ لِاَجْلِهِمْ وَلَا تَحْفَظُوْنِىْ لِلّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ اَىِ اللّٰهَ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۚ مَنْبُوْذًا خَلْفَ ظُهُوْرِكُمْ لَا تُرَاقِبُوْنَهٗ اِنَّ رَبِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ عِلْمًا فَيُجَازِيْكُمْ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حَالَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ عَلٰى حَالَتِىْ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ مَوْصُوْلَةٌ مَفْعُوْلُ الْعِلْمِ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۚ وَارْتَقِبُوْٓا اِنْتَظِرُوْا عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ مُنْتَظِرٌ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا بِاِهْلَاكِهِمْ نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ صَاحَ بِهِمْ جِبْرِيْلُ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ بَارِكِيْنَ عَلَى الرُّكَبِ مَيِّتِيْنَ كَاَنْ مُخَفَّفَةٌ اَىْ كَاَنَّهُمْ لَّمْ يَغْنَوْا يُقِيْمُوْا فِيْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع

ترجمہ:............اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی (توحید) بجالاؤ۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم فراغت کی حالت میں ہو (نعمت میں خوشحال ہو۔ تمہیں اس کٹوتی کی کیا ضرورت) مجھے اندیشہ ہے کہ (اگر تم ایمان نہ لائے تو) کہیں تم پر ایسے دن کا عذاب نہ آجائے جو سب پر چھا جائے (اور تمہیں سب کو برباد کر کے رکھ دے اور دن کی صفت لانا مجازا ہے کیونکہ عذاب اس دن واقع ہوگا) اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کٹوتی مت کرو (ان کے سامان میں حقوق سے کم مت کرو) اور ملک میں شر وفساد پھیلاتے مت پھرو (مار دھاڑ کر کے لا تعثو. عثی سے ہے کسرثا کے ساتھ بمعنی افسد اور مفسدین حال موکد واقع ہو رہا ہے اپنے عامل تعثوا کے معنی کے لئے) اللہ کا دیا جو کچھ بچ رہے (ناپ تول کرنے کے بعد تمہارے پاس جو کچھ بچ جائے) اس میں تمہارے لئے بہتری ہے (بہ نسبت کٹوتی کرنے کے) اگر تم میرا کہا مانو اور میں کچھ تم پر پہرہ دار نہیں ہوں (نگران کہ تمہارے کئے کا بدلہ دیتا ہوں۔ بلکہ میں خبردار کردینے والا ہوں) کہنے لگے (تمسخر کرتے ہوئے) اے شعیبؑ! کیا تمہاری یہ نمازیں اس کی تعلیم دیتی ہیں کہ (تم ہمیں اس کا پابند کرو کہ) ہم ان معبودوں کی پرستش نہ کریں جن (بتوں) کی پوجا ہمارے باپ دادے کرتے چلے آئے ہیں؟ یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں جو چاہیں تصرف نہ کریں؟ (مطلب یہ ہے کہ تمہاری یہ باتیں غلط ہیں کسی داعی خیر نے یہ باتیں نہیں کہیں) بس تم ہی ایک نرم دل اور راست باز آدمی رہ گئے ہو (یہ بات لوگوں نے تمسخر کے طور پر کہی تھی) شعیبؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اللہ اپنے فضل وکرم سے مجھے اچھی روزی عطا فرما رہا ہو (حلال رزق تو کیا پھر بھی میں اسے کٹوتی اور کمی کے ذریعے حرام کر کے کھاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے میں تمہیں روکوں۔ اس سے تمہیں تو روکوں مگر خود اس کے خلاف چلنے لگوں (اور اسے میں کرنے لگوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں (انصاف کے ساتھ) میرا کام بنتا ہے (اس کام میں اور دوسری باتوں میں اگر مجھے قدرت حاصل ہو رہی ہے) تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف

رجوع ہوں اور اے میری قوم کے لوگوں! کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا (اس پر آمادہ نہ ہو جانا) میری ضد (خلاف) میں آکر (لفظ شقاق فاعل ہے۔ یجرم کا اور مفعول اول اس کی ضمیر ہے اور مفعول ثانی آگے ہے) کہیں تمہیں بھی ویسی ہی مصیبتیں پیش آجائیں جیسا کہ قوم نوحؑ کو یا قوم ہودؑ کو یا قوم صالحؑ کو (عذاب کی صورت میں) پیش آچکی ہیں اور قوم لوطؑ (یعنی ان کے مکانات یا ان کا زمانہ) تو کچھ تم سے دور نہیں ہے (لہٰذا تمہیں ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے) اور دیکھو اللہ سے معافی مانگو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ بلاشبہ میرا پروردگار (مسلمانوں پر) بڑا ہی رحمت والا بڑا ہی محبت والا (دوست) ہے۔ کہنے لگے اے شعیبؑ! بہت سی باتیں تمہاری کہی ہوئی تو ہمارے سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک معمولی (حقیر) آدمی ہو۔ اگر تمہاری برادری (خاندان) کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں (پتھروں سے) سنگسار کر چکے ہوتے اور ہمارے سامنے تمہاری کوئی ہستی نہیں ہے (سنگسار سے باز رکھنے والی البتہ تمہارا خاندان آبرومند ہے) شعیبؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ (کہ برادری کی وجہ سے تو میرے قتل سے رکتے ہو۔ مگر اللہ کی وجہ سے میری حفاظت نہیں کر سکتے؟) اور اللہ تمہارے لئے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ (پس پشت ڈال دیا کہ اس کا ذرا بھی لحاظ نہیں؟) یقیناً میرا پروردگار تمہارے کرتوتوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے (یعنی سب اس کے علم میں ہے لہٰذا وہی تمہیں بدلہ دے گا) اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ (حالت پر) کام کئے جاؤ۔ میں بھی (اپنی حالت پر) سرگرم عمل ہوں۔ بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کس پر (یہ موصولہ ہے علم کا صلہ ہے) رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے انتظار کرو (اپنے انجام کا) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر جب ہمارا حکم (ان کے ہلاک کرنے کا) آپہنچا۔ تو ہم نے شعیبؑ کو اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز (جبریلؑ کی چیخ) نے آپکڑا۔ پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے (گھٹنوں کے بل مردہ) گویا (ان مخففہ ہے یعنی کانھم تھا) ان گھروں میں کبھی بسے (رہے سہے) ہی نہیں تھے۔ خوب سن لو: کہ قبیلہ مدین کے لئے بھی محرومی ہوئی جس طرح قوم ثمود کے لئے محرومی ہوئی تھی۔

تحقیق وترکیب:............ **بقیۃ اللہ** اس کے معنی طاعت اللہ کے بھی لئے گئے ہیں۔ استھزاء یعنی **ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** کی طرح انہوں نے مجازی معنی مراد نہیں لئے تھے۔ بلکہ بطور تمسخر کہا تھا **انک لانت الحلیم الرشید** ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ لغت مدین میں اس کے معنی احمق سفیہ کے تھے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عرب کی عادت کے مطابق اپنی ضد کے معنی میں استعمال ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے گمان میں ایسے ہو اور بعض نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آپ جب ایسے ہیں۔ تو آپ پر قوم کی نالائقیوں کا اثر نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر آپ اتنے متاثر کیوں ہو رہے ہیں اور بعض نے اس کو بھی تمسخر پر محمول کیا ہے۔

ربط آیات:............ ان ہی واقعات کی ایک کڑی قوم شعیبؑ کا واقعہ بھی ہے۔ جو بیان ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **حضرت شعیبؑ کی دعوت وتبلیغ:**............ توراۃ میں ہے کہ **قطورا** کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کے چھ لڑکے ہوئے جن میں سے ایک لڑکے کا نام مدیان تھا۔ جو عربی میں آکر مدین ہو گیا۔ اس کی اولاد بحر قلزم کے کنارے آباد ہوگئی تھی۔ جہاں حضرت شعیبؑ کا ظہور ہوا۔ ان کے وعظ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، ناپ تول میں خیانت نہ کرو۔ نہ تو حق سے زیادہ لو، نہ حق سے کم دو، ملک میں شر وفساد نہ پھیلاتے پھرو۔ لوٹ مار نہ کرو۔ کیونکہ تم خوشحال ہو پھر تمہیں ان غلط طریقوں کی کیا ضرورت، میں ڈرتا ہوں کہیں تم مبتلائے عذاب نہ ہو جاؤ۔

قوم کا جواب:............مگر لوگوں نے جواب دیا کہ تم اپنے خدا کی جتنی عبادت کرنی چاہو شوق سے کرو۔لیکن کیا تمہاری نمازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ دوسروں کو ان کی راہ سے ہٹاؤ۔جس راہ پر کہ ان کے باپ دادا چلتے آئے ہیں؟ ہم اپنے مال کے مالک مختار ہیں جس طرح چاہیں خرچ کریں۔تم اپنے ناپ تول کی باتیں رہنے دو۔معلوم ہوتا ہے ساری دنیا میں صرف تم ہی ایک نیک اور خوش معاملہ آدمی رہ گئے ہو۔

حضرت شعیبؑ کا جواب الجواب:............حضرت شعیبؑ بولے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر علم وبصیرت کی راہ کھول دی ہو اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہلاکت کی طرف جارہے ہو تو بتلاؤ کیا میرا فرض نہیں ہے کہ تمہیں سلامتی کی راہ دکھلاؤں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے دولت رزق عطا فرمائی ہے۔پھر کیا یہ کفران نعمت نہ ہوگا کہ اس کے اداء فرض میں کوتاہی کروں؟ اور پھر تم میری ضد میں آکر حق سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ میں تمہیں کسی بات سے روک کر خود تو اس کے خلاف نہیں کرتا۔ بلکہ اسی بات کو کہتا ہوں جس پر خود بھی عامل ہوں۔غرضیکہ تم میری تبلیغ سے بگڑتے کیوں ہو؟ میں کچھ تم پر چوکیدار بن کر تو آیا نہیں کہ تمہیں مجبور کرتا رہوں۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں۔ جہاں تک میرے بس میں ہے میرے کام تو صرف اللہ ہی کی مدد سے بنتے ہیں اور میرا بھروسہ اسی کی ذات پر ہے۔

مقام مدین:............بحر قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ آباد تھا۔چونکہ یہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطۂ اتصال تھی۔اس لئے اشیاء تجارت کے مبادلہ کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور لوگ خوشحال ہوگئے تھے۔اسی لئے حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ تمہیں خوشحال پاتا ہوں۔لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہوگئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے۔حضرت شعیبؑ نے خصوصیت کے ساتھ اسی لئے اس برائی سے روکا۔

مخالفت انبیاءؑ کی اصل بناء:............اس مکالمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کو اعتراض اس پر تھا کہ تم دوسروں کو دعوت کیوں دیتے ہو؟ جو کچھ تمہیں کرنا ہے خود کئے جاؤ جس پر حضرت شعیبؑ نے ان کے اس مطالبہ سے انکار کردیا۔معلوم ہوا کہ اتباع حق کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ آدمی خود متبع ہوجائے۔ بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے، نیز حق کی پیروی کرنے میں سب سے بڑی روک ذاتی خصومت اور شخصی عداوت ہوتی ہے۔ اس مکالمہ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ قبیلہ کے سرداروں کو حضرت شعیبؑ سے ذاتی خصومت پیدا ہوگئی تھی۔اس لئے حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ میری ضد میں آکر پیام حق کی مخالفت مت کرو۔ورنہ خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہوجاؤ گے۔

نامنصفانہ راہ کا آخری جواب:............انسان انسانوں کا پاس کرتا ہے لیکن سچائی کا پاس نہیں کرتا وہ انسانوں کے خیال سے ایک بات چھوڑ دیتا ہے۔لیکن خدا کے خیال سے نہیں چھوڑتا چنانچہ منکروں کا یہ کہنا کہ ہم تجھے سنگسار کردیتے، لیکن تیرے کنبہ کے خیال سے ایسا نہیں کرتے۔حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ افسوس تم پر تمہیں میرے کنبہ کا تو پاس ہوا مگر خدا کا نہ ہوا۔خدا کی بات تو تمہارے خیال میں کوئی بات ہی نہیں حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ اچھا آخری بات یہ ہے کہ تم اپنی راہ چلو۔میں اپنی راہ چل رہا ہوں اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ چنانچہ نتیجہ سامنے آگیا کہ اہل ایمان محفوظ رہے اور سرکش ہلاک ہوگئے۔نویں پارے کے شروع میں قوم شعیبؑ پر عذاب رجفہ کا ذکر آیا ہے اور یہاں عذاب صیحۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔پس یہاں بھی قوم ثمود کی طرح دونوں عذاب کا اجتماع ممکن ہے اور مفسرینؒ کے بیان کے مطابق **كما بعدت** میں یہی وجہ تشبیہ ہے دونوں واقعوں کے درمیان۔

لطائف آیات: .... ان اریـد الا الاصـلاح الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ میں بھی یہی بات ہونی چاہیئے۔ کہ خلوص کے ساتھ اصلاح کی کوشش کرے اور سعی کے ساتھ توکل بھی کرے نہ صرف سعی پر بھروسہ کرے اور نہ محض توکل کی وجہ سے سعی چھوڑ بیٹھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴿۹۶﴾ بُرْهَانٍ بَيِّنٍ ظَاهِرٍ **اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ﴿۹۷﴾** سَدِيْدٍ **يَقْدُمُ** يَتَقَدَّمُ **قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ** فَيَتْبَعُوْنَهٗ كَمَا اتَّبَعُوْهُ فِي الدُّنْيَا **فَاَوْرَدَهُمُ** اَدْخَلَهُمُ **النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴿۹۸﴾** هِيَ **وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ** اَيِ الدُّنْيَا **لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ** لَعْنَةً **بِئْسَ الرِّفْدُ** الْعَوْنُ **الْمَرْفُوْدُ﴿۹۹﴾** رِفْدُهُمْ **ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **مِنْهَا** اَيِ الْقُرٰى **قَآئِمٌ** هَلَكَ اَهْلُهٗ دُوْنَهٗ **وَّمِنْهَا حَصِيْدٌ﴿۱۰۰﴾** هَلَكَ بِاَهْلِهٖ فَلَا اَثَرَ لَهٗ كَالزَّرْعِ الْمَحْصُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ **وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ** بِاِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ **وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ** بِالشِّرْكِ **فَمَآ اَغْنَتْ** دَفَعَتْ **عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ** يَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَيْ غَيْرِهٖ **مِنْ** زَائِدَةٌ **شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ** عَذَابُهٗ **وَمَا زَادُوْهُمْ** بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا **غَيْرَ تَتْبِيْبٍ﴿۱۰۱﴾** تَخْسِيْرٍ **وَكَذٰلِكَ** مِثْلُ ذٰلِكَ الْاَخْذِ **اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى** اُرِيْدَ اَهْلُهَا **وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ** بِالذُّنُوْبِ اَيْ فَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِنْ اَخْذِهٖ شَيْءٌ **اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴿۱۰۲﴾** رَوَى الشَّيْخَانِ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ حَتّٰى اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَأَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الْاٰيَةَ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْقَصَصِ **لَاٰيَةً** لَعِبْرَةً **لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۚ ذٰلِكَ** اَيْ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ** فِيْهِ **النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ﴿۱۰۳﴾** يَشْهَدُهٗ جَمِيْعُ الْخَلَائِقِ **وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ﴿۱۰۴﴾ ۭ** لِوَقْتٍ مَعْلُوْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ **يَوْمَ يَاْتِ** ذٰلِكَ الْيَوْمُ **لَا تَكَلَّمُ** فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ **نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ** تَعَالٰى **فَمِنْهُمْ** اَيِ الْخَلْقِ **شَقِيٌّ وَّمِنْهُمْ** **وَّسَعِيْدٌ﴿۱۰۵﴾** كُتِبَ كُلُّ ذٰلِكَ فِي الْاَزَلِ **فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا** فِيْ عِلْمِهٖ تَعَالٰى **فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ** صَوْتٌ شَدِيْدٌ **وَّشَهِيْقٌ﴿۱۰۶﴾** صَوْتٌ ضَعِيْفٌ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ** اَيْ مُدَّةَ دَوَامِهِمَا فِي الدُّنْيَا **اِلَّا** غَيْرَ **مَاشَآءَ رَبُّكَ ۚ** مِنَ الزِّيَادَةِ عَلٰى مُدَّتِهِمَا مِمَّا لَا مُنْتَهٰى لَهٗ وَالْمَعْنٰى خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا **اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا** بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّهَا **فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا** غَيْرَ **مَاشَآءَ رَبُّكَ ۚ** كَمَا تَقَدَّمَ وَدَلَّ عَلَيْهِ فِيْهِمْ قَوْلُهٗ **عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ﴿۱۰۸﴾** مَقْطُوْعٍ وَمَا تَقَدَّمَ مِنَ التَّاوِيْلِ

هُوَ الَّذِى ظَهَرَ لِى وَهُوَ خَالٍ عَنِ التَّكَلُّفِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ **فَلَا تَكُ** يَا مُحَمَّدُ **فِى مِرْيَةٍ** شَكٍّ **مِّمَّا يَعْبُدُ هٰؤُلَاءِ** مِنَ الْاَصْنَامِ اِنَّا نُعَذِّبُهُمْ كَمَا عَذَّبْنَا مَنْ قَبْلَهُمْ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ** اَىْ كَعِبَادَتِهِمْ **مِّنْ قَبْلُ** وَقَدْ عَذَّبْنَاهُمْ **وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ** مِثْلَهُمْ **نَصِيْبَهُمْ** حَظَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ **غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾** اَىْ تَامًّا **وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **فَاخْتُلِفَ فِيْهِ** بِالتَّصْدِيْقِ وَالتَّكْذِيْبِ كَالْقُرْاٰنِ **وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ** بِتَاخِيْرِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ لِلْخَلَائِقِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ** فِى الدُّنْيَا فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ **وَاِنَّهُمْ** اَىِ الْمُكَذِّبِيْنَ بِهٖ **لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾** مُوْقِعَ الرِّيْبَةِ **وَاِنَّ** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **كُلًّا** اَىْ كُلُّ الْخَلَائِقِ **لَّمَّا** مَا زَائِدَةٌ وَاللَّامُ مُوَطِّئَةٌ لِقَسَمٍ مُقَدَّرٍ اَوْ فَارِقَةٍ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيْدِ لَمَّا بِمَعْنَى اِلَّا فَاِنْ نَافِيَةٌ **لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ** اَىْ جَزَاءَهَا **اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾** عَالِمٌ بِبَوَاطِنِهٖ كَظَوَاهِرِهٖ **فَاسْتَقِمْ** عَلَى الْعَمَلِ بِاَمْرِ رَبِّكَ وَالدُّعَاءِ اِلَيْهِ **كَمَآ اُمِرْتَ وَلْيَسْتَقِمْ مَنْ تَابَ** اٰمَنَ **مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا** تَجَاوَزُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ **اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾** فَيُجَازِيْكُمْ بِهٖ **وَلَا تَرْكَنُوْٓا** تَمِيْلُوْا **اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** بِمَوَادَةٍ اَوْ مُدَاهَنَةٍ اَوْ رِضًى بِاَعْمَالِهِمْ **فَتَمَسَّكُمُ** تُصِيْبَكُمُ **النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اَىْ غَيْرِهٖ **مِنْ** زَائِدَةٌ **اَوْلِيَآءَ** يَحْفَظُوْنَكُمْ مِنْهُ **ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾** تُمْنَعُوْنَ مِنْ عَذَابِهٖ **وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَىِ النَّهَارِ** الْغَدَاةِ وَالْعَشِىِّ اَىِ الصُّبْحِ وَالظُّهْرِ وَالْعَصْرِ **وَزُلَفًا** جَمْعُ زُلْفَةٍ اَىْ طَائِفَةٍ **مِّنَ الَّيْلِ** اَىِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ **اِنَّ الْحَسَنٰتِ** كَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ **يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ** الذُّنُوْبَ الصَّغَائِرَ نَزَلَتْ فِيْمَنْ قَبَّلَ اَجْنَبِيَّةً فَاَخْبَرَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلِىْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِىْ كُلِّهِمْ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾** عِظَةٌ لِلْمُتَّعِظِيْنَ **وَاصْبِرْ** يَا مُحَمَّدُ عَلٰى اَذٰى قَوْمِكَ اَوْ عَلَى الصَّلٰوةِ **فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾** بِالصَّبْرِ عَلَى الطَّاعَةِ **فَلَوْلَا** فَهَلَّا **كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ **مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ** اَصْحَابُ دِيْنٍ وَفَضْلٍ **يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ** الْمُرَادُ بِهِ النَّفْىُ اَىْ مَا كَانَ فِيْهِمْ ذٰلِكَ **اِلَّا** لٰكِنْ **قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ** نُهَوْا فَنَجَوْا وَمِنْ [illegible] **وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** بِالْفَسَادِ اَوْ تَرْكِ النَّهْىِ **مَآ اُتْرِفُوْا** نُعِّمُوْا **فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ** مِنْهُ لَهَا **وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾** مُؤْمِنُوْنَ **وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً** اَهْلَ دِيْنٍ وَاحِدٍ **وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾** فِى الدِّيْنِ **اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ** اَرَادَ لَهُمُ الْخَيْرَ فَلَا يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ **وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ** اَىْ اَهْلَ الْاِخْتِلَافِ لَهٗ وَاَهْلَ الرَّحْمَةِ لَهَا **وَتَمَّتْ كَلِمَةُ**

رَبِّكَ وَهِيَ **لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ** الْجِنِّ **وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا** نُصِبَ بِنَقُصَّ وَتَنْوِيْنُهٗ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اَيْ كُلُّ مَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ **نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا** بَدَلٌ مِنْ كُلًّا **نُثَبِّتُ** نُطَمْئِنُ **بِهٖ فُؤَادَكَ** قَلْبَكَ **وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ** الْاَنْبَاءِ اَوِ الْاٰيَاتِ **الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۲۰﴾** خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاِنْتِفَاعِهِمْ بِهَا فِي الْاِيْمَانِ بِخِلَافِ الْكُفَّارِ **وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ** حَالَتِكُمْ **اِنَّا عٰمِلُوْنَ﴿۱۲۱﴾** عَلٰى حَالَتِنَا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ **وَانْتَظِرُوْا** عَاقِبَةَ اَمْرِكُمْ **اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴿۱۲۲﴾** ذٰلِكَ **وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اَيْ عِلْمُ مَاغَابَ فِيْهِمَا **وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ** بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ يَعُوْدُ وَلِلْمَفْعُوْلِ يُرَدُّ **الْاَمْرُ كُلُّهٗ** فَيَنْتَقِمُ مِمَّنْ عَصٰى **فَاعْبُدْهُ** وَحِّدْهُ **وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ** ثِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ كَافِيْكَ **وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۳﴾** وَاِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِوَقْتِهِمْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْفَوْقَانِيَّةِ

ترجمہ:.........اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل (واقعی سند) کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ مگر وہ لوگ فرعون کی رائے پر چلتے رہے اور فرعون کی بات کچھ ٹھیک نہ تھی۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا (اور لوگ اس کے پیچھے اسی طرح ہوں گے جیسے دنیا میں رہا کرتے تھے) پھر انہیں دوزخ میں جا اتارے گا (پہنچا کر رہے گا) وہ بہت ہی بری جگہ ہے اتر نے کی اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی (لعنت رہے گی) کیا ہی برا صلہ (انعام) ہے جو ان کے حصہ میں آیا (انہیں دیا گیا) یہ (مذکورہ واقعات یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان بستیوں کے تھوڑے سے حالات تھے جنہیں ہم آپ سے (اے محمد) بیان کر رہے ہیں۔ ان (بستیوں) میں سے کچھ تو اب تک قائم ہیں (ان کے رہنے والے برباد ہو گئے مگر وہ نہیں خراب ہوئیں) اور کچھ بالکل اجڑ گئیں (رہنے والوں سمیت فنا ہو گئیں کہ ان کا نشان تک نہیں رہا۔ جیسے کسی نے درانتی سے کھیت کو صاف کر دیا ہو) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ بلاقصور انہیں برباد کر دیا ہو) بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا (شرک کر کے) سو ان کے وہ معبود جنہیں وہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے۔ ان کے کچھ کام بھی نہ آسکے (من زائد ہے) جب آپ کے پروردگار کا حکم (عذاب) آپہنچا اور انہوں نے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا (ان کی بندگی کرنے کا) بجز نقصان پہنچانے کے اور آپ کے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے (جیسی پکڑ ان کی ہوئی) جب وہ آبادیوں (میں رہنے والوں) کو ظلم کرتے ہوئے پکڑتا ہے (گناہ کر کے یعنی پھر ان کی پکڑ سے کوئی نہیں بچتا) یقیناً ان کی پکڑ بڑی ہی دردناک بڑی ہی سخت ہوتی ہے (شیخین نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں پھر جب پکڑ ہی لیتے ہیں تو کسی طرح پھر نہیں چھوٹ سکتا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہی آیت وکذلک الخ تلاوت فرمائی) ان (مذکورہ واقعات) میں بڑی ہی عبرت (نصیحت) ہے اس کے لئے جو شخص عذاب کا خوف رکھتا ہو۔ یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کئے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جس میں سب کی حاضری ہوگی (سب اس کا نظارہ کر سکیں گے) اور ہم اس کو صرف تھوڑی سی مدت کے لئے (جو اللہ کو معلوم ہے) ملتوی کئے ہوئے ہیں۔ جس وقت وہ دن آئے گا کسی شخص کی مجال نہیں ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے (تکلم میں ایک تاء حذف ہو رہی ہے) پھر (مخلوق میں سے) کچھ ایسے ہوں گے جن کے لئے محرومی ہے اور (کچھ ان میں سے) ایسے ہوں گے جن کے لئے سعادت ہے (یہ سب روز اول میں لکھا جا چکا ہے) پس جو لوگ محروم ہوئے (علم الٰہی میں) وہ دوزخ میں ہوں گے ان کے لئے وہاں چیخنا چلانا (شور مچانا) ہوگا (شھیق کمزور آواز کو کہتے ہیں) وہ اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں (یعنی دنیا میں جتنا ان کا دوام رہا ہے) ہاں! اگر خدا ہی کو منظور ہو (زمین وآسمان کی مدت میں زمانہ غیر متناہی کی زیادتی

غرضیکہ ہمیشگی مراد ہے) بے شک آپ کا پروردگار اپنے کاموں میں مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جن لوگوں نے سعادت پائی (سین کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ہے) سو وہ جنت میں ہوں گے اور اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔ ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے (اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی گزر چکا ہے۔ جس پر اگلا قول دلالت کر رہا ہے) یہ عطیہ ہمیشہ رہے گا (منقطع نہیں ہوگا یہی تاویل میری سمجھ میں آئی ہے اور بے تکلف ہے۔ واللہ اعلم) جن (بتوں) کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے بارے میں (اے محمد) آپ کو ذرا شبہ نہیں ہونا چاہئے (کیونکہ پہلوں کی طرح ہم انہیں بھی عذاب دیں گے اس کا مقصد نبی کریم ﷺ کو تسلی ہے) یہ اسی طرح پرستش کر رہے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا (پرستش کرتے تھے) ان سے پہلے (جنہیں ہم سزا دے چکے ہیں) اور ہم یقیناً (ان کی طرح) ان (کے عذاب) کا پورا پورا حصہ (بے کم وکاست) انہیں پہنچا دیں گے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی پھر اس میں اختلاف کیا (قرآن کی طرح اس کی بھی بعض نے تصدیق کی اور بعض نے تکذیب) اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف ایک بات پہلے سے نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی (مخلوق کے حساب وجزاء کے مسئلہ کو قیامت پر ملتوی رکھنے کی) تو ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا (دنیا ہی میں ان کے اختلافات کے متعلق) اور یہ (جھٹلانے والے) اس کی طرف سے شبہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں جو انہیں تردد (شک) میں ڈال رہا ہے۔ بالیقین (تشدید وتخفیف کے ساتھ ہے) سب کے لئے (ساری مخلوق کے واسطے) یہی ہوتا ہے کہ جب وقت آئے گا (ما زائد ہے اور لام قسمیہ ہے اور قسم مقدر ہے۔ یا یہ لام ان نافیہ اور مؤکدہ میں فرق کرنے کے لئے ہے اور ایک قرأت میں لما مشدد ہے الا کے معنی میں۔ پس اس صورت میں ان نافیہ ہو جائے گا) تو آپ کے پروردگار ان کے عمل (کا بدلہ) انہیں پورا پورا دے گا وہ یقیناً ان کے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (ظاہر کی طرح وہ باطن کو بھی جانتا ہے) اور آپ (اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق تعمیل کرنے میں اور اس سے دعا کرنے میں) استوار رہئے۔ جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو (ایمان کی بدولت) توبہ کر کے آپ کے ہمراہی ہیں اور حد سے نہ بڑھو (اللہ کے مقرر کردہ دائرہ سے مت نکلو) یقین کرو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے (لہٰذا وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا) اور ان ظالموں کی طرف (ان سے پینگیں بڑھا کر یا دین میں بودا پن دکھلا کر یا ان کے کاموں سے خوش ہو کر) مت جھکنا (مائل نہ ہونا) کہیں تمہیں بھی آگ چھو جائے (لگ جائے) اللہ کے سوا (من زائد ہے) تمہارا کوئی رفیق نہیں (جو اللہ سے تمہاری حفاظت کر سکے) پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے (جو عذاب الٰہی سے تمہیں بچا لے) اور نماز قائم کرو جب دن شروع ہونے کو ہو اور اس وقت جب دن ختم ہونے کو ہو (صبح ، شام یعنی نماز فجر ، ظہر ، عصر) نیز اس وقت جب ابتدائی حصہ گزر رہا ہو (یہ جمع زلفۃ کی یعنی کچھ حصہ) رات کا (یعنی نماز مغرب وعشاء) یاد رکھو نیکیاں (جیسے پانچوں وقت کی نماز) برائیوں کو دور کر دیتی ہے (چھوٹے گناہوں کو یہ آیت اس شخص کے بارے میں اتری تھی جس نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اسے اس حکم کی اطلاع کی تو عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! یہ حکم صرف میرے لئے ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ سب کے لئے عام حکم ہے۔ یہ روایت بخاری ومسلم کی ہے) یہ نصیحت ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو نصیحت پذیر ہوں (ماننے والوں کے لئے یہ وعظ ہے) اور صبر کرو (اپنی قوم کی طرف سے تکلیفوں پر یا نماز پڑھنے میں) کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے (جو اطاعت پر صبر کرنے والے ہیں) پھر ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جو عہد (پچھلے زمانے) تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر (دیندار ، سمجھدار) باقی رہے ہوتے جو دوسروں کو ملک میں شر وفساد پھیلانے سے روکتے (اس سے مراد نفی ہے یعنی ان میں ایسے لوگ نہیں ہوئے) بجز چند آدمیوں کے جنہیں ان میں سے ہم نے بچا لیا تھا (انہوں نے لوگوں کو باز رکھا۔ اس لئے وہ نجات پا گئے۔ اس میں من بیانیہ ہے) اور ظلم کرنے والے (فساد پھیلانے والے یا نہ روکنے والے) وہ جس ناز ونعمت میں تھے۔ اس کے پیچھے پڑے رہے اور یہ لوگ جرائم کے عادی تھے اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ کا پروردگار آبادیوں کو ناحق (ان پر ظلم کر کے) ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں (ایماندار ہوں) اور آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت (ایک دین) بنا دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ (دین میں) اختلاف ہی کرتے رہیں گے۔ مگر ہاں! جس پر آپؐ کے پروردگار کی رحمت ہو (اور وہ ان کی خیر چاہیں تو پھر لوگ اختلاف نہیں کر سکتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے (یعنی اختلاف کرنے والوں کو اختلاف کے لئے اور رحمت کرنے والوں کو رحمت کے لئے) اور آپؐ کے پروردگار کی یہ بات پوری

ہوگی۔ کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے بھردوں گا اور یہ سارے قصے (لفظ کلا منصوب ہے نقص کی وجہ سے اور تنوین مضاف الیہ کے بدلہ میں ہے۔ اصل عبارت کل ما یحتاج الیہ تھی۔ یعنی تمام ضروری واقعات) پیغمبروں کے جو ہم آپؐ سے بیان کررہے ہیں تو ان سب میں یہی بات ہے کہ (لفظ ما بدل ہے کلا سے) آپؐ کے قلب (دل) کو ان سے تقویت (اطمینان) دے دیں اور ان (واقعات اور نشانیوں) میں آپؐ کے پاس راست مضمون بھی پہنچا ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت اور یاددہانی ہے (مسلمانوں کی تخصیص اپنے ایمان سے نفع اٹھانے کے اعتبار سے ہے اور کفار ایسے نہیں ہوتے) اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ (حالت پر) کام کئے جاؤ۔ ہم بھی (اپنی حالت پر) سرگرم عمل ہیں (یہ ان کے لئے بطور دھمکی ہے) اور منتظر رہو (اپنے عمل کی پاداش کے) ہم بھی (اس کے) منتظر ہیں اور آسمان وزمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں۔ اللہ ہی کو (ان سب چھپی ہوئی چیزوں کا) علم ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں (معروف صیغہ سے یعود کے معنی میں ہے اور مجہول صیغہ سے یود کے معنی میں ہے) سارے کام (لہٰذا وہ نافرمانی کرنے والے سے انتقام لے گا) آپ اسی کی عبادت (توحید) میں لگے رہیے اور اسی پر بھروسہ رکھئے (اعتماد کیجئے۔ کیونکہ وہی آپ کے لئے کافی ہے) اور آپ کا پروردگار ان باتوں سے بےخبر نہیں ہے جو کچھ یہ لوگ کررہے ہیں (لیکن مقررہ وقت تک کے لئے انہیں مہلت دی جارہی ہے اور ایک قرأت میں تعلمون تا کے ساتھ ہے)۔

تحقیق وترکیب:............ **رشید** یہ لفظ اگرچہ قوم کی صفت ہوتا ہے۔ مگر یہاں آمر کی صفت میں لایا گیا ہے اس لئے مفسرؒ نے سدید کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ **فاورد** اس میں تشبیہ استعمال کی گئی ہے۔ **رفد** اس کے معنی عون کے بیان کئے ہیں جس سے مراد نعۃ ہے۔

انباء القری مذکورہ سات وقتوں کی طرف اشارہ ہے۔ **وکذلک اخذ ربک** آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حکم پچھلی امتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سب کے لئے عام ہے۔ **مجموع لہ** اشارہ کردیا کہ لام بمعنی فی ہے۔ **لاتکلم** چونکہ قیامت کا دن بہت لمبا ہوگا اس لئے یہ حکم دوسری آیت **یوم تاتی کل نفس تجادل الخ** یا **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** کے حکم کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف اوقات میں مختلف احکام ہوں گے۔ **فمنہم شقی** شقاوت کی علامات پانچ ہیں۔ دل کی سختی آنکھوں سے آنسو نہ جاری ہونا۔ دنیا کی طرف رغبت، امید کا لمبا ہونا، حیاء زیادہ ہونا اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شقاوت کی علامت حق سے بےتوجہی اور اس کی طلب سے بےرخی کرنا اور گناہوں پر بغیر ندامت کے اصرار کرنا، دنیا کے حرام وحلال کی حرص کرنا، خواہش کی پیروی کرنا ہے اور سعادت کی پہچان۔ اللہ کی طرف توجہ اور اور گناہوں سے استغفار، اور اللہ کی طرف رجوع کرنا تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرلینا، طلب حلال، سنت کی اتباع، بدعات سے بچنا۔ خواہشات کی مخالفت کرنا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا اور اہل دنیا کی طرف رغبت کرنا اور اہل اللہ سے نفرت کرنا یہ بھی شقاوت میں داخل ہے اور اللہ اور اہل اللہ کی طرف رغبت کرنا اور دنیا اور اہل دنیا سے نفرت کرنا سعادت میں داخل ہے۔

زفیر و شہیق زفیر کہتے ہیں زور سے سانس نکالنے کو اور شہیق کہتے ہیں زور سے سانس کھینچنے کو۔ گدھے کی ابتدائی آواز کو زفیر اور انتہائی آواز نہیق کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں زفیر کا تعلق گلے اور شہیق کا تعلق سینہ سے ہے۔ **الا ماشاء** اشارہ کردیا کہ الا استثنائیہ نہیں ہے۔ بلکہ بمعنی غیر ہے۔ بہرحال ان دونوں آیتوں سے کفار کے جہنم سے اور مؤمن کے جنت سے نکلنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ **مادامت السمٰوٰت الخ** سے مراد ابدیت ہے۔

فعّال لما یرید یعنی اس کے وعدہ اور وعید میں خلاف نہیں ہوگا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس کی وعید میں خلاف ہوجاتا ہے۔ اس سے گنہگاروں کی وعید ہے نہ کہ کفار کی۔

واما الذین سعدوا ان دونوں آیتوں میں محسنات بدیعیہ میں سے جمع تفریق، تقسیم پائی جاتی ہے۔ **یوم یات الخ** میں تو جمع ہے اور **فمنہم الخ** سے تفریق ہے اور **فاما الذین الخ** سے تقسیم ہے۔ **ما دامت السمٰوٰت** عرب کی عادت ہے کہ کسی چیز کے دوام کو

آسمان وزمین کے دوام سے تعبیر کرتے ہیں مجازاً لیکن اگر حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو آسمان وزمین بھی جنت کے مراد ہوں گے نہ کہ دنیا کہ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات یا او رثنا الارض نتبوء من الجنة حیث نشاء.

الا ماشاء. ای الا ماشاء ربك من الزیادة التی لا اخرلها اورابوالسعودؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ خلود سے استثناء ہے۔جیسے لا یذوقون فیها الموت الا الموتة الاولی یاحتی یلج الجمل فی سم الخیاط فرمایا گیا ہے۔فرق اتنا ہے کہ ان چیزوں کا محال ہونا تو عقلاً معلوم ہے اوراللہ کی مشیت کا عدم خلود سے تعلق کا محال ہونا نقل سے معلوم ہورہا ہے۔یعنی یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ہاں!اگر اللہ چاہے گا تو ہمیشہ نہیں رہیں گے اور یہ ممکن نہیں ہے نص قطعی کی وجہ سے۔پس ان کی مدت کی انتہاء بھی ممکن نہیں ہے اورروح البیان میں ہے کہ خلودنار سے استثناء ہے اورمراداس سے کافرنہیں بلکہ مسلمان فاسق ہیں جوسزا کے بعد نکل جائیں گے اورصحت استثناء کے لئے اتنا بھی کافی ہے اورایک شخص پرشقاوت وسعادت دونوں کا اجتماع ممکن ہے مگرایک اعتبار سے نہیں بلکہ الگ الگ اعتبار سے۔چنانچہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل شقاوت کی دوقسمیں ہیں۔شقی اوراشقی۔گنہگارمسلمان گناہوں کی وجہ سے توشقی اورتوحید کی وجہ سے سعید ہوتا ہے۔گناہ اسے جہنم میں لے جائیں گے اورتوحید جنت میں برخلاف کافر کے وہ اشقی ہوتا ہے اس لئے ابدی جہنم کی نذر رہوگا۔

الذی ظهر لی یعنی الا کوغیر کے معنی میں لینے کی تاویل وتوجیہ کا اختیار کرنا میرے لئے ظاہر ہوا ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ توجیہ صرف میں نے کی ہے کیونکہ دوسری کتابوں میں بھی یہ توجیہ مذکور ہے۔

فلا تك خطاب اگر چہ آنحضرت ﷺ کو ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں۔اس میں آنحضرت ﷺ کے مخالفین کا بیان مذکور ہے۔**لما لیوفینهم** اگرلما مشدد ہے تولام قسمیہ اورمخفف ہے تولام فرق کرنے کے لئے ہوگا۔ان مخففہ اوران نافیہ کے درمیان۔لیکن ان دونوں میں فرق کی ضرورت اس وقت ہوگی جب کہ ان مؤکدہ کا عمل نہ ہورہا ہو۔وہ ان مؤکدہ کے عمل کی صورت میں توعمل سے فرق ہوجائے گا کسی فرق کی ضرورت نہیں رہے گی۔حاصل ترکیب یہ ہوگا کہ کلا منصوب ہوگا ان کا اسم ہونے کی وجہ سے اورجملہ قسم مع جواب کے خبر ہوگی اورلما میں لام قسمیہ ہونے کی صورت میں لیوفینهم جواب قسم ہوگا۔اورلما مشدد ہونے کی صورت میں لیوفینهم جملہ خبریہ ہے اورلام جواب قسم مقدر ہوگا۔

لا تطغوا اور**لا ترکنوا** دونوں میں خطاب اگر چہ آنحضرت ﷺ کو ہے لیکن مراد امت ہے ان ہی خطابات کی وجہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا شیبتنی هود.

نزلت اس سے مراد ابوالیسرؓ ہیں۔ان کے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی توانہوں نے اس بہانہ سے اندر بلایا کہ اچھی کھجوریں اندررکھی ہوئی ہیں اوروہ اندر آئی توانہوں نے اس کا بوسہ لے لیا۔کرنے کوتو یہ غلطی کر گئے۔مگر پھر جودل نے ملامت کی تو حضرت ابوبکرؓ کے پاس دوڑے گئے۔ان سے صورت حال بتلائی۔انہوں نے فرمایا کہ کسی سے ذکرمت کرواورتوبہ کرو۔لیکن ان سے ضبط نہ ہوسکا اورگھبرا کرآنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔سن کرآپؐ نے دیرتک گردن جھکائے رکھی۔تب یہ آیت اقم الصلوۃ نازل ہوئی۔ابوالیسرؓ بول اٹھے کہ یہ حکم میرے مخصوص ہے یاسب کے لئے عام ہے۔آپؐ نے فرمایا سب کے لئے عام ہے۔

ربط آیات:............آیت ولقد ارسلنا موسی الخ میں آخری اورآٹھواں قصہ حضرت موسیٰ کا ذکرکیا جارہا ہے۔آگے آیت ذلک من انباء سے کفار کوتہدید اورمسلمانوں کوبشارت سنائی جارہی ہے۔

آگے آیت ولقد اتینا الخ سے پھر بقیہ قصہ موسیٰ کو بیان کیا جارہا ہے۔اس کے بعد آیت فلو لا کان الخ سے عذاب کا قریبی سبب نافرمانیاں اورسبب بعید اللہ کی حکمت ومشیت بیان کی جارہی ہے۔اول سے اپنا رحم وکرم اوردوسری بات سے آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے۔محکی عنہ یعنی واقعات کی اس حکمت وعلت کے بعد آیت وکلا نقص الخ سے حکایت یعنی ان قصوں کے بیان کرنے کی حکمت ذکرکی جارہی ہے۔اور چونکہ پوری سورت میں توحید ورسالت،قیامت،حقانیت قرآن،وعدووعید کا

ذکر اور شبہات کا جواب دے کر اتمام حجت اور دعوت کا پورا پورا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اگر یہ لوگ اب بھی نہ مانیں تو ان سے آیت وقل للذین الخ بیان کر کے بات ختم کر دینی چاہیئے۔

شانِ نزول:.......... آیت واقم الصلوٰۃ الخ کے شان نزول کی طرف جلال محققؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ ابوالیسرؓ ایک صحابی سے ایک غلطی سرزد ہوگئی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

﴿تشریح﴾:.......... **اللہ کی مہلتیں بھی عذاب کی گردش سے نہ بچا سکیں:**.......... حضرت موسیٰ کی زندگی اور دعوت کے ضروری اجزاء کے ذیل میں آیت وما ظلمنھم الخ سے یہ بتلایا جا رہا ہے کہ ان قوموں کو جو کچھ پیش آیا۔ وہ اس لئے نہیں پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی زیادتی کی ہو۔ ان کا قانون جزاء تو سراسر عدل و رحمت ہے۔ بلکہ اس لئے ہوا کہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کرنا چاہا اور نجات کی راہ سے منہ موڑ کر ہلاکت کی طرف چلنے لگے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے مہلتوں پر مہلتیں دی ہیں اور روشنی کو اندھیرے سے بالکل الگ کر دیا ہے۔ لیکن ایک قوم اگر روشنی سے یک قلم منہ موڑ لے تو پھر نتائج کا ظہور کبھی نہیں رک سکتا اور اس ظہور کی دردناکی اور شدت کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ ہر انسان کے لئے جو آخرت کے خیال سے بے خوف نہ ہو۔ اس بات میں حقیقت کی بڑی ہی نشانی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزائے عمل کا قانون یہاں نافذ نہیں اور اللہ کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر بات کے لئے ایک حساب ہے اور ہر معاملہ کے لئے ایک مقررہ میعاد ہے۔ جب تک وہ وقت نہ آئے اس بات کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ آخرت کا دن بھی اس لئے پیچھے ڈال دیا گیا ہے کہ اپنے مقررہ وقت پر رونما ہو۔ اس دن جو شقی نکلیں گے ان کے لئے شقاوت ہوگی۔ جو سعید نکلیں گے ان کے سعادت۔

آیت فلاتک الخ میں آپ کو خطاب ہے کہ آپ کو یہ خیال نہیں ہونا چاہیئے کہ عرب کے مشرکین شرک سے کیوں نہیں باز آتے؟ اور انہیں کیوں مہلت مل رہی ہے؟ وہ تو اسی طریقہ پر چل رہے ہیں جس پر ان کے باپ دادا چلے۔ اس لئے انہیں ان کی سرکشیوں کا پورا پورا نتیجہ ملنے والا ہے۔

اس سورت کی موعظت کا ماحصل:.......... پھر آیت فاستقم الخ سے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو اس سورت کی موعظت کا خلاصہ بتلانا ہے کہ (۱) جو راہ تمہیں بتلائی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور اپنا کام کئے جاؤ۔ (۲) اپنی حد سے آگے نہ بڑھو یعنی مضبوطی کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مخالفوں پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کا خیال کرنے لگو یا لڑنے یا جھگڑنے لگو۔ اپنے دائرہ کے اندر رہو۔ مگر اپنے طریقہ پر قائم رہو (۳) لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ مخالفین کی طرف جھک پڑو۔ کہیں ان کی گمراہی کی چھینٹ تم پر بھی نہ پڑ جائے۔ غرضیکہ نہ تو اپنے حصہ سے بڑھنا چاہیئے اور نہ ان کی طرف جھکنا چاہیئے (۴) نماز کو اس کی ساری حقیقتوں کے ساتھ اپنے اپنے وقتوں میں ادا کرتے رہو۔ تمہاری طاقت کا اصل سرچشمہ یہی ہے یہ بڑی نیک عملی ہے اور نیک چلنی برائیاں دور کر دیا کرتی ہے۔

آیت طرفی النھار میں دن کے دوسروں سے مراد بعض کے نزدیک صرف فجر و عصر ہے اور بعض کے نزدیک فجر، ظہر، عصر تینوں نمازیں مراد ہیں اور رات کے ایک حصہ سے مراد مغرب و عشاء ہیں۔ ایک قول پر پانچ اور ایک قول پر چار نمازیں مراد ہوں گی اور ظہر کا بیان دوسری آیت وحین تظھرون سے ثابت ہو جائے گا اور یہاں چار نمازوں کی تخصیص اہتمام کی وجہ سے ہو جائے گی اور سیئات سے مراد صغیرہ گناہ ہوں گے۔

(۵) صبر سے کام لو۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ نیک کرداروں کا اجر و صلہ ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ آخر کار کامیابی ان ہی کے حصہ میں آئے پچھلی قومیں جو سب کی سب ہلاک ہوئی ہیں تو اس لئے ہوئی ہیں کہ ان میں اہل خیر و صلاح اٹھ گئے

تھے۔ کوئی نہیں رہا تھا جو شر وفساد سے روکے۔ اگر اچھائی کے پھیلانے اور برائیوں کے مٹانے کا کام کرنے والے لوگ موجود رہتے تو کبھی اس نتیجہ سے دوچار نہ ہوتے۔ آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بستی پر عذاب آئے اور اس کے باشندے مصلح ہوں۔ اس سے سمجھ لو کہ اگر تم اپنی راہ پر جمے رہے اور ایک جماعت داعیان حق کی پیدا ہوگی۔ تو پھر یہ سرزمین ایسے عذاب سے محفوظ رہے گی۔ جو پچھلی قوموں کی طرح ایک قلم نیست ونابود کردینے والا ہو (۶) دنیا میں فکر وعمل کا اختلاف ناگزیر ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ سب ایک ہی راہ پر چلنے والے ہوجائیں اور حق وباطل کی کشمکش نہ رہے۔ پس اس بات سے مایوس نہ ہو کہ تمام آدمی کیوں دعوت حق قبول نہیں کرلیتے؟ نہ تو پہلے ایسا ہوا۔ نہ اب اس کی توقع رکھنی چاہیئے۔ بہت سے مانیں گے، بہت سے نہیں مانیں گے۔ تم اپنے کام میں سرگرم رہو۔

واقعات بیان کرنے سے قرآن کا مقصود.......... آیت کلا نقص الخ سے یہ بتلانا ہے کہ ان قصص سے قرآن کا کیا مقصود ہے؟ سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو قوم کی نالائقیوں سے پریشانی اور بے چینی ہوتی ہے۔ ان قصوں سے آپ ﷺ کو تسکین وتسلی ہو۔ اصلاح ودعوت کا جو ولولہ اور جوش آپ ﷺ کو مضطرب رکھتا ہے۔ ان سرگذشتوں میں غور وفکر کرنا باعث اطمینان ہوگا کہ پہلے بھی ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ بلکہ سرکشی کے اس سے بھی زیادہ سخت مظاہرے ہوچکے ہیں۔ نیز ان سرگذشتوں میں دلائل کی روشنیاں ہیں۔ جو یہ بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ان میں سننے والوں کے لئے عبرت ونصیحت کی باتیں ہیں جو غرور وناتوانی سے بیدار کرتی ہیں۔ مؤمنوں کو سچائی کی یاد دلاتی ہیں۔ اور غفلت دور کرتی ہیں۔

یہ چاروں باتیں سامنے رکھ کر قرآن کے قصص واقعات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ذہن کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

آیت قل للذین الخ کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ منکروں سے وہی بات کہہ دیجئے جو ہمیشہ کہی گئی کہ تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ۔ ہم اپنی جگہ کر رہے ہیں۔ تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔ نتیجہ فیصلہ کردے گا جس طرح ہمیشہ ہوچکا ہے اللہ ہی جانتا ہے کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہے۔ سارے کام اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اللہ کی عبادت میں لگے رہنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ (ترجمان)

لطائف آیات:.......... آیت فاما الذین شقوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعت پر ناز نہیں کرنا چاہیئے اور نہ معصیت کی وجہ سے رحمت الٰہی سے مایوس ہونا چاہیئے۔

آیت فاستقم الخ کا حاصل یہ ہے کہ حق اور خلق دونوں کا حق ادا کیا جائے اور کثرت وحدت میں اور وحدت کا کثرت میں مشاہدہ کرنا چاہیئے۔ نیز آپ ﷺ کی استقامت اور ہے اور آپ ﷺ کے متبعین کی استقامت اور۔

آیت ولا ترکنوا الخ سے مداہنت کرنے اور قدرت کے باوجود برائیوں کو نہ روکنے اور کفار کی وضع اختیار کرنے اور ان کی تعظیم کرنے اور بلاضرورت شرعی ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت معلوم ہو رہی ہے۔

آیت ان الحسنات الخ طاعت کے ملکہ کے غالب آنے سے گناہ کے مادہ کا مضمحل ہونا بھی داخل ہے۔

آیت ولذلک خلقھم الخ سے معلوم ہوا کہ لوگ اللہ کے جمال وجلال اور قہر ومہر کے مظاہر ہیں۔ یہ آیت دوسری آیت وما خلقت الجن الخ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ایک شرعی غایت کا بیان ہے اور دوسری تکوینی غایت کا۔ آیت وکلا نقص الخ سے معلوم ہوا کہ مقبولین کے واقعات سے قلوب کی تسکین، تقویت، اور اچھی باتوں کا شوق اور بری باتوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے اولیاء اللہ اور بزرگوں کی حکایات جمع کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ آیت والیہ یرجع الخ سے مشائخ کے اس مقولہ کی اصل معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے ''سیر الی اللہ'' کے سلسلہ میں کہی ہے کہ ہر چیز کی سیر ہر وقت اللہ کی طرف رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ چیز اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہے پھر سیر الی اللہ بھی ختم ہوجاتی ہے۔

سُوْرَۃُ یُوْسُفَ

سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِیَّۃٌ مَائَۃٌ وَاِحْدٰی عَشَرَۃَ اٰیَۃً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ **الٓرٰ** اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰیٰتُ **اٰیٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰی مِنْ **الْمُبِیْنِ**﴿۱﴾ اَلْمُظْهِرِ لِلْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ **اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا** بِلُغَةِ الْعَرَبِ **لَعَلَّكُمْ** یَا اَهْلَ مَكَّةَ **تَعْقِلُوْنَ**﴿۲﴾ تَفْهَمُوْنَ مَعَانِیَهٗ **نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ** بِاِیْحَائِنَا **اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ اَیْ وَاِنَّهٗ **كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ**﴿۳﴾ اُذْكُرْ **اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ** یَعْقُوْبَ **یٰٓاَبَتِ** بِالْكَسْرِ دَلَالَةٌ عَلٰی یَاءِ الْاِضَافَةِ الْمَحْذُوْفَةِ وَالْفَتْحِ دَلَالَةٌ عَلَی اَلِفٍ مَحْذُوْفَةٍ قُلِبَتْ عَنِ الْیَاءِ **اِنِّیْ رَاَیْتُ** فِی الْمَنَامِ **اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ** تَاكِیْدٌ **لِیْ سٰجِدِیْنَ**﴿۴﴾ جُمِعَ بِالْیَاءِ وَالنُّوْنِ لِلْوَصْفِ بِالسُّجُوْدِ الَّذِیْ هُوَ مِنْ صِفَاتِ الْعُقَلَاءِ **قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰٓی اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا** یَحْتَالُوْا فِیْ هَلَاكِكَ حَسَدًا لِعِلْمِهِمْ بِتَاوِیْلِهَا مِنْ اَنَّهُمُ الْكَوَاكِبُ وَالشَّمْسُ اُمُّكَ وَالْقَمَرُ اَبُوْكَ **اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ**﴿۵﴾ ظَاهِرُ الْعَدَاوَةِ **وَكَذٰلِكَ** كَمَا رَاَیْتَ **یَجْتَبِیْكَ** یَخْتَارُكَ **رَبُّكَ وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** تَعْبِیْرِ الرُّؤْیَا **وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ** بِالنُّبُوَّةِ **وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ** اَوْلَادِهٖ **كَمَآ اَتَمَّهَا** بِالنُّبُوَّةِ **عَلٰٓی اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ** بِخَلْقِهٖ **حَكِیْمٌ**﴿۶﴾ فِیْ صُنْعِهٖ بِهِمْ **لَقَدْ كَانَ فِیْ** خَبَرِ **یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ** وَهُمْ اَحَدَ عَشَرَ **اٰیٰتٌ** عِبَرٌ **لِّلسَّآئِلِیْنَ**﴿۷﴾ عَنْ خَبَرِهِمْ اُذْكُرْ **اِذْ قَالُوْا** اَیْ بَعْضُ اِخْوَةِ یُوْسُفَ لِبَعْضِهِمْ **لَیُوْسُفُ** مُبْتَدَأٌ **وَاَخُوْهُ** شَقِیْقُهٗ بِنْیَامِیْنُ **اَحَبُّ** خَبَرٌ **اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ** جَمَاعَةٌ **اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ** خَطَأٍ **مُّبِیْنِ**﴿۸﴾ بَیِّنٍ بِاِیْثَارِهِمَا عَلَیْنَا **اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا** اَیْ بِاَرْضٍ بَعِیْدَةٍ **یَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ**

اَبِیْکُمْ بِاَنْ یُقْبِلَ عَلَیْکُمْ وَلَا یَلْتَفِتَ لِغَیْرِکُمْ **وَتَکُوْنُوْا مِنْ بَعْدِہٖ** اَیْ بَعْدَ قَتْلِ یُوْسُفَ اَوْ طَرْحِہٖ **قَوْمًا صٰلِحِیْنَ﴿۹﴾** بِاَنْ تَتُوْبُوْا **قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ** هُوَ یَهُوْدَ **لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ** اِطْرَحُوْهُ **فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ** مُظْلِمِ الْبِیْرِ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالْجَمْعِ **یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ** الْمُسَافِرِیْنَ **اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ﴿۱۰﴾** مَا اَرَدْتُمْ مِنَ التَّفْرِیْقِ فَاکْتَفُوْا بِذٰلِكَ **قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ﴿۱۱﴾** لَقَائِمُوْنَ بِمَصَالِحِهٖ **اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا** اِلَی الصَّحْرَاءِ **یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ** بِالنُّوْنِ وَالْیَاءِ فِیْهِمَا نَنْشَطُ وَنَتَّسِعُ **وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا** اَیْ ذِهَابُکُمْ **بِهٖ** لِفِرَاقِهٖ **وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ** وَالْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَکَانَتْ اَرْضُهُمْ کَثِیْرَةَ الذِّئَابِ **وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴿۱۳﴾** مَشْغُوْلُوْنَ **قَالُوْا لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَکَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ** جَمَاعَةٌ **اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴿۱۴﴾** عَاجِزُوْنَ فَاَرْسَلَهٗ مَعَهُمْ **فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا** اَعْزَمُوْا **اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ** وَجَوَابُ لَمَّا مَحْذُوْفٌ اَیْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ بِاَنْ نَزَعُوْا قَمِیْصَهٗ بَعْدَ ضَرْبِهٖ وَاِهَانَتِهٖ وَاِرَادَةِ قَتْلِهٖ وَاَدْلُوْهُ فَلَمَّا وَصَلَ اِلٰی نِصْفِ الْبِئْرِ اَلْقُوْهُ لِیَمُوْتَ فَسَقَطَ فِی الْمَاءِ ثُمَّ اٰوٰی اِلٰی صَخْرَةٍ فَنَادَوْهُ فَاَجَابَهُمْ لِظَنِّ رَحْمَتِهِمْ فَاَرَادُوْا رَضْخَهٗ فَمَنَعَهُمْ یَهُوْدَا **وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ** فِی الْجُبِّ وَحْیٌ حَقِیْقَةً وَلَهٗ سَبْعَ عَشَرَةَ سَنَةً اَوْ دُوْنَهَا تَطْمِیْنًا لِقَلْبِهٖ **لَتُنَبِّئَنَّهُمْ** بَعْدَ الْیَوْمِ **بِاَمْرِهِمْ** بِصُنْعِهِمْ **هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴿۱۵﴾** بِكَ حَالَ الْاِنْبَاءِ **وَجَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً** وَقْتَ الْمَسَاءِ **یَّبْکُوْنَ﴿۱۶﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ** نَرْمِیْ **وَتَرَکْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا** ثِیَابِنَا **فَاَکَلَهُ الذِّئْبُ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ** مُصَدِّقٍ **لَّنَا وَلَوْ کُنَّا صٰدِقِیْنَ﴿۱۷﴾** عِنْدَكَ لَاتَّهَمْتَنَا فِیْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ لِمُحَبَّةِ یُوْسُفَ فَکَیْفَ وَاَنْتَ تُسِیْءُ الظَّنَّ بِنَا **وَجَآءُوْ عَلٰی قَمِیْصِهٖ** مَحَلُّهٗ نَصَبٌ عَلَی الظَّرْفِیَّةِ اَیْ فَوْقَهٗ **بِدَمٍ کَذِبٍ** اَیْ ذِیْ کَذِبٍ بِاَنْ ذَبَحُوْا سَخْلَةً وَلَطَخُوْهُ بِدَمِهَا وَذَهِلُوْا عَنْ شَقِّهٖ وَقَالُوْا اِنَّهٗ دَمُهٗ **قَالَ** یَعْقُوْبُ لَمَّا رَاٰهُ صَحِیْحًا وَعَلِمَ کِذْبَهُمْ **بَلْ سَوَّلَتْ** زَیَّنَتْ **لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا** فَفَعَلْتُمُوْهُ بِهٖ **فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ** لَاجَزَعَ فِیْهِ وَهُوَ خَبَرُ مُبْتَدَاٍ مَحْذُوْفٍ اَیْ اَمْرِیْ **وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ** الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ الْعَوْنُ **عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ﴿۱۸﴾** تَذْکُرُوْنَ مِنْ اَمْرِ یُوْسُفَ **وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ** مُسَافِرُوْنَ مِنْ مَدْیَنَ اِلٰی مِصْرَ فَنَزَلُوْا قَرِیْبًا مِنْ جُبِّ یُوْسُفَ **فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ** الَّذِیْ یَرِدُ الْمَاءَ لِیَسْتَسْقِیَ مِنْهُ **فَاَدْلٰی** اَرْسَلَ **دَلْوَهٗ** فِی الْبِیْرِ فَتَعَلَّقَ بِهَا یُوْسُفُ فَاَخْرَجَهٗ فَلَمَّا رَاٰهُ **قَالَ یٰبُشْرٰی** وَفِیْ قِرَاءَةٍ بُشْرٰی وَنِدَاءُهَا مَجَازٌ اَیْ اُحْضُرِیْ فَهٰذَا وَقْتُكِ **هٰذَا غُلٰمٌ** فَعَلِمَ بِهٖ اِخْوَتُهٗ فَاَتَوْهُمْ **وَاَسَرُّوْهُ** اَیْ اَخْفَوْا اَمْرَهٗ جَاعِلِیْهِ **بِضَاعَةً** بِاَنْ قَالُوْا هُوَ عَبْدُنَا اَبَقَ وَسَکَتَ یُوْسُفُ خَوْفًا اَنْ یَّقْتُلُوْهُ **وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ﴿۱۹﴾**

وَشَرَوْهُ اَیْ بَاعُوْهُ مِنْهُمْ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ نَاقِصٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ عِشْرِیْنَ اَوْ اِثْنَیْنِ وَعِشْرِیْنَ وَكَانُوْا اَیْ اِخْوَتُهٗ فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ فَجَاءَتْ بِهِ السَّیَّارَةُ اِلٰی مِصْرَ فَبَاعَهُ الَّذِیْ اِشْتَرَاهُ بِعِشْرِیْنَ دِیْنَارًا وَزَوْجَیْ نَعْلٍ وَثَوْبَیْنِ۔ ع ۲ ۱۲

ترجمہ:............سورۂ یوسف مکی ہے جس میں ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الف، لام، را (ان حرفوں کی واقعی مراد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) یہ آیتیں ہیں کتاب (مراد قرآن ہے اور اضافت بواسطۂ من ہے) روشن کی (جو حق و باطل کو ظاہر کر دینے والی ہے) ہم نے اتارا ہے عربی (زبان) میں قرآن تا کہ (اے مکہ والو!) تم سمجھو بوجھو (ان کے معانی سمجھ سکو) ہم آپ سے بڑا عمدہ ایک قصہ بیان کر رہے ہیں اس وحی کے ذریعہ جو ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے اور یقیناً (ان مخففہ ہے بمعنی انہ) آپ اس سے پہلے محض بے خبر تھے۔ (یاد فرمایئے وہ وقت) جب یوسفؑ نے اپنے والد (حضرت یعقوبؑ) سے عرض کیا کہ اے ابا جان! (یہ لفظ کسرۂ تا کے ساتھ ہے۔ یائے محذوف پر دلالت کرنے کے لئے اور فتح تاء کے ساتھ بھی ہے۔ الف محذوف پر دلالت کرنے کے لئے جو یاء سے بدلا ہوا ہے) میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں (یہ تاکید ہے) کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں (یا اور نون کے ساتھ جمع لایا گیا ہے۔ کیونکہ سجدہ کرنا ذی عقل چیزوں کی شان اور صفت ہوتی ہے) فرمایا کہ بیٹا! اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے روبرو مت بیان کر دیجیو۔ کہ وہ تمہارے خلاف کسی منصوبہ کی تدبیریں کرنے لگیں (حسد کے مارے کہیں تمہاری تباہی کے سامان نہ کرنے لگیں۔ کیونکہ ان کا ذہن اس خواب کی تعبیر کی طرف چلا جائے گا کہ ستاروں سے مراد وہ خود ہیں اور سورج سے مراد تمہاری والدہ اور چاند سے مراد تمہارے باپ ہیں) یاد رکھو شیطان انسان کا صریح دشمن ہے (کھلم کھلا دشمنی کرنے والا) ایسے ہی (جیسے تم نے دیکھا ہے) تمہارے پروردگار تمہیں برگزیدہ (منتخب) کرنے والا ہے اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم عنایت فرمائے گا اور تم پر اور خاندان (اولاد) یعقوبؑ پر اپنی نعمت (نبوت) پوری فرمائے گا۔ جیسا کہ اس نعمت (نبوت) کو پہلے تمہارے دادا پردادا ابراہیم واسحٰقؑ پر پوری فرما چکا ہے۔ واقعی تمہارا پروردگار بڑے علم والا ہے۔ (اپنی مخلوق کے متعلق) بڑی حکمت والا ہے (لوگوں کے ساتھ کارروائی کرنے میں) یوسفؑ کے اور ان کے (گیارہ) بھائیوں کے قصہ میں بڑی نشانیاں (عبرتیں) موجود ہیں (ان کے حالات) پوچھنے والوں کے لئے (وہ وقت یاد فرمایئے) جب کہ بھائیوں نے گفتگو کی (یعنی حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں گفتگو کی) کہ یوسفؑ (یہ مبتداء ہے) اور اس کا بھائی (سگا بھائی بنیامین) ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے۔ حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں۔ واقعی ہمارے باپ کھلی غلطی (خطا) پر ہیں (ان دونوں بھائیوں کو ہمارے مقابلہ میں بڑھا کر) پس یوسفؑ کو مار ڈالو یا ان کو کہیں ایسی جگہ (دور دراز) پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا رخ خالص تمہاری ہی طرف رہے (تمہاری ہی طرف توجہ ہو جائے کسی دوسری طرف نہ رہے) اور اس کے بعد (یعنی یوسفؑ کو قتل کرنے یا کنویں میں ڈالنے کے بعد) پھر تم نیک بن جانا (توبہ کر کے) پھر ان میں سے ایک کہنے والے (یہودا) نے کہا یوسفؑ کو قتل مت کرو۔ ان کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو (پھینک دو۔ جو تاریک ہو اور ایک قرأت میں لفظ غیابة جمع کے ساتھ ہے) کوئی راہ چلتا (مسافر) نکال لے گا اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے (انہیں جدا ہی کرنا چاہتے ہو تو اتنے ہی پر بس کرو) سب کہنے لگے ابا جی! اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسفؑ کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم تو ان کے خیر خواہ ہیں (ان کی مصلحتوں کا لحاظ رکھتے ہیں) کل آپ انہیں ہمارے ساتھ (جنگل) بھیجئے۔ کچھ کھائے پیئے اور کھیلے کودے (یہ دونوں لفظ یا اور نون کے ساتھ ہیں تفریح کریں گے آزادی سے رہیں گے) ہم ان کی پوری حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ فرمایا کہ یہ بات مجھے غم

میں ڈالتی ہے کہ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو اسے بھیڑیا کھا لے۔ (اس سے مراد عام بھیڑیا ہے۔ کیونکہ وہ سرزمین بھیڑیوں کی آبادی تھی) اور تم اس سے بے خبر رہو (کسی دوسرے دھندے میں لگے رہو) بولے یہ کیسے ہوسکتا ہے (لام قسمیہ ہے) کہ بھیڑیا اسے کھالے اور ہمارا پورا جتھہ موجود ہو۔ اگر ایسا ہو تو ہم نرے نکمے ہی نکلے (بالکل ہی گئے گزرے ہوئے۔ چنانچہ باپ نے بیٹے کو بھائیوں کے ساتھ بھیج دیا) پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کو ساتھ لے جانے لگے اور سب نے اس پر اتفاق (پختہ ارادہ) کرلیا کہ انہیں کسی اندھے کنویں میں ڈال دیں (لما کا جواب محذوف ہے یعنی انہوں نے یہ کارروائی اس طرح شروع کردی کہ انہیں مارنے پیٹنے، توہین کرنے، قتل کی ٹھان لینے کے بعد کرتا اتار کر ننگا کرنا شروع کردیا۔ اور ڈول میں بٹھلا کر کنویں میں لٹکا دیا۔ جب یوسفؑ آدھے کنویں تک پہنچا تو اسے مار ڈالنے کے لئے چھوڑ دیا۔ چنانچہ بے چارہ پانی میں جاگرا۔ پھر وہاں کسی پتھر کو پکڑ لیا۔ بھائیوں نے جو آواز دی تو یہ سمجھ کر کہ شاید بھائیوں کو ترس آگیا ہو۔ حضرت یوسفؑ نے آواز کو جواب دیا۔ لیکن بھائیوں نے چاہا کہ بڑے سے پتھر سے اسے ختم کر ڈالیں۔ مگر یہودا پھر آڑے آیا) تو ہم نے یوسفؑ کے پاس وحی بھیجی (کنویں میں سچ مچ وحی آئی۔ حالانکہ ان کی عمر کل سترہ سال یا اس سے کم تھی۔ ان کی تسلی اور دلجمعی کی خاطر) کہ (اس کے بعد) ایک دن ضرور آنے والا ہے کہ جب تم ان بھائیوں کو (ان کی یہ کارستانیاں) جتاؤ گے اور وہ تمہیں پہچانیں گے بھی نہیں (جتلانے کے وقت) اور یہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت (رات کو) روتے پیٹتے پہنچے کہنے لگے ابا ہم سب تو (تیر اندازی کرتے ہوئے) آپس میں دوڑنے میں لگ گئے اور یوسفؑ کو اپنے سامان (کپڑے لتوں) کے پاس چھوڑ دیا۔ پس ایسا ہوا کہ کہیں سے بھیڑیا آنکلا اور یوسفؑ کو کھا گیا اور آپؑ تو ہمارا یقین کاہے کو کرنے لگے۔ گو ہم کیسے ہی سچے ہوں (آپ کے نزدیک۔ لیکن تب بھی آپؑ یوسفؑ کی محبت میں ہمیں جھوٹا سمجھیں گے اور جب آپ بدگمان بھی ہوں پھر تو کیا ہی پوچھنا؟) اور یوسفؑ کے کرتے پر (علی قمیصه محل نصب میں ہے ظرفیت کی وجہ سے بمعنی فوقه) جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے تھے (جھوٹا خون کہ ایک بکری کا بچہ کاٹ کر اس کے خون میں آلودہ تو کرلیا۔ مگر کرتے کو پھاڑنا یاد نہ رہا۔ کہنے لگے دیکھئے کرتے پر یوسفؑ کا خون ہے۔ یعقوبؑ نے (جب کرتہ صحیح سالم دیکھا اور ان کے جھوٹ بولنے کا یقین ہو گیا تو) فرمایا کہ نہیں یہ تو تم نے اپنے دل ایک بات بنائی (گھڑلی) ہے (اسی لئے تم یہ کرر ہے ہو) خیر اب تو صبر ہی کروں گا۔ جس میں شکایت کا نام نہیں ہوگا (بے قراری نہیں ہوگی۔ یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ "امری صبر جمیل") اور اللہ ہی مدد کرے گا (ان ہی کی مدد مطلوب ہے) جو باتیں تم بنار ہے ہو (یوسفؑ کا معاملہ بیان کرر ہے ہو) ایک قافلہ آنکلا (جو مدین سے مصر کو جارہا تھا۔ جب ان لوگوں نے یوسفؑ والے کنویں کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا) چنانچہ قافلہ والوں نے اپنا سقہ پانی کے لئے بھیجا (جو پانی بھرنے کے لئے کنویں پر پہنچا) جوں ہی اس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا (تو یوسفؑ اس میں لٹک گئے۔ سقہ نے انہیں نکالا۔ لوگوں نے دیکھا) پکار اٹھا ارے بڑی خوشی کی بات ہے (اور ایک قرآت میں بشری آیا ہے مجاز اندا ہے۔ یعنی اے خوشخبری آجا کہ یہی تیرے آنے کا وقت ہے) یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا (یوسفؑ کے بھائیوں کو پتہ چلا تو دوڑے ہوئے آئے) قافلہ والوں نے یوسفؑ کو چھپالیا (یعنی یوسفؑ کے معاملہ کو چھپالیا) سامان کے طور پر (کہنے لگے یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا۔ یوسفؑ اس ڈر سے خاموش رہے کہ کہیں بھائی مار نہ ڈالیں) اور اللہ کو ان کی سب کارگزاریاں معلوم تھیں۔ اور بھائیوں نے یوسفؑ کو بیچ ڈالا (قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا) بہت ہی سستے داموں۔ تھوڑے سے پیسوں میں (بیس یا بائیس روپے میں) اور وہ (بھائی) یوسفؑ کے کچھ قدردان تو تھے ہی نہیں (چنانچہ قافلے والے یوسفؑ کو بازار مصر میں لے گئے اور انہیں بیس اشرفیوں، ایک جوڑی جوتے اور دو کپڑوں کے تھان کے بدلہ میں فروخت کر ڈالا۔

تحقیق وترکیب: .... هذا القرآن اس میں نقص اور اوحینا کا تنازع ہورہا ہے۔ دوسرے فعل کا معمول بنا کر پہلے

فعل میں ضمیر لے آئے اور فضلہ ہونے کی وجہ سے حذف کردیا گیا۔ ان کنت۔ ان نافیہ کے ساتھ نہیں آیا کرتا اور ان تحقیقیہ میں خبر پر لام آتا ہے۔ کوکبا گیارہ ستاروں کے نام یہ ہیں (۱) جریان (۲) طارق (۳) زیال (۴) قابس (۵) عمودان (۶) فلیق (۷) مصبح (۸) صروح (۹) فرع (۱۰) وثاب (۱۱) ذوالکتفین۔

والشمس امك ماں کو سورج اس لئے کہا گیا کہ سورج سے جس طرح چاند روشن ہوتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء جو چاند کی مانند ہیں ماں سے پیدا ہوتے ہیں اور باپ کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ باپ چاند کی طرح اندھیرے اور تاریکی میں رہنمائی کرتا ہے اور بھائی چاند وسورج کے بعد ظاہر ہے کہ ستاروں ہی کے درجہ پر آسکتے ہیں اور بعض کی رائے میں حضرت یوسفؑ کی والدہ راحیل کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے سورج سے مراد ان کی خالہ لیا ہے۔

للسائلین یہود نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے داستان یوسفؑ دریافت کی تھی۔ یا یہ پوچھا تھا۔ کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد کنعان کی بجائے مصر میں کیوں جا کر مری؟ اس پر آپؐ نے یہ پورا قصہ سنایا جو تورات کے مطابق نکلا۔ اس لئے یہ آپؐ کے لئے دلیل نبوت ہے۔

عصبة عصبہ اور عصابۃ دس سے زیادہ یا چالیس تک آدمیوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے کیونکہ کاموں کو ان سے تقویت پہنچتی ہے۔ یہودا سب بھائیوں میں اسی کی رائے بہتر رہی ہے۔

یرتع پھل پھلالی وغیرہ کھانا۔ غیابة الجب یہ کنواں کنعان کی آبادی سے تین میل پر تھا۔ شداد نے اردن کو آباد کرنے کے لئے یہ بنوایا تھا۔ اور پر کا حصہ تنگ اور نیچے سے کشادہ تھا اور بقول کاشفیؒ ستر گز یا ستر گز سے زیادہ گہرا تھا۔ الـقـوہ رسی کاٹ دی جس سے ڈول گر گیا۔ اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی یا بقول بعض سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔

لتنبئنهم بامرهم یعنی مستقبل میں یہ تمہیں نہیں پہچان سکیں گے اور تم ان سے باخبر رہوگے۔ ولو کنا صٰدقین یہ مطلب نہیں کہ حضرت یعقوبؑ سچے آدمی کو بھی سچا نہیں سمجھتے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ گو ہم واقع میں سچ بولیں۔ مگر یوسفؑ کی محبت میں چونکہ آپؑ بدگمان ہیں اس لئے آپؑ کو یقین نہیں آئے گا۔

کذب یا تو کذب بمعنی ذی کذب ہے اور یا مصدر بطور مبالغہ استعمال کیا گیا ہے۔

فباعه بعض نے بردہ فروشی کے بازار میں لے جا کر قیمت لگوانے کو مانا ہے اور وہاں ان کی بولی بولی گئی تو قیمت اتنی چڑھ گئی کہ ان کے ہموزن مشک اور ان کے ہموزن چاندی اور ان کے ہموزن حریری تھان ہونے چاہئیں۔ چنانچہ قطفیر مصر نے یوسفؑ کو اس قیمت پر خرید لیا۔ اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔ تیرہ سال قطفیر کے یہاں رہے۔ جس میں قید خانہ کی مدت بھی داخل ہے۔ پھر تیس سال کی عمر میں ریان کے وزیر بنے اور تینتیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

بہر حال "ثمن بخس" کے معنی اگر حرام قیمت کے لئے جائیں تو اس سے آزاد آدمی کا بیچنا ناجائز معلوم ہوا اس پر اجماع بھی ہے البتہ اختلاف ہے کہ مخمصہ اور اضطرار کی حالت میں بھی آزاد کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ مشہور جواز ہے لیکن بعض نے مطلقاً ہر حال میں ناجائز کہا ہے۔ البتہ امام اعظمؒ اور دوسرے مجتہدین کی یہ رائے نہیں ہے۔ اور ممکن ہے یہ اجازت ضرورت کے موقعہ پر دی گئی ہو۔ مثلاً: ایک مسکین مظلوم اس طرح اپنا حق ظالم سے وصول کرنا چاہتا ہو۔ اور اس بہانہ سے وصول کر کے ظالم کے دعویٰ کرنے پر اپنے آپ کو آزاد ظاہر کردے گا۔

ربط آیات: .... پچھلی سورت میں وکلا نقص الخ سے قصوں کی حکمت کا بیان ہوا تھا۔ اسی حکمت کے پیش نظر تقریباً اس

پوری سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان لذیذ بیان کی گئی پچھلی سورت میں سات آٹھ واقعات بیان کرنے کا مقصد بھی آپ کو تسلی دینا تھی۔ کہ آپ ان مخالفتوں سے نہ گھبرائیے۔ کیونکہ ایسا ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اس قصہ سے بھی یہی مقصود ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح آپؐ کے بھائی برادر بھی ناکام رہیں گے۔ اور آپؐ ہر طرح مظفر ومنصور ہوں گے۔ یہ تو دونوں سورتوں کا باہمی ربط ہوا۔ لیکن اس سورت کے اجزاء کا اجمالی ربط یہ ہے کہ واقعہ کے شروع کرنے سے پہلے قرآن کی حقانیت بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد واقعہ کی تفصیلات ہیں۔ پھر آخر میں توحید کا مضمون اور اس کی خلاف ورزی پر وعید۔ اس کے بعد رسالت کی بحث اور انکار کرنے والوں کی بدانجامی کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ایسے واقعات کا عبرت انگیز ہونا اور قصص قرآنی کا حق ہونا بتلایا گیا ہے اور اسی پر سورت ختم ہوگئی ہے۔

اس اجمالی ربط کے بعد دوسری سورتوں کی طرح اس میں تفصیلا ربط کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کہ ہر ہر آیت کا الگ الگ ربط بیان کیا جائے۔

شانِ نزول:......... ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمیں کوئی عمدہ قصہ سنا دیجئے تو بہتر ہو۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے آپؐ سے امتحاناً اس واقعہ کی فرمائش کی تھی تب یہ سورت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾......... **اولاد یعقوبؑ:**......... حضرت یعقوبؑ کے بارہ لڑکے تھے۔ لیاہ بیوی سے چھ لڑکے (۱) روبن (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (۵) اشکار (۶) زبلون۔ اور بلہا بیوی سے دو لڑکے (۱) دان (۲) نفتالی۔ اور زلفہ بیوی سے دو لڑکے (۱) جد (۲) آشر۔ اور راحل بیوی سے دو لڑکے (۱) یوسف (۲) بنیامین۔ پیدا ہوئے۔ ان میں یوسف اور بنیامین دونوں سب سے چھوٹے تھے اور بنیامین کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ پس اس گھرانہ میں والدین اور یہ بارہ بھائی یعنی کل چودہ آدمی رہ گئے تھے۔

تورات کا بیان:......... تورات کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لیاہ اور راحل دونوں بیویوں میں سخت رقابت رہتی تھی۔ جس کا اثر ان کی اولاد پر بھی پوری طرح نمایاں ہوا۔ چونکہ یوسفؑ ان سب میں ہونہار اور حضرت یعقوبؑ کو سب سے زیادہ عزیز تھے۔ اس لئے سوتیلے بھائیوں کو یہ بات نہایت شاق گزری۔ جس کے پیش نظر حضرت یعقوبؑ کو خصوصیت سے یوسفؑ کو فہمائش کرنی پڑی کہ خواب ان سے بیان مت کرنا۔ اور تورات ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے کے وقت حضرت یوسفؑ کی عمر سترہ سال تھی اور یہ کہ یوسفؑ نے بھائیوں سے یہ خواب بیان کر دیا تھا۔ ممکن ہے ممانعت سے پہلے بیان کر دیا ہو۔ جس کے مضر اثرات سامنے آئے۔ غرض کہ یوسفؑ و بنیامین حقیقی بھائی تھے اور باقی دس بھائی علاتی تھے۔ ان سے تو نقصان کا اندیشہ تھا ہی۔ لیکن ممکن ہے بنیامین کے منہ سے بات نکل جائے۔

داستان یوسفؑ بہترین قصہ ہے:......... اس قصہ میں چونکہ حاسد، محسود، مالک، مملوک، شاہد، مشہود، عاشق، معشوق، حبس، آزادی، خوش حالی، خشک سالی، گناہ، معافی، فراق، وصال، بیماری، صحت، عزت، ذلت وغیرہ متضاد چیزوں کا بیان ہے اور قضاء وقدر کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔ نیز حق تعالیٰ کوئی چیز کسی کو پہنچانا چاہیں تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور حسد کرنے

سے حاسد ہی کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور صبر کامیابی کی کنجی ہے اور تدبیر کرنا عقل کی بات ہے اور معاشی چیزوں میں عقل کارآمد چیز ہے۔ غرضیکہ اسی قسم کی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے بقول روح المعانی اس واقعہ کو ''احسن القصص'' فرمایا گیا ہے۔

طرزِ بیان کی خصوصیت:......... نیز چونکہ صحابہؓ یا دوسرے لوگوں کی فرمائش یا درخواست پر یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے دوسرے واقعات کی طرح اسے توڑ توڑ کر تھوڑا تھوڑا بیان نہیں کیا گیا کہ مقصود اور سیری حاصل نہ ہوتی۔ بلکہ پوری شرح وبسط کے ساتھ سیر حاصل طریقہ پر قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے غالباً دوسرے اکثر قصوں کی طرح قرآن میں اس قصہ کو بار بار نہیں دہرایا گیا ہے۔ ورنہ نشاط بھی فوت ہو جاتا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ دوسرے قصوں میں جہاں جتنا ٹکڑا مقصود ہوتا ہے اتنا ہی ہر مقام کے ساتھ اسے جوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مختلف پہلوؤں اور فوائد کی خاطر بار بار دہرانا مناسب سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہاں مقصود ہی سب کچھ یکجائی بیان کر دینا ہے۔ اس لئے ایک ہی مرتبہ بیان کو مفید سمجھا گیا۔

یا یوں کہا جائے کہ دوسرے قصوں میں گناہوں اور نافرمانیوں پر ڈانٹ ڈپٹ مقصود ہے۔ ان کے اہتمام کی وجہ سے بار بار انہیں دہرایا گیا۔ لیکن اس موقعہ میں اور اسی طرح اصحاب کہف، ذی القرنینؒ اور خضرؑ و موسیٰؑ کی ملاقات اور حضرت اسماعیلؑ کے ذبح میں یہ بات نہیں ہے۔ اس لئے ان سب کو ایک ہی دفعہ بیان کر دینا کافی سمجھا گیا ہے۔

حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کا خواب کی تعبیر سے واقف ہونا:......... یوسف علیہ السلام کا یہ دیکھنا غالباً خواب میں ہوگا۔ کیونکہ رؤیا کا لفظ اکثر خواب پر بولا جاتا ہے اور بھائیوں کا تعبیر سمجھ لینا خاندان نبوت کی مناسبت سے تھا۔ اس لئے ان کا نبی یا ولی ہونا ضروری نہیں ہے اور حضرت یوسفؑ کو علم تعبیر قطعی دیا گیا اور بھائیوں کو ظنی طور پر تھا۔ اس لئے دونوں کا تاویل الاحادیث کے شرف میں برابر ہونا لازم نہیں آتا اور بھائیوں کے مکر سے یہ ضروری نہیں کہ خواب کی تعبیر رک جائے۔ وہ تو بہرصورت یقیناً پوری ہوگی۔ لیکن اب حسد سے ایذا پہنچانے کے درپے ہو جائیں گے۔ پس فی الحقیقت ایذا سے بچانا مقصود ہے اور حضرت یعقوبؑ نے خواب کی تعبیر یا تو اس خواب ہی سے سمجھے ہوں گے اور یا وحی الٰہی سے بھائیوں کو ستاروں کے مثل ماننے سے نبی ہونا لازم نہیں آتا۔ صحابیت کا نور بھی تو ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سجدہ کرنے کے وقت توبہ کر کے وہ کامل درجہ کے صحابی ہو گئے تھے۔

اسی طرح آل یعقوبؑ ہونے سے بھی نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اول تو نعمت سے مراد عام ہے۔ عمل کے اختلاف سے اس کی خصوصیات مختلف ہو سکتی ہیں۔ پس مطلق نعمت میں شریک ہونا مقصود ہے۔ دونوں میں یکسانیت ضروری نہیں ہے۔ دوسرے آل یعقوبؑ سے مراد بالواسطہ اولاد بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آگے چل کر اسی خاندان میں بہت سے نبی ہوئے ہیں اور اتمام نعمت کے ذیل میں اپنا ذکر تواضعاً نہیں فرمایا۔

حضرت یوسفؑ سے زیادہ محبت ہونے کی وجہ:......... حضرت یوسفؑ سے حضرت یعقوبؑ کی سب سے زیادہ محبت کرنے کی کئی وجہ ہو سکتی ہیں سب سے اقرب وجہ یہ ہے کہ فراست نبوت سے ان کا ہونہار ہونا معلوم ہو گیا تھا اور خواب سن کر اس خیال کو اور بھی زیادہ تقویت ہو گئی تھی۔ البتہ دوسرے بھائیوں کا خیال یہ تھا کہ محبت کے متعلق حضرت یعقوبؑ سے اجتہادی غلطی ہو رہی ہے جو نبوت کے مخالف نہیں ہے۔ ضلال سے مراد خطاء اجتہادی ہوگی۔ ورنہ اعتقادی گمراہی کی نسبت پیغمبر کی طرف کرنا کفر ہوگا۔ حالانکہ یہ سب بھائی نبی نہ ہوں۔ مگر مؤمن یقیناً تھے۔ اس زمانہ میں قبائلی لوگوں کی دولت وثروت کا بڑا مدار مویشی پر تھا۔ دن بھر لوگ مویشی چراتے۔ شام کو خیموں میں آ کر آرام کرتے تھے۔ اسی طرح کی زندگی حضرت یعقوبؑ کے گھرانے کی بھی تھی۔ ادھر بھیڑیئے

مویشی کے دشمن ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی حادثہ ہوتا رہتا تھا۔ اسی وجہ سے بے اختیار حضرت یعقوبؑ کی زبان سے نکل گیا کہ کہیں ایسا ہی حادثہ یوسفؑ کو پیش نہ آجائے۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے یہی بات پکڑ لی اور اسی کا جھوٹا قصہ بنا کر سنا دیا۔ بھائیوں کی اس کارروائی کی چونکہ کوئی تاویل کرنی دشوار ہے۔ اس لئے ظاہراً کہا جائے گا کہ انہوں نے گناہ کبیرہ کیا۔ تاہم قصہ کے آخر میں ان کی توبہ واستغفار منصوص ہے اور توبہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں

کھیل کود کا حکم:............ اور چونکہ تیر اندازی اور بھاگ دوڑ وغیرہ کھیل بہت سے فوائد اور مصالح لئے ہوتے ہیں۔ جیسے نشاط طبع اور جی خوش ہونا وغیرہ جو بچوں کے لئے ضروری ہے اور دوسرے مشاغل میں جی لگنے کا ذریعہ بھی ہیں اور ضروری کام کا ذریعہ اور مقدمہ بھی ضروری ہوا کرتا ہے۔ اور چونکہ یوسفؑ کی محبت کا زیادہ ہونا بالذات تھا اور بنیامین کی محبت زیادتی بالعرض تھی۔ اس لئے یوسفؑ کے بارے میں جو تدبیر بتلائی وہ بنیامین کے متعلق نہیں فرمائی۔

صبر جمیل:............ "صبر جمیل" کے معنی خوبی کے ساتھ مصائب جھیلنے کے ہیں۔ جس میں شکوہ نہ ہو، درد والم کی شکایت زبان پر نہ آئے اور چونکہ حضرت یعقوبؑ کی فراست نبوت سے معلوم ہوگیا تھا کہ پچھلی بشارتیں یوسفؑ ہی کے ذریعہ پوری ہونے والی ہیں۔ اس لئے وہ کبھی باور نہیں کرسکتے تھے کہ اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ پس انہیں اس معاملہ میں قدرت الٰہی کا ہاتھ صاف نظر آیا اور انہوں نے اس کے سوا چارہ نہیں دیکھا کہ بغیر شکوہ وشکایت اور درد فراق جھیلتے رہیں اور اس کی کارروائیوں کے ظہور کے انتظار کرتے رہیں۔

خون آلودہ کُرتے نے فریب پر پردہ ڈالنے کی بجائے سارے جھوٹ کی قلعی کھول دی:............ آیت **وجاء وا علی قمیصه** میں خون آلودہ کرنے کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا۔ کیونکہ اس سے ان کا سارا جھوٹ کھل گیا۔ انہوں نے اپنے خیال میں یہ بڑی ہوشیاری کی بات کی تھی کہ یوسفؑ کے کرتے پر بکری کا خون لگا کر بطور شہادت لے آئے۔ لیکن یہ نہ سمجھے کہ اگر بھیڑیے نے حملہ کیا تھا تو کرتہ کیسے بچ رہا۔ اس کے تو پرزے پرزے ہوجاتے۔ حضرت یعقوبؑ نے جب کرتہ دیکھا تو انہیں پورا یقین ہوگیا کہ ساری کہانی من گھڑت ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ کو یقین یا غالب گمان سے برادران یوسفؑ کے بیان کا غلط ہونا معلوم ہوگیا تھا تو انہوں نے تلاش کیوں نہیں کیا۔ ایسے صبر میں تو دوسرے کی جان جانے کا اندیشہ تھا؟ سو غالباً وحی کے ذریعہ انہیں اطمینان ہوگیا ہوگا کہ یوسفؑ اس طرح ضائع نہیں ہوں گے۔ چونکہ قسمت میں یہ لمبی دوری مقدر تھی۔ اس لئے تلاش کو بے سود سمجھا۔

بل سولت لکم انفسکم الخ ایک بلیغانہ جملہ میں قرآن کریم نے کس طرح ساری باتیں کہہ دیں۔ جو اس معاملہ میں کہی جاسکتی ہیں۔ بھائیوں کا حسد کرنا۔ سازش کر کے معاملہ کی ایک پوری بناوٹی صورت بنالینی اور پھر سمجھنا کہ اس طرح ہم کامیاب ہوجائیں گے اور ہمارا جھوٹ بھی نہیں کھلے گا۔ سب کی طرف اس جملہ میں اشارے ہوگئے۔ اور حضرت یعقوبؑ کا یہ فرمانا قمیص دیکھ کر ہوگا۔ لیکن یہ روایت ثابت نہ ہو تو اجتہادی ذوق اور قلبی شہادت کی بناء پر ہوگا۔ جو اکثر تو واقع کے مطابق نکل آتا ہے۔ جیسے یہاں ہوا۔ لیکن کبھی انبیاء علیہم السلام کا گمان بھی واقع کے خلاف نکل آتا ہے۔ جیسے بنیامین کے واقعہ میں ہوا کہ بعینہ یہی جملہ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا۔ حالانکہ وہاں ظاہراً تسویل نہیں تھی۔

توراۃ کا بیان............آیت وجاءت سیارۃ الخ میں کس قافلہ کا بیان ہے؟ توراۃ میں ہے کہ قافلہ اسماعیلیوں کا تھا۔ جو گرم مصالحہ، بلسان اور مرمصر لے جارہا تھا اور اس وقت پہنچا جب برادران یوسف اپنا کام پورا کر کے روٹی کھانے بیٹھے تھے۔ یہودا نے کہا بہتر ہے ہم یوسفؑ کو ان کے ہاتھ بیچ ڈالیں اس کے مار ڈالنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے بیس سکوں میں بیچ ڈالا۔ اور توراۃ میں ہے کہ یہ کنواں بیابان میں تھا۔ جس میں ایک بوند پانی نہیں تھا۔" لیکن پانی کی تلاش میں جب سقہ نے کنویں میں ڈول ڈالا۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام کنویں میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ سمجھے کہ شاید کوئی آدمی مجھے نکالنے آیا ہے اور ڈول میں بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کی رہائی کا خود بخود سامان ہوگیا۔

لطائف آیات:............آیت اذقال یوسف الخ سے معلوم ہوا کہ مرید کو جو حال یا وارد جاگنے یا سونے میں خواب کے ذریعہ پیش آئے اسے اپنے شیخ سے بیان کردے۔ آیت قال یا بنیّ لا تقصص الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ کے علاوہ اپنا حال کسی سے نہ کہے کہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور نقصان مقامات کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے۔

آیت اذ قال یوسف واخوہ الخ سے سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مرید میں رشد و ہدایت کے آثار زیادہ محسوس ہوں تو شیخ سے اس زیادہ محبت رکھ سکتا ہے۔ نیز بعض دفعہ دوسرے مریدین کو برادران یوسف کی طرح شیخ کی اس زیادتی تعلق کے متعلق خطاء اجتہادی کا گمان ہوسکتا ہے۔

آیت یخل لکم الخ سے معلوم ہوا کہ شیخ کی توجہ کو مریدین کی اصلاح میں بڑا دخل ہے۔

آیت ارسل معنا الخ سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اس قسم کی مصلحت کے لئے زبانی یا عملی تفریح میں مرید کا لگنا درست ہوتا ہے۔

آیت بل سولت لکم الخ سے معلوم ہوا کہ فراست اور کشف کا ہمیشہ صحیح ہونا ضروری نہیں۔

آیت وشروہ بثمن الخ سے معلوم ہوا کہ جس طرح یہاں آزاد کا بیچنا ناجائز تھا۔ لیکن خوف کی وجہ سے منع نہیں کرسکے۔ اسی طرح نقصان کے اندیشہ سے ایسے مواقع پر سکوت اختیار کرنا کمال کے منافی نہیں ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ وَهُوَ قِطْفِیْرُ الْعَزِیْزُ **لِامْرَاَتِهٖٓ** زُلَیْخَا **اَکْرِمِیْ مَثْوٰىهُ** مَقَامَهٗ عِنْدَنَا **عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا** وَکَانَ حَصُوْرًا **وَکَذٰلِکَ** کَمَا نَجَّیْنَاهُ مِنَ الْقَتْلِ وَالْجُبِّ وَعَطَفْنَا قَلْبَ الْعَزِیْزِ **مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ** اَرْضِ مِصْرَ حَتّٰی بَلَغَ مَا بَلَغَ **وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** تَعْبِیْرًا لِرُّؤْیَا عَطْفٌ عَلٰی مُقَدَّرٍ مُتَعَلِّقٍ بِمَکَّنَّا اَیْ لِنُمَکِّنَهٗ اَوِ الْوَاوُ زَائِدَۃٌ **وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ** تَعَالٰی لَا یُعْجِزُهٗ شَیْءٌ **وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْکُفَّارُ **لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۲۱﴾** ذٰلِکَ **وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ** وَهُوَ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً اَوْ ثَلٰثٌ **اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا** حِکْمَةً **وَّعِلْمًا** فِقْهًا فِی الدِّیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّبْعَثَ نَبِیًّا **وَکَذٰلِکَ** کَمَا جَزَیْنَاهُ **نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴿۲۲﴾** لِاَنْفُسِهِمْ **وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا** هِیَ زُلَیْخَا **عَنْ نَّفْسِهٖ** اَیْ طَلَبَتْ مِنْهُ اَنْ

یُوَاقِعَهَا **وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ** لِلْبَیْتِ **وَقَالَتْ لَهٗ هَیْتَ لَکَ** اَیْ هَلُمَّ وَاللَّامُ لِلتَّبْیِیْنِ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِکَسْرِ الْهَاءِ وَاُخْرٰی بِضَمِّ التَّاءِ **قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ** اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ **اِنَّهٗ** اَیِ الَّذِیْ اشْتَرَانِیْ **رَبِّیْٓ** سَیِّدِیْ **اَحْسَنَ مَثْوَایَ** مَقَامِیْ فَلَا اَخُوْنُهٗ فِیْ اَهْلِهٖ **اِنَّهٗ** اَیِ الشَّاْنُ **لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ** ﴿۲۳﴾ الزُّنَاۃُ **وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ** قَصَدَتْ مِنْهُ الْجِمَاعَ **وَهَمَّ بِهَا** قَصَدَ ذٰلِکَ **لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ** قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُثِّلَ لَهٗ یَعْقُوْبُ فَضَرَبَ صَدْرَهٗ فَخَرَجَتْ شَهْوَتُهٗ مِنْ اَنَامِلِهٖ وَجَوَابُ لَوْ لَا لَجَامَعَهَا **کَذٰلِکَ** اَرَیْنَاهُ الْبُرْهَانَ **لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ** الْخِیَانَۃَ **وَالْفَحْشَآءَ** الزِّنَا **اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ** ﴿۲۴﴾ فِی الطَّاعَۃِ وَفِیْ قِرَاءَۃٍ بِفَتْحِ اللَّامِ اَیِ الْمُخْتَارِیْنَ **وَاسْتَبَقَا الْبَابَ** بَادِرًا اِلَیْهِ یُوْسُفُ لِلْفِرَارِ وَهِیَ لِلتَّشَبُّثِ بِهٖ فَاَمْسَکَتْ ثَوْبَهٗ وَجَذَبَتْهُ اِلَیْهَا **وَقَدَّتْ** شَقَّتْ **قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَیَا** وَجَدَا **سَیِّدَهَا** زَوْجَهَا **لَدَا الْبَابِ** فَنَزَهَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ **قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِکَ سُوْٓءًا** زِنًا **اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ** اَیْ یُحْبَسَ اَیِ السِّجْنُ **اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ** ﴿۲۵﴾ مُؤْلِمٌ بِاَنْ یُضْرَبَ **قَالَ** یُوْسُفُ مُتَبَرِّئًا **هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا** اِبْنُ عَمِّهَا رُوِیَ اَنَّهٗ کَانَ فِی الْمَهْدِ فَقَالَ **اِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ** قُدَّامٍ **فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ** ﴿۲۶﴾ **وَاِنْ کَانَ قَمِیْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ** خَلْفٍ **فَکَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ** ﴿۲۷﴾ **فَلَمَّا رَاٰ** زَوْجُهَا **قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ** اَیْ قَوْلُکِ مَا جَزَاءُ مَنْ اَرَادَ الخ **مِنْ کَیْدِکُنَّ اِنَّ کَیْدَکُنَّ** اَیُّهَا النِّسَاءُ **عَظِیْمٌ** ﴿۲۸﴾ ثُمَّ قَالَ یَا **یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** الْاَمْرِ وَلَا تَذْکُرْهُ لِئَلَّا یَشِیْعَ **وَاسْتَغْفِرِیْ** یَا زُلَیْخَا **لِذَنْبِکِ اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ** ﴿۲۹﴾ الْاٰثِمِیْنَ وَاشْتَهَرَ الْخَبَرُ وَشَاعَ **وَقَالَ نِسْوَۃٌ فِی الْمَدِیْنَۃِ** مَدِیْنَۃِ مِصْرَ **امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا** عَبْدَهَا **عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا** تَمْیِیْزٌ اَیْ دَخَلَ حُبُّهٗ شِغَافَ قَلْبِهَا اَیْ غِلَافَهٗ **اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلٰلٍ** خَطَاءٍ **مُّبِیْنٍ** ﴿۳۰﴾ بَیِّنٍ بِحُبِّهَا اِیَّاهُ **فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَکْرِهِنَّ** غِیْبَتِهِنَّ لَهَا **اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ** اَعَدَّتْ **لَهُنَّ مُتَّکَاً** طَعَامًا یُقْطَعُ بِالسِّکِّیْنِ لِلْاِتِّکَاءِ عِنْدَهٗ وَهُوَ الْاُتْرُجُّ **وَّاٰتَتْ** اَعْطَتْ **کُلَّ وَاحِدَۃٍ مِّنْهُنَّ سِکِّیْنًا وَّقَالَتِ** لِیُوْسُفَ **اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗٓ اَکْبَرْنَهٗ** اَعْظَمْنَهٗ **وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ** بِالسَّکَاکِیْنِ وَلَمْ یَشْعُرْنَ بِالْاَلَمِ لِشُغْلِ قَلْبِهِنَّ بِیُوْسُفَ **وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ** تَنْزِیْهًا لَهٗ **مَا هٰذَا** اَیْ یُوْسُفُ **بَشَرًا اِنْ** مَا **هٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ** ﴿۳۱﴾ لِمَا حَوَاهُ مِنَ الْحُسْنِ الَّذِیْ لَا یَکُوْنُ عَادَۃً فِی النَّسَمَۃِ الْبَشَرِیَّۃِ وَفِی الصَّحِیْحِ اَنَّهٗ اُعْطِیَ شَطْرَ الْحُسْنِ **قَالَتْ** اِمْرَاَۃُ الْعَزِیْزِ لَمَّا رَاَتْ مَا حَلَّ بِهِنَّ **فَذٰلِکُنَّ** فَهٰذَا هُوَ **الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ** فِیْ حُبِّهٖ بَیَانٌ لِعُذْرِهَا **وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ** اِمْتَنَعَ **وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ**

بِهٖ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ الذَّلِيْلِيْنَ فَقُلْنَ لَهٗ اَطِعْ مَوْلَاتَكَ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اَمِلْ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ اَصِرْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ الْمُذْنِبِيْنَ وَالْقَصْدُ بِذٰلِكَ الدُّعَاءُ فَلِذَا قَالَ تَعَالٰى فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ دُعَاءَهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ بِالْفِعْلِ ثُمَّ بَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ اَلدَّالَّاتِ عَلٰى بَرَاءَةِ يُوْسُفَ اِنْ يَّسْجُنُوْهُ دَلَّ عَلٰى هٰذَا لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ يَنْقَطِعُ فِيْهِ كَلَامُ النَّاسِ فَسُجِنَ

ع ۱۴

ترجمہ: .... اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسفؑ کو قافلہ والوں سے مول لیا تھا (یعنی قطفیر عزیز) اس نے اپنی بیوی (زلیخا) سے کہا اسے خاطر سے رکھنا (اس کا مقام ہمارے یہاں بلند رہنا چاہئے) عجب نہیں یہ ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنالیں (کیونکہ عزیز مصر نامرد تھا) اسی طرح (جیسے ہم نے انہیں قتل اور کنویں میں ڈالنے سے نجات بخشی اور عزیز مصر کا دل ان کی طرف مائل کردیا) ہم نے یوسفؑ کا قدم سرزمین مصر میں جمادیا (یہاں تک کہ انہوں نے اس قدر ترقی کرلی) اور تاکہ ہم انہیں خواب کی تعبیر دینا بتلادیں (اس کا عطف مقدر پر ہورہا ہے اور مکنا کے متعلق ہے۔ یعنی ہم نے انہیں جمادیا۔ یا واؤ زائد ہے) اور اللہ کو جو معاملہ کرنا ہوتا ہے وہ کرکے رہتا ہے (اسے کوئی مات نہیں دے سکتا) لیکن اکثر آدمی (کفار) ایسے ہیں جو نہیں جانتے (یہ بات) اور پھر جب یوسفؑ اپنی جوانی کو پہنچے (یعنی تیس، تینتیس سال کے ہوئے) تو ہم نے انہیں کارفرمائی کی قوت (حکمت) اور علم کی دولت بخشی (نبوت سے پہلے دین کی سمجھ عطا کی) ہم نیک عملوں کو ایسا ہی بدلہ (جیسے انہیں بخشا) دیا کرتے ہیں اور جس عورت (زلیخا) کے گھر میں یوسفؑ رہتے تھے وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی (خواہش پوری کرنے کے لئے انہیں پھسلانے لگی) اور اس نے (اپنے گھر کے) دروازے بند کردیئے اور (ان سے) بولی "لو آؤ" تم ہی سے کہتی ہوں (یعنی آجاؤ اس میں لام بیانیہ ہے اور ایک قرأت میں کسرہ ہاء کے ساتھ اور دوسری قرأت میں ضمہ تاء کے ساتھ ہے) یوسفؑ کہنے لگے معاذ اللہ (اللہ بچائے اس کام سے) وہ (جس نے مجھے مول لیا ہے) میرا مربی (آقا ہے) اس نے مجھے عزت کے ساتھ جگہ دی (اس لئے مجھے اس کی امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہئے) ایسے حق فراموشوں (زناکاروں) کو فلاح نہیں ہوا کرتی اور عورت کے دل میں یوسف کا خیال جم ہی چکا تھا (ان سے خواہش پورا کرنے کا ارادہ کرچکی تھی) اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا (اس طرف مائل ہونے لگے تھے) اگر ان کے پروردگار کی دلیل ان کے سامنے نہ آگئی ہوتی (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یوسفؑ کے سامنے حضرت یعقوبؑ کی شبیہ کردی گئی۔ جس نے یوسفؑ کی چھاتی پر ایسا ہاتھ مارا کہ ان کی شہوت انگلیوں کے راستے سے نکل گئی۔ لولا کا جواب لجامعها محذوف ہے) اسی طرح (ہم نے انہیں دکھلادی) تاکہ برائی (خیانت) اور بے حیائی (زنا) کی باتیں ان سے دور رکھیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھے جو برگزیدگی کے لئے چن لئے گئے (بلحاظ اطاعت کے اور ایک قرأت میں فتح لام کے ساتھ آیا ہے بمعنی پسندیدہ) اور دونوں آگے پیچھے دروازہ کی طرف دوڑے (یوسفؑ تو بھاگنے کے لئے دوڑے اور زلیخا انہیں پکڑنے کے لئے لپکی اور ان کا کپڑا پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگی) عورت نے یوسفؑ کا کرتہ پیچھے سے کھینچا اور پھاڑ ڈالا) اور دونوں نے دیکھا (پایا) کہ عورت کا خاوند (شوہر) دروازہ کے پاس کھڑا ہے (اس لئے اپنی برأت کرنی شروع کردی اور) لگی جو آدمی تیرے اہل خانہ کے ساتھ بری بات (زنا) کا ارادہ کرے اس کی کیا سزا ہونی چاہئے؟ بس اسے تو جیل خانہ بھیج دینا چاہئے (یعنی جیل میں بند کردینا چاہئے) یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے (تکلیف دہ ہو۔ انہیں پیٹا جائے)

یوسفؑ بولے (اپنی برأت کرتے ہوئے) کہ خود اسی نے مجھ پر ڈورے ڈالے ہیں کہ میں پھسل پڑوں۔ اور اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی (جو اس کا چچازاد بھائی تھا۔ روایت ہے کہ اس نے گہوارے میں بات کی کہ) یوسفؑ کا کرتہ اگر آگے (سامنے) سے پھٹا ہے تب تو عورت سچی ہے یوسفؑ جھوٹے ہیں اور اگر پیچھے سے دوٹکڑے ہوا ہے تو عورت نے جھوٹ بولا یوسفؑ سچے ہیں۔ پس جب عورت کے شوہر نے دیکھا کہ یوسفؑ کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو کہنے لگا کہ یہ (تیرا کہنا کہ ما جزاء الخ) تم عورتوں کی چالا کی ہے۔ بے شک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں (پھر بولا کہ) اے یوسفؑ! درگزر کر اس معاملہ سے (کسی سے اس کا ذکر مت کرنا ورنہ بات پھیل جائے گی) اور (اے زلیخا) اپنے قصور کی معافی مانگ لے۔ بے شک تو ہی سرتاپا قصوروار ہے (خطاکار ہے۔ یہ خبر پھیل کر مشہور ہوگئی) اور شہر (مصر) کی چند عورتیں کہنے لگیں۔ دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی۔ کہ اسے رجھالے۔ وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی (یہ تمیز ہے۔ یعنی اس کی محبت اس کے دل میں جگہ پکڑ گئی) ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑ گئی (اس سے محبت کر کے کھلی ہوئی غلطی کر رہی ہے) جب عزیز مصر کی بیوی نے مکاری (اپنی غیبت) کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں آراستہ کیں۔ (ایسی کھانے کی چیز جو ٹیک لگائے ہوئے چھری سے کاٹ کر کھائی جاسکتی ہے یعنی ترنج) اور ہر ایک کو ایک چھری پیش کر دی۔ پھر (یوسفؑ سے) کہا ان سب کے سامنے نکل آؤ۔ جب عورتوں نے یوسفؑ کو دیکھا تو حیران (ہکابکا) رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں (چاقوؤں سے اور یوسفؑ کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے انہیں تکلیف کا احساس تک نہ ہوا) اور پکار اٹھیں ''سبحان اللہ'' یہ (یوسفؑ) تو انسان نہیں ہے۔ ضرور ایک فرشتہ ہے بڑے رتبہ کا (کیونکہ وہ حسن کے اس درجہ پر تھے جو عادۃً کسی انسان میں جمع نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کو آدھا حسن عطا فرمایا گیا تھا) بولی (عزیز مصر کی بیوی۔ ان عورتوں کی بدحواسی دیکھ کر) یہ ہے وہ آدمی جس کی (محبت کے) بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے تھے (اس میں اپنی معذرت بیان کی ہے) ہاں! بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا۔ مگر وہ بے قابو نہ ہوا (بچارہا) اور آئندہ اگر یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو ضرور جیل خانہ کی ہوا کھائے گا اور بے عزت بھی ہوگا (عورتیں یوسفؑ کو سمجھانے لگیں کہ تمہیں اپنی مالکہ کا کہنا مان لینا چاہیئے) یوسفؑ نے اللہ کے حضور دعا کی۔ خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں۔ اگر آپ نے ان کی مکاریوں کے دام سے نہ بچایا تو عجب نہیں میں ان کی طرف جھک پڑوں اور نادانی کا کام کر بیٹھوں (کوتاہی کر گزروں اور ان جملوں کا مقصد چونکہ دعا تھی اس لئے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) سو ان کے پروردگار نے ان کی (دعا) سن لی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ سے انہیں بچالیا۔ بلاشبہ وہی ہے (دعا کا) بڑا سننے والا اور (کاموں کو) خوب جاننے والا۔ پھر مختلف علامات دیکھنے کے بعد (جو یوسفؑ کی پاک دامنی پر دلالت کر رہی ہیں۔ انہیں جیل بھیجنا ہی مناسب معلوم ہوا۔ جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے) یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ ایک خاص وقت تک کے لئے یوسفؑ کو قید میں ڈال دیں (لوگوں کے چرچے کم ہو جانے تک۔ چنانچہ انہیں حوالۂ جیل کر دیا گیا)

تحقیق وترکیب: .... حصورا جو عورتوں کے لائق نہ ہو یا قاضی کی رائے کے مطابق بانجھ ہو۔ واللّٰہ غالب بعض آثار میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ابن ادم ترید وانا ارید ولا یکون الا ما ارید فان اسلمت لی فیما ارید اعطیتك ما ترید وان نازعنی فیما ارید اتصبتك فیما ترید ثم لا یکون الا ماارید اس لئے ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ تقدیر الٰہی پر بندہ کو چوں وچرا نہیں کرنی چاہیئے۔ وراودته باب مفاعلة میں اصل تو جانبین کی شرکت ہوتی ہے۔ لیکن یہاں صرف ایک جانب سے ہے اور دوسری جانب میں سبب کو فعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ یعنی حضرت یوسفؑ کا حسن وجمال مراودت کا باعث بنا۔ جیسے مداوات مریض کا سبب بیماری

ہے جو بیمار کے ساتھ لگی ہوئی ہوتی ہے۔

زلیخا حق تعالیٰ نے نام صراحۃً ذکر نہیں کیا۔ استہجان کے اعتبار سے اور ستر اور تعلیم ادب کے لئے کہ کسی کو اپنی بیوی کا نام نہیں لینا چاہیئے۔ اسی لئے قرآن کریم میں بجز حضرت مریمؑ کے کسی عورت کا نام ذکر نہیں کیا تاکہ عیسائیوں کے اس خیال کی تردید ہو جائے کہ مریم اللہ کی بیوی ہے۔

هیت لک اسم فاعل ہے بمعنی هلم. **معاذالله** مصدر بمعنی فعل ہے۔ **وهم بها** اختیاری ارادہ مراد نہیں بلکہ طبعی میلان اور تقاضۂ شہوت مراد ہے جس کے روکنے پر شرعاً ثواب اور مدح ہے اور یا ارادہ کے قریبی درجہ کو مجازاً ارادہ سے تعبیر کیا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ **قتلته لولم اخف الله** جب کہ ارادہ قتل کے قریب ہو جائے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ یوسفؑ و زلیخا دونوں نے ارادہ کیا۔ مگر ہر ایک کے ارادہ کی نوعیت الگ الگ تھی۔ زلیخا پکڑنا چاہتی اور یوسفؑ بھاگنا چاہتے۔

لو لا ان رای یہ حرف امتناع ہے یعنی **امتنع لوجود روية البرهان** اور یا اس کا تعلق **هم** کے ساتھ کیا جائے ای **لو لا روية برهان ربه لهم بها لكنه امتنع همه بها لوجود روية برهان ربه.**

قالت ما جزاء اپنی جان بچانے کے لئے تو یہ پینترا بدلا اور یوسفؑ کی جان بچانے کے لئے **الا ان يسجن** کی آڑ لی۔ جس سے زلیخا کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس بہانہ یوسفؑ کے جمال سے سیراب ہوتی رہے گی اور **الا جعله من المسجونين** کی بجائے **الا ان يسجن** کہنے میں سزا کے ہلکا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

في المهد اور ایک روایت یہ بھی کہ وہ شخص بوڑھا دانش مند تھا۔ پہلی روایت کے مطابق تین یا چار یا چھ مہینہ کا بچہ تھا اور یہی راجح ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ چار بچوں نے کلام کیا ہے۔ فرعون کی بیٹی ماشطہ کے لڑکے اور شاہد یوسف اور صاحب جریج نے اور عیسیٰ علیہ السلام نے۔

ان كيدكن عظيم عورتوں کے مکر کی نسبت تو عظیم فرمایا گیا ہے اور شیطان کی نسبت کہا گیا ہے۔ **ان كيد الشيطن كان ضعيفا** جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا کہ عورتوں کا مکر شیطان کے مکر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں کے مکر کی بڑائی مردوں کی نسبت سے ہے اور شیطان کی تدبیر کا کمزور ہونا بہ نسبت حق تعالیٰ کے مقصود ہے۔

غلافه جس کو حجاب القلب اور لسان القلب کہا جاتا ہے۔

متكا اس کے معنی سہارے کی جگہ کے اور کھانے کے اور ترنج کے اور ایسی کھانے کی چیزوں کے آتے ہیں۔ جو چاقو چھری سے کاٹی جائیں۔

قطعن زلیخا چونکہ محبت میں صاحب تمکین تھی اس لئے ہاتھ نہیں کاٹے۔ البتہ زنان مصر خام تھیں اس لئے غلبۂ حال میں ہاتھ کاٹ بیٹھیں۔ **ماهذا بشرا** حدیث **اعطى شطر الحسن** سے بظاہر حضرت یوسفؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن میں بڑھا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ فضیلت جزئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت کل حاصل ہے یا کہا جائے کہ حسن صباحت میں حضرت یوسفؑ بڑھے ہوئے ہیں اور حسن ملاحت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑھے ہوئے ہیں اور احادیث میں آپؐ کے حسن صورت کی روایتیں بھی کافی ملتی ہیں۔

احب الى یہ اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے۔ بلکہ دو برائیوں میں سے اہون البلیتین کو ترجیح دینا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اگر یوسفؑ جیل خانہ پسند نہ کرتے تو اس میں مبتلا بھی نہ ہوتے۔ اسی لئے انسان کو ہر حال میں عافیت طلب کرنی چاہیئے۔

﴿ تشریح ﴾: ......**تورات کا بیان**: ....تورات میں ہے کہ جس مصری نے حضرت یوسف کو خریدا تھا اس کا نام فوطی فار تھا۔ اور وہ فرعون کا امیر اور سردار فوج تھا۔ قرآن بھی اسے عزیز کہتا ہے۔ یعنی ایسا آدمی جو ملک مین بڑی جگہ رکھتا تھا۔ عزیز مصر نے پہلے تو محض ایک خوبصورت لڑکا سمجھ کر خرید لیا تھا۔ لیکن جب تھوڑے ہی دنوں میں اس پر حضرت یوسفؑ کے جوہر کھل گئے تو ان کی راست بازی، نیک عملی، نفس کی پاکی سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اپنے سارے گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا۔ تورات میں ہے کہ یوسفؑ کے انتظامات سے فوطی فار کی آمدنی دوگنی ہوگئی تھی۔

ذلت کی تدبیریں عزت کا زینہ بن گئیں: ....جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو گویا حضرت یوسفؑ کی مصری کامرانیوں کی بنیاد پڑ گئی اور وہ میدان آ گیا جہاں ان کے جوہر کھلنے والے اور بتدریج تخت مصر تک پہنچانے والے تھے۔ چنانچہ مصر میں اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کے قدم اس طرح جمائے کہ پہلے اگرچہ غلام ہو کر بکے۔ لیکن پھر معزز و محترم ہو کر زندگی بسر کرنے لگے اور خواب کی تعبیر کا علم اور دانش وحکمت مرحمت ہوئی۔ بھائیوں نے یوسفؑ کو نامراد کرنا چاہا تھا۔ لیکن انہوں نے جو کچھ کیا وہی ان کی فتح وفیروزی کا ذریعہ بن گیا۔ ولما بلغ اشدہ سے معلوم ہوا کہ جب کئی سال رہنے کے بعد وہ جوان ہوئے تو حکمرانی کی سمجھ اور علم کی روشنی مرتبہ کمال کو پہنچ گئی اور قانون الٰہی یہ ہے کہ نیک کرداروں کو اسی طرح ان کے حسن عمل کے نتائج ملا کرتے ہیں۔

یوسفؑ وزلیخا تورات کی نظر میں: ....تورات میں ہے کہ یوسفؑ خوبصورت اور نور پیکر تھے۔ پس جب جوانی کو پہنچے تو (عزیز مصر) بیوی ان پر فریفتہ ہوگئی۔ اور جب دیکھا دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا۔ تو جیسا کہ قاعدہ ہے لبھانے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کام میں لائیں۔ پھر جب وہ اس پر بھی نہ پھسلے تو ایک دن جوش میں وہ بات کر بیٹھی۔ جو اس معاملہ کی انتہائی حد ہے۔ یعنی ہر طرح کی رکاوٹیں جو کسی انسان کو ضبط نفس پر مجبور کرسکتی ہیں راستہ سے دور کردیں اور کھلے لفظوں میں طلبگار اور مضر ہوئی۔

زنا اگرچہ ہر طرح بری چیز ہے خواہ کسی کے ساتھ ہو۔ مگر پھر بھی ''انہ ربی'' کہنا زیادہ برائی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں پڑوسن کے ساتھ زنا کرنے کی زیادہ وعید آئی ہے۔ دوسرے چونکہ گفتگو زلیخا سے ہو رہی تھی اور وہ شرعی برائی سے ناواقف تھی اور بعار یک عقلی برائی کو بھی نہیں سمجھتی۔ اس لئے کھلی برائی کی طرف اشارہ کردیا۔ تاکہ اس پر حجت ہوسکے۔

حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی: ....آیت وھم بھا کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ بہت سے محققین کے نزدیک تو اس کے ساتھ لولا ان رای الخ کی قید لگی ہوئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر حضرت یوسفؑ اللہ تعالیٰ کی برہان کو نہ دیکھتے تو اس کارروائی میں مبتلا ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ اس لئے خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ یہ توجیہ اگرچہ نہایت لطیف ہے۔ مگر دوسری توجیہ اس سے بھی زیادہ عمدہ ہے کہ لولا ان رای الخ کا تعلق وھم بھا سے نہ مانا جائے۔ دونوں جملوں کو الگ الگ رکھا جائے اور دوسرے جملہ شرطیہ کی جزاء محذوف مانی جائے۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ وسوسہ کے درجہ میں حضرت یوسفؑ کو زلیخا کی طرف التفات اور میلان ہو چلا تھا۔ اور درجۂ ہم میں وسوسہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے معاف ہے اس لئے حضرت یوسفؑ کی عفت وعصمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بلکہ اور زیادہ کمال واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ طبعی قوت، بدنی صحت، جسمانی اعتدال، سلامتی اعضاء کی وجہ سے رغبت کے باوجود ضبط نفس اور پاکدامنی کے معیار پر پورا اترنے میں زیادہ صبر اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ البتہ اگر نعوذ باللہ اس میں مبتلا ہو جاتے تو اشکال ہوتا۔

باقی یوسفؑ وزلیخا اگر چہ دونوں فعل ھم میں شریک تھے۔لیکن دونوں کے ارادوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیونکہ حضرت یوسفؑ کا ارادہ بھاگنے کا تھا اور زلیخا کا ارادہ انہیں پکڑنے کا تھا۔اس صورت میں بنیاد اشکال ہی ختم ہوگئی۔اسی لئے ولقد همت به وهم بها فرمایا گیا ہے اور "هما" یا "هم كل واحد" نہیں فرمایا گیا اور اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے پہلے جملہ میں تاکید کے لئے لقد لایا گیا اور دوسرے جملہ میں نہیں لایا گیا۔حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے ارادے چونکہ صورت شکل میں ایک تھے۔اس لئے دونوں کو "ھم" سے تعبیر کیا گیا ورنہ حضرت یوسفؑ کا ارادہ ھم کے درجہ سے پہلے تھا۔

انك ميت وانهم ميتون میں بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مختصر جملہ "انكم ميتون" کی بجائے "انك ميت وانهم ميتون لمبی عبارت کے بولا گیا ہے۔کیونکہ نفس موت میں اگر چہ سب شریک ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اور دوسروں کی موت کی نوعیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔مسئلہ حیات النبی پر اس طرز عبارت سے روشنی پڑ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد ثم انكم يوم القيمة تبعثون فرمایا گیا ہے۔وہاں الگ الگ جملے نہیں لائے گئے۔کیونکہ قیامت میں اٹھنا سب کو ہوگا۔

زلیخا کا محل:............غلقت الابواب کے جملہ سے کئی دروازوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے اور واستبقا الباب الخ سے دروازہ کا ایک ہونا معلوم ہو رہا ہے۔اسی طرح والفيا سيدها لدى الباب سے دروازہ کا کھلا ہوا ہونا اور غلقت سے بند ہونا معلوم ہو رہا ہے۔کہا جائے گا کہ امراء اور بادشاہوں کے محل اور کوٹھی بنگلوں کی طرح گھر کے دروازے چاروں طرف مختلف ہوں گے۔آگے پیچھے ڈیوڑھیوں کی طرح ترتیب دار نہیں ہوں گے۔پس حضرت یوسفؑ ان میں سے کسی ایک دروازہ کی طرف دوڑے ہوں گے اور اسے کھول کر جلدی سے باہر گئے ہوں گے۔یعنی معمولی طریقہ پر صرف کنڈی لگا کر دروازہ بند کر لیا ہوگا۔اس کے بعد زنجیر کھول کر باہر گئے ہوں گے۔باقی دروازوں کے آگے پیچھے ہونے اور خاص اہتمام اور کیفیت کے ساتھ بند ہونے اور کھلنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

وہ شاہد کون تھا؟ مسند احمد، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہد بچہ تھا۔آئندہ آیت والأيات سے بھی بظاہر اس کی تائید ہوتی ہے۔

ایک بچہ کی شہادت معتبر ہے یا نہیں:............بچہ کی شہادت دینے کا یہ واقعہ حضرت یوسفؑ کی نبوت سے پہلے پیش آیا ہے تو اسے معجزہ کی بجائے ارہاص کہا جائے گا۔نیز اس شاہد کا فیصلہ کوئی شرعی حجت نہیں۔حجت کافیہ تو اس بچہ کا بولنا تھا۔مگر حاضرین کے مذاق کے موافق اس کا بیان کر دینا حجت اصلیہ کے لئے زیادہ تائید کا باعث ہوگیا۔ پس اس سے ایسی ظنی چیزوں کا حجت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔جیسے اسامہ کو دیکھ کر ایک قیافہ شناس نے حضرت زیدؓ کا بیٹا بتلایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے خوش ہوئے کہ مخالفین قیافہ شناس کی بات کا اعتبار کرتے تھے۔اگر چہ یہ کوئی شرعی دلیل نہیں تھی۔لیکن شرعی دلیل "الولد للفراش" کی اس سے تائید ہو رہی تھی۔اس لئے آپؐ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

اور اس بچہ کو شاہد کہنا بولنے کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ اس میں زلیخا کے سچ بولنے کے احتمال سے تعرض ہی نہیں۔لیکن اس فیصلہ کے اعتبار سے اس کا شاہد کہنا حالانکہ اس فیصلہ میں یوسفؑ وزلیخا میں سے دونوں کے سچ ہونے کا احتمال تھا۔اس لئے ہے کہ آخر میں اس فیصلہ کا نفع حضرت یوسفؑ ہی کے حق میں ہوا۔ پس گویا حضرت یوسفؑ ہی کی شہادت دینا مقصود تھی۔

اس عورت کا نام اگر چہ زلیخا مشہور ہے۔لیکن بعض نے راعیل نام بتلایا ہے یا ان میں سے ایک لقب اور دوسرا نام۔اور اس کے شوہر کا نام قطفیر تھا جو مصر کا مدار المہام تھا۔جس کو عزیز کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قدیم تمدن کی ترقی:............**واعتدت لهن الخ** سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اس زمانہ کی مصری معاشرت کس درجہ شائستہ ہو چکی تھی۔دعوت کی مجلسیں خاص طور پر آراستہ کی جاتی تھیں۔بیٹھنے کے لئے مسندیں لگائی جاتی تھیں۔کھانے کے لئے ہر شخص کے سامنے چھری کانٹے،تراش خراش کی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔چنانچہ مصر کے آثار قدیمہ اور یونانی مؤرخوں کی شہادت سے جو حالات روشنی میں آئے ہیں ان سے بھی اس متمدن معاشرت کی تصدیق ہوتی ہے۔بالخصوص اس نقوش سے جن میں امراء کی مجلسوں کا مرقع دکھایا گیا ہے اور جو قرآن کے ان ارشادات کی پوری تفسیر ہے۔

حضرت یوسفؑ کا وان **لا تصرف الخ** کہنا عصمت نبوت کے خلاف نہیں ہے۔کیونکہ یہ عصمت بھی تو اللہ کی حفاظت کی بدولت ہے۔انبیاء علیہم السلام کی نظر اصل مؤثر حقیقی پر ہونے کی وجہ سے انہیں اپنی عصمت پر اعتماد اور ناز نہیں ہوتا۔پس حضرت یوسفؑ کے ان **لا تصرف** کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھ سے اس فتنہ کو پھیر دیجئے۔اسی لئے آگے **فاستجاب الخ** اور **فصرف الخ** فرمایا گیا ہے۔لیکن قید میں جانا قبولیت دعا کا جز نہیں ہے۔جیسا کہ مشہور ہے کہ قید کی دعا کرنے کی وجہ سے یوسفؑ گرفتار ہوئے۔ظاہر ہے کہ انہوں نے اس بدفعلی کو قید ہونے سے بدتر قرار دیا ہے۔اس سے اس کا درخواست ہونا کہاں سے لازم آیا۔اور آیات سے مراد معجزہ ہے جو دلیل عقلی ہے اور قمیص کا دامن خاص طریقہ سے چاک ہونا دلیل عادی ہے اور زلیخا کا خود اقرار کر لینا دلیل شرعی ہے۔یہ سب باتیں عزیز مصر تک پہنچ گئی تھیں۔جن سے حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی ٹپک رہی تھی۔

لطائف آیات:............آیت **قال معاذ اللّٰہ الخ** سے معلوم ہوا کہ محسن اگر کافر بھی ہو تب بھی اس کی رعایت کرنی چاہیئے۔جیسا کہ اہل طریقت کا معمول ہے۔آیت **قال ھی راودتنی الخ** سے معلوم ہوا کہ مخالف کا عیب ایسے وقت ظاہر کر دینا جب چھپانے میں اپنے نقصان کا اندیشہ ہو مکارم اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔آیت **فلما راینہ الخ** سے بقول ابن عطاءؒ معلوم ہوا کہ جب مخلوق کے مشاہدہ کے غلبہ کا یہ اثر ہے تو مشاہدہ حق کا کیا کچھ اثر ہو سکتا ہے۔پس اگر اس حالت میں ایسے شخص سے کوئی بات ظاہر کے خلاف سرزد ہو جائے تو اس پر اعتراض اور انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ غُلَامَانِ لِلْمَلِكِ اَحَدُهُمَا سَاقِيْهِ وَالْاٰخَرُ صَاحِبُ طَعَامِهٖ فَرَاٰيَاهُ يُعَبِّرُ الرُّؤْيَا فَقَالَا لَنَخْتَبِرَنَّهٗ **قَالَ اَحَدُهُمَآ** السَّاقِيْ **اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا** اَيْ عِنَبًا **وَقَالَ الْاٰخَرُ** صَاحِبُ الطَّعَامِ **اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا** خَبِّرْنَا **بِتَاْوِيْلِهٖ** بِتَعْبِيْرِهٖ **اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ** لَهُمَا مُخْبِرًا اَنَّهٗ عَالِمٌ بِتَعْبِيْرِ الرُّؤْيَا **لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ** فِيْ مَنَامِكُمَا **اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ** فِي الْيَقْظَةِ **قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا** تَاوِيْلُهٗ **ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ** فِيْهِ حَثٌّ عَلٰٓى اِيْمَانِهِمَا ثُمَّ قَوَّاهُ بِقَوْلِهٖ **اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ** دِيْنَ **قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ** تَاكِيْدٌ **كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ** يَنْبَغِيْ **لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ** زَائِدَةٌ

شَیْءٍ لِعِصْمَتِنَا **ذٰلِكَ** التَّوْحِیْدُ **مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْكُفَّارُ **لَا یَشْكُرُوْنَ﴿۳۸﴾** اللّٰهَ فَیُشْرِكُوْنَ ثُمَّ صَرَّحَ بِدُعَائِهِمَا اِلَی الْاِیْمَانِ فَقَالَ **یٰصَاحِبَیِ** سَاكِنَیِ **السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾** خَیْرٌ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِیْرٍ **مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ** اَیْ غَیْرِهٖ **اِلَّا اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ** سَمَّیْتُمْ بِهَا اَصْنَامًا **اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا** بِعِبَادَتِهَا **مِنْ سُلْطٰنٍ** حُجَّةٍ وَّبُرْهَانٍ **اِنِ** مَا **الْحُكْمُ** الْقَضَاءُ **اِلَّا لِلّٰهِ** وَحْدَهٗ **اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ذٰلِكَ** التَّوْحِیْدُ **الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْكُفَّارُ **لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۴۰﴾** مَایَصِیْرُوْنَ اِلَیْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَیُشْرِكُوْنَ **یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا** اَیِ السَّاقِیْ فَیَخْرُجُ بَعْدَ ثَلَاثٍ **فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ** سَیِّدَهٗ **خَمْرًا** عَلٰی عَادَتِهٖ هٰذَا تَاوِیْلُ رُؤْیَاهُ **وَاَمَّا الْاٰخَرُ** فَیَخْرُجُ بَعْدَ ثَلَاثٍ **فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ** هٰذَا تَاوِیْلُ رُؤْیَاهُ فَقَالَا مَارَاَیْنَا شَیْئًا فَقَالَ **قُضِیَ** تَمَّ **الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ﴿۴۱﴾** عَنْهُ سَاَلْتُمَا صَدَقْتُمَا اَمْ كَذَبْتُمَا **وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ** اَیْقَنَ **اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا** وَهُوَ السَّاقِیْ **اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ** سَیِّدِكَ فَقُلْ لَهٗ اِنَّ فِی السِّجْنِ غُلَامًا مَحْبُوْسًا ظُلْمًا فَخَرَجَ **فَاَنْسٰهُ** اَیِ السَّاقِیَ **الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ** یُوْسُفَ عِنْدَ **رَبِّهٖ فَلَبِثَ** مَكَثَ یُوْسُفُ **فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ﴿۴۲﴾** قِیْلَ سَبْعًا وَقِیْلَ اِثْنَیْ عَشَرَ **وَقَالَ الْمَلِكُ** مَلِكُ مِصْرَ الرَّیَّانُ بْنُ الْوَلِیْدِ **اِنِّیْٓ اَرٰی** اَیْ رَاَیْتُ **سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ** یَبْتَلِعُهُنَّ **سَبْعٌ** مِنَ الْبَقَرِ **عِجَافٌ** جَمْعُ عَجْفَاءَ **وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ** اَیْ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ **یٰبِسٰتٍ** قَدِ الْتَوَتْ عَلَی الْخُضْرِ وَعَلَتْ عَلَیْهَا **یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ** بَیِّنُوْا لِیْ تَعْبِیْرَهَا **اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾** فَعَبِّرُوْهَا **قَالُوْٓا** هٰذِهٖ **اَضْغَاثُ** اَخْلَاطُ **اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا** اَیْ مِنَ الْفَتَیَیْنِ وَهُوَ السَّاقِیْ **وَادَّكَرَ** فِیْهِ اِبْدَالُ التَّاءِ فِی الْاَصْلِ دَالًا وَاِدْغَامُهَا فِی الدَّالِ اَیْ تَذَكَّرَ **بَعْدَ اُمَّةٍ** حِیْنَ حَالَ یُوْسُفَ **اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾** فَاَرْسَلُوْهُ اِلَیْهِ فَاَتٰی یُوْسُفَ فَقَالَ یَا **یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ** الْكَثِیْرُ الصِّدْقِ **اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْٓ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ** اَیِ الْمَلِكِ وَاَصْحَابِهٖ **لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾** تَعْبِیْرَهَا **قَالَ تَزْرَعُوْنَ** اَیِ ازْرَعُوْا **سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا** بِسُكُوْنِ الْهَمْزَةِ وَفَتْحِهَا مُتَتَابِعَةً وَهِیَ تَاوِیْلُ السَّبْعِ السِّمَانِ **فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ** اُتْرُكُوْهُ **فِیْ سُنْۢبُلِهٖٓ** لِئَلَّا یَفْسُدَ **اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ﴿۴۷﴾** فَدُوْسُوْهُ **ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** اَیِ السَّبْعِ الْمُخْصِبَاتِ **سَبْعٌ شِدَادٌ** مُجْدِبَاتٌ صِعَابٌ وَهِیَ تَاوِیْلُ السَّبْعِ الْعِجَافِ **یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ** مِنَ

الْحَبِّ الْمَزْرُوْعِ فِي السِّنِيْنَ الْمُخْصِبَاتِ اَيْ تَاكُلُوْنَهُ فِيْهِنَّ **اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ** ﴿۴۸﴾ تَدَّخِرُوْنَ **ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ** اَيِ السَّبْعِ الْمُجْدِبَاتِ **عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ** بِالْمَطَرِ **وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ** ﴿۴۹﴾ الْاَعْنَابَ وَغَيْرَهَا لِخِصْبِهٖ **وَقَالَ الْمَلِكُ** لَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ وَاَخْبَرَهُ بِتَاوِيْلِهَا **ائْتُوْنِيْ بِهٖ** اَيْ بِالَّذِيْ عَبَّرَهَا **فَلَمَّا جَآءَهُ** اَيْ يُوْسُفَ **الرَّسُوْلُ** وَطَلَبَهُ لِلْخُرُوْجِ **قَالَ** قَاصِدًا اِظْهَارَ بَرَاءَتِهٖ **ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ** اَنْ يَّسْاَلَ **مَا بَالُ** حَالُ **النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ** سَيِّدِيْ **بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ** ﴿۵۰﴾ فَرَجَعَ فَاَخْبَرَ الْمَلِكَ فَجَمَعَهُنَّ **قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ** شَانُكُنَّ **اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ** هَلْ وَجَدْتُّنَّ مِنْهُ مَيْلًا اِلَيْكُنَّ **قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ** وَضَحَ **الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ** ﴿۵۱﴾ فِيْ قَوْلِهٖ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ فَاُخْبِرَ يُوْسُفُ بِذٰلِكَ فَقَالَ **ذٰلِكَ** اَيْ طَلَبُ الْبَرَاءَةِ **لِيَعْلَمَ** الْعَزِيْزُ **اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ** فِيْ اَهْلِهٖ **بِالْغَيْبِ** حَالٌ **وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ** ﴿۵۲﴾

ترجمہ:.......... اور یوسفؑ کے ساتھ دو غلام اور بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے (یہ شاہی غلام تھے۔ ان میں سے ایک ساقی اور دوسرا شاہی باورچی خانے کا داروغہ تھا۔ چنانچہ جب ان دونوں نے دیکھا کہ یوسفؑ خواب کی تعبیر بیان کرتے ہیں تو کہنے لگے ہم بھی آزما کر دیکھیں) ان میں سے ایک نے کہا (جو ساقی تھا) کہ میں اپنے کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ شراب (انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا (جو کھانے کا منتظم تھا) مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اسے کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلایئے۔ آپ ہمیں نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں یوسفؑ نے (انہیں اپنے تعبیر کے فن سے باخبر ہونا بتلاتے ہوئے) کہا تمہارا کھانا جو تمہیں (خواب میں) کھانے کے لئے ملا تھا۔ میں تمہیں اس کی حقیقت بتلا دوں گا (جاگنے کی حالت میں) اس تعبیر کے ظاہر ہونے سے پہلے یہ بتلا دوں گا اس علم کی بدولت ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمایا ہے (اس جملہ میں ان باتوں کے ماننے کی ترغیب دینی ہے۔ پھر آگے اس کی تائید کے لئے ارشاد ہے) میں نے ان لوگوں کا طریقہ (اپنی قوم کا مذہب) چھوڑ دیا ہے۔ جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ اور وہ لوگ آخرت کو بھی نہیں مانتے۔ میں نے اپنے باپ دادوں۔ یعنی ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے (مناسب نہیں ہے) کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں (کیونکہ ہم معصوم ہیں) یہ (توحید) ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا ایک فضل ہے۔ لیکن اکثر آدمی (کفار) شکر بجا نہیں لاتے۔ (اللہ کا کہ شرک کرنے لگتے ہیں۔ پھر آگے کھل کر ایمان کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا) اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! (رفیقو) کیا متفرق معبود اچھے ہیں یا ایک برحق معبود جو سب سے زبردست ہے۔ (وہ اچھا ہے یہ استفہام تقریری ہے) تم لوگ تو اللہ کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی پرستش کرتے ہو (جنہیں تم بت کہتے ہو) جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی (عبادت کی) کوئی سند (دلیل) نہیں اتاری۔ حکم (فیصلہ) تو (تنہا) اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو۔ اور کسی کی نہ کرو یہی (توحید) سیدھا طریقہ ہے۔ لیکن اکثر آدمی (کفار) جانتے نہیں (کہ انہیں کیسا عذاب ہوگا۔ اس لئے وہ شرک میں لگے رہتے

ہیں) اے قید خانہ کے ساتھیوں! تم میں سے ایک آدمی (یعنی ساقی تین روز بعد جیل سے رہا ہوگا) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔ (پہلی عادت کے مطابق۔ یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے) اور وہ دوسرا (تین روز بعد رہا ہوکر) سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرند اس کے سر نوچیں گے (یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے۔ دونوں کہنے لگے کہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔ فرمایا) جس بات کے متعلق تم سوال کرتے ہو (خواہ تم نے صحیح پوچھا یا جھوٹ) وہ اسی طرح مقدر (طے) ہو چکا ہے۔ اور یوسفؑ نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا (یعنی ساقی) اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس جاؤ تو مجھے یاد رکھنا (اور اس سے کہنا کہ جیل خانہ میں ایک قیدی کو ظلم سے گرفتار کر رکھا ہے۔ لیکن جب ساقی رہا ہوا) تو شیطان نے اس (ساقی) کو یوسفؑ کا تذکرہ اپنے آقا کے سامنے کرنا بھلا دیا۔ پس یوسفؑ کئی برس (سات سال، بارہ سال) جیل خانہ میں رہے اور پھر ایسا ہوا کہ (مصر کے) بادشاہ (ریان ابن ولید) نے کہا میں کیا دیکھتا ہوں (یعنی میں نے خواب میں دیکھا) کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی جنہیں نگل رہی ہیں (کھا رہی ہیں) سات دبلی گائیں (عِجَاف جمع ہے عجفاء کی) اور سات بالیں ہری ہیں اور دوسری (یعنی سات بالیں) سوکھیں ہیں (جو ہری بالوں پر لپٹی جارہی ہیں اور ان پر چھا گئی ہیں) اے درباروالوں! میرے خواب کا مطلب حل کرو (اس کی تعبیر بتلاؤ) اگر تم خواب کا مطلب حل کرنا جانتے ہو؟ (تو اس کی تعبیر بتلاؤ) درباریوں نے عرض کیا (یہ باتیں) یوں ہی پریشان خواب وخیال ہیں۔ اور ہم خوابوں کی تعبیر کا علم صحیح طور پر رکھتے نہیں ہیں۔ اور جس آدمی نے دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی (یعنی دونوں جوانوں میں سے ساقی) اسے یاد آیا (دراصل اس میں تاء کو دال بنا کر دال میں ادغام کر دیا یعنی تـذکـر) مدت کے بعد (یوسفؑ کا حال) کہنے لگا میں اس خواب کی تعبیر کی خبر لائے دیتا ہوں۔ ذرا مجھے جانے کی اجازت دیجئے (چنانچہ درباریوں نے اسے بھیج دیا۔ اور اس نے حضرت یوسفؑ کے پاس حاضر ہوکر عرض کیا) اے یوسفؑ! اے مجسم سچائی! (بہت زیادہ سچا) اس خواب کا ہمیں حل بتا دیجئے۔ کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی۔ تاکہ میں ان لوگوں (بادشاہ اور درباریوں) کے پاس واپس جاسکوں۔ تاکہ انہیں بھی معلوم ہوجائے (اس خواب کی تعبیر) یوسفؑ نے فرمایا کہ تم کھیتی کرتے رہوگے (یعنی غلہ بونا) سات برس تک لگاتار (ہمزہ کے سکون اور فتح کے ساتھ یہ لفظ پڑھا گیا ہے یعنی مسلسل۔ یہی مطلب ہے سات موٹی گایوں کا) پھر جو فصل کاٹو اسے بالوں ہی میں رہنے دینا (تاکہ گھن نہ لگ جائے) البتہ صرف اتنی مقدار الگ کرلیا کرنا جو تمہارے کھانے کے کام آئے (اسے کھالیا کرو) پھر اس کے بعد (یعنی سرسبزی کے سات سالوں کے بعد) سات برس بڑی سخت مصیبت کے آئیں گے (جو قحط کے اعتبار سے بڑے کٹھن ہوں گے سات دبلی گایوں کا مطلب یہی ہے تم کھا ڈالو گے اپنا پچھلا کیا ہوا ذخیرہ (پیداوار کے برسوں میں بوئے ہوئے غلہ کے دانے۔ یعنی ان خشک سالوں میں کھا پی لوگے) مگر ہاں تھوڑا سا جو تم روک رکھو گے بچ رہے گا (جسے تم نے ذخیرہ کرلیا ہوگا) پھر ان (قحط کے برسوں) کے بعد ایک برس آئے گا ایسا۔ جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور اس میں شیرہ خوب نچوڑیں گے (انگور وغیرہ کا پھل پھول زیادہ ہونے کی وجہ سے) اور بادشاہ (جب قاصد اس کے پاس خواب کی تعبیر لے کر پہنچا) کہنے لگا ان (جنہوں نے خواب کی تعبیر بتلائی ہے) میرے پاس لے کر آؤ۔ لیکن جب (یوسفؑ کے پاس) پیام لے جانے والا پہنچا (اور ان سے چلنے کی فرمائش کی) تو یوسفؑ نے فرمایا (اپنی برائت ظاہر کرنے کے خیال سے) تو اپنی سرکار کی طرف لوٹ جاؤ پھر ان سے دریافت کرو (کہ وہ پوچھیں) ان عورتوں کا کیا معاملہ تھا۔ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ جیسی کچھ مکاریاں انہوں نے کی تھیں میرا پروردگار انہیں خوب جانتا ہے (چنانچہ قاصد لوٹا اور بادشاہ کو یہ پیغام سنایا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ نے عورتوں کو جمع کیا) بادشاہ نے پوچھا تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا؟ جب تم نے یوسفؑ پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کرلو (تو کیا تم نے اپنی طرف مائل پایا تھا؟) وہ بولیں حاشاللہ ہم نے ذرا بھی تو ان میں کوئی برائی کی بات نہیں پائی۔

عزیز مصر کی بیوی بول اٹھی جو حقیقت تھی وہ تو اب ظاہر ہوگئی ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسفؑ پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے بلاشبہ وہ بالکل سچا ہے (اپنے دعویٰ میں کہ ھی راودتنی عن نفسی الخ چنانچہ جب یوسفؑ کو اس کی اطلاع دی گئی تو کہنے لگے) یہ (اپنی براءت محض اس لئے طلب کی) تاکہ (عزیز مصر کو) معلوم ہوجائے۔ کہ میں نے اس کے پیٹھ پیچھے (اس کی بیوی کے بارے میں) خیانت نہیں کی (بالغیب حال ہے) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

تحقیق وترکیب:............ **ودخل معه** یعنی ایک ساتھ یہ تینوں شخص قید خانہ میں داخل کئے گئے۔ حضرت یوسفؑ پر تو عزیز مصر کی بیوی کا الزام تھا اور باقی دوجوان خود بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ ہوئے تھے۔ ایک شاہی باورچی خانہ کا منتظم اور دوسرا ساقی تھا۔ پہلے کا نام غالب یا مخلب اور دوسرے کا نام ابروہا یا یعرنا تھا۔ کچھ دشمنوں نے بادشاہ کو زہر دینے کے لئے انہیں رشوت دینا چاہی مگر ساقی نے انکار کردیا۔ البتہ باورچی راضی ہوگیا اور روٹیوں میں زہر ملا دیا۔ جب دسترخوان پر کھانا چنا گیا تو ساقی بولا اے بادشاہ! کھانا مت کھایئے کہ زہر آلود ہے اور باورچی بھی کہنے لگا کہ شراب مت پیجئے کہ زہر ملا ہوا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ساقی کو پہلے خود شراب پینے کا حکم دیا وہ پی گیا اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ باورچی سے کھانا کھانے کے لئے کہا گیا تو اس نے انکار کردیا۔ جس سے اس کا مجرم ہونا ثابت ہوگیا۔ اس لئے دونوں کو جیل خانہ بھجوادیا۔ **خمرا** انگور مراد ہیں یا ان کی زبان میں انگوروں کو خمر ہی کہا جاتا ہوگا۔ اس کے خواب کا حاصل یہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو باغ میں دیکھا جس میں درخت تھے اور انگور کے تین خوشے لگ رہے تھے اور دیکھا کہ شاہی جام اس کے ہاتھ میں ہے۔ جس سے بادشاہ کو شراب پلا رہا ہے۔

لا یاتیکما جلال محققؒ نے اس کو خواب پر محمول کیا ہے۔ یعنی جس کھانے کو تم نے خواب میں دیکھا ہے۔ اور جس کی مجھے اطلاع دے رہے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا غالب مشغلہ خواب وخور ہوتا ہے انہیں خواب بھی اسی کے نظر آتے ہیں "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"، بلی کے خواب میں چھیچھڑے کسی نے سچ کہا ہے۔

مارأینا شیئا ایک قول یہ ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ انہوں نے فی الحقیقت دیکھا تھا۔ محض آزمائش نہیں تھی اور اتنا کہنا صرف باورچی کی طرف سے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے خواب کی تعبیر بری نکلی۔

ظن اگر ظن سے مراد اجتہاد ہے تو اجتہاد کا ظنی ہونا معلوم ہوا خواہ انبیاء کا اجتہاد ہو۔

وقال الملك اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کی رہائی کے لئے اس خواب کو بہانہ بنادیا ہے۔

سبع بقرات ان چودہ گایوں کو بادشاہ نے سمندر سے نکلتے دیکھا تھا۔ جن میں سے سات دبلی گایوں نے سات موٹی گایوں کو نگل لیا۔

جمع عجفاء قیاس یہ چاہتا ہے کہ **عجف** ہو کیونکہ **افعل فعلاء** کی جمع **فعال** کے وزن پر نہیں آتی۔ لیکن **حمل النظیر علی النظیر** کے طریقہ پر **سمان** پر حمل کرکے جمع لائی گئی ہے۔

سبع سُنۢبُلٰتٍ اسم عدد کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ کیونکہ بقرات کی تقسیم سنبلات کی تقسیم کو بھی چاہتی ہے۔

احلام جمع حلم کی ہے۔ پریشان بےاصل خواب وخیال۔ **اضغاث** **ضغث** کی جمع ہے خشک وتر گھاس۔ **حال یوسف** یہ مفعول ہے **تذکر** کا ای **تذکر حال یوسف**.

انا انبئکم یہ قال کا مقولہ ہے۔ **تزرعون** مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ امر کا صیغہ خبر کی صورت میں ہے مبالغہ کے لئے۔ **ثم یاتی** یہ تعبیر سے زائد بشارت ہے جو الہام یا وحی کی وجہ سے کی ہوگی اور یا خیال کیا ہوگا کہ عادت الٰہیہ ہے کہ ہر مصیبت کے بعد راحت ہوتی ہے۔

مابال النسوۃ زلیخا کا ذکر اس کے حق کی رعایت سے یا تادباً نہیں کیا۔ **ان ربی** عزیز مصر مراد ہے اور علامہ زمخشریؒ نے اللہ مراد لیا ہے۔

﴿تشریح﴾: ......**تورات کا بیان**: ....تورات میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ساقیوں کے سردار کو اس خواب کی تعبیر یہ بتلائی تھی کہ تین دن کے اندر فرعون تجھے تیرے منصب پر بحال کردے گا اور آگے کی طرح تو اس کے ہاتھ میں شراب کا جام دے گا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد رکھیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو۔ کہ لوگ عبرانیوں کے ملک سے مجھے چرالائے اور یہاں لاکر بھی بغیر کسی قصور کے قید میں ڈال دیا اور باورچیوں کے سردار سے کہا تھا کہ تین دن کے اندر تیری موت کا فیصلہ ہوجائے گا۔ اور تیری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن فرعون کی سالگرہ کا دن تھا۔ اس دن سردار ساقی بحال کردیا گیا۔ مگر باورچیوں کے سردار کو سزا ہوگئی۔ مگر رہا ہونے والے نے بحال ہوکر یوسفؑ کو یاد نہ رکھا وہ یہ معاملہ بھول گیا۔

اسباب عادیہ کا اختیار کرنا چونکہ جائز ہے۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے **اذکرنی عند ربک** فرمانے پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے اور **فلبث الخ** کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر اللہ سے حضرت یوسفؑ کی درخواست کرنے کی سزا میں ان کو جیل خانہ میں رکھا گیا۔ بلکہ رہا ہونے والے کے بھول جانے پر اسے مرتب فرمایا ہے کہ اس کے بھولنے کی وجہ سے یوسفؑ کی رہائی کا سامان نہیں ہوسکا۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ کئی سال قید خانہ میں پڑے رہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے عجیب طرح کا خواب دیکھا اور جب درباری دانشمندوں سے تعبیر دریافت کی تو وہ کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے۔

درباری خواب کی تعبیر سے واقف نہیں تھے: ....**قالوا اضغاث احلام الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ درباری لوگ فن تعبیر سے واقف نہیں تھے۔ کیونکہ اول تو بادشاہ کے کلام ان **کنتم للرؤیا تعبرون الخ** میں شک پایا جاتا ہے۔ دوسرے خود درباریوں کے جواب "**وما نحن بتاویل الاحلام**" میں اس کے جاننے کا انکار معلوم ہورہا ہے۔ رہا ان کا "**اضغاث احلام**" کہنا اس سے ان کا جاننا لازم نہیں آتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تعبیر کی تفصیلات تو ہم نہیں جانتے۔ البتہ اتنا کہہ سکتے ہیں خوابوں کی جو شان ہوتی ہے وہ اس خواب میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے خواب کی بجائے یہ محض خیال معلوم ہوتا ہے تو اتنا جان لینا مہارت فن کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ اور **اضغاث احلام** کہنے کا منشاء بادشاہ کو بے فکر کرنا تھا۔ اس لئے یہ شبہ نہیں رہا کہ صرف دوسرا جملہ کافی تھا۔ پہلے جملہ کی ضرورت نہیں تھی۔ نیز ساقی کے **انا انبئکم الخ** کہنے سے بھی ظاہرا یہی معلوم ہوتا ہے کہ درباری فن تعبیر سے واقف نہیں تھے۔ ورنہ علماء تعبیر کے فیصلہ کے بعد ارکان سلطنت کے سامنے ایسی جرأت ہی نہ ہوتی اور چونکہ ان درباریوں کا یہ جواب باقاعدہ تعبیر نہ تھا۔ اس لئے حضرت یوسفؑ نے جو خواب کی تعبیر دی وہی واقع ہوئی۔ ورنہ بروئے حدیث پہلی تعبیر اگر اصول تعبیر کے لحاظ سے صحیح ہوتی تو وہی واقع ہونی چاہئے تھی۔ ہاں! اگر قاعدہ کے اعتبار سے محتمل نہ ہو تو پھر اس کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے۔ پس جہاں متعدد تعبیروں میں سے کوئی واقع نہ ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ تعبیر اصول کے موافق نہ تھی۔ اور فن تعبیر ایک مشکل ترین فن ہے۔ جس میں ظاہری اور باطنی دقیق اصول معیار بنائے بنتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک اس کا اہل نہیں۔ شیخ ابن سیرینؒ اس فن کے امام مانے گئے ہیں۔ ان کی ایک تالیف میں ان دقیق اصول کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اور حضرت یوسفؑ کا **ثم یاتی من بعد ذلک عام** فرمانا ممکن ہے اس لئے ہو کہ "**سبع شداد**" سے مراد جب قحط ہے تو اتنے سالوں کے بعد پھر قحط نہیں رہنا چاہئے۔ یعنی بارش وغیرہ ہوگی۔

تورات کا بیان: ....تورات میں ہے کہ بادشاہ نے مصر کے تمام حکماء اور جادوگروں کو جمع کرکے تعبیر پوچھی۔ مگر کوئی اس کی تعبیر نہ بتلا سکا۔ جس سے بادشاہ کو اور زیادہ اشتیاق اور بے چینی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اب جو یوسف علیہ السلام کی تعبیر بادشاہ کو پہنچی تو تعبیر اس درجہ واضح اور چسپاں تھی کہ سنتے ہی پھڑک اٹھا اور ان کی ملاقات کا مشتاق اور گرویدہ ہوگیا۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ فوراً انہیں قید خانہ سے نکالا جائے اور باعزاز تمام دربار میں لایا جائے۔ اس تعبیر سے بادشاہ کے دل میں حضرت یوسفؑ کا اس درجہ احترام پیدا ہوگیا تھا کہ

اس نے ایک پیغامبر ان کے لانے کے لئے بھیجا۔ لیکن انہوں نے کہا میں اس طرح رہا ہونا پسند نہیں کرتا۔ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کرلی جائے۔ کہ قید خانہ میں کیوں ڈالا گیا ہوں؟ اگر میں مجرم ہوں تو رہائی کا مستحق نہیں۔ اگر مجرم نہیں ہوں تو بلاشبہ مجھے رہا ہونا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں حضرت یوسفؑ نے عزیز مصر کی بیوی کی بجائے ان عورتوں کا ذکر اس لئے کیا کہ یوسفؑ کو قید کرنے کے معاملہ میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔ انہوں نے اپنی ناکامی کی ذلت مٹانے کے لئے جھوٹے الزام تراش لئے ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ قید کا معاملہ ان کے معاملہ کے بعد ظاہر ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی نے ان سب کے سامنے ان کی بے گناہی اور اپنی طلب وجستجو کا اقرار کیا تھا۔ پس یہ سب اس بات کی گواہ تھیں کہ عزیز مصر کی بیوی کے معاملہ میں ان کا دامن بے داغ ہے اور ان سب کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا خود اس سے بھی عزیز مصر کی بیوی کا الزام بے اصل ثابت ہو گیا تھا۔ کیونکہ جس شخص کی پاکدامنی کا یہ حال ہو کہ تمام فتنہ گروں اور خوبروؤں کا متفقہ اظہار عشق بھی اسے مسخر نہ کرسکا۔ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ ایسا آدمی اپنے آقا کی بیوی پر ہاتھ ڈالے اور ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے کہ وہ متنفر اور گریزاں ہو دوسرے اس اخفائے نام میں ایک دقیق نکتہ یہ بھی ہے کہ جب عزیز مصر پر اپنی بیوی کا قصور ثابت ہو گیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ جو ہوا سو ہوا۔ اب اس بات سے درگزر کرو اور اس کا چرچا نہ کیجیو کہ اس میں میری بدنامی ہے بعد میں اگرچہ عزیز مصر اپنی بات پر نہ رہا اور حضرت یوسفؑ کو قید میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت یوسفؑ کا اخلاق ایسا نہ تھا کہ یہ بات بھول جاتے۔ عزیز نے انہیں غلام کی حیثیت سے خریدا تھا اور پھر اپنے عزیزوں کی طرح عزت واحترام کے ساتھ رکھا تھا۔ وہ اس کا یہ احسان نہیں بھول سکتے تھے۔ پس ان کی طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ اس موقعہ پر اس کی بیوی کا ذکر کر کے اس کی رسوائی کا باعث ہوں۔ صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کر دیا کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرور نکل آوے گی جو سچائی کے لحاظ سے باز نہیں رہے گی۔ عزیز مصر کی بیوی بھی اب وہ عورت نہیں رہی تھی جو چند سال پہلے تھی۔ اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی وکمال تک پہنچ چکی تھی۔ اس کیلئے اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر الٹا الزام لگائے۔ جب عورتوں نے یوسفؑ کی پاکی کا اقرار کیا تو اس نے بھی خود بخود اعلان کر دیا کہ سارا قصور میرا تھا وہ بے جرم اور راست باز ہے۔

لطائف آیات: .... آیت **لا یاتیکما طعام الخ** سے معلوم ہوا کہ بعض بزرگوں نے جو اپنے کمالات اس لئے بیان کئے ہیں کہ لوگ ان سے استفادہ کریں اور اس کی پرواہ نہیں کہ لوگ انہیں مدعی کہیں گے اس کا منشاء بھی یہی ہے۔ آیت **اذکرنی عند ربك** سے معلوم ہوا کہ جائز اسباب اختیار کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور اسے اپنے احسان کا عوض چاہنا نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ احسان کرنے سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے یہ استعانت گوارا ہو جاتی ہے۔ آیت **تزرعون الخ** سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنی فرمائش پوری نہ کرنے پر تعبیر دریافت کرنے والے پر کچھ ملامت نہیں کی بلکہ غایت وحلم وکرم سے فوراً تعبیر بتلانی شروع کر دی۔ ایسے ہی اہل طریق کی شان ہونی چاہیئے کہ ایسے شخص کے حقوق میں کمی نہ کریں۔ جو ان کے حق میں کمی کرے۔ آیت **فسئله ما بال النسوة الخ** سے معلوم ہوا کہ مقتدا کے شایان شان یہی بات ہے کہ اول اپنے اوپر آئی ہوئی تہمت کے ازالہ کا اہتمام کرے تاکہ اس کی دعوت حق میں تاثیر کی شان پیدا ہو سکے۔ حدیث لا حب الداعی الخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تواضع کے ساتھ حضرت یوسفؑ کے کمال وحلم واستقلال کو بیان فرمادیا ہے۔

﴿پارہ نمبر۱۳﴾

وَمَآ اُبَرِّئُ

ثُمَّ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ فَقَالَ **وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِيۡ** مِنَ الزَّلَلِ **اِنَّ النَّفۡسَ** الۡجِنۡسَ **لَاَمَّارَةٌ** كَثِيۡرَةُ الۡاَمۡرِ **بِالسُّوۡٓءِ اِلَّامَا** بِمَعۡنٰى مَنۡ **رَحِمَ رَبِّيۡ** فَعَصِمَهٗ **اِنَّ رَبِّيۡ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ**﴿۵۳﴾ **وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِيۡ بِهٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِيۡ** اَجۡعَلۡهُ خَالِصًا لِّيۡ دُوۡنَ شَرِيۡكٍ فَجَاءَهُ الرَّسُوۡلُ وَقَالَ اَجِبِ الۡمَلِكَ فَقَامَ وَوَدَّعَ اَهۡلَ السِّجۡنِ وَدَعَا لَهُمۡ ثُمَّ اغۡتَسَلَ وَلَبِسَ ثِيَابًا حِسَانًا وَدَخَلَ عَلَيۡهِ **فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ** لَهٗ **اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ**﴿۵۴﴾ ذُوۡ مَكَانَةٍ وَاَمَانَةٍ عَلٰى اَمۡرِنَا فَمَاذَا تَرٰى اَنۡ نَفۡعَلَ قَالَ اِجۡمَعِ الطَّعَامَ وَازۡرَعۡ زَرۡعًا كَثِيۡرًا فِيۡ هٰذِهِ السِّنِيۡنَ الۡمُخۡصِبَةِ وَادَّخِرِ الطَّعَامَ فِيۡ سُنۡبُلِهٖ فَيَاتِيۡ اِلَيۡكَ الۡخَلۡقُ لِيَمۡتَارُوۡا مِنۡكَ فَقَالَ مَنۡ لِّيۡ بِهٰذَا **قَالَ** يُوۡسُفُ **اجۡعَلۡنِيۡ عَلٰى خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ** اَرۡضِ مِصۡرَ **اِنِّيۡ حَفِيۡظٌ عَلِيۡمٌ**﴿۵۵﴾ ذُوۡ حِفۡظٍ وَعِلۡمٍ بِاَمۡرِهَا وَقِيۡلَ كَاتِبٌ وَحَاسِبٌ **وَكَذٰلِكَ** كَاِنۡعَامِنَا عَلَيۡهِ بِالۡخَلَاصِ مِنَ السِّجۡنِ **مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِي الۡاَرۡضِ** اَرۡضِ مِصۡرَ **يَتَبَوَّاُ** يَنۡزِلُ **مِنۡهَا حَيۡثُ يَشَآءُ** بَعۡدَ الضِّيۡقِ وَالۡحَبۡسِ وَفِي الۡقِصَّةِ اَنَّ الۡمَلِكَ تَوَّجَهٗ وَخَتَمَهٗ وَوَلَّاهُ مَكَانَ الۡعَزِيۡزِ وَعَزَلَهٗ وَمَاتَ بَعۡدُ فَزَوَّجَهٗ اِمۡرَاَتَهٗ زُلَيۡخَا فَوَجَدَهَا عَذۡرَاءَ وَوَلَدَتۡ لَهٗ وَلَدَيۡنِ وَاَقَامَ الۡعَدۡلَ بِمِصۡرَ وَدَانَتۡ لَهُ الرِّقَابُ **نُصِيۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ**﴿۵۶﴾ **وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ** مِنۡ اَجۡرِ الدُّنۡيَا **لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ**﴿۵۷﴾ وَدَخَلَتۡ سِنُوا الۡقَحۡطِ وَاَصَابَ اَرۡضَ كِنۡعَانَ وَالشَّامَ **وَجَآءَ** ع **اِخۡوَةُ يُوۡسُفَ** اِلَّا بِنۡيَامِيۡنَ لِيَمۡتَارُوۡا لِمَا بَلَغَهُمۡ اَنَّ عَزِيۡزَ مِصۡرَ يُعۡطِي الطَّعَامَ بِثَمَنِهٖ **فَدَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَعَرَفَهُمۡ** اَنَّهُمۡ اِخۡوَتُهٗ **وَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ**﴿۵۸﴾ لَا يَعۡرِفُوۡنَهٗ لِبُعۡدِ عَهۡدِهِمۡ بِهٖ وَظَنِّهِمۡ هَلَاكَهٗ فَكَلَّمُوۡهُ بِالۡعِبۡرَانِيَّةِ فَقَالَ كَالۡمُنۡكِرِ عَلَيۡهِمۡ مَا اَقۡدَمَكُمۡ بِلَادِيۡ فَقَالُوۡا لِلۡمِيۡرَةِ فَقَالَ لَعَلَّكُمۡ عُيُوۡنٌ قَالُوۡا مَعَاذَ اللّٰهِ قَالَ فَمِنۡ اَيۡنَ اَنۡتُمۡ قَالُوۡا مِنۡ بِلَادِ كِنۡعَانَ وَاَبُوۡنَا يَعۡقُوۡبُ نَبِيُّ اللّٰهِ قَالَ وَلَهٗ اَوۡلَادٌ غَيۡرُكُمۡ قَالُوۡا نَعَمۡ كُنَّا اِثۡنَيۡ عَشَرَ فَذَهَبَ اَصۡغَرُنَا

هَلَكَ فِي الْبَرِيَّةِ وَكَانَ اَحَبَّنَا اِلَيْهِ وَبَقِيَ شَقِيقُهُ فَاحْتَبَسَهُ لِيَتَسَلّٰى بِهٖ عَنْهُ فَاَمَرَ بِاِنْزَالِهِمْ وَاِكْرَامِهِمْ **وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ** وَفّٰى لَهُمْ كَيْلَهُمْ **قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ** اَيْ بِنْيَامِيْنَ لِاَعْلَمَ صِدْقَكُمْ فِيْمَا قُلْتُمْ **اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْ اُوْفِي الْكَيْلَ** اُتِمُّهُ مِنْ غَيْرِ بَخْسٍ **وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ**﴿۵۹﴾ **فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ** اَيْ مِيْرَةَ **وَلَا تَقْرَبُوْنِ**﴿۶۰﴾ نَهْيٌ اَوْ عَطْفٌ عَلٰى مَحَلِّ فَلَا كَيْلَ اَيْ تُحْرَمُوْا وَلَا تَقْرَبُوْا **قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ** سَنَجْتَهِدُ فِيْ طَلَبِهٖ مِنْهُ **وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ**﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ **وَقَالَ لِفِتْيٰنِهٖ** وَفِيْ قِرَاءَةٍ لِفِتْيَانِهٖ غِلْمَانِهٖ **اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ** الَّتِيْ اَتَوْابِهَا ثَمَنَ الْمِيْرَةِ وَكَانَتْ دَرَاهِمَ **فِيْ رِحَالِهِمْ** اَوْعِيَتِهِمْ **لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ** وَفَرَغُوْا اَوْعِيَتَهُمْ **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ**﴿۶۲﴾ اِلَيْنَا لِاَنَّهُمْ لَا يَسْتَحِلُّوْنَ اِمْسَاكَهَا **فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ** اِنْ لَّمْ تُرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا اِلَيْهِ **فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ**﴿۶۳﴾ **قَالَ هَلْ** مَا **اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ** يُوْسُفَ **مِنْ قَبْلُ** وَقَدْ فَعَلْتُمْ بِهٖ مَا فَعَلْتُمْ **فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا** وَفِيْ قِرَاءَةٍ حَافِظًا تَمْيِيْزٌ كَقَوْلِهِمْ لِلّٰهِ دَرُّهٗ فَارِسًا **وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ**﴿۶۴﴾ فَاَرْجُوْ اَنْ يَّمُنَّ بِحِفْظِهٖ **وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ** مَا اِسْتِفْهَامِيَّةٌ اَيْ اَيَّ شَيْءٍ نَطْلُبُ مِنْ اِكْرَامِ الْمَلِكِ اَعْظَمَ مِنْ هٰذَا وَقُرِئَ بِالْفَوْقَانِيَّةِ خِطَابًا لِيَعْقُوْبَ وَكَانُوْا ذَكَرُوْا لَهٗ اِكْرَامَهٗ لَهُمْ **هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا** نَاْتِيْ بِالْمِيْرَةِ لَهُمْ وَهِيَ الطَّعَامُ **وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ** لِاَخِيْنَا **ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ**﴿۶۵﴾ سَهْلٌ عَلَى الْمَلِكِ لِسَخَائِهٖ **قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا** عَهْدًا **مِّنَ اللّٰهِ** بِاَنْ تَحْلِفُوْا **لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ** اَيْ تَمُوْتُوْا اَوْ تُغْلَبُوْا فَلَا تُطِيْقُوْا الْاِتْيَانَ بِهٖ فَاَجَابُوْهُ اِلٰى ذٰلِكَ **فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ** بِذٰلِكَ **قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ** نَحْنُ وَاَنْتُمْ **وَكِيْلٌ**﴿۶۶﴾ شَهِيْدٌ وَاَرْسَلَهٗ مَعَهُمْ **وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا** مِصْرَ **مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ** لِئَلَّا تُصِيْبَكُمُ الْعَيْنُ **وَمَآ اُغْنِيْ** اَدْفَعُ **عَنْكُمْ** بِقَوْلِيْ ذٰلِكَ **مِّنَ اللّٰهِ مِنْ** زَائِدَةٌ **شَيْءٍ** قَدَّرَهٗ عَلَيْكُمْ وَاِنَّمَا ذٰلِكَ شَفَقَةٌ **اِنِ** مَا **الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ** وَحْدَهٗ **عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ** بِهٖ وَثِقْتُ **وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ**﴿۶۷﴾ قَالَ تَعَالٰى **وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ** اَيْ مُتَفَرِّقِيْنَ **مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** اَيْ قَضَائِهٖ **مِنْ شَيْءٍ اِلَّا** لٰكِنْ **حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا** وَهِيَ اِرَادَةُ دَفْعِ الْعَيْنِ شَفَقَةً **وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ** لِتَعْلِيْمِنَا اِيَّاهُ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وَهُمُ الْكُفَّارُ **لَا يَعْلَمُوْنَ**﴿۶۸﴾ اِلْهَامَ اللّٰهِ لِاَوْلِيَائِهٖ

ترجمہ:.........(پھر حضرت یوسفؑ تواضع اختیار کرتے ہوئے بولے) میں اپنے نفس کی پاکی کا دعوئی نہیں کرتا (لغزشوں سے) آدمی کا نفس (کوئی بھی ہو) برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا بتلانے والا) ہے۔ مگر ہاں (ما بمعنی من ہے) اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے (اور اسے بچالے) بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحم کرنے والا ہے اور بادشاہ نے حکم دیا یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے لئے مقرر کروں۔ (اپنا پرائیویٹ سیکرٹری بنالوں۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ کے پاس قاصد یہ پیغام لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ کہ چلئے بادشاہ نے یاد کیا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے تیاری فرمائی اور جیل خانہ والوں سے رخصتی ملاقات کی اور ان کے لئے دعائے خیر کی، شکریہ ادا کیا اور نہا دھو کر آراستہ لباس پہن کر بادشاہ کے پاس پہنچے پس جب بادشاہ نے (ان سے) باتیں کیں تو بادشاہ کہنے لگا آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے (معزز و معتبر، اس لئے فرمایئے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ حضرت یوسفؑ نے ارشاد فرمایا کہ غلہ کا اسٹاک کیجئے اور ان خوشحالی کے برسوں میں پیداوار کی اسکیموں پر زور دیجئے اور غلہ کو بالوں سمیت محفوظ رکھئے۔ تاکہ دوسروں کو غلہ کی برآمدگی میں سہولت رہے۔ بادشاہ بولا اس ذمہ داری کا اہل کون ہوسکتا ہے؟) فرمایا (یوسفؑ نے) ملکی خزانوں پر (مصر میں) مجھے مختار بنا دیجئے۔ میں حفاظت کرسکتا ہوں اور میں خوب واقف ہوں (خزانوں کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال جانتا ہوں اور بعض نے حفیظ کے معنی کاتب کے اور علیم کے معنی محاسب کے لئے ہیں) اور اسی طرح (جیسے ہم نے انہیں جیل سے رہا کرکے انعام کیا) ہم نے سرزمین (مصر) میں یوسفؑ کے قدم جما دیئے کہ جس جگہ چاہیں رہیں سہیں (تنگی اور جیل کی زندگی کے بعد اور قصہ کا باقی حصہ یہ ہے کہ بادشاہ نے یوسفؑ کو تاج اور انگوٹھی پیش کی اور مدار المہام کے عہدہ پر انہیں مامور کردیا۔ عزیز مصر کو معزول کرکے۔ اس کے بعد عزیز مصر کا انتقال ہوگیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی زلیخا سے یوسفؑ کی شادی کردی۔ زلیخا ابھی تک باکرہ ہی تھی۔ چنانچہ ان سے دو بچے پیدا ہوئے اور حضرت یوسفؑ نے مصر میں انصاف قائم کردیا اور سب لوگوں نے یوسفؑ کے آگے اپنی گردنیں جھکادیں) ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کردیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے اور جو لوگ ایمان لائے اور تقوئی اختیار کیا۔ ان کے لئے تو آخرت کا اجر (دنیا کے اجر سے) کہیں زیادہ بہتر ہے (اور قحط سالی شروع ہوگئی اور کنعان اور شام اس کی لپیٹ میں آگئے) اور یوسفؑ کے بھائی آئے (بجز بنیامین کے اناج حاصل کرنے کے لئے نکل پڑے۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ عزیز مصر قیمۃً غلہ دیتا ہے) پھر یوسفؑ کے پاس پہنچے۔ سو یوسفؑ نے تو انہیں پہچان لیا (کہ یہ میرے بھائی ہیں) مگر انہوں نے یوسفؑ کو نہیں پہچانا (زیادہ زمانہ گذر جانے کی وجہ سے شناخت نہیں کرسکے۔ کیونکہ ان کے خیال میں تو یوسفؑ مرکھپ چکے تھے۔ چنانچہ یوسفؑ سے ان بھائیوں نے عبرانی زبان میں بات چیت کی تو حضرت یوسفؑ نے انجان بن کر پوچھا کہ تم میرے ملک میں کیوں آئے ہو؟ عرض کیا غلہ حاصل کرنے کے لئے۔ حضرت یوسفؑ بولے تم جاسوس تو نہیں ہو؟ تو کہنے لگے نہیں۔ خدا کی پناہ۔ پوچھا پھر تم کون لوگ ہو؟ بولے کہ کنعان کے رہنے والے ہیں اور حضرت یعقوبؑ پیغمبر خدا کی اولاد ہیں۔ یوسفؑ نے پوچھا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور اولاد بھی ہے؟ کہنے لگے ہاں ہم بارہ بھائی تھے۔ لیکن ہمارا ایک چھوٹا بھائی کہیں جنگل میں ہلاک ہوگیا اور سب سے زیادہ ہمارے والد کو اس سے محبت تھی۔ البتہ اس کا سگا بھائی موجود ہے جسے انہوں نے اپنے پاس تھام لیا ہے تاکہ اس سے کچھ تشفی تسلی رہے۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے سب کو بااعزاز ٹھیرایا) اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کردیا (غلہ ناپ کردے دیا) تو فرمادیا کہ تم اپنے علاتی بھائی کو بھی ساتھ لانا (یعنی بنیامین کو تاکہ تمہاری بات کا سچ ہونا ظاہر ہوسکے) تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میں پورا ناپ کردیتا ہوں (بغیر کمی کئے پورا دیتا ہوں) اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں۔ لیکن اگر اسے میرے پاس نہ لائے تو پھر یاد رکھو نہ میرے پاس تمہارے نام کا غلہ ہوگا اور نہ تم میرے

پاس آنا (یہ نہی کا صیغہ ہے یافلا کیل کے محل پر معطوف ہے یعنی تم محروم رہو گے میرے پاس مت آنا) وہ بولے ہم اس کے والد کو اس بات کی ترغیب دیں گے (ہم اس کے لانے میں پوری کوشش کریں گے) اور ہم ضرور اس کام کو کریں گے اور یوسف علیہ السلام نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کی پونجی (جو کچھ پیسے اناج خریدنے کے لئے لائے ہیں) ان ہی کے بوروں (خرجین) میں رکھ دو۔ جب یہ لوگ اپنے گھر کی طرف لوٹیں گے (اور اپنا سامان کھولیں گے) تو بہت ممکن ہے اپنی پونجی دیکھ کر پہچان لیں اور پھر عجب نہیں کہ دوبارہ آجائیں (ہمارے پاس۔ کیونکہ وہ اسے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں سمجھیں گے) غرض جب یہ لوگ اپنے باپ کے پاس پہنچے کہنے لگے۔ اے ابا! آئندہ کو ہمارے لئے غلہ کی روک کردی گئی ہے (اگر آپ نے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو نہ بھیجا) پس ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجد یجئے۔ کہ غلہ لاسکیں (نون اور یاء کے ساتھ ہے) اور ہم اس کی پوری حفاظت رکھیں گے۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: بس میں اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جس طرح پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں کر چکا ہوں (اور تم نے اس کے ساتھ بس جو کچھ کیا وہ کیا ہی ہے) سو اللہ ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے (اور ایک قرأت میں حفیظا کے بجائے حافظا ہے لله در ہ فارسا کی طرح تمیز ہوگی) اور اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں ہے (اس لئے مجھے امید ہے کہ وہ اپنی حفاظت سے نوازے گا) اور جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی ان ہی کو لوٹادی گئی ہے۔ کہنے لگے اے ابا!: اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہئے (ما استفہامیہ ہے یعنی بادشاہ کی اس عزت افزائی سے زیادہ اور کیا چیز ہمیں چاہئے اور ایک قرأت میں تبغی تائے فوقانیہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کیونکہ ان لوگوں نے اپنے والد کے سامنے بادشاہ کی عزت افزائی کا حال سنایا تھا) دیکھو یہ ہماری جمع پونجی بھی تو ہمیں لوٹادی گئی ہے ہم اپنے گھر والوں کے لئے اور رسد (غلہ اور خوراک) لے کر آئیں گے اور اپنے بھائی کی ہم حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ غلہ اور زیادہ لے لیں گے (اپنے بھائی کا حصہ) یہ غلہ تو بہت تھوڑا ہے (بادشاہ سخی ہے اس لئے اسے بھی ناگوار نہیں گزرے گا) یعقوبؑ نے فرمایا کہ میں اسے کبھی تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک اللہ کی قسم کھا کر مجھے پکا قول نہیں دو گے کہ تم اسے ضرور ہی لے آؤ گے ۔ہاں اگر کہیں گھر ہی جاؤ تو مجبوری ہے (یعنی اگر تم ہی مر جاؤ یا مغلوب ہو جاؤ جس سے تم میں اسے لانے کی طاقت نہ رہے تو دوسری بات ہے۔ غرضیکہ اس پابندی کو انہوں نے مان لیا) پس جب وہ (اس بارے میں) قسم کھا کر اپنے والد کو قول دے چکے تو یعقوب علیہ السلام بولے کہ ہم لوگ جو کچھ بات چیت کررہے ہیں۔ یہ سب اللہ کے حوالہ ہے (اللہ نگہبان ہے۔ چنانچہ بنیامین کو دوسرے بھائیوں کے ساتھ بھیج دیا) اور یعقوبؑ نے فرمایا کہ تم لوگ (شہر میں) ایک دروازہ سے داخل مت ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا (تاکہ تمہیں نظر بد نہ لگ جائے) اور میں اللہ کے حکم کو (اپنے اس کہنے کی وجہ سے) تم پر سے ٹال نہیں سکتا (تمہارے بارے میں اس کے تقدیری فیصلہ کو روک نہیں سکتا۔ البتہ یہ باتیں صرف شفقۃً کہہ رہا ہوں) حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔ اسی پر بھروسہ (اعتماد) رکھتا ہوں اور وہی ہے جس پر تمام بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے (حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) اور جب باپ کے فرمانے کے مطابق وہ سب جا داخل ہوئے (یعنی الگ الگ) تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا۔ ان کا خیال بیٹوں سے اللہ کے حکم کو ٹالنا نہیں تھا۔ لیکن یعقوبؑ کے دل میں ایک ارمان تھا۔ جس کو انہوں نے ظاہر کر دیا (یعنی شفقۃً بدنگاہی سے اولاد کو محفوظ رکھنا) اور بلاشبہ وہ بڑے عالم تھے کہ ہم نے ان پر علم کی راہ کھول دی تھی (ہم نے انہیں سکھلا دیا تھا) لیکن اکثر لوگ (کفار) نہیں جانتے (اللہ اپنے خاص بندوں کو جو الہام کرتا ہے)۔

تحقیق وترکیب:.......... وما ابری حضرت یوسفؑ کے انی لم اخنہ کہنے سے خودستائی معلوم ہو رہی تھی۔ اس لئے برأت

کی ضرورت پیش آئی اور بعض کی رائے ہے کہ یہ زلیخا کا قول ہے ان النفس جنس نفس مراد ہے کوئی خاص نفس مراد نہیں ہے۔

ودعا لهم قیدیوں کے حق میں یہ دعا کی اللهم اعطف قلوب الصالحين عليهم و لا تستر للاخبار عنهم اور جیل خانہ کے دروازہ پر یہ عبارت لکھ دی هذه منازل البلوى وقبور الاحياء وشماتة الاعداء وتجوبة الاصدقاء ۔

فلما كلمه سب سے پہلے حضرت یوسفؑ نے عربی زبان میں سلام کیا تو بادشاہ نے حیرت سے پوچھا یہ کونسی زبان ہے۔ فرمایا میرے چچا حضرت اسماعیلؑ کی زبان ہے۔ اس کے بعد عبرانی زبان میں باتیں کرنے لگے تو بادشاہ نے پھر حیرت سے پوچھا یہ کونسی زبان ہے؟ فرمایا یہ میرے باپ دادا کی زبان ہے۔ لیکن بادشاہ ستر زبانیں جاننے کے باوجود یہ دونوں زبانیں نہیں جانتا تھا۔ برخلاف اس کے بادشاہ جس زبان میں بات کرتا حضرت یوسفؑ اسی زبان میں جواب دیتے۔ حالانکہ ان کی عمر کل تیس سال تھی۔ جس میں سے تیرہ سال کی مدت تو زلیخا کے یہاں اور قید تنہائی میں گزری تھی۔ غرضیکہ کمسنی کے باوجود اس کمال کو دیکھ کر بادشاہ تو فریفتہ ہوگیا۔

اجعلنى عہدہ کی طلب یا تو وحی الٰہی سے کی ہوگی یا ضرورت کے موقعہ پر منصب کی طلب جائز ہے۔ **فى الارض** مصر کی حدود چالیس میل مربع تھی۔

فزوجه کہا جاتا ہے کہ اپنے شوہر کے مرنے کے بعد زلیخا دنیا کے عیش سے الگ تھلگ ہوگئی تھی اور اپنا برا حال کرلیا تھا۔ حضرت یوسفؑ کے انتظار دید میں سرراہ کھڑی رہتی۔ مگر حضرت یوسفؑ کی ملاقات نہ ہونے سے تنگ دل رہتی۔ بتوں کی نذر و نیاز سے بھی جب کام نہ چلا تو ان بتوں پر بھی لات ماری اور اللہ کی طرف رجوع ہوگئی۔ آخرکار یوسف علیہ السلام تک رسائی ہوئی۔ اس کی اس شکستہ حالی سے وہ بھی ملول ومتاثر ہوئے۔ پوچھا کیا چاہتی ہے؟ کہنے لگی کہ تمہارے فراق میں میری جوانی لٹ گئی اور میری آنکھیں چلی گئیں۔ دعا کیجئے کہ میرا حسن و جمال اور شباب واپس آجائے اور پھر آپؑ سے شادی کی آرزو ہے۔ چنانچہ یہ سب مرادیں پوری ہوئیں۔

اخوة يوسف چونکہ غلہ آنے والے کو ملتا تھا۔ غائب اور غیر حاضر لوگوں کے نام سے نہیں دیا جاتا تھا۔ اس لئے ایک دم دس بھائی آئے تاکہ غلہ کی مقدار کافی ہاتھ لگے۔

لا يعرفونه تقریباً چالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ نیز خلاف توقع حضرت یوسفؑ میں غیر معمولی تغیر پیش آچکا تھا۔ پھر شاہی رعب وہیبت الگ۔ ان سب وجوہ سے بھائی پہچان نہیں سکے۔

اجعلوا بضاعتهم تاکہ حضرت یوسفؑ کی بخشش ظاہر ہوسکے اور دوبارہ آنے میں سہولت ہوسکے اور یہ خیال ہوا ہوگا کہ قحط کا زمانہ ہے ممکن ہے والد کے پاس اخراجات نہ ہوں۔ نیز بے منت حسن سلوک کرنا ہوگا یا بھائیوں سے قیمت لینا پسند نہیں کیا ہوگا اور یا ان کی دیانت وامانت پر اعتماد کرکے یہ کارروائی کی ہوگی۔

ابواب متفرقة چاروں طرف شہر پناہ کے دروازے مراد ہیں۔

لئلا تصيبكم العين اہل سنت کے نزدیک نظر بد میں بھی تلوار اور زہر کی طرح تاثیر ہوتی ہے۔ گویا یہ بھی سبب عادی ہے اور فلاسفہ کی رائے یہ ہے کہ بدنظر شخص کی نگاہ سے زہریلی شعاع برآمد ہوکر جس چیز پر پڑتی ہے۔ وہ ہلاک ہوجاتی ہے تو گویا بدنظری میں بالذات تاثیر ہوتی ہے۔ لیکن ان کا خیال غلط اور گمراہی ہے۔ **الا حاجة** یہ استثناء منقطع ہے بمعنی لكن ان لم يكن تعرفهم دافعا عنهم من قدر الله شيئا لكن حاجة فى نفس يعقوب۔

﴿تشریح﴾:............حضرت یوسفؑ کی برأت اور بادشاہ مصر کی درخواست:............ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اہتمام برأت سے معلوم ہوا کہ تہمت اور الزام کے صاف کرنے میں کوشش کرنا مطلوب چیز ہے احادیث سے بھی اس کی

مطلوبیت معلوم ہوتی ہے۔اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ غیبت سے بچتے ہیں۔اپنا دل بھی تشویش سے محفوظ رہتا ہے۔اور عزیز مصر کو اگر چہ برأت سے پہلے معلوم تھی۔تاہم اس یقین کو مضبوط کرنا اور عوام کی بدنامی سے بچنا مزید مصلحت تھی۔جب تحقیقات کا نتیجہ ظاہر ہو گیا تو حضرت یوسفؑ بادشاہ سے ملنے کے لئے تیار ہو گئے۔کیونکہ اب ان کی رہائی بادشاہ کی بخشش نہ رہی تھی۔بلکہ ان کا اپنا حق ہوگئی۔اس معاملہ نے بادشاہ کا اشتیاق اور زیادہ کر دیا۔اس نے خیال کیا جس شخص کی راست بازی، امانت داری اور وفائے عہد کا حال یہ ہے۔تو اس سے بڑھ کر مملکت کے کاموں کے لئے اور کون موزوں ہو سکتا ہے؟ اس لئے کہا کہ فوراً میرے پاس لاؤ۔میں اسے اپنے کاموں کے لئے خالص کرلوں گا۔چنانچہ حضرت یوسفؑ آئے اور پہلی ہی ملاقات میں بادشاہ اس درجہ مسخر ہوا کہ بول اٹھا کہ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔تم میری نگاہ میں بڑا مقام رکھتے ہو۔مجھے بتلاؤ اس آنے والی مصیبت سے جس کی تعبیر خواب میں دی گئی ہے مملکت کیوں کر بچائی جاسکتی ہے؟

حضرت یوسفؑ نے کہا۔اس طرح کہ ملک کی آمدنی کے تمام وسائل میرے ماتحت کر دیئے جائیں۔میں علم وبصیرت کے ساتھ اس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔معلوم ہوا کہ جب کسی کام کی لیاقت اپنے اندر منحصر دیکھے اور مقصود نفع رسانی ہو، نفس پروری پیش نظر نہ ہو تو خود اس کی درخواست کرنا بھی جائز ہے، غرضیکہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔حضرت یوسفؑ جب دربار سے نکلے تو تمام مملکت مصر کے حکمران اور مختار تھے۔

تورات کا بیان:.........تورات میں ہے کہ فرعون نے یوسفؑ کی باتیں سن کر درباریوں سے کہا۔ہم ایسا آدمی کہاں پاسکتے ہیں جیسا یہ ہے۔جس میں خدا کی روح بول رہی ہے؟ پھر یوسفؑ سے کہا دیکھو میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی۔صرف ایک تخت نشینی ہی میں میں تجھ سے اوپر رہوں گا۔بادشاہ نے اپنی انگوٹھی اتار کر یوسفؑ کو پہنا دی اور گلے میں سونے کا طوق ڈالا اور کتان کا لباس عطا کیا اور اپنی رتھ سواری کو دی۔کہ شاہی رتھوں میں دوسری رتھ تھی۔پھر جب وہ نکلا تو اس کے آگے آگے نقیب پکارتے تھے ''سب ادب سے رہو'' اور فرعون نے حکم دیا کہ یوسفؑ کو صاحب مملکت کے نام سے یاد کیا جائے۔

حضرت یوسفؑ کی زندگی کے دو دور:.........حضرت یوسفؑ کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے ایک وہ جب غلام ہو کر بکے اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس علاقہ کے مختار ہو گئے۔دوسرا دور یہ کہ قید خانہ سے نکلے اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے۔جہاں حکمران کی مسند جلال پر جلوہ آرا نظر آئے۔پس جب پہلے انقلاب تک سرگذشت پہنچی تھی۔تو آیت **کذلك مکنا لیوسف فی الارض** میں حکمت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی گئی تھی اور دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح آیت **کذلك مکنا لیوسف فی الاض** فرمایا گیا ہے اور **لا نضیع اجر المحسنین** میں یہ بتلانا ہے کہ ہمارے قانون میں نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ضروری ہے کہ پھل لائے۔

بہر حال پہلے سات سال بڑھتی کے گزرے اور جو تدبیر تجویز کی تھی۔اسی کے مطابق انہوں نے غلہ کے ذخیرے جمع کر لئے پھر جب قحط کے سال شروع ہوئے تو وہی ذخیرے کام میں لائے گئے اور حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہونے لگا۔تورات میں ہے کہ ''تمام روئے زمین پر کال پڑ گیا تھا'' یعنی مصر کے تمام اطراف وجوانب قحط کی لپیٹ میں آگئے۔حضرت یوسفؑ کی بخشش کا غلغلہ دور دور پہنچا تو ان کے بھائی بھی کنعان سے غلہ کی فراہمی کے لئے آئے اور اس طرح اس سرگذشت کا آخری باب اپنی عجیب وغریب عبرتوں اور نصیحتوں کے ساتھ ظاہر ہونا شروع ہوا حضرت یوسفؑ انہیں دیکھتے ہی پہچان گئے۔لیکن وہ کیوں کر پہچان سکتے تھے؟ کیونکہ

اول تو یوسفؑ جب گھر سے جدا ہوئے سترہ برس کے تھے اور اب چالیس کے لگ بھگ عمر تھی۔ پھر اس بات کا کسے گمان ہو سکتا تھا۔ کہ چند سکوں کا بکا ہوا غلام مصر کا حکمران ہوگا۔ حضرت یوسفؑ نے جب انہیں دیکھا ہوگا تو گھر کا سارا نقشہ نگاہوں کے سامنے گھوم گیا ہوگا اس لئے کھود کھود کر ان سے گھر کے حالات پوچھے اور چلتے وقت کہا کہ اگر پھر آنا ہو تو یاد رکھنا اب کے میں غلہ جبھی دوں گا کہ اپنے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لاؤ۔

توراۃ کا بیان:.......... توراۃ میں ہے کہ یہ صورت اس طرح پیش آئی کہ یوسفؑ نے انہیں جاسوس کہا تھا۔ جب انہوں نے اپنی بریت میں اپنے گھرانے کے حالات سنائے تو ان کی بات پکڑ لی اور کہا کہ تم کہتے ہو تمہارا ایک بھائی اور بھی ہے؟ اچھا اسے بھی اپنے ساتھ لاؤ تاکہ تمہارے بیان کی تصدیق ہو جائے اور اس وقت تک کے لئے ایک آدمی یہاں چھوڑ جاؤ۔

تقدیر پر تدبیر غالب نہ آسکی:.......... ممکن ہے اسی جاسوسی کے شبہ کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ نے بھائیوں کو نصیحت کی ہو کہ ایک ہی راستہ سے مصر میں مت داخل ہونا ورنہ کہیں مصریوں کے شبہ کو مزید تقویت نہ ہو جائے۔ لیکن جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ دوسرا ہی معاملہ تھا۔ جاسوسی کی بناء پر نہیں بلکہ ایک دوسری مصلحت کی بناء پر بنیامین کو روک لیا اور جس بات کی احتیاط کی تھی وہی پیش آگئی اور یہ احتیاط کچھ کام نہ دے سکی۔ ہاں حضرت یعقوبؑ نے ایک خطرہ محسوس کیا تھا۔ سو اپنی جگہ اس کی پیش بندی کر لی۔ پھر آگے ان کے علم و دانشمندی کا بھی اظہار کر دیا۔ تاکہ واضح ہو جائے۔ انہوں نے جو احتیاط کی تھی وہ گو کام نہ دے سکی لیکن یہ قصورِ علم کی وجہ سے نہیں ہوا۔ علم کا تقاضا تو یہی تھا کہ تدبیر و احتیاط میں کمی نہ کرتے اور پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے جیسا کہ فی الحقیقت انہوں نے کیا۔

اشکالات وجوابات:.......... یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے جس طرح اپنے بھائی بنیامین کے بلانے کی تدبیر کی۔ اپنے والدین کے بلانے کا اہتمام کیوں نہیں کیا۔ چاہے صاف طور سے اپنے حال کی اطلاع کر کے یا کسی دوسری تدبیر سے؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا کہ ابھی ملاقات مقدر نہیں یا دوسری کوئی مصلحت سامنے ہو اس لئے کوشش نہیں کی۔ رہا یہ شبہ کہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ مشہور ہونے کے باوجود پھر کیسے ایک دوسرے پر مخفی رہے؟ جواب یہ ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر قضاء و قدر کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

البتہ یہ شبہ کہ حضرت یعقوبؑ کو جب ان بیٹوں کا ایک دفعہ حضرت یوسفؑ کے بارے میں تجربہ ہو چکا تھا پھر بنیامین کو خطرہ میں کیوں ڈالا؟

جواب یہ ہے کہ نہ بھیجنے کی صورت میں غلہ نہ ملتا۔ اس لئے نقصان یقینی تھا اور بھیجنے کی صورت میں نقصان محتمل تھا۔ اس لئے آپ نے احتمالی نقصان کو یقینی پر ترجیح دی اور قسم وغیرہ سے اس محتمل نقصان کا تدارک بھی کرنا چاہا۔ غرضیکہ ان کا بھیجنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہو گیا۔

ایک شبہ یہ بھی ہے کہ پہلی دفعہ جب یہ صاحبزادے غلہ لے گئے اس وقت حضرت یعقوبؑ نے **لا تدخلوا من باب واحد** کی نصیحت کیوں نہیں فرمائی؟

اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ اس وقت تک مصر والے انہیں پہچانتے نہ تھے اس لئے کسی کے التفات کا شبہ بھی نہیں ہوا ہوگا۔ چہ جائیکہ نقصان پہنچتا۔ لیکن جانے پر حضرت یوسفؑ نے جو خصوصی برتاؤ کیا اس سے لوگوں کی نظریں پڑنے لگیں۔ سب شکیل و وجیہ بھی تھے۔ جس سے نظر بد اور حسد کا احتمال تھا۔ پھر جاسوسی کا شبہ بھی ڈالا جا چکا تھا۔ اس لئے کافی احتیاط سے کام لیا گیا۔ دوسرے یہ

کہ زیادہ مقصود بنیامین کی حفاظت تھی۔ اس دفعہ وہ ساتھ تھے اور پہلی بار وہ نہیں گئے تھے۔

تقدیر کے سامنے تدبیر کی کچھ پیش نہ چل سکی: .... آیت ما کان یغنی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی تدبیر مفید نہیں رہی۔ حالانکہ نظر بد اور حسد وغیرہ نقصانات سے یقیناً بچت رہی۔ جس سے معلوم ہوا کہ نفع ہوا؟

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ نافع نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت یعقوبؑ کا مقصود اصلی جو یہ تھا کہ ان پر کسی بھی طرح کا کوئی حادثہ نہ آئے بالکل محفوظ وسلامت رہیں۔ حسد وغیرہ کی تخصیص مقصود نہیں تھی اور اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ان کے ذہن میں وہی باتیں آئیں جو واقع ہونے والی نہیں تھیں اور ان ہی کی تدبیریں بتلادیں۔ لیکن جو باتیں مقدر تھیں وہ ذہن ہی میں نہ آئیں اور واقع ہوگئیں۔ پس تدبیر کا نافع نہ ہونا بلحاظ مقصود اصلی کے صحیح ہوا۔

اور لا تدخلوا الخ سے مقصد اس قول کا نقل کرنا یا ایسی تدبیروں کی ترغیب دینا نہیں ہے۔ بلکہ اس شبہ کا جواب دینا ہے کہ ایسی تدابیر نبوت کی شان کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ان کو مؤثر حقیقی نہیں سمجھا گیا۔ اور توکل کے ساتھ تدبیر کرنا شان نبوت کے منافی نہیں ہے۔ ہاں اگر نظر بد کوئی چیز نہ ہوتی۔ پھر بھی شبہ ہوسکتا تھا۔ لیکن جب نقلی دلیل اور تجربہ سے اس کا مؤثر ہونا ثابت ہے تو اب بالکل شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

لطائف آیات: .... آیت اجعلنی علی خزائن الارض الخ سے معلوم ہوا کہ کسی منصب اور عہدہ کی درخواست سے اگر اپنا کوئی نقصان نہ ہو بلکہ دوسروں کا نفع ہو تو یہ خلاف کمال نہیں ہے۔

آیت الا ترون انیّ اوفی الکیل الخ سے معلوم ہوا کہ اگر اپنی تعریف مقصود نہ ہو بلکہ کوئی مصلحت پیش نظر ہو تو اپنی خوش معاملگی کو ظاہر کرنا خلاف تواضع نہیں ہے۔

آیت لن ارسلہ الخ سے معلوم ہوا کہ جائز تدبیر خلاف توکل نہیں ہے۔

آیت کذلک کدنا الخ سے معلوم ہوا کہ کامل شخص کے انعال افعال حق کے مظہر ہوتے ہیں۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى ضَمَّ **اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ** تَحْزَنْ **بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۶۹﴾** مِنَ الْحَسَدِ لَنَا وَاَمَرَهُ اَنْ لَا يُخْبِرَهُمْ وَتَوَاطَأَ مَعَهُ عَلٰى اَنَّهُ سَيَحْتَالُ عَلٰى اَنْ يُّبْقِيَهُ عِنْدَهُ **فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ** هِيَ صَاعٌ مِنْ ذَهَبٍ مُرَصَّعٍ بِالْجَوَاهِرِ **فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ** بِنْيَامِيْنَ **ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ** نَادٰى مُنَادٍ بَعْدَ اِنْفِصَالِهِمْ عَنْ مَجْلِسِ يُوْسُفَ **اَيَّتُهَا الْعِيْرُ** الْقَافِلَةُ **اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَ** قَدْ **اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا** مَا الَّذِيْ **تَفْقِدُوْنَ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ** صَاعَ **الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ** مِنَ الطَّعَامِ **وَّاَنَا بِهٖ** بِالْحِمْلِ **زَعِيْمٌ﴿۷۲﴾** كَفِيْلٌ **قَالُوْا تَاللّٰهِ** قَسَمٌ فِيْهِ بِمَعْنَى التَّعَجُّبِ **لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ﴿۷۳﴾** مَاسَرَقْنَا قَطُّ **قَالُوْا** اَيِ الْمُؤَذِّنُ وَاَصْحَابُهٗ **فَمَا جَزَآؤُهٗٓ** اَيِ السَّارِقِ **اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ﴿۷۴﴾** فِيْ قَوْلِكُمْ مَاكُنَّا سَارِقِيْنَ وَوُجِدَ فِيْكُمْ **قَالُوْا جَزَآؤُهٗ**

مُبْتَدأٌ خَبَرُہٗ **مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِہٖ** یَسْتَرِقُ ثُمَّ اَکَّدَ بِقَوْلِہٖ **فَھُوَ** اَیِ السَّارِقُ **جَزَآؤُہٗ** اَیِ الْمَسْرُوْقُ لَا غَیْرُ
وَکَانَتْ سُنَّۃُ اٰلِ یَعْقُوْبَ **کَذٰلِکَ** الْجَزَاءِ **نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ** ﴿۷۵﴾ بِالسَّرِقَۃِ فَصَرَفُوْا اِلٰی یُوْسُفَ لِتَفْتِیْشِ
اَوْعِیَتِہِمْ **فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِہِمْ** فَفَتَّشَہَا **قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْہِ** لِئَلَّا یُتَّہَمَ **ثُمَّ اسْتَخْرَجَھَا** اَیِ السِّقَایَۃَ **مِنْ وِّعَآءِ**
اَخِیْہِ قَالَ تَعَالٰی **کَذٰلِکَ** الْکَیْدِ **کِدْنَا لِیُوْسُفَ** عَلَّمْنَاہُ الْاِحْتِیَالَ فِیْ اَخْذِ اَخِیْہِ **مَا کَانَ** یُوْسُفُ **لِیَاْخُذَ**
اَخَاہُ رَقِیْقًا عَنِ السَّرِقَۃِ **فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ** حُکْمِ مَلِکِ مِصْرَ لِاَنَّ جَزَآؤُہٗ عِنْدَہٗ الضَّرْبُ وَتَغْرِیْمُ مِثْلَیِ
الْمَسْرُوْقِ لَا الْاِسْتِرْقَاقُ **اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ** اَخْذَہٗ بِحُکْمِ اَبِیْہِ اَیْ لَمْ یَتَمَکَّنْ مِنْ اَخْذِہٖ اِلَّا بِمَشِیَّۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی
بِاِلْھَامِہٖ سُؤَالَ اِخْوَتِہٖ وَجَوَابَہُمْ بِسُنَّتِہِمْ **نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ** بِالْاِضَافَۃِ وَالتَّنْوِیْنِ فِی الْعِلْمِ کَیُوْسُفَ
وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ **عَلِیْمٌ** ﴿۷۶﴾ اَعْلَمُ مِنْہُ حَتّٰی یَنْتَہِیَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی **قَالُوْآ اِنْ یَّسْرِقْ**
فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ اَیْ یُوْسُفُ وَکَانَ سَرَقَ لِاَبِیْ اُمِّہٖ صَنَمًا مِنْ ذَھَبٍ فَکَسَّرَہٗ لِئَلَّا یَعْبُدَہٗ **فَاَسَرَّھَا**
یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِہٖ وَلَمْ یُبْدِھَا یُظْھِرْھَا **لَہُمْ** وَالضَّمِیْرُ لِلْکَلِمَۃِ الَّتِیْ فِیْ قَوْلِہٖ **قَالَ** فِیْ نَفْسِہٖ **اَنْتُمْ**
شَرٌّ مَّکَانًا مِنْ یُوْسُفَ وَاَخِیْہِ لِسَرِقَتِکُمْ اَخَاکُمْ مِنْ اَبِیْکُمْ وَظُلْمِکُمْ لَہٗ **وَاللّٰہُ اَعْلَمُ** عَالِمٌ **بِمَا**
تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ تَذْکُرُوْنَ فِیْ اَمْرِہٖ **قَالُوْا یٰٓاَیُّھَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَہٗ اَبًا شَیْخًا کَبِیْرًا** یُحِبُّہٗ اَکْثَرَ مِنَّا وَیَتَسَلّٰی بِہٖ
عَنْ وَلَدِہِ الْھَالِکِ وَیَحْزُنُہٗ فِرَاقُہٗ **فَخُذْ اَحَدَنَا** اسْتَعْبِدْہُ **مَکَانَہٗ** بَدَلًا مِنْہُ **اِنَّا نَرٰکَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ** ﴿۷۸﴾
فِیْ اَفْعَالِکَ **قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ** نَصْبٌ عَلَی الْمَصْدَرِ حُذِفَ فِعْلُہٗ وَاُضِیْفَ اِلَی الْمَفْعُوْلِ اَیْ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ **مِنْ اَنْ**
نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَہٗٓ لَمْ یَقُلْ مَنْ سَرَقَ تَحَرُّزًا مِنَ الْکِذْبِ **اِنَّآ اِذًا** اِنْ اَخَذْنَا غَیْرَہٗ
لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ **فَلَمَّا اسْتَیْئَسُوْا** یَئِسُوْا **مِنْہُ خَلَصُوْا** اِعْتَزَلُوْا **نَجِیًّا** مَصْدَرٌ یَصْلُحُ لِلْوَاحِدِ وَغَیْرِہٖ اَیْ
یُنَاجِیْ بَعْضُہُمْ بَعْضًا **قَالَ کَبِیْرُھُمْ** سِنًّا رُوْبِیْلُ اَوْرَأْیًا یَہُوْدَا **اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاکُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْکُمْ**
مَّوْثِقًا عَھْدًا **مِّنَ اللّٰہِ** فِیْ اَخِیْکُمْ **وَمِنْ قَبْلُ مَا** زَائِدَۃٌ **فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ** وَقِیْلَ مَا مَصْدَرِیَّۃٌ مُبْتَدَأٌ خَبَرُہٗ مِنْ
قَبْلُ **فَلَنْ اَبْرَحَ** اُفَارِقَ **الْاَرْضَ** اَرْضَ مِصْرَ **حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْٓ** بِالْعَوْدِ اِلَیْہِ **اَوْ یَحْکُمَ اللّٰہُ لِیْ** بِخَلَاصِ
اَخِیْ **وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ** ﴿۸۰﴾ اَعْدَلُہُمْ **اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْکُمْ فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ وَمَا**
شَھِدْنَآ عَلَیْہِ **اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا** تَیَقَّنَّا مِنْ مُشَاھَدَۃِ الصَّاعِ فِیْ رَحْلِہٖ **وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ** لِمَا غَابَ عَنَّا حِیْنَ
اِعْطَاءِ الْمَوْثِقِ **حٰفِظِیْنَ** ﴿۸۱﴾ وَلَوْ عَلِمْنَا اِنَّہٗ یَسْرِقُ لَمْ نَاْخُذْہُ **وَسْئَلِ الْقَرْیَۃَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْھَا** ھِیَ مِصْرُ اَیْ

اَرْسِلْ اِلٰی اَھْلِھَا فَاسْأَلْھُمْ **وَالْعِیْرَ** اَیْ اَصْحَابَ الْعِیْرِ **الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْھَا** وَھُمْ قَوْمٌ مِنْ کَنْعَانَ **وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾** فِیْ قَوْلِنَا فَرَجَعُوْا اِلَیْہِ وَقَالُوْا لَہٗ ذٰلِکَ **قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ** زَیَّنَتْ **لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا** فَفَعَلْتُمُوْہُ اِتَّھَمَھُمْ لِمَا سَبَقَ مِنْھُمْ فِیْ اَمْرِ یُوْسُفَ **فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ** صَبْرِیْ **عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِھِمْ** بِیُوْسُفَ وَاَخَوَیْہِ **جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْعَلِیْمُ** بِحَالِیْ **الْحَکِیْمُ ﴿۸۳﴾** فِیْ صُنْعِہٖ **وَتَوَلّٰی عَنْھُمْ** تَارِکًا خِطَابَھُمْ **وَقَالَ یٰٓاَسَفٰی** اَلْاَلِفُ بَدَلٌ مِنْ یَاءِ الْاِضَافَۃِ اَیْ یَاحُزْنِیْ **عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ** اُنْمُحِقَ سَوَادُ ھُمَا وَبُدِّلَ بَیَاضًا مِنْ بُکَائِہٖ **مِنَ الْحُزْنِ** عَلَیْہِ **فَھُوَ کَظِیْمٌ ﴿۸۴﴾** مَغْمُوْمٌ مَکْرُوْبٌ لَا یُظْھِرُ کَرْبَہٗ **قَالُوْا تَاللّٰہِ** لَا **تَفْتَؤُا** تَزَالُ **تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا** مُشْرِفًا عَلَی الْھَلَاکِ لِطُوْلِ مَرَضِکَ وَھُوَ مَصْدَرٌ یَسْتَوِیْ فِیْہِ الْوَاحِدُ وَغَیْرُہٗ **اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْھٰلِکِیْنَ ﴿۸۵﴾** اَلْمَوْتٰی **قَالَ** لَھُمْ **اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ** ھُوَ عَظِیْمُ الْحُزْنِ الَّذِیْ لَا یَصْبِرُ عَلَیْہِ حَتّٰی یُبَثَّ اِلَی النَّاسِ **وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ** لَا اِلٰی غَیْرِہٖ فَھُوَ الَّذِیْ تَنْفَعُ الشَّکْوٰی اِلَیْہِ **وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾** مِنْ اَنَّ رُؤْیَا یُوْسُفَ صِدْقٌ وَھُوَ حَیٌّ ثُمَّ قَالَ **یٰبَنِیَّ اذْھَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْہِ** اُطْلُبُوْا خَبَرَھُمَا **وَلَا تَایْئَسُوْا** تَقْنَطُوْا **مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ** رَحْمَتِہٖ **اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾** فَانْطَلَقُوْا نَحْوَ مِصْرَ لِیُوْسُفَ **فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْہِ قَالُوْا یٰٓاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَھْلَنَا الضُّرُّ** اَلْجُوْعُ **وَجِئْنَا بِبِضَاعَۃٍ مُّزْجٰۃٍ** مَدْفُوْعَۃٍ یَدْفَعُھَا کُلُّ مَنْ رَاٰھَا لِرِدَاءَتِھَا وَکَانَتْ دَرَاھِمُ زُیُوْفًا اَوْ غَیْرَھَا **فَاَوْفِ** اَتِمَّ **لَنَا الْکَیْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا** بِالْمُسَامَحَۃِ عَنْ رَدَاءَۃِ بِضَاعَتِنَا **اِنَّ اللّٰہَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ﴿۸۸﴾** یُثِیْبُھُمْ فَرَقَّ عَلَیْھِمْ وَاَدْرَکَتْہُ الرَّحْمَۃُ وَرَفَعَ الْحِجَابَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھُمْ ثُمَّ **قَالَ** لَھُمْ تَوْبِیْخًا **ھَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ** مِنَ الضَّرْبِ وَالْبَیْعِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ **وَاَخِیْہِ** مِنْ ھَضْمِکُمْ لَہٗ بَعْدَ فِرَاقِ اَخِیْہِ **اِذْ اَنْتُمْ جٰھِلُوْنَ ﴿۸۹﴾** مَا یَؤُلُ اِلَیْہِ اَمْرُ یُوْسُفَ **قَالُوْٓا** بَعْدَ اَنْ عَرَفُوْہُ لِمَا ظَھَرَ مِنْ شَمَائِلِہٖ مُسْتَثْبِتِیْنَ ءَ **اِنَّکَ** بِتَحْقِیْقِ الْھَمْزَتَیْنِ وَتَسْھِیْلِ الثَّانِیَۃِ وَاِدْخَالِ اَلِفٍ بَیْنَھُمَا عَلَی الْوَجْھَیْنِ **لَاَنْتَ یُوْسُفُ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَھٰذَآ اَخِیْ قَدْمَنَّ** اَنْعَمَ **اللّٰہُ عَلَیْنَا** بِالْاِجْتِمَاعِ **اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ** یَخِفِ اللّٰہَ **وَیَصْبِرْ** عَلٰی مَا یَنَالُہٗ **فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾** فِیْہِ وَضْعُ الظَّاھِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ **قَالُوْا تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ** فَضَّلَکَ **اللّٰہُ عَلَیْنَا** بِالْمُلْکِ وَغَیْرِہٖ **وَاِنْ** مُخَفَّفَۃٌ اَیْ اِنَّا **کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ ﴿۹۱﴾** اٰثِمِیْنَ فِیْ اَمْرِکَ فَاَذَلَّنَالَکَ **قَالَ لَا تَثْرِیْبَ** عَتْبَ **عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ** خَصَّہٗ بِالذِّکْرِ لِاَنَّہٗ مَظِنَّۃُ التَّثْرِیْبِ فَغَیْرُہٗ اَوْلٰی **یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ**

وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴿۹۲﴾ وَسَاَلَهُم عَنْ اَبِيْهِ فَقَالُوا ذَهَبَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ **اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا** وَهُوَ قَمِيْصُ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ لَبِسَهٗ حِيْنَ اُلْقِيَ فِي النَّارِ كَانَ فِيْ عُنُقِهٖ فِي الْجُبِّ وَهُوَ مِنَ الْجَنَّةِ اَمَرَهٗ جِبْرَئِيْلُ بِاِرْسَالِهٖ لَهٗ وَقَالَ اِنَّ فِيْهِ رِيْحَهَا وَلَا يُلْقٰى عَلٰى مُبْتَلًى اِلَّا عُوْفِيَ **فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ** يَصِرْ **بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴿۹۳﴾**

ترجمہ............ اور جب بھائی یوسفؑ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس بٹھالیا (ٹھیرالیا) کہنے لگے میں تیرا بھائی ہوں۔ پس جو کچھ انہوں نے (ہمارے ساتھ حسد) کیا ہے اس پر رنج (غم) مت کرنا۔ (اور بنیامین کو یہ حال بھائیوں کو بتانے سے منع کر دیا اور بنیامین کو اس پر آمادہ کر لیا کہ اسے اپنے پاس رکھنے کے لئے ایک حیلہ کروں گا) پھر جب یوسفؑ نے ان لوگوں کی روانگی کے لئے سامان تیار کر دیا۔ تو اپنا کٹورہ (جو سونے کا بنا ہوا اور جواہر جڑا ہوا تھا) اپنے بھائی (بنیامین) کے بورے میں رکھ دیا۔ پھر ایک اعلانچی نے اعلان کر دیا (حضرت یوسفؑ کی مجلس سے روانگی کے بعد ایک پکارنے والے نے پکارا) اے قافلہ والو! ہو نہ ہو تم ہی چور ہو۔ وہ پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟ شاہی پیادوں نے کہا ہمیں شاہی پیمانہ نہیں ملتا۔ جو شخص اسے لا حاضر کرے اسے ایک اونٹ بوجھ (غلہ) انعام ملے گا اور میں اس (انعام) کا ضامن (ذمہ دار) ہوں انہوں نے کہا اللہ جانتا ہے (اس قسم میں تعجب کے معنی ہیں) ہم یہاں اس لئے نہیں آئے کہ ملک میں شرارت کریں اور کبھی ہمارا شیوہ یہ نہیں رہا ہے کہ چوری کریں (ہم نے کبھی بھی چوری نہیں کی ہے) کارندوں (اعلانچی اور اس کے ساتھیوں) نے کہا اچھا اگر تم جھوٹے نکلے (اپنے چوری نہ کرنے کے دعویٰ میں کہ تمہارے پاس سے مال برآمد ہو جائے) تو اس (چور) کی سزا کیا ہونی چاہیئے؟ انہوں نے جواب دیا چور کی سزا (یہ مبتداء ہے خبر آگے ہے) یہ ہے کہ جس کی بوری میں چوری کا مال نکلے (چرایا ہوا مال برآمد ہو۔ اگلا جملہ اس کی تاکید ہے) وہ (چور) آپ اپنی سزا میں پکڑا جائے (چوری کی پاداش میں خود اسی کو پکڑا جائے کسی دوسرے کو نہیں اور حضرت یعقوبؑ کے یہاں کا یہی قانون تھا) اسی (سزا) کی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں (جو چوری کر کے ظلم کرتے ہیں اس کے بعد ان سب کی تلاشی کے لئے حضرت یوسفؑ کے سامنے جا کر حاضر کیا) پس دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی اپنے بھائی کی تلاشی سے پہلے (تا کہ کسی قسم کا شبہ نہ رہے) پھر ان کے بھائی کی بوری سے (پیالہ) نکال لیا (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اسی طرح (کی تدبیر) ہم نے یوسفؑ کے لئے کی ہے (اپنے بھائی کے رکھنے کا حیلہ ہم نے یوسفؑ کو بتلایا) یوسفؑ اپنے بھائی کو (چوری کی سزا میں غلام بنا کر) بادشاہ کے قانون کی رو سے روک نہیں سکتے تھے (کیونکہ مصری قانون کے اعتبار سے چوری کی سزا میں پٹائی ہوتی تھی اور چوری کے سامان کے برابر تاوان لیا جاتا تھا۔ غلام نہیں بنایا جاتا تھا) مگر ہاں اس صورت میں کہ اللہ کو نکال دینا منظور ہوتا (ان کے آبائی قانون کی رو سے یعنی بھائی کو روکنے پر یوسفؑ قادر نہیں تھے جب تک اللہ بھائیوں کو سوال کا الہام اور اپنے طریقہ کے مطابق جواب دلانا نہ چاہتے) ہم جسے چاہتے ہیں بلند درجوں تک پہنچا دیتے ہیں (لفظ درجات اضافت اور تنوین کے ساتھ ہے اور ہم یوسفؑ کی طرح جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور (مخلوق میں) ہر علم والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے (جو پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ حق تعالیٰ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے) بھائی کہنے لگے کہ اس نے چوری کی تو اس سے پہلے اس کا سگا بھائی بھی چوری کر چکا ہے (یعنی یوسفؑ جنہوں نے اپنے نانا کا بت چرا کر توڑ ڈالا تھا تا کہ اس کی پوجا نہ ہو سکے) پس یوسفؑ نے یہ بات اپنے دل میں رکھ لی ان پر ظاہر نہ کی اور یبدھا کی ضمیر اس بات کی طرف

راجع ہے جوانہوں نے اپنے دل میں انتم شر مکانا کہا تھا) کہ اس درجہ میں تو تم اور زیادہ برے ہوئے (بہ نسبت یوسفؑ اور اس کے بھائی کے کیونکہ تم نے تو اپنے باپ کی چوری کی اور بھائی کو چرایا اور اس پر ظلم کیا) اور جو کچھ تم یہاں کر رہے ہو اللہ ہی اسے بہتر جاننے والا ہے۔ بھائی بولے "اے عزیز! ان کے باپ بہت بوڑھے ہیں (ہم میں سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں اور اپنے تلف ہوئے ہوئے بچہ کا غم اسے دیکھ کر ہلکا کر لیتے ہیں۔ اب اس کے نہ ہونے سے اور زیادہ غمگین ہوں گے) پس ان کی جگہ ہم میں سے کسی کو (ان کے بدلہ) رکھ لیجئے (غلام بنالیجئے) ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہی نیک مزاج ہیں (کردار میں) یوسفؑ نے کہا خدا کی پناہ (مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے یہ لفظ منصوب ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے اور اس کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے (یعنی نعوذ باللہ) ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا۔ دوسرے کو پکڑ لیں (یہاں سامان پانا کہا ہے جھوٹ سے بچنے کے لئے) اگر ایسا کریں (کہ دوسرے کو پکڑ لیں) تو ہم ظالم ٹھہرے گے) پھر جب یہ بھائی یوسفؑ کی جانب سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے (یہ مصدر ہے واحد اور غیر واحد سب کے لئے آتا ہے یعنی باہم مشورہ کرنے لگے) ان سب میں جو بڑا تھا (عمر کے لحاظ سے روبیل اور بہ لحاظ عقل یہودا) کہنے لگا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے خدا کی قسم کھلا کر (تمہارے بھائی کے بارہ میں) کیا عہد لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسفؑ کے بارہ میں تم کس درجہ کوتاہی کر چکے ہو تو (بعض کے نزدیک مـا مصدریہ مبتداء ہے اور من قبل اس کی خبر ہے) سو میں تو یہاں سے (مصر سے) ٹلنے والا ہوں نہیں جب تک خود باپ مجھے (لوٹنے کا) حکم نہ دیں یا پھر اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ کر دیں (کہ میرے بھائی کی رہائی کی کوئی صورت کر دیں) اور وہ سب سے بہتر (عمدہ) فیصلہ کرنے والے ہیں۔ تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ "اے ابا! آپ کے صاحبزادے نے چوری کی ہے اور ہم (اس کے متعلق) وہی کہہ رہے ہیں جو ہمیں معلوم ہوا ہے (اس کے بورے سے کٹورہ برآمد ہونے سے جو یقین ہمیں ہوا ہے) اور ہم غیب کی باتوں کے (عہد لینے کے وقت جو چیزیں ہمارے سامنے نہیں تھیں ان کے) تو حافظ ہیں نہیں (اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ چوری کرے گا تو ہم عہد ہی نہ کرتے) اور آپ اس بستی سے معلوم کر لیجئے جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے (مراد مصر ہے۔ یعنی مصریوں کے پاس کسی کو بھیج کر حال دریافت کر لیجئے) اور اس قافلہ (کے آدمیوں) سے پوچھ لیجئے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں (اور وہ کنعان کی قوم کے لوگ ہیں) اور یقین جانئے کہ ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں (یہ باتیں چنانچہ اس قرارداد کے مطابق یہ سب بھائی باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سب باتیں عرض کیں) یعقوبؑ فرمانے لگے یہ بات نہیں بلکہ اپنے دل سے تم نے ایک بات بنالی ہے (اسی کے مطابق تم کاروائی کر رہے ہو، یوسفؑ کے معاملہ پر قیاس کر کے حضرت یعقوبؑ نے ان بھائیوں کو متہم سمجھا) خیر میرے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں، صبر بھی ایسا کہ جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا اللہ سے امید ہے کہ ان سب کو (یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کو) مجھ تک پہنچادے گا۔ وہ خوب جاننے والا (میرے حال کو) اور (اپنی تدبیر میں) بڑا حکمت والا ہے۔ اور یعقوبؑ نے بیٹوں سے دوسری طرف منہ پھیر لیا (ان سے بات چیت بند کر دی) اور فرمانے لگے ہائے افسوس! (اس میں الف یائے اضافت کے بدلہ میں ہے۔ یعنی ہائے افسوس) یوسفؑ۔

اور ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں (زیادہ رونے سے آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی سفیدی سے بدل گئی) شدت غم سے اور ان کا سینہ غم سے لبریز تھا (اپنے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے) بیٹے کہنے لگے بخدا تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یادگاری میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر جاں بلب ہو جاؤ گے (بیماری گھسیٹتے گھسیٹتے لب دم ہوئے جا رہے ہو (حـرضـا مصدر ہے اس میں واحد اور غیر واحد سب برابر ہیں) یا بالکل ہی مر جاؤ گے (ہلاک ہو جاؤ گے) یعقوبؑ نے (بیٹوں سے) فرمایا کہ میرے پہاڑ جیسے غم (اس درجہ کا رنج کہ جس پر بے صبر ہو کر لوگوں کے آگے واویلا کرنے لگے) اور رنج کا رونا صرف اللہ کے سامنے ہے (اس کے سوا کسی دوسرے کے آگے نہیں ہے

صرف اسی کی ذات ہے جس کے پاس شکایت فائدہ مند ہوسکتی ہے) اور میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (یعنی یہ کہ یوسفؑ کا خواب سچا ہے اور وہ زندہ ہے پھر فرمانے لگے) اے میرے بیٹو! جاؤ یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو (ان کا سراغ لگاؤ) اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ اس کی رحمت سے کافر ہی ناامید ہوا کرتے ہیں (چنانچہ یہ سب بھائی مصر کی طرف یوسفؑ کے پاس چلے) پھر جب یوسفؑ کے پاس پہنچ گئے تو کہنے لگے اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر بڑی سختی (بھوک) کے دن گزر رہے ہیں۔ ہم ایک معمولی سی پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں (نکمی چیز جسے ہر دیکھنے والا بیکار سمجھ کر پھینک دے کہ وہ کچھ کھوٹے درہم وغیرہ تھے) سو غلہ کی پوری مقدار عنایت فرمادیجئے اور ہماری امداد کیجئے (یعنی نکمی چیزوں سے چشم پوشی کیجئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیر خیرات کرنے والوں کو ان کا اجر دیتا ہے (ثواب مرحمت فرماتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کا دل بھر آیا اور جوش رحمت سے بے قابو ہوگئے اور اپنے بھائیوں کے درمیان سے حجاب اٹھادیا۔ پھر ڈانٹ کے لہجہ میں بھائیوں سے) بولے تمہیں یاد ہے تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیا کیا تھا؟ (مارنا، پیٹنا، بیچنا وغیرہ) اور اس کے بھائی کے ساتھ بھی (یوسفؑ کے بعد بنیامین پر تم نے جو ظلم توڑا) جب کہ تم نادان تھے ؟ (یوسفؑ کے معاملہ سے ناواقف) کہنے لگے (جب یوسفؑ کی کچھ خصلتیں دیکھنے کے بعد انہیں پہچانتے ہوئے غور کر رہے تھے) کہ کیا سچ مچ (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کر کے اور دونوں صورتوں میں ان دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) تم ہی یوسف ہو؟ فرمایا کہ ہاں! میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے پھر بڑا احسان کیا ہے کہ باہم ملایا) واقعی جو شخص ڈرتا ہے (اللہ کا خوف رکھتا ہے) اور (مصیبتوں پر) صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر بھی ضائع نہیں کیا کرتا (یہاں اسم ظاہر بجائے ضمیر کے لایا گیا ہے) بھائی کہنے لگے بخدا: اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے آپ کو ہم پر برتری (فضیلت) بخشی (سلطنت وغیرہ مرحمت فرما کر) اور (بلاشبہ ان مخففہ ہے) ہم سرتاسر قصوروار تھے (آپؑ کے معاملہ میں خطاوار تھے اس لئے ہمیں آپ کے سامنے ذلیل ہونا پڑا) یوسفؑ نے فرمایا کہ نہیں آج کے دن تم پر کوئی الزام (عتاب) نہیں (اس دن کی تخصیص اس لئے کی کہ اس میں غصہ کا احتمال تھا۔ پس دوسرے وقت تو بدرجۂ اولیٰ الزام نہیں) اللہ تعالیٰ ہمارا قصور معاف فرمائے وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے (پھر اپنے والد ماجد کے بارہ میں حضرت یوسف علیہ السلام پوچھتے رہے۔ بھائیوں نے بتلایا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ یوسف علیہ السلام بولے) یہ میرا کرتہ اپنے ساتھ لیتے جاؤ (اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ پیراہن تھا جو انہوں نے آگ میں گرنے کے وقت زیب تن فرمایا تھا وہی یوسفؑ کے کنویں میں گرنے کے وقت ان کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ وہ ایک جنتی کرتہ تھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے حضرت ابراہیمؑ کے پاس بھیجنے کے متعلق کہا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس کرتہ میں جنت کی خوشبو ہے۔ کسی بیمار پر اس کو ڈالا جائے تو وہ تندرست ہوجائے گا) اور اس کرتہ کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی آنکھیں روشن ہوجائیں گی اور اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے کر آجاؤ۔

تحقیق وترکیب: .... صاع من ذهب پانی پینے کا پیالہ ہوگا جس سے بعد میں پیمانہ کا کام لیا جانے لگا ہوگا۔ انکم لسارقون بظاہر یہ کہنا کہ حضرت یوسفؑ کے ایماء سے ہوگا۔ پس ایک بے قصور شخص پر چوری کا الزام نبی کی شان سے بعید ہے۔ جواب یہ ہے کہ انہوں نے تعریض کر کے یوسفؑ کی چوری مراد لی ہے یا اس کلام کو استفہام پر محمول کیا جائے۔ ای انکم لسارقون اس لئے اس میں کذب کا احتمال نہیں۔ تیسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ کارندوں کی طرف سے حضرت یوسفؑ کے علم واطلاع کے بغیر کہا ہوگا جس کی ذمہ داری حضرت یوسفؑ پر نہیں آتی یا اس دروغ کو مصلحت آمیز ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا جائے۔ لقد علمتم اس لئے کہا کہ

لوگوں میں ان کا تقدس اور نیک چلنی مشہور ہوگئی تھی۔ اپنے جانوروں کے منہ پر انہوں نے توبرے چڑھا دیئے تھے۔ تاکہ لوگوں کی گھاس پھونس غلط طریقہ سے نہ کھاسکیں۔ اسی طرح ان کے سامان میں اگر کوئی زائد چیز نظر آئی تو اسے بھی واپس کردیا تھا۔ جس سے لوگوں میں نیک نامی کا اثر تھا۔ **کذٰلک کدنا لیوسف** کیونکہ کٹورہ چھپانے کی تدبیر منجانب اللہ القاء کی گئی تھی۔ اس لئے **انکم لسارقون** کہنے میں حضرت یوسفؑ پر کذب بیانی کا الزام نہیں آتا۔ **فی العلم** کیوسف اس کا تعلق **رفع** کے ساتھ ہے۔ یعنی ہم جس کو چاہتے یوسفؑ کی طرح بلند درجہ کردیتے ہیں۔ **وکان سرق** بعض کہتے ہیں مرغی یا انڈا اٹھایا تھا۔ **والضمیر** اس میں تین قول ہیں ایک تو یہ کہ **انتم شر مکانا** کی طرف ضمیر راجع ہو۔ دوسرے یہ کہ **فقد سرق اخ له من قبل الخ** قول مراد ہو۔ تیسرے یہ کہ ''حجت'' کی طرف ضمیر راجع ہو۔ یعنی اس احتجاج کو یوسفؑ نے اپنے دل میں چھپائے رکھا۔ **یا ایھا العزیز** اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ بنیامین کی خرجین سے جب کٹورہ برآمد ہوا تو روبیل ایک بھائی نہایت برافروختہ ہوا اور اولاد یعقوبؑ کا مزاج یہ تھا کہ جب انہیں غصہ آتا تو ان کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی تھی اور ان میں سے جب کوئی چیختا، چلاتا تو حاملہ عورتوں کا حمل ہیبت کے مارے گر جاتا۔ لیکن اس کے باوجود اگر اولاد یعقوب میں سے کوئی اسی حالت میں انہیں چھو دیتا تو ان کا غصہ کافور ہوجاتا۔ روبیل یا شمعون اس بارے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب روبیل غضب ناک ہوا تو حضرت یوسفؑ نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کو اشارہ کیا کہ ان کے پہلو میں کھڑے ہوکر ہاتھ لگادے۔ چنانچہ اس کا چھونا تھا کہ سارا غصہ کافور ہوگیا۔ تب یہ مسکنت کے لہجہ اختیار کرتے ہوئے **یا ایھا العزیز الخ** نیازمندانہ گفتگو شروع کی۔ **من وجدنا** اگر اس کے بجائے **من سرق** کہا جاتا تو غلط بیانی ہوتی۔ **استیأسوا** اس میں ست زائد ہونے کی طرف اشارہ کردیا۔ **کبیرھم** ریاست کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑا شمعون تھا۔ **تاللّٰہ لا تفتوء** چونکہ مثبت قسم کے جواب میں لام یا نون کے ساتھ فعل کو مؤکد کرکے لایا جاتا ہے اور یہاں دونوں تاکیدوں میں سے کوئی نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ قسم مثبت نہیں بلکہ منفی ہے۔ اسی لئے بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی **واللّٰہ اجیئک غدا** کہے تو فعل منفی مراد لیا جائے گا۔ یعنی آنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ نہ آنے سے نہیں ٹوٹے گی۔ اگر یہ شبہ ہو کہ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو تو اس پر قسم کیسے کھائی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ غلبۂ ظن کو یقین کے قائم مقام کرلیا گیا ہے گویا یہ یمین لغو ہے۔ جس پر مؤاخذہ نہیں ہوتا۔ **وھو حی** ایک روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ ملک الموت حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؑ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے میرے بیٹے یوسفؑ کی جان قبض کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں تب حضرت یعقوبؑ کو اطمینان ہوا اور برابر پرامید رہے۔ **وزفع الحجاب** بعض کہتے ہیں یہ لثام تھا اور بعض کی رائے میں عام پردہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تاج مراد ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بھائیوں نے یوسفؑ کو اس وقت تک نہیں پہچانا تھا جب تک انہوں نے سر سے تاج نہیں اتارلیا۔ کیونکہ ان کے سر پر ایک خاص علامت اور نشانی تھی۔ جو حضرت یعقوبؑ، اسحٰقؑ اور سارہ کے بھی تھی۔ اسی کو دیکھ کر بھائیوں نے شناخت کیا اور **ائنک لانت یوسف** بول اٹھے۔

﴿تشریح﴾: .... **برادران یوسفؑ کا مصر میں دوبارہ آنا اور بنیامین کا ملاپ**: .... بہرحال بنیامین کو لے کر جب دوبارہ بھائی مصر پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے اس پر اپنی حقیقت ظاہر کردی اور چونکہ جانتے تھے سوتیلے بھائی ضرور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوں گے۔ اس لئے کہا کہ اب دن پھرنے والے ہیں۔ آزردہ خاطر نہ ہو۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اتنی مدت کے بعد دیکھا تو کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ اسے جدا ہونے دیں۔ مگر مشکل یہ آپڑی کہ روک بھی نہیں سکتے تھے

کیونکہ اس بارہ میں مصر کا قانون بہت سخت تھا۔ بلاوجہ کسی آدمی کو خصوصاً اجنبی کو روک لینے کی اجازت نہیں تھی اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ اپنی شخصیت بھائیوں پر ظاہر کریں۔ اس لئے مجبور ہو کر رخصت کر دیا۔ اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دے دیں۔ اس کے سامان میں اپنا چاندی کا کٹورہ رکھ دیا۔ چونکہ بھائیوں پر اس بات کا اظہار خلاف مصلحت تھا۔ اس لئے یہ بات پوری پوشیدگی کے ساتھ عمل میں آئی۔ لیکن جب یہ لوگ روانہ ہو گئے تو محل کے کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا اور جب نہ ملا تو ان لوگوں کے تعاقب میں نکلے۔ انہیں پیالہ کا حال معلوم نہ تھا اور چونکہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور آدمی محل میں ٹھہرا نہیں تھا۔ اس لئے سمجھے ہو نہ ہو انہیں اجنبیوں کی کارستانی ہے۔ پھر جب کارندوں کے سردار نے تلاشی لی تو بنیامین کی خرجین سے پیالہ برآمد ہوا۔ اب کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس کے چور ہونے میں انہیں شبہ نہ ہوتا۔ وہ ان سب کو لے کر حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے۔ جب حضرت یوسفؑ نے معاملہ سنا تو سمجھ گئے۔ کہ اس حادثہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور اس نے بنیامین کو روک لینے کا خود بخود سامان کر دیا ہے وہ خاموش ہو رہے اور فرمایا کہ ہم صرف اسی کو روک سکتے ہیں۔ جس کے پاس ہماری چیز نکلی اور اس کا اقرار وہ لوگ خود ہی کر چکے تھے۔ اس لئے چپ ہو جانا پڑا۔ یہی وہ مخفی تدبیر ہے جسے کید فرمایا گیا ہے۔ یہ شاہی کٹورا پانی پینے کا ہوگا جسے اکرام کے لئے پیمانہ میں استعمال کیا گیا اور ضرورت کے مطابق سب کو غلہ بیچ جانے کے لئے چھوٹا برتن تجویز کیا گیا۔

یک شبہ کا جواب:............ من وجد فی رحله فهو جزاءه میں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اور نے رکھ دیا ہو پھر کیسے اس پر چوری کی سزا مرتب کی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ متہم شخص جب خود یہ احتمال پیش نہیں کر رہا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اس نے چوری کو تسلیم کر لیا۔ اس لئے یہ سزا تجویز کی گئی ہے۔ بنیامین کی خرجین سے جب کٹورہ نکل آیا تو بھائیوں کے سوتیلے پن کا حسد جوش میں آ گیا اور کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس کا بھائی یوسفؑ بھی چور تھا۔ یہ محض ایک بغض وحسد کی بات تھی۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ایسا کوئی واقعہ بھی ہوا ہو۔ مقصد اس جملہ کے نقل کرنے سے ممکن ہے یہی ظاہر کرنا ہو کہ بغض وحسد بھی انسان کو کیسی غلط بیانیوں کا عادی بنا دیتا ہے۔

شاہِ مصر ایمان لایا تھا یا نہیں:............ ما کان لیاخذ اخاه فی دین الملك الخ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ درمنثور الی مجاہدؒ کی روایت کہ بادشاہ اسلام لایا تھا صحیح نہیں ہے۔ ورنہ دین یعقوبؑ قبول کرنے کے بعد اپنا غیر شرعی قانون کیسے جاری رکھتا۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عام رعایا کی مجبوری سے ملکی قانون تبدیل نہیں کیا ہوگا۔

حضرت یوسفؑ نے غیر شرعی عہدہ قبول کیوں کیا:............ تاہم حضرت یوسفؑ کے بارہ میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں جب کہ غیر شرعی قانون منسوخ کر کے اپنا شرعی نظام جاری نہیں کر سکتے تھے۔ یہ عہدۂ حکومت انہوں نے کیسے قبول فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ شرعی قانون جاری نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ غیر شرعی قانون جاری کیا کرتے ہوں۔ پس قابل اعتراض دوسری صورت ہے نہ کہ پہلی صورت۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک طرف شرعی حد ہو مگر کسی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جاتا ہو اور دوسری طرف تعزیری قانون ہو جس پر عمل کیا جاتا ہو تو وہاں تعزیر جاری نہ کرنے کے مقابلہ میں تعزیر جاری کرنا غنیمت ہوگا پس جسے پورے اختیارات حاصل نہ ہوں اسے تعزیر جاری کرنے پر غیر شرعی حکم جاری کرنا نہیں کہا جائے گا۔ حضرت یوسفؑ عہدہ کے لحاظ سے تو عزیز

کہلاتے تھے مگر اختیارات شاہی رکھتے تھے۔

برادران یوسفؑ ایک دفعہ پھر آزمائش میں پڑ گئے: .... بہر حال یہ سرگذشت اب اپنی منزل سے قریب ہو رہی ہے۔ جب یوسفؑ کے بھائی بنیامین کے معاملہ میں مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ تورات میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ راضی نہ ہوتے تھے کہ بنیامین کو جدا کریں تو روبن نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیا غرض کہ جس بھائی نے بھی ذمہ لیا ہوان سے کہا یوسفؑ کے معاملہ میں ہم سے جو بدعہدی ہو سکی ہے اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے نہیں مٹا۔ اب بنیامین کے لئے ہم نے قول وقرار کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا میری تو ہمت پڑتی نہیں کہ باپ کو جا کر منہ دکھاؤں۔ تم جاؤ اور جو کچھ گزرا ہے بے کم وکاست سنا دو۔ چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور گھر آکر تمام سرگذشت باپ کو سنا دی۔

زبان کے تیرونشتر: .... بنیامین ان سب کا بھائی تھا۔ ماں ایک نہ سہی مگر باپ تو ایک ہی تھے لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا "کہ ہمارے بھائی نے چوری کی" بلکہ یہ کہا "تمہارے بیٹے نے چوری کی" اس ایک بات میں کتنی باتیں چھپی ہوئی ہیں؟ اس میں طعن ہے تحقیر ہے، ملامت ہے، اپنی بڑائی ہے، مغرورانہ برتری ہے اور پھر حد درجہ کی سنگدلی ہے کہ ایک ایسے موقعہ پر جب بوڑھے باپ کے دل پر ایک نیا زخم لگنے والا تھا۔ طعن وتشنیع سے باز نہ رہ سکے اور کہا یہ ہے آپؑ کا چہیتا بیٹا جس نے چوری کی اور ہم سب کو مصیبت میں ڈالا۔

حضرت یعقوبؑ کا بیٹوں پر دھوکہ دہی کا الزام صحیح تھا یا غلط .... حضرت یعقوبؑ کا بل سولت لکم الخ فرمانا بظاہر واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اجتہاد سے فرمایا اور اجتہاد میں خطا ہو جانا نبوت وعصمت کے منافی نہیں ہے اس لئے شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ یہ شبہ کہ اجتہاد سے کسی پر تہمت لگانی نہیں چاہیئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی پر متہم اور مشتبہ ہونے کا گمان ہو تو اس کو متہم یا مشتبہ سمجھنا گناہ نہیں۔ کیونکہ اس میں آدمی طبعاً مضطر بھی ہوتا ہے۔ البتہ یقین سے اس کو ایسا سمجھنا جائز نہیں اور وہ منقول نہیں ہے **بل سولت** اگرچہ تیقن کا صیغہ ہے لیکن قرائن حالیہ کی وجہ سے غیر یقینی حالت مراد لی گئی ہوگی۔ پھر والد کو اولاد پر دوسروں کی نسبت زیادہ حق عتاب ہوتا ہے۔ پس قلب میں تیقن نہ ہوتے ہوئے بھی ایہام تیقن معاف ہے۔ خاص کر جب کہ خبر دینا مقصود نہ ہو۔ بلکہ دریافت حال مقصود ہو جیسے تفتیش کے موقعہ پر خبر کا صیغہ بولا کرتے ہیں تا کہ متہم شخص یہ سمجھ کر کہ اسے واقعہ کی اطلاع ہے واقعہ کا انکار نہ کر سکے بلکہ سب کچھ خود ہی اگلنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ توجیہ تو ظاہری اعتبار سے تھی۔ لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ اطلاع واقعہ کے مطابق بھی ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت چوری نہیں ہوئی تھی۔ یعقوب علیہ السلام کی نورانیت قلب نے اسے پالیا۔ البتہ کشف میں اتنی کمی رہی کہ متعین طور پر اس کارروائی کا کرنے والا انہیں معلوم نہ ہو سکا۔ اجمالاً صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ یہ کارروائی میری اولاد ہی میں سے کسی سے ہوئی ہے اور **لکم** تغلیبا فرما دیا ہو۔ لیکن مقصود فاعل ہی سے خطاب ہو۔ معلوم ہوتا ہے حضرت یعقوبؑ نے بنیامین کی گم گشتگی میں یوسفؑ کی بازگشت کی جھلک دیکھ لی تھی اور یہ ان کی فراست نبوت کا کرشمہ تھا جسے **عسی اللّٰہ ان یاتینی بھم جمیعا** فرمایا اور یہ قرب وحال ہی کے تصور کا نتیجہ تھا کہ درد فراق کی شدتیں بڑھ گئیں اور بے اختیار **یا اسفٰی علی یوسف** کی صدا نکل گئی اور آخر میں **انی اعلم من اللّٰہ مالا تعلمون** سے اس پردۂ راز کی طرف اشارہ کر دیا نیز یوسفی خواب کی تعبیر کا انتظار بھی تھا اور وہ سب کی ہیئت اجتماعی کو چاہتا ہے اور **علی اللّٰہ الخ** سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے بیٹوں سے بھی انہیں محبت تھی۔ حضرت یعقوبؑ کا

بیٹوں سے یہ کہنا کہ مایوس ہوکر نہ بیٹھ جاؤ۔ جاکر یوسفؑ اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ واضح کرتا ہے کہ وحی الٰہی کا اشارہ ہو چکا تھا اور وہ سمجھ چکے تھے کہ نسیم یوسف اسی رخ سے آنے والی ہے۔ ورنہ بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی کہ اس موقعہ پر یوسفؑ کا نام ان کی زبان سے نکلتا کیونکہ جو معاملہ پیش آیا تھا وہ بنیامین کا تھا یوسفؑ کا نہیں تھا اور ابیضت عیناہ میں علماء کے دوقول ہیں بینائی کم ہوگئی تھی یا بالکل گم ہوگئی تھی۔ اول صورت میں فارتد بصیرا کے معنی یہ ہوں گے کہ خوشی سے توانائی آگئی اور ضعف نگاہ جاتا رہا۔

نئے زخم سے پرانا زخم ہرا ہو جاتا ہے اور ٹیس بڑھ جاتی ہے:......... اور بنیامین کے غم کے وقت بھی یوسفؑ کے غم کو یاد کرنا اس لئے تھا کہ غالب غم وہی تھا اور غم کا قاعدہ ہے کہ نئے غم سے پرانے غم کا اثر تازہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بنیامین کے تازہ غم نے غم یوسفؑ کو پھر ہرا کر دیا۔ اس لئے غالب کے سامنے مغلوب کا ذکر نہیں کیا۔ اور تحسسوا من یوسف واخیہ صرف یوسفؑ و بنیامین میں جستجو کا حکم تو دیا مگر تیسرے بھائی کے متعلق نہیں فرمایا۔ حالانکہ وہ بھی غائب تھے؟ وجہ یہ ہے کہ تیسرے بھائی اپنے اختیار سے رہ گئے تھے۔ کسی آفت میں مبتلا نہیں ہوئے تھے کہ ان کی تلاش کی نوبت آتی۔ جب موقعہ پائیں گے خود چلے آئیں گے۔ دوسرے یہ کہ تیسرے بھائی تو ان کے ہم مذاق ہیں اور ان سے سلوک ہے۔ اس لئے اس کو تو یہ خود ڈھونڈ لیں گے۔ برخلاف یوسفؑ و بنیامین کے ان دونوں سے سب بھائی رنج رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی تلاش میں کوتاہی کرتے۔ اور محبت چونکہ اضطراری ہوتی ہے اور رونا بھی رقت قلب اور رحمدلی کی دلیل ہے اس لئے حضرت یعقوبؑ کا مخلوق کی محبت میں اس درجہ رونا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ بالخصوص جب کہ محبت کا سبب کوئی دینی پہلو ہو۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ کا برگزیدہ ہونا۔ حضرت یعقوبؑ کا انما اشکو بثی وحزنی کہنا فصبر جمیل کے خلاف نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ مخلوق کے آگے شکایت صبر جمیل کے منافی ہے نہ کہ خالق کے آگے۔ وہ تو عین دعاء والتجاء ہے جو مطلوب ہے۔

حضرت یوسفؑ کا پیمانہ صبر چھلک گیا:......... ایک طرف تو یہ حالات پیش آرہے تھے۔ دوسری طرف قحط کی شدتیں بھی روز بروز بڑھتی جارہی تھیں۔ پس بھائیوں نے مصر آکر جو کچھ حضرت یوسفؑ سے کہا وہ اپنے دوبارہ آنے کا بہانہ نہ تھا۔ بلکہ واقعی ایک مصیبت کی سچی داستان تھی۔ جب حضرت یوسفؑ نے یہ حالات سنے اور دیکھا کہ ان کے بھائی ان کے سامنے کھڑے خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں تو جوش محبت ورحم سے بے اختیار ہوگئے اور اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ جب انہوں نے کہا تمہیں یاد ہے تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تو بھائی چونک اٹھے کہ یہ عزیز مصر یوسفؑ کا ذکر اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ اور اب جوان کی صورت اور آواز پر غور کیا تو صاف نظر آگیا کہ یہ تو بالکل یوسفؑ کی سی صورت ہے اور بول اٹھے کہ تو ہی یوسفؑ ہے۔

برادران یوسفؑ نے صدقہ خیرات کی درخواست کیسے کی:......... خصوصی رعایت کرنے کو مجازاً تصدق علینا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ شبہ نہیں کرنا چاہئے کہ نبی یا نبی زادہ ہونے کی وجہ سے صدقہ ان کے لئے کب حلال تھا؟ یا سوال کرنا کس طرح جائز تھا؟ دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سب بھائیوں کی نبوت ثابت نہیں ہے اور اولاد نبی کو نفلی صدقہ لینا جائز ہے اور بعض علماء کی رائے پر اگر صدقہ کا حرام ہونا آل محمد کی خصوصیات میں سے مانا جائے تو تیسرا جواب ہو جائے گا۔

لطائف آیات:......... آیت اسفی علی یوسف الخ سے معلوم ہوا کہ طبعی محبت حق کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے اور کاملین کو یہ

طبعی محبت رضاءحق سے غافل نہیں کرتی بلکہ اس میں معین ہوجاتی ہے۔چنانچہ حضرت یعقوبؑ کا قول انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ ،واعلم من اللہ مالاتعلمون اس پر دلالت کررہا ہے۔آیت لا تثریب علیکم الیوم الخ ان کے ذیل میں علامہ آلوسیؒ نے شاہ کرمانیؒ سے نقل کیا ہے کہ جوشخص مخلوق کوحق کی نظر سے دیکھے گا وہ تو مخلوق کی ممانعت کی پرواہ نہ کرے گا اور جوشخص لوگوں کو اپنی نظر سے دیکھے گا ساری عمر بحث وتکرار ہی میں ختم کردے گا۔چنانچہ حضرت یوسفؑ کی نظر قضاء الٰہی پر تھی۔اس لئے اپنے بھائیوں کا عذر قبول کرلیا۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ خَرَجَتْ مِنْ عَرِيْشِ مِصْرَ **قَالَ اَبُوْهُمْ** لِمَنْ حَضَرَ مِنْ بَنِيْهِ وَاَوْلَادِهِمْ **اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ** اَوْصَلَتْهُ اِلَيْهِ الصَّبَا بِاِذْنِهٖ تَعَالٰى مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اَوْ ثَمَانِيَةٍ اَوْ اَكْثَرَ **لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ**﴿۹۴﴾ تُسَفِّهُوْنِيْ لَصَدَّقْتُمُوْنِيْ **قَالُوْا** لَهٗ **تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ** خَطَائِكَ **الْقَدِيْمِ**﴿۹۵﴾ مِنْ اِفْرَاطِ لَكَ فِيْ مُحَبَّتِهٖ وَرَجَاءِ لِقَائِهٖ عَلٰى بُعْدِ الْعَهْدِ **فَلَمَّآ اَنْ** زَائِدَةٌ **جَآءَ الْبَشِيْرُ** يَهُوْدًا بِالْقَمِيْصِ وَكَانَ قَدْ حَمَلَ قَمِيْصَ الدَّمِ فَاَحَبَّ اَنْ يُفْرِحَهٗ كَمَا اَحْزَنَهٗ **اَلْقٰهُ** طَرَحَ الْقَمِيْصَ **عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ** رَجَعَ **بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ**﴿۹۶﴾ **قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ**﴿۹۷﴾ **قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ**﴿۹۸﴾ اَخَّرَ ذٰلِكَ اِلَى السَّحَرِ لِيَكُوْنَ اَقْرَبَ اِلَى الْاِجَابَةِ وَقِيْلَ اِلٰى لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ ثُمَّ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِصْرَ وَخَرَجَ يُوْسُفُ وَالْاَكَابِرُ لِتُلْقِيْهِمْ **فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ** فِيْ مَضْرَبِهٖ **اٰوٰٓى** ضَمَّ **اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ** اَبَاهُ اُمَّهٗ اَوْ خَالَتَهٗ **وَقَالَ** لَهُمْ **ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ**﴿۹۹﴾ فَدَخَلُوْا وَجَلَسَ يُوْسُفُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ **وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ** اَجْلَسَهُمَا مَعَهٗ **عَلَى الْعَرْشِ** السَّرِيْرِ **وَخَرُّوْا** اَيْ اَبَوَاهُ وَاِخْوَتُهٗ **لَهٗ سُجَّدًا** سُجُوْدَ اِنْحِنَاءٍ لَا وَضْعَ جَبْهَةٍ وَكَانَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ **وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ** اِلَيَّ **اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ** لَمْ يَقُلْ مِنَ الْجُبِّ تَكَرُّمًا لِئَلَّا يَخْجَلَ اِخْوَتُهٗ **وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ** الْبَادِيَةِ **مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ** اَفْسَدَ **الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ** بِخَلْقِهٖ **الْحَكِيْمُ**﴿۱۰۰﴾ فِيْ صُنْعِهٖ وَاَقَامَ عِنْدَهٗ اَبُوْهُ اَرْبَعًا وَعِشْرِيْنَ سَنَةً اَوْ سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً وَكَانَتْ مُدَّةُ فِرَاقِهٖ ثَمَانَ عَشْرَةَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اَوْ ثَمَانِيْنَ سَنَةً وَحَضَرَهُ الْمَوْتُ فَوَصّٰى يُوْسُفَ اَنْ يَّحْمِلَهٗ وَيَدْفِنَهٗ عِنْدَ اَبِيْهِ فَمَضٰى بِنَفْسِهٖ وَدَفَنَهٗ ثَمَّةَ ثُمَّ عَادَ اِلٰى مِصْرَ وَاَقَامَ بَعْدَهٗ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً وَلَمَّا تَمَّ اَمْرُهٗ وَعَلِمَ اَنَّهٗ لَا يَدُوْمُ تَاقَتْ نَفْسُهٗ اِلَى الْمُلْكِ الدَّائِمِ فَقَالَ **رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ** تَعْبِيْرِ الرُّؤْيَا **فَاطِرَ** خَالِقَ **السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**

اَنْتَ وَلِيّٖ مُتَوَلِّي مَصَالِحِي فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ مِنْ اٰبَائِي فَعَاشَ بَعْدَ ذٰلِكَ اُسْبُوْعًا اَوْ اَكْثَرَ وَمَاتَ وَلَهٗ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ سَنَةً وَتَشَاحَ الْمِصْرِيُّوْنَ فِي قَبْرِهٖ فَجَعَلُوْهُ فِي صَنْدُوْقٍ مَرْمَرٍ وَدَفَنُوْهُ فِي اَعْلَى النِّيْلِ لِتَعُمَّ الْبَرَكَةُ جَانِبَيْهِ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا اِنْقِضَآءَ لِمُلْكِهٖ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنْ اَمْرِ يُوْسُفَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ اَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ يَامُحَمَّدُ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ لَدٰى اِخْوَةِ يُوْسُفَ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ فِي كَيْدِهٖ اَيْ عَزَمُوْا عَلَيْهِ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ بِهٖ اَيْ لَمْ تَحْضُرْهُمْ فَتَعْرِفَ قِصَّتَهُمْ فَتُخْبِرَبِهَا وَاِنَّمَا حَصَلَ لَكَ عِلْمُهَا مِنْ جِهَةِ الْوَحْيِ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ وَلَوْ حَرَصْتَ عَلٰى اِيْمَانِهِمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ اَيِ الْقُرْاٰنِ مِنْ اَجْرٍؕ تَاْخُذُهٗ اِنْ مَا هُوَ اَيِ الْقُرْاٰنُ اِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ وَكَمْ مِّنْ اٰيَةٍ دَالَّةٍ عَلٰى وُحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا يُشَاهِدُوْنَهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ لَا يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْهَا وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ حَيْثُ يُقِرُّوْنَ بِاَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ بِهٖ بِعِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَلِذَا كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ فِي تَلْبِيَتِهِمْ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَلَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ يَعْنُوْنَهَا اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ نِقْمَةٌ تَغْشَاهُمْ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً فَجْاَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ بِوَقْتِ اِتْيَانِهَا قَبْلَهٗ قُلْ لَهُمْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ وَفَسَّرَهَا بِقَوْلِهٖ اَدْعُوْٓا اِلَى دِيْنِ اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ حُجَّةٍ وَاضِحَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْؕ اٰمَنَ بِيْ عَطْفٌ عَلٰى اَنَا الْمُبْتَدَأُ الْمُخْبَرُ عَنْهُ بِمَا قَبْلَهٗ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ تَنْزِيْهًا عَنِ الشُّرَكَاءِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ مِنْ جُمْلَةِ سَبِيْلِهٖ اَيْضًا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالنُّوْنِ وَكَسْرِ الْحَاءِ اِلَيْهِمْ لَا مَلَائِكَةً مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰىؕ اَلْاَمْصَارِ لِاَنَّهُمْ اَعْلَمُ وَاَحْلَمُ بِخِلَافِ اَهْلِ الْبَوَادِيْ لِجَفَائِهِمْ وَجَهْلِهِمْ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا اَيْ اَهْلُ مَكَّةَ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ اَيْ اٰخِرُ اَمْرِهِمْ مِنْ اِهْلَاكِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ اَيِ الْجَنَّةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْاؕ اللّٰهَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَا اَهْلَ مَكَّةَ هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ حَتّٰٓى غَايَةٌ لِمَا دَلَّ عَلَيْهِ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا اَيْ فَتَرَاخٰى نَصْرُهُمْ حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ يَئِسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَيْقَنَ الرُّسُلُ اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا بِالتَّشْدِيْدِ تَكْذِيْبًا لَا اِيْمَانَ بَعْدَهٗ وَالتَّخْفِيْفِ اَيْ ظَنَّ الْاُمَمُ اَنَّ الرُّسُلَ اَخْلَفُوْا مَا وُعِدُوْا بِهٖ مِنَ النَّصْرِ جَآءَهُمْ نَصْرُنَاۙ فَنُجِّيَ بِنُوْنَيْنِ مُشَدَّدًا وَّمُخَفَّفًا وَبِنُوْنٍ مُشَدَّدًا مَاضٍ مَنْ نَّشَآءُؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَذَابُنَا عَنِ الْقَوْمِ

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اَلْمُشْرِكِيْنَ **لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ** اَيِ الرُّسُلِ **عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ** اَصْحَابِ الْعُقُوْلِ **مَا كَانَ** هٰذَا الْقُرْاٰنُ **حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى** يُخْتَلَقُ **وَلٰكِنْ** كَانَ **تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ** قَبْلَهٗ مِنَ الْكُتُبِ **وَتَفْصِيْلَ** تَبْيِيْنَ **كُلِّ شَيْءٍ** يُحْتَاجُ اِلَيْهِ فِي الدِّيْنِ **وَّهُدًى** مِّنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع** خُصُّوْا بِالذِّكْرِ لِاِنْتِفَاعِهِمْ بِهٖ دُوْنَ غَيْرِهِمْ

ترجمہ:.........اور پھر جب سرزمین مصر سے چلا (مصر کی آبادی سے نکلا) تو ان کے باپ کہنے لگے (گھر والوں سے جوان کے سامنے موجود تھے) مجھ کو تو یوسفؑ کی مہک آرہی ہے (حق تعالیٰ کے حکم سے تین دن یا آٹھ روز یا اس سے زیادہ کی مسافت سے یوسفؑ کی خوشبو باپ تک ہوا نے پہنچادی، اگر تم مجھے بڑھاپے میں سٹھیایا ہوا نہ سمجھو (بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو مجھے سچا جانو) کہنے لگے بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے خبط (غلط خیال) میں پڑے ہو (حد سے زیادہ محبت میں اور ایک زمانہ گزرنے کے باوجود ملنے کی آس لگائے بیٹھے ہو) لیکن پھر جب (ان زائد ہے) خوشخبری سنانے والا آپہنچا (یہودا کرتہ لے کر آگیا اور خون آلود کرتہ بھی وہی لے کر آیا تھا جس طرح اس نے رنج پہنچایا تھا اب خوشخبری بھی اسی نے دینی چاہی) تو اس نے آتے ہی (یوسفؑ کا کرتہ) یعقوبؑ کے چہرہ پر ڈال دیا۔ فوراً ہی ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں؟ سب بیٹوں نے کہا کہ ابا جان! ہمارے گناہوں کے لئے دعائے مغفرت کردیجئے۔ فی الحقیقت سراسر ہم قصوروار تھے۔ باپ نے فرمایا: جلد ہی اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت کروں گا۔ بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے (دعا کا معاملہ صبح تک اس لئے ملتوی رکھا کہ وہ زیادہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور بعض کی رائے میں جمعہ کی شب تک ملتوی رکھا۔ اس کے بعد یہ سب لوگ مصر روانہ ہوگئے۔ ادھر استقبال کے لئے حضرت یوسفؑ اور ارکان سلطنت آگے بڑے) پھر جب سب کے سب یوسفؑ کے پاس باریاب ہوئے (ان کے خیمہ میں آئے) تو انہوں نے اپنے والدین (باپ کے ساتھ ماں تھی یا خالہ) کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا اب شہر میں چلو۔ خدا نے چاہا تو تمہارے لئے ہر طرح کی سلامتی ہے (غرضیکہ سب پہنچ گئے اور حضرت یوسفؑ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے) اور یوسفؑ نے اپنے والدین کو بلند جگہ پر بٹھلایا (اپنے ساتھ بٹھلایا) اپنے تخت پر اور (ان کے والدین اور بھائی) سب کے سب ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے (یعنی جھک گئے یہ نہیں کہ ماتھا زمین پر ٹیک دیا ہو اور اس وقت ان کے آداب بجالانے کا طریقہ یہی تھا) اور یوسفؑ پکار اٹھے کہ ابا جی! یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا کر دکھایا۔ یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی (کنویں سے نکالنے کا ذکر نہیں کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو) تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچادیا اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف (فساد) ڈال دیا تھا۔ بلاشبہ میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر کردیتا ہے بیشک وہ بڑا جاننے والا ہے اپنی مخلوق کو۔ بڑی حکمت والا ہے (اپنی تدبیر میں۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ کے پاس ان کے والد ماجد چوبیس یا سترہ سال قیام پذیر رہے اور جدائی کی کل مدت اٹھارہ یا چالیس یا اسی سال رہی ہے۔ وفات کا وقت جب آیا تو انہوں نے حضرت یوسفؑ کو وصیت کی کہ مجھے میرے والد کے پاس دفنانا۔ چنانچہ انتقال کے بعد انہیں دفنانے کے لئے یوسف علیہ السلام بنفس نفیس تشریف لے گئے اور پھر مصر واپس تشریف لائے اور تیئس سال اس کے بعد پھر حیات رہے اور جب حضرت یوسفؑ کا کام پورا ہوگیا اور یہ بھی یقین ہوگیا کہ میں ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا تو دائمی ٹھکانے کی طرف آپ کا دل مشتاق ہوگیا۔ چنانچہ پکار اٹھے)

اے پروردگار! آپ نے مجھے حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر دینا سکھلایا۔ اے آسمان وزمین کے بنانے والے! آپ ہی میرے کارساز ومصلحتوں کے نگران) ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور پوری فرمانبرداری کے ساتھ مجھے دنیا سے اٹھا لیجئے اور اپنے خاص نیک بندوں میں شامل کر لیجئے (میرے باپ دادوں کے ساتھ۔ چنانچہ اس کے بعد ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ زندہ رہے۔ بعدہ ایک سوبیس سال کی عمر میں وفات ہوگئی تو مصریوں میں ان کے دفن کرنے کے متعلق اختلاف پڑ گیا۔ چنانچہ سنگ مرمر کے ایک تابوت میں نعش مبارک رکھ کر دریائے نیل کے بالائی حصہ میں دفنادی۔ تاکہ دریائے نیل کی دونوں جانب برکت رہے۔ سبحان اللہ: خداہی کی سلطنت لازوال ہے۔ یہ قصہ داستان یوسفؑ) غیب کی خبروں میں سے ہے (اے محمد! یہ واقعات آپؐ کے سامنے نہیں ہیں) جس کی وحی ہم آپؐ پر کررہے ہیں اور نہ ہی آپ ان (یوسفؑ کے بھائیوں) کے پاس تھے۔ جس وقت یوسفؑ کے بھائی پختہ عزم کررہے تھے (پوشیدہ تدبیر کرنے پر جم گئے تھے) سازش کرتے ہوئے (یعنی آپ تشریف فرما نہیں تھے۔ کہ آپ ان کے قصہ سے واقف ہوتے اور دوسروں سے بیان کرتے۔ یہ باتیں تو آپ کو صرف وحی سے معلوم ہوئی ہیں) اور اکثر (مکہ کے) آدمی ایسے ہیں کہ آپ کتنا ہی چاہیں (ان کے ایمان کو) لیکن وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ حالانکہ آپ ان سے اس (قرآن) پر کوئی معاوضہ (لینا) نہیں چاہتے یہ (قرآن) تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام جہان کے لئے ایک نصیحت ہے اور کتنی ہی نشانیاں (اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی) ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں (انہیں دیکھتے ہوئے) اور نظر اٹھا کر دیکھتے ہی نہیں (غور وفکر نہیں کرتے) اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ خدا کو مانتے بھی ہیں (یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اللہ خالق ہے رازق ہے) تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں (بت پرستی کے ساتھ، اسی لئے حج کا تلبیہ اس طرح پڑھتے ہیں لبیك لك لاشریك لك الا شریکا هو لك تملکه وما ملك۔ اور اس سے بت ہی مراد لیتے ہیں) پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آجائے (ایسی عام مصیبت جو ان پر چھا جائے) جو انہیں گھیر لے؟ یا اچانک (ایک دم) قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ (پہلے سے اس کے آنے کی) آپ (ان سے) فرمادیجئے میری راہ تو یہ ہے (جس کی تشریح ان لفظوں سے کی جارہی ہے) میں اللہ کے (دین) کی طرف بلاتا ہوں اس روشنی (یعنی دلیل) کی بناء پر جو میرے سامنے ہے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے (مجھ پر ایمان لائے ہیں اس کا عطف انا پر ہورہا ہے جو مبتداء ہے اور جس کی خبر پہلے آچکی) اور اللہ پاک ہے (ساجھیوں سے وہ بری ہے) اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں۔ اور ہم نے آپؐ سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر وہ ایک آدمی تھا کہ وحی بھیجی گئی (اور ایک قرأت میں نون اور کسر حاء کے ساتھ ہے) جس کی طرف (فرشتے نہیں بھیجے) باشندگان شہر میں تھا (قریہ سے مراد شہر ہے۔ کیونکہ شہری لوگ زیادہ علم اور بردباری رکھنے والے ہوتے ہیں برخلاف دیہات والوں کے۔ ان میں اکھڑ پن اور جہالت ہوتی ہے) پھر کیا یہ لوگ (مکہ والے) سرزمین ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے۔ ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہو چکا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں؟ (یعنی آخر کار پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے انہیں تباہ وبرباد ہونا پڑا) البتہ عالم آخرت (یعنی جنت) کہیں بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم اتنا بھی سمجھتے بوجھتے نہیں؟ یاء اور تاء کے ساتھ دونوں قرأتیں ہیں۔ اے اہل مکہ! کیا تم اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ ایمان لے آتے) یہاں تک کہ (یہ غایت ہے اس بات کی جس پر وما ارسلنا من قبلك الا رجالا دلالت کررہا ہے یعنی ہم ان کی مدد دیر سے کریں گے یہاں تک کہ) جب اللہ کے رسول مایوس ہوگئے اور انہوں (پیغمبروں) نے خیال (یقین) کر لیا کہ ہمارے سمجھنے میں غلطی ہوئی (تشدید کے ساتھ اگر ہے تو ایسا جھٹلانا مراد ہے جس کے بعد پیغمبروں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی توقع نہیں رہی تھی اور تخفیف کے ساتھ اگر ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ پیغمبروں کی امتوں نے یہ سمجھ لیا کہ پیغمبروں سے جس مدد کا

وعدہ کیا گیا تھا وہ پوری نہیں ہوگی) تو ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی۔ پس ہم نے بچالیا (اس لفظ میں دونوں نون تشدید کے ساتھ ہیں یا تخفیف کے ساتھ اور نون مشدد کی صورت میں یہ صیغہ ماضی ہوگا) جسے بچانا چاہا اور ہمارا عذاب مجرموں (مشرکوں) سے کبھی ٹل نہیں سکتا۔ یقیناً ان لوگوں (پیغمبروں) کے قصہ میں دانشمندوں (سمجھداروں) کے لئے بڑی ہی عبرت ہے۔ یہ (قرآن) کوئی جی سے گھڑی (تراشی) ہوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے (جو کتابیں آچکی ہیں ان) کی تصدیق ہے۔ نیز ہر (دینی ضروری) بات کی تفصیل (بیان) ہے اور (گمراہی) سے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے ایمانداروں کے لئے (اہل ایمان کی تخصیص اس لئے کی کہ قرآن سے انہیں لوگوں کو نفع ہوتا ہے دوسروں کو نہیں)۔

تحقیق وترکیب: ....**عریش مصر** یہ مصروشام کے کسی سرحدی شہر کا نام ہے۔ اس شہر اور حضرت یعقوبؑ میں ایک ہفتہ یا عشرہ یا ایک مہینہ یا اسی میل کی مسافت حائل تھی۔ **من بنیہ** مفسر علامؒ کی رائے پر بعض صاحبزادے حضرت یعقوبؑ کے پاس موجود ہوں گے۔ دوبارہ مصر میں سب نہیں گئے ہوں گے۔ **لاجد ریح یوسف** ایک وقت وہ بھی تھا کہ یوسفؑ خود اپنے شہر کنعان کے کنویں میں پڑے رہے اور حضرت یعقوبؑ کو پتہ نہیں چل سکا اور ایک وقت یہ ہے کہ اتنی دور سے پیراہن یوسفؑ کی لپٹیں آرہی ہیں۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم　　　گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

جب اقبال یاوری کرتا ہے تو بڑی سے بڑی مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں ورنہ چھوٹی سے چھوٹی آسانی بڑی سے بڑی مشکل بن جاتی ہے۔ **الصبا** پروا ہوا کے بجائے پچھوا ہوا کہنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے پچھوا ہوا پڑتی ہے۔ اس قسم کی بشارت کے موقعہ پر حضرت یعقوبؑ اپنے باپ دادا کی تقلید میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے۔ **یا لطیفا فوق کل لطیف الطف بی فی اموری کلها کما احب ورضنی فی دنیای واٰخرتی۔**

ثم توجهوا کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنے پایہ تخت سے دو سو میل باہر استقبال کے لئے نکلے اور حضرت یعقوبؑ کے ہمراہ تین سو ستر افراد کا مجمع تھا اور حضرت یوسفؑ چار ہزار کا لاؤ لشکر لے کر آگے بڑھے دور سے اپنے بیٹے یہودا کے سہارے جب حضرت یعقوبؑ نے چلتے ہوئے اس کرّ وفر پر نظر ڈالی تو پوچھا کہ یہ فرعون اور اس کا لشکر ہے؟ یہودا نے کہا کہ نہیں۔ یہ تو آپ کے فرزند یوسفؑ ہیں۔ غرض کہ حضرت یوسفؑ سلام کرنا چاہتے تھے۔ مگر انہیں حکم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ پہلے سلام کریں گے۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ بولے **السلام یا مذهب الاخزان ابویه۔ ابویه** والدہ کا نام راحیل اور خالہ کا نام لیا تھا۔ جمہور کی رائے یہی ہے کہ یہ خالہ تھیں۔ والدہ کا انتقال تو بنیامین کی ولادت کے سلسلہ میں ہوچکا تھا۔ چنانچہ بنیامین کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ ان کی زبان میں بنیا کے معنی دردزہ کے تھے۔ **ادخلوا** یہ داخلہ شہر کا ہے اور پہلا داخلہ شہر سے باہر خیمہ میں تھا۔ **سجود انحناء** جس طرح ہماری شریعت میں سلام وقیام ومصافحہ کی اجازت ہے۔ اسی طرح ان کی شریعت میں تعظیم کے لئے جھکنے کی اجازت تھی اور بقول ابن عباسؓ کے **خروا له سجدا لله شکرا** کے معنی ہیں یا **له** کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو تب بھی اشکال نہیں ہوسکتا اور **رفع** اگرچہ لفظوں میں **خروا** سے پہلے ہے لیکن واقعی ترتیب کے لحاظ سے بعد میں ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں مطلق جمع کے لئے ہے۔ بہر حال خواب کی تعبیر کا سچا ہونا چونکہ بامر الٰہی ضروری تھا اس لئے حضرت یوسفؑ اپنے والدین کی تعظیم بجالانے پر خاموش رہے۔ ورنہ یہ خاموشی

بےادبی ہوتی اور معاملہ برعکس ہونا چاہیئے تھا۔ فوصّٰی یعنی حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو وصیت فرمائی کہ مجھے شام میں والد کے مزار کے پاس دفنانا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ بنفس نفیس اس دفن میں شریک رہے۔ من الملکؑ من تبعیضیہ ہے، ملک مصر مراد ہے کیونکہ عمومی بادشاہتیں تو صرف چار کی مشہور ہیں۔ سکندر، سلیمان تو اہل ایمان میں سے اور شداد اور بخت نصر کفار میں سے اور بعض نے من زائد مانا ہے اور بعض بیان جنس کے لئے کہتے ہیں۔ توفنی اس سے طلب موت مراد نہیں کہ اشکال ہو بلکہ بحالت اطاعت مراد ہے اور پیغمبر اگرچہ نافرمانی سے معصوم ہوتا ہے۔ لیکن خوف ودہشت کے غلبہ سے اپنی عصمت کا ذہول ہوگیا۔ اور دعاء کرنے پر مجبور ہوگئے فعاش حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے کے پاس چودہ سال رہے اور حضرت یوسفؑ اپنے والد کے بعد تیرہ سال زندہ رہے اور جب حضرت یوسفؑ کی وفات ہوئی تو لوگوں میں ان کی قبر کے متعلق اختلاف ہوا۔ بالآخر دریائے نیل کے بالائی حصے میں دفن کیا گیا۔ لیکن چارسوسال کے بعد حضرت موسیٰؑ نے بیت المقدس کی طرف ان کا تابوت منتقل کردیا۔ حضرت یوسفؑ کی اولاد کے نام افرائیم اور میثاد ہیں اور افرائیم کے بیٹے نون اور نون کے بیٹے یوشع ہوئے۔ جو حضرت موسیٰ کے ساتھ رہے اور بعد میں نبوت سے سرفراز ہوئے اور حضرت یوسفؑ کی صاحبزادی کا نام رحمت تھا۔ جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہوئی تھیں۔ الا رجالا بعض حضرات نے لفظ رجالا سے استدلال کیا ہے کہ نبوت صرف مردوں کے لئے ہوتی ہے۔ عورتوں کے لئے نبوت جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ یہاں حصر بلحاظ فرشتوں کے ہے۔ عورتوں کے اعتبار سے حصر نہیں ہے بہرحال مسئلہ ظنی ہے اور عورتوں کی نبوت بھی کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ عبرۃ چنانچہ حضرت یوسفؑ کو حصیر سے اٹھا کر سریر پر بٹھلا دیا اور غیابۃ الجب سے نکال کر مرکز محبت وشہرت بنایا۔ صبر کا انجام سلامتی اور عزت ہے اور مکر کا انجام ذلت وندامت ہوا؟ کل شیء اس کے بعد یحتاج الیہ فی الدین کی قید لگانے سے اس دعوائے قرآنی کو غلط بیانی پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور ان لوگوں پر بھی رد ہوگیا جو قرآن کے موضوع اصلی سے ہٹ کر ہر قسم کی رطب ویابس باتیں اس میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔

﴿تشریح﴾: .... **اللہ والوں کی نظر دوررس اور دور بین ہوتی ہے**: .... جب بھائیوں نے یوسفؑ کی ہلاکت کی خبر باپ کو سنائی تو خون آلود کرتہ جا کر دکھایا تھا۔ اب وقت آگیا کہ زندگی واقبال کی خوشخبری سنائی جائے تو اس کے لئے بھی کرتے ہی نے نشانی کا کام دیا۔ وہی چیز جو کبھی فراق کا پیام لائی تھی۔ اب وصال کی بشارت بن گئی۔ ادھر کاروان بشارت نے کوچ کیا اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوبؑ نے کہنا شروع کیا کہ مجھے تو یوسفؑ کی مہک آرہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی نے انہیں مطلع کردیا تھا کہ اب فراق کا زمانہ ختم ہوا اور وصال کا مژدہ جلد آنے والا ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے بشارتؑ لانے والے سے تو الم اقل لکم انی اعلم مالا تعلمون فرمایا لیکن جو لوگ حضرت یعقوبؑ کے معجزے کو بعید سمجھ رہے تھے۔ ان سے یہ بات یا تو اس لئے نہیں فرمائی کہ اس سے ان کا جواب بھی نکل رہا ہے اور یا چونکہ ان کی غلطی فوراً ہی ظاہر ہوئی۔ اس لئے جتانے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی اور بیٹوں سے کہے ہوئے ایک مدت گزر چکی تھی۔ اس لئے انی اعلم فرمانے کی ضرورت پڑی اور یا معجزہ کو بعید سمجھنے والوں کی نسبت بیٹوں سے زیادہ سابقہ اور واسطہ پڑتا تھا۔ اس لئے انہی کو قائل کرنا ضروری سمجھا اور چونکہ ان صاحبزادوں سے اس سلسلہ میں حقوق اللہ اور بندوں کے حقوق دونوں میں کوتاہی ہوئی۔ اس لئے دونوں کی تلافی اور مکافات کے لئے عام اور جامع عنوان اختیار کیا۔ تاکہ انا کنا خاطئین میں دونوں قسم کے حقوق داخل ہوجائیں اور اس لئے

حضرت یعقوبؑ نے بھی استغفار کا وعدہ فرمادیا۔

بھائیوں کی معافی تلافی:............ بھائیوں نے جب حضرت یوسفؑ کے آگے عجز واعتراف کا سر جھکایا تھا تو حضرت یوسفؑ نے بلا تامل لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین کہہ کر معاملہ صاف کردیا۔ مگر جب حضرت یعقوبؑ کی باری آئی اور ان سے معافی اور دعائے مغفرت کے طلبگار ہوئے تو فرمایا۔ میں عنقریب تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ غرضیکہ دعائے مغفرت کو کسی آئندہ وقت کے لئے ملتوی کردیا یہ اختلاف حال غالباً اسی بات کا نتیجہ ہے کہ بھائیوں نے جو کچھ ظلم کیا تھا وہ حضرت یوسفؑ کی ذات پر خاص کیا تھا۔ اس لئے انہیں عفو ودرگزر میں تامل نہیں ہوا۔ کیونکہ معاملہ خود ان کا معاملہ تھا۔ لیکن حضرت یعقوبؑ کو اس لئے تامل ہوا کہ معاملہ صرف انہی کا نہیں تھا۔ بلکہ حضرت یوسفؑ کا بھی تھا۔ پس فرمایا کہ میں عنقریب استغفار کروں گا۔ یعنی جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ سب یک جا ہوں گے اور بخشش ومعافی کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر میری دعائیں ہوں گی اور تم ہو گے۔

بچھڑے ہوؤں کا ملاپ:............ قافلہ جب مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسفؑ نے ان کا استقبال کیا۔ اس زمانہ میں مصر کا دارالحکومت عسیس تھا اور اسے جشن کا شہر کہتے تھے۔ کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوا کرتا تھا۔ پس یہ لوگ دارالحکومت میں آئے۔ جہاں حضرت یوسفؑ نے دربار منعقد کیا اور اپنے والدین کے لئے بلند مسند بچھائی اس کا اب وقت آگیا تھا۔ جس کا موقعہ سالہا سال پہلے حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا تھا۔ جونہی حضرت یوسفؑ دربار میں نمودار ہوئے تمام درباریوں نے مصر کے دستور کے مطابق تعظیم دی اور تعظیم یہ تھی کہ سجدے میں گر پڑے۔ جب یوسفؑ کے والدین اور بھائیوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی سجدے میں گر پڑے اور درباریوں کا ساتھ دیا۔ تب حضرت یوسفؑ کو اپنے خواب کی بات یاد آگئی وہ بے اختیار پکار اٹھے ھذا تاویل رؤیای الخ غرضیکہ آج یہ سب چاند سورج ستارے ان کی عظمت وجلال کے آگے جھک گئے اور وقت کی سب سے بڑی مملکت کے اوج واقبال نے اپنا تخت ان کے لئے خالی کردیا۔

سجدۂ تعظیمی کی حقیقت اور حکم:............ بہت پہلے زمانہ سے دنیا میں یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے لوگ جھکتے اور سجدے کرتے رہے ہیں اور اسے تعظیم واحترام کی خاص علامت سمجھا جاتا رہا ہے۔ مصر، بابل، ایران، ہندوستان اور بادشاہان بنی اسرائیل۔ سب کے یہاں تعظیم واحترام کا یہی طریقہ رائج تھا اور ہندوستان میں بعض جگہ اب تک رائج ہے۔ لیکن قرآن نے توحید وعمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا وہ اس طرح کے رسم ورواج کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ پس جو کچھ بیان کیا گیا وہ محض گذشتہ واقعہ کی حکایت ہے اسلامی احکام کی تشریح نہیں ہے۔ باقی حضرت یعقوبؑ نے مصر سے باہر پہلی ملاقات کے وقت تو سجدہ نہیں کیا اور مصر میں پہنچ کر سجدہ کیا؟ سو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ شہر سے باہر عظمت کے مقابلہ میں چونکہ محبت یوسفؑ غالب تھی۔ اس لئے صرف ملنے جلنے، معانقے، بات چیت پر اکتفاء کیا جو محبت کے مناسب باتیں ہیں۔ لیکن مصر میں داخل ہونے کے بعد شاہی کرّ وفر دیکھ کر عظمت کا غلبہ ہوگیا۔ جوش محبت میں جو کچھ سکون ہوجانے کی وجہ سے یا حضرت یوسفؑ کو شاہی اجلاس میں دیکھ کر اس لئے بے اختیار جھک پڑے۔ غرض کہ دونوں جگہ کی حالت میں فرق تھا۔ اس لئے دونوں کے اثرات میں بھی نمایاں فرق ہوا اور اس سجدہ کی حقیقت کیا تھی اور اپنے

والدین سے اتنی بڑی تعظیم اپنے لئے حضرت یوسفؑ نے گوارا کی۔ اوراس کی تحقیق ''عنوان تحقیق'' میں ابھی گذر چکی ہے۔ اسی طرح یہ سرگذشت جس خواب کے تذکرے سے شروع ہوئی تھی اس کی تعبیر پر ختم ہوگئی۔

اشتیاق موت:.......... موت کا اشتیاق اگر اللہ کی ملاقات کے شوق میں ہے تب تو جائز ہے جیسے حضرت یوسفؑ کو ہوا۔ ورنہ جائز نہیں ہے یا یوں کہا جائے کہ حضرت یوسفؑ نے موت کی تمنا نہیں کی تھی۔ بلکہ بحالت اطاعت موت کی درخواست کی تھی اور انبیاء کی وفات اگر چہ بحالت اطاعت یقینی ہے۔ لیکن اطاعت کے درجات ومراتب مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے طلب میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔ حضرت یوسفؑ کی وفات کا جب وقت آیا تو اپنے بھائیوں اور دوسرے افراد کو وصیت فرمائی کہ اگر تم مصر چھوڑ کر اپنے آبائی وطن ملک شام جانے لگو تو میری نعش بھی اپنے ساتھ لے جانا۔ چنانچہ چار سو سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے پوشیدہ طریقہ سے نکلے تو وحی کے مطابق نعش کا تابوت اپنے ہمراہ لے گئے اور گو سلطنت مصر کے اختیارات حضرت یوسفؑ کو مل گئے تھے۔ لیکن رسمی طور پر بادشاہت شاہی خاندان میں تھی اور حضرت یوسفؑ ''عزیز مصر'' کہلاتے تھے۔ اس لئے حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد بدستور بادشاہت سلاطین مصر کی طرف لوٹ گئی۔ چنانچہ فرعون موسیٰ انہی سلاطین مصر کے سلسلہ میں ہوا۔ اور حضرت موسیٰ کے زمانہ کے بنی اسرائیل برادران یوسفؑ کی اولاد میں سے ہوئے۔

آنحضرتؐ کے پاس پچھلے واقعات معلوم کرنے کا ذریعہ وحی کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں تھا:.......... بقول بعض مفسرینؒ کچھ یہودیوں نے آنحضرتؐ سے بطور امتحان پوچھا تھا کہ حضرت یعقوبؑ ملک شام کے رہنے والے تھے پھر ان کی اولاد فرعون کے ہاتھوں مصر میں کہاں پہنچ گئی؟ اس واقعہ میں گویا اس کا تفصیلی جواب موجود ہے بہر حال آیت **ذلک من انباء الغیب** سے اب خطاب پیغمبر اسلام کی جانب ہے۔ جس میں دعوت حق کی بعض مہمات واضح کی جارہی ہیں مثلاً (۱) اس سرگذشت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سرتاسر غیب کی باتیں ہیں۔ اگر وحی الٰہی کا فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعہ کی جزئیات پر تم مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کر دیتے۔ کیونکہ یہ واقعہ تم سے دو ہزار سال پہلے کا ہے اور دنیا میں گذشتہ واقعات کے علم کے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی وسیلہ ہی تمہارے لئے موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہو تو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ (۲) مگر کیا حق کے نہ ماننے والے تمہاری سچائی کی یہ واضح دلیل دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں تم کتنا ہی چاہو جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی نہ مانیں گے (۳) خدا کی کائنات سرتاسر کی حقیقت کی ایک نشانی ہے۔ آسمان وزمین کا کون سا گوشہ ہے جو اس کی نشانیوں سے خالی ہے اور دن رات انسان کو فکر کی دعوت نہیں دے رہا؟ مگر اس کے باوجود بندگان غفلت کا کیا حال ہے؟ وہ ان نشانیوں پر سے گزر جاتے ہیں اور نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں؟

انبیاء سے جس نصرت ومدد کا وعدہ تھا اس کی مدت مقررہ گزرنے سے پہلے اگر ظن کا اعتبار کیا جائے۔ تو اس کے معنی غالب گمان کے ہوں گے اور مقررہ مدت کے گزرنے کے بعد اگر اعتبار کیا جائے تو ظن کے معنی یقین کے ہوں گے۔ اسی طرح مایوسی پہلی صورت میں ظن اور دوسری صورت میں یقینی ہوگی۔ لفظ **کذبوا** کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ لیکن سب سے آسان اور بے تکلف معنی یہ ہیں کہ پیغمبروں نے امداد الٰہی کے بارہ میں جو تخمینہ اور اندازہ لگایا تھا جب وہ پورا ہو گیا اور تائید الٰہی نہیں ہوئی تو ان پر اپنی غلط فہمی واضح

ہوگئی۔ جس سے انبیاء کے حق میں اجتہادی خطا کا ممکن ہونا معلوم ہوا۔ چنانچہ بکثرت احادیث سے بھی خطاء اجتہادی کا انبیاء سے ممکن ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بقول جلال محققؒ اگر کـذّبـوا مشدد پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ خود پیغمبروں کو شبہ ہونے لگا کہ کہیں اہل ایمان ہی شک کرنے اور جھٹلانے نہ لگیں۔ پس ظن کے معنی توہم اور احتمال کے ہوں گے اور انھم اور کـذبـوا کی ضمیریں پیغمبروں کی طرف ہوں گی اور کذبوا کا فاعل اہل ایمان ہوں گے۔

لطائف آیات:............ آیت ولمّا فصلت العیر الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کے مکاشفات کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ کبھی قریب کی خبر نہیں ہوتی اور کبھی دور دور کی خبر لے آتے ہیں۔ آیت تـوفـنـی مسـلـمـا الخ سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو معصوم ہونے کے باوجود انبیاء کفر اور گناہوں سے ڈرتے ہیں۔ دوسرے لقاء خداوندی کے شوق میں موت کی تمنا کرنا۔

آیت وما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الخ میں قبر پرستی، غیر اللہ کی نذر و نیاز اور غیر اللہ کو نفع اور ضرر رساں سمجھنا بھی آ گیا۔ بلکہ بعض صوفیا تو غیر اللہ کی طرف التفات کو شرک میں داخل کرتے ہیں۔

آیت قـل ھـذہٖ سبیـلـی الخ سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کو وصول الی اللہ کے طریقوں کا ماہر اور اللہ کی ذات وصفات کا عارف ہونا چاہیئے۔ بقول علامہ آلوسیؒ اس سورت سے یہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں (۱) قضاء الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا (۲) تقدیر کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی (۳) اللہ اگر کسی پر فضل وکرم کرنا چاہے تو سارا عالم بھی اسے روک نہیں سکتا (۴) حسد، نقصان وذلت کا باعث ہوتا ہے (۵) صبر کامیابی کی کنجی ہے (۶) تدبیر کرنا عقل کی بات اور عقل سے معاش کی بہترائی ہوتی ہے (۷) سلاطین کے لئے عدل وانصاف اور پرہیزگاروں کے لئے نفسانی شہوتوں کو چھوڑنا اور غلام اور نوکروں کے لئے اپنے آقا کی آبرو کی حفاظت کرنا اور قدرت کے ہوتے ہوئے خطاوار کو معاف کر دینا وغیرہ۔ سامان عبرت بھی اس سورت میں موجود ہے۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ اِلَّاوَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَلْاٰيَةَ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا اَلْاٰيَةَ اَوْمَدَنِيَّةٌ اِلَّاوَلَوْاَنَّ قُرْاٰنًا اَلْاٰيَتَيْنِ ثَلَاثٌ اَوْاَرْبَعٌ اَوْخَمْسٌ اَوْسِتٌّ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ **وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ** اَيِ الْقُرْاٰنُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **الْحَقُّ** لَاشَكَّ فِيْهِ **وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** اَيْ اَهْلَ مَكَّةَ **لَا يُؤْمِنُوْنَ**﴿۱﴾ بِاَنَّهٗ مِنْ عِنْدِهٖ تَعَالٰى **اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا** اَيِ الْعَمَدُ جَمْعُ عِمَادٍ وَهُوَ الْاُسْطُوَانَةُ وَهُوَ صَادِقٌ بِاَنْ لَاعَمَدَ اَصْلًا **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** اِسْتِوَاءً يَلِيْقُ بِهٖ **وَسَخَّرَ** ذَلَّلَ **الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ** مِنْهُمَا **يَجْرِيْ** فِيْ فَلَكِهٖ **لِاَجَلٍ مُّسَمًّى** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ **يُدَبِّرُ الْاَمْرَ** يَقْضِيْ اَمْرَ مُلْكِهٖ **يُفَصِّلُ** يُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ** دَلَالَاتِ قُدْرَتِهٖ **لَعَلَّكُمْ** يَا اَهْلَ مَكَّةَ **بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ** بِالْبَعْثِ **تُوْقِنُوْنَ**﴿۲﴾ **وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ** بَسَطَ **الْاَرْضَ وَجَعَلَ** خَلَقَ **فِيْهَا رَوَاسِيَ** جِبَالًا ثَوَابِتَ **وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ** خَلَقَ **فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ** مِنْ كُلِّ نَوْعٍ **يُغْشِي** يُغَطِّيْ **الَّيْلَ** بِظُلْمَتِهٖ **النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰى وَحْدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى **لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ**﴿۳﴾ فِيْ صُنْعِ اللّٰهِ **وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ** بِقَاعٌ مُخْتَلِفَةٌ **مُّتَجٰوِرٰتٌ** مُتَلَاصِقَاتٌ فَمِنْهَا طَيِّبٌ وَسَبْخٌ وَقَلِيْلُ الرَّيْعِ وَكَثِيْرُهٗ وَهُوَ مِنْ دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى **وَّجَنّٰتٌ** بَسَاتِيْنُ **مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ** بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلٰى جَنَّاتٍ وَالْجَرِّ عَلٰى اَعْنَابٍ وَكَذَا قَوْلُهٗ **وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ** جَمْعُ صِنْوٍ وَهِيَ النَّخَلَاتُ يَجْمَعُهَا اَصْلٌ وَاحِدٌ وَتَتَشَعَّبُ فُرُوْعُهَا **وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ** مُنْفَرِدَةٍ **يُّسْقٰى** بِالتَّاءِ اَيِ الْجَنَّاتِ وَمَا فِيْهَا وَالْيَاءِ اَيِ الْمَذْكُوْرِ **بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ** بِالنُّوْنِ وَالْيَاءِ **بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي**

الْاُكُلِ بِضَمِّ الْكَافِ وَسُكُونِهَا فَمِنْ حُلْوٍ وَحَامِضٍ وَهُوَ مِنْ دَلَائِلِ قُدْرَتِهِ تَعَالٰى **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُورِ **لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾** يَتَدَبَّرُوْنَ **وَاِنْ تَعْجَبْ** يَامُحَمَّدُ مِنْ تَكْذِيبِ الْكُفَّارِ لَكَ **فَعَجَبٌ** حَقِيْقٌ بِالْعُجَبِ **قَوْلُهُمْ** مُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ **ءَ اِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَ اِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ** لِاَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اِنْشَاءِ الْخَلْقِ وَمَا تَقَدَّمَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ قَادِرٌ عَلٰى اِعَادَتِهِمْ وَفِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيْقُ وَتَحْقِيْقُ الْاُوْلٰى وَتَسْهِيْلُ الثَّانِيَةِ وَاِدْخَالُ اَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكُهَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِالْاِسْتِفْهَامِ فِي الْاَوَّلِ وَالْخَبْرِ فِي الثَّانِيْ وَاُخْرٰى عَكْسُهُ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾** وَنَزَلَ فِي اسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَابَ اِسْتِهْزَاءً **وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ** الْعَذَابِ **قَبْلَ الْحَسَنَةِ** الرَّحْمَةِ **وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ** جَمْعُ الْمَثُلَةِ بِوَزْنِ السَّمُرَةِ اَيْ عُقُوْبَاتُ اَمْثَالِهِمْ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ فَلَا يَعْتَبِرُوْنَ بِهَا **وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ** وَاِلَّا لَمْ يَتْرُكْ عَلٰى ظَهْرِهَا دَابَّةً **وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾** لِمَنْ عَصَاهُ **وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** كَالْعَصَا وَالْيَدِ وَالنَّاقَةِ قَالَ تَعَالٰى **اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ** مُخَوِّفُ الْكَافِرِيْنَ وَلَيْسَ عَلَيْكَ اِتْيَانُ الْاٰيَاتِ **وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾** نَبِيٌّ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ بِمَا يُعْطِيْهِ مِنَ الْاٰيَاتِ لَا بِمَا يَقْتَرِحُوْنَ ع

ترجمہ: ....سورۂ رعد مکی ہے بجز آیت **ولا یزال الذین کفروا الخ** اور آیت **ویقول الذین کفروا الخ** کے یا یہ کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔بجز ولو أن قرانا دو آیتوں کے اور سورۃ میں کل ۴۳ یا ۴۴ یا ۴۵ یا ۴۶ آیات ہیں۔

الف ، لام ،میم ،را (ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) یہ (آیتیں) ایک بڑی کتاب کی ہیں (قرآن پاک کی اس میں اضافت بواسطہ من کے ہے) اور جو کچھ آپ کے پروردگار کی جانب سے آپ پر نازل کیا جاتا ہے (یعنی قرآن، یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) وہ بالکل سچ ہے (جس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں ہے) مگر اکثر آدمی (مکہ کے) ایمان نہیں لاتے (اس پر کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے) یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اونچا کر دیا تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے (**عمد** ،**عماد** کی جمع ہے۔بمعنی ستون اور نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ستون موجود ہی نہیں کہ نظر آئے ، پھر وہ اپنے تخت پر نمودار ہوا (جس طرح اس کے شایان شان تھا) اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا (بیگار میں جوڑ دیا) کہ ہر ایک (اپنے اپنے مدار پر) ایک ٹھہرائی ہوئی مدت (قیامت) تک کے لئے چلا جا رہا ہے، وہی انتظام کر رہا ہے (اپنے ملک کی تدبیر کرتا ہے) اور نشانیاں الگ الگ کر کے بیان کر دیتا ہے۔تا کہ تمہیں (اے مکہ والو!) یقین ہو جائے کہ (قیامت کے روز) اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔اور وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی ہے اور اس میں پہاڑ بنا دیئے (مضبوط جما دیئے) نہریں جاری کر دیں اور ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے دو دو قسم کے اگا دیئے ، رات (کی اندھیری) سے دن کو چھپا دیتا ہے یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے کتنی ہی نشانیاں (دلائل وحدانیت) ہیں

جو (اللہ کی کاریگری میں) غور وفکر کرنے والے ہیں اور زمین میں مختلف قطعے (ٹکڑے) ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے (پاس پاس، کچھ ان میں عمدہ ہیں اور کچھ زمین شور، اور کچھ میں پیداوار کم ہے اور کچھ میں زیادہ، یہی اس کی قدرت کے کرشمے ہیں) اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں (لفظ زرع رفع کے ساتھ جنات پر معطوف ہے اور جر کی صورت میں اعناب پر اس کا عطف ہوگا۔ اسی طرح اگلے لفظ کی ترکیب ہوگی) اور کھجوریں ہیں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ ایک تنے سے اوپر جاکر دو تنے ہو جاتے ہیں (صنوان جمع صنو کی ہے۔ کھجور کے وہ درخت جن کی شاخیں تو مختلف ہوں مگر جڑ ایک ہو) اور بعضے دو تنے دار نہیں ہوتے بلکہ جڑ سے شاخ تک ایک ہی تنا چلا جاتا ہے) سب سیراب ہوتے ہیں (یہ لفظ تا کے ساتھ اگر ہو تو باغ اور اس کی پیداوار مراد ہوگی اور اگر یا کے ساتھ پڑھا جائے تو مذکور چیز مراد ہوگی) ایک ہی پانی سے، مگر ہم بعض پھلوں کو بعض پھلوں پر ذائقہ میں (لفظ اکل ضم کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے۔ چنانچہ بعض پھل میٹھا اور بعض کھٹا ہوتا ہے جو اللہ کی قدرت کی دلیل ہے) برتری دینے میں (لفظ یفضل نون اور یاء کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے) اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں (غور کرتے ہیں) اور اگر اس بات کو تعجب خیز سمجھتے ہیں (اے محمدؐ! کہ کفار آپ کو جھٹلا رہے ہیں) تو ان (منکرین قیامت) کا یہ قول لائق تعجب ہے کہ جب ہم مٹی ہو گئے پھر کیا خاک ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے (کیونکہ جو ذات بلا نمونہ کے ابتداء میں پیدا کرسکتی ہے تو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بطریق اولیٰ قدرت رکھے گی اور لفظ ءاذا اور ءانا دونوں جگہ ہمزہ کو تحقیق سے پڑھا گیا ہے اور پہلی ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے بیچ میں الف داخل کر کے اور بغیر الف کے بھی پڑھا گیا ہے اور ایک قرأت میں پہلے لفظ پر ہمزہ استفہام اور دوسرے میں خبر ہے اور ایک قرأت میں اس کے برعکس ہے یعنی پہلا خبر اور دوسرا استفہام ہے) یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور یہی ہیں جو دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (کفار بطور مذاق، عذاب کے بارے میں جلدی کررہے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور یہ لوگ عافیت (رحمت) سے پہلے آپ سے مصیبت (عذاب) کے بارے میں تقاضا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے پہلے ایسی سرگذشتیں گزر چکی ہیں جن کی کہاوتیں بن گئیں (مثلات، مثلة کی جمع ہے۔ سمرہ کے وزن پر یعنی ایسے ہی جھٹلانے والوں پر سزائیں آچکی ہیں۔ پھر کیا ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا پروردگار بڑا ہی درگزر کرنے والا ہے لوگوں کی خطاؤں سے، ان کی بے جا حرکتوں کے باوجود (ورنہ زمین پر کوئی جاندار چیز نہ چھوڑتا) اور یہ یقینی بات ہے کہ آپ کا پروردگار سزا دینے میں بھی بڑا ہی سخت ہے (نافرمانوں کو) اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہے وہ یوں کہتے ہیں۔ اس آدمی (محمدؐ) پر، پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں آئی (جیسے عصائے موسوی اور ہاتھ کا روشن ہو جانا اور اونٹنی کا معجزہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) حالانکہ آپ صرف ڈرانے والے ہیں (کافروں کو خوف دلانے والے ہیں، کافروں کو نشانیاں دکھلانا آپ کا کام نہیں) اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہوا ہے (نبی جو اللہ کی عطا کردہ نشانیوں کی طرف بلاتا ہے۔ نہ کہ خود ساختہ نشانیوں کی طرف۔

تحقیق وترکیب:.........تلك بمعنی هذه کہہ کر اشارہ کردیا کہ مشار الیہ حاضر ہے الله الذی. وجود باری پر پہلے علوی دلائل بیان کئے جارہے ہیں۔ پھر وهو الذی مد الارض سے عالم سفلی سے متعلق دلائل بیان کئے جارہے ہیں۔ عمد یہ عماد کی جمع ہے جیسے اهاب کی جمع اهب ہے۔ اس کے صادق ہونے کی صورت یہ ہے کہ آسمان کے لئے ستون ہی نہیں کہ نظر آئے۔ کیونکہ مقید چیز کی نفی جس طرح قید کی نفی سے ہوسکتی ہے اسی طرح خود مقید اور قید دونوں کی نفی سے بھی ہو جاتی ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آسمان کے ستون تو ہیں مگر نظر نہیں آتے۔ لفظ ترونها سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضا میں جو نیلگوں حصہ نظر آتا ہے وہی آسمان ہے

لیکن فلاسفہ اس محسوس رنگ کو روشنی اور اندھیرے کے مجموعہ کا اثر بتلاتے ہیں۔ اس تحقیق کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی ظاہر آیت کے خلاف نہیں ہے بلکہ دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ اسی نور وظلمت میں اگر آسمان کا رنگ بھی جھلکتا ہو تو کیا تعجب ہے۔ پھر یہ آسمان کا رنگ اور اس مجموعہ کا رنگ دونوں موافق ہوں جیسے حدیث **ما اظلمت الخضراء** سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یا دونوں کا رنگ الگ الگ ہو۔ مگر یکجا ہو کر ملنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس دیکھنے سے مراد حقیقتاً دیکھنا نہیں ہے بلکہ نظر حکمی مراد ہے یعنی دلائل سے اس کا موجود ہونا اور اس کی کیفیت وصفت ایسی معلوم ہے کہ گویا آنکھوں سے دیکھ لیا۔ **ثم استوی** لفظ ثم صرف عطف کے لئے ہے۔ اس میں تراخی کا اعتبار نہیں ہے اور **استوی** کی تفسیر جلال محققؒ نے سلف کے طریقہ پر کی ہے ورنہ متاخرین کے نزدیک **استوی** کے حقیقی معنی لینے میں چونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسمیت وجہت لازم آتی ہے اس لئے متاخرین نے تاویلاً مجازی معنی لئے ہیں۔ یعنی قہر وغلبہ اور استیلاء کے معنی **مد الارض** اس سے بعض حضرات نے زمین کے مسطح ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ زمین کے کردی ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ کرہ اگر بڑا ہو تو اس پر امتداد ہوسکتا ہے **اثنین** جیسے کھٹا میٹھا یا سیاہ وسفید ہونا۔ **صنوان** علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جو دو فرع کو ایک اصل جمع کردے ان میں سے ہر ایک فرع کو صنو کہا جائے گا اور دوتنا کی تخصیص تمثیلاً ہے ورنہ بعض درختوں میں زائد تنے اور شاخیں ہوتی ہیں۔ **بماء واحد** پانی کی تعریف خازنؒ کرتے ہیں "**والماء جسم رقیق ماء به حیاة کل نام**" اور بعض نے **جوهر سیال به قوام الارواح** سے تعریف کی ہے۔ بہرحال جس طرح ایک پانی سے ہزار ہا قسم کے پھل پھول، قدرت کی کمال صناعی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح اولاد آدم کی اصل ایک ہوتے ہوئے پھر طبائع اور کمالات میں تنوع اس کی بے مثال قدرت کی خبر دیتا ہے۔ **یعقلون** پہلی آیت میں **یتفکرون** فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں دن رات کے اختلاف سے استدلال کیا گیا ہے جو یہاں کے استدلال کے مقابلہ میں سہل ہے دوسری بات یہ ہے کہ کسی چیز میں تفکر کرنا تعقل کا سبب ہوتا ہے اور سبب مسبب سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ **قادر علی اعادتهم** جب قدرت کا تعلق کسی چیز کے ساتھ مان لیا جائے تو پھر ابتداء اور اعادہ دونوں برابر ہوں گے تاہم حق تعالیٰ کا اعادہ کے متعلق **بل هو اهون** کہنا بلحاظ انسانی عادت کے ہے **لم یترک علی ظهرها دابة** جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے۔ **ولو یؤاخذ اللّٰہ الناس بظلمهم ما ترک علی ظهرها من دآبة** سدیؒ کی رائے یہ ہے کہ قرآن میں اس آیت کا مضمون سب سے زیادہ پر امید ہے۔ کیونکہ ظلم کے ہوتے ہوئے مغفرت کا وعدہ فرمایا اور توبہ کی شرط بھی نہیں لگائی۔

ربط آیات: .... سورۂ یوسف کے آخر میں توحید ورسالت اور رسالت سے متعلق شبہات کا جواب اور آنحضرتﷺ کی تسلی اور قرآن کی حقانیت اور وعدو وعید کے مضامین کا بیان ہوا تھا۔ اس سورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔ فرق اجمال وتفصیل کا ہے۔ چنانچہ آیت **المرء الخ** سے قرآن کی حقانیت اور آیت **اللّٰہ الذی رفع السمٰوٰت الخ** سے توحید اور آیت **وان تعجب الخ** سے نبوت پر شبہات کا جواب ہے۔

﴿تشریح﴾: .... خلاصۂ سورت: .... تمام مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی دین حق کی بنیادی عقائد کا بیان ہے۔ یعنی توحید رسالت، وحی، جزاء عمل کو ذکر کیا جارہا ہے۔

اور سورت کی تمام نصیحت وتذکیر کے لئے جو مرکز بیان ہے وہ حق وباطل کی حقیقت اور ان کی باہمی آویزش کا قانون ہے۔ حق وباطل کے امتیاز کا یہی عالمگیر اور فیصلہ کن قانون ہے۔ جو قرآنی دعوت کی حقانیت اور عدم حقانیت کا فیصلہ کردے گا۔ اگر پیغمبر اسلام کا

اعلان رسالت حق ہے تو حق کا خاصہ یہی ہے کہ باقی رہے اور فتح مند ہو اور باطل ہے تو بلاشبہ باطل کے لئے مٹ جانا مراد ہوتا ہے۔ یہی اللہ کی شہادت ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی فیصلہ کن شہادت نہیں ہو سکتی۔ اور اب اس شہادت کے ظاہر ہونے کا انتظار ہونا چاہیئے۔

قرآن کی حقانیت:............اس سورت کی ابتداء اس اعلان سے ہو رہی ہے کہ قرآن انسانی بناوٹ فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے اور حق ہے۔ لیکن سننے والوں میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے نہیں مانتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کے مقابلہ میں اس کی حقانیت واضح ہو جائے۔ پھر آگے اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر ربوبیت سے استدلال کیا جارہا ہے اور یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کسی ایسی ہستی کی موجودگی کی شہادت دے رہی ہے جس نے جو کچھ بنایا ہے۔ مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا ہے اور یہاں ذرہ ذرہ اسی کی حکمت و تدبیر اور انتظام سے چل رہا ہے پھر فرماتے ہیں کہ ان نشانیوں پر غور کرنا دلوں میں یقین پیدا کرتا ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنی ہی بات کے لئے نہیں ہو سکتی جتنی دنیوی زندگی میں نظر آرہی ہے۔ ضروری ہے کہ کوئی دوسرا مرحلہ بھی پیش آنے والا ہو۔ وہ یہ کہ مخلوق کو خالق کے حضور پیش ہونا ہوگا۔

قدرت الٰہی کے تین درجے:............اللہ الذی میں نظر ڈالنے سے قدرت اور حکمت الٰہی کے تین مرتبے کھلتے ہیں۔ (۱) سب سے پہلے آسمانوں کی پیدائش اور فضا میں ان کو پھیلا دینا۔ وہ اس طرح بلند کئے گئے ہیں کہ کوئی سہارا انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے۔ محض جذب وانجذاب کا قانون ہے جس کے توازن نے انہیں اپنی اپنی جگہ معلق کر رکھا ہے۔ (۲) ان کی پیدائش کے بعد ضروری تھا کہ کچھ احکام اور قوانین ہوں اور انہیں نافذ کیا جائے۔ بس اللہ کا تخت حکومت بچھ گیا اور تمام کائنات ہستی پر اس کی فرمانروائی نافذ ہوگئی اور اس کے احکام کے سامنے سب جھک گئے۔ (۳) اللہ کے احکام وقوانین کس طرح نافذ ہوتے ہیں؟ اس کے لئے چاند، سورج کو دیکھو، احکام الٰہی نے کس طرح انہیں مسخر کر رکھا ہے؟ برابر ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے ان کی گردش کے لئے جو میعادیں ٹھہرائی گئی ہیں ٹھیک اس کے مطابق چل رہے ہیں۔ پھر یہ سب کچھ جو ہوا اور ہو رہا ہے وہ اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہاں تدبیر کرنے والا ایک ہاتھ موجود ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ سب کچھ ظہور میں آجاتا اور قائم و جاری رہتا اور جب ایسا ہو تو کیوں کر ممکن ہے کہ انسانی اعمال کے لئے اس نے کوئی انتظام نہ کیا ہو اور انسانی زندگی ایک بے کار کام کی طرح رائیگاں جائے؟

زمین پر قدرت الٰہی کی نشانیاں:............آیت وفی الارض الخ میں فرمایا جارہا ہے کہ زمین کو دیکھو ایک گیند کی طرح گول ہے لیکن اس کی سطح کا ہر حصہ ایسا واقع ہوا ہے کہ گولائی محسوس ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ایک فرش بچھا ہوا ہو اس پر پہاڑ پیدا کر دیئے گئے۔ جن کی چوٹیوں پر برف جمتی اور پگھلتی رہتی ہے اور اس طرح ان نہروں کی روانی کا سامان ہوتا رہتا ہے جو میدانی زمینوں سے گذرتی ہے اور انہیں سیراب کرتی رہتی ہے۔ پھر زمین میں روئیدگی کی کیسی عجیب وغریب قوت پیدا کر دی۔ جس سے اس کی تمام اقسام طرح طرح کی خوش ذائقہ غذاؤں کا خوان نعمت بن گئی ہے ہر طرح کے پھلوں کے درخت ہیں، ہر طرح کی دواؤں کی فصلیں ہیں، سب میں دو دو ستون اور جوڑوں کا اصول کام کر رہا ہے۔ اس اعتبار سے بھی کہ نباتات کی کوئی قسم نہیں جس میں جانوروں کی طرح نر و مادہ کی جنسی تقسیم نہ ہو اور اس لحاظ سے بھی کہ ہر درخت کے پھل کھٹے میٹھے، اچھے برے، خوش ذائقہ، بدذائقہ، اعلیٰ، ادنیٰ ہوتے ہیں۔ پھر اس کی حکمت کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات اور دن کا ایک دائمی انقلاب طاری رہتا ہے جو نباتات کی روئیدگی اور پختگی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جب دن کی تپش انہیں خوب اچھی طرح گرم کر دیتی ہے تو رات آتی ہے اور زمین کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کی چادر کے تلے وہ خنکی اور ٹھنڈک حاصل کر لیتے ہیں۔

تاثیر کے لئے فاعل کے ساتھ جوہر قابل کا ہونا ضروری ہے:............ پھر ربوبیت الٰہی کا یہ کرشمہ دیکھو کہ زمین کی سطح ایک ہے۔لیکن زمین کے مختلف قطعات یکساں نہیں ہیں۔سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں۔مگر اپنی روئیدگی اور پیداوار کی مختلف خدمتیں انجام دے رہے ہیں۔ایک قطعہ میں باغ ہیں۔ایک میں کھیت ہیں۔ایک میں نخلستان ہیں۔پھر اگرچہ زمین ایک ہے اور ایک ہی پانی سے ہر قطعہ سیراب ہوتا ہے۔لیکن ہر درخت کا پھل یکساں نہیں۔کسی جگہ ایک ہی پھل اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے کسی جگہ کا ادنیٰ درجہ کا،کسی کا مزہ کچھ ہوتا ہے کسی کا کچھ۔کائنات ہستی کے ان تمام کارخانوں کا اس نگرانی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ نفع بخش اور کارآمد ہونا اور مخلوقات کی ضروریات زندگی کا اس عجیب وغریب طریقہ کے ساتھ انتظام پانا،کیا اس حقیقت کا اعلان نہیں ہے کہ ایک پرورش کنندہ اور مدبر ہستی موجود ہے اور یہاں جو کچھ ہو رہا ہے کسی مقصد اور منتہٰی کے لئے ہو رہا ہے؟

اقرار آخرت عجیب نہیں بلکہ انکار آخرت عجیب تر ہے:............ آیت وَاِنْ تَعْجَب الخ کا حاصل یہ ہے کہ کائنات ہستی کی ہر بات یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ حکمت وتدبیر کسی مصلحت ومقصد کے بغیر نہیں ہوسکتا اور ضروری ہے کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا،کھایا،پیا اور فنا ہوگیا۔بلکہ اس کے بعد بھی کچھ ہونے والا ہے ورنہ تدبیر ومصلحت کا سارا کارخانہ باطل ہو جاتا ہے۔لیکن اگر اس پر بھی لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ آخرت کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تو اس سے زیادہ کون سی بات عجیب ہوسکتی ہے؟ عجیب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر انسان پر ایک دوسری زندگی طاری ہوگی۔کیونکہ اس کی شہادت تو دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ انسان صرف دنیاوی زندگانی پر قانع اور مطمئن ہو جائے اور سمجھ لے کہ اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پیدا ہوا اور کچھ دنوں کھا پی کر مر گیا۔عقل ودانش کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کہا جاتا۔کہ یہ زندگی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے تو طبیعتیں کسی طرح مطمئن نہ ہوتیں اور شک وشبہ میں پڑ جاتیں کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ لیکن منکرین حیات کا حال یہ ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے۔زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے اور وہ ہیں کہ حیران ہو کر کہتے ہیں،جب مر گئے اور گل سڑ کر مٹی ہوگئے تو کیا پھر زندگی کا ایک نیا خول مل جائے گا۔

انسان اچھائی کی طرح برائی کے چاہنے میں بھی جلد باز ہے:............ ویستعجلونك الخ میں انکار کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ انسان بھلائی کی جگہ برائی کے لئے جلدی مچانے لگتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ اگر انکار اور بدعملی کا برا نتیجہ نکلنے والا ہے تو وہ نتیجہ کہاں ہے؟ کیوں پیش نہیں آجاتا؟ فرمایا کہ اس لئے کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔پس فوراً نتیجہ بد پیش آجاتا مہلتوں پر مہلتیں دی جاتی ہیں لیکن جب وقت آجاتا ہے تو وہ شدید العقاب بھی ہے اس وقت پاداش عمل ہرگز ٹلنے والی نہیں ہوتی اور نہ کسی طرح کی نرمی کی گنجائش رہتی ہے۔آیت ویقول الذین الخ میں انسان کی اس عام گمراہی کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ وہ سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈتا بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے۔چنانچہ اچنبھوں اور عجائب کاریوں کو سچائی کی دلیل سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ سب سے زیادہ سچا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب وغریب ہو۔قرآن نے جن بنیادی گمراہیوں کو دور کیا ہے ان میں ایک گمراہی یہ ہے کہ ان سے جا بجا یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ دعوت حق کی شناخت خود دعوت حق ہے نہ کہ عجائب وغرائب کا ظہور،جسے لوگوں نے دلیل صداقت سمجھ رکھا ہے۔لوگ کہتے ہیں عجیب وغریب قسم کی نشانیاں اس شخص کے لئے کیوں ظاہر نہیں ہوئیں؟ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا ظہور تماشے اور عجائبات دکھلانے کے لئے نہیں ہوتا۔ہدایت خلق کے لئے ہوتا ہے۔جس طرح دنیا کی ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا انسان پیدا ہو چکا ہے۔اسی طرح تم بھی ہدایت کے لئے ظاہر ہوئے ہو۔آپ کا دعویٰ یہ نہیں کہ میں

اچنبھے دکھلانے کے لئے آیا ہوں۔دعویٰ یہ ہے کہ ہدایت کی راہ دکھانے آیا ہوں۔پس حق کے طالب کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ آپ کی زندگی، آپ کی تعلیم، آپ کا طریقہ واقعی ہدایت کا ہے یا نہیں ہے؟

لطائف آیات:............آیت میں ھادی کا لفظ عام ہے، نبی اور نائب نبی دونوں اس میں داخل ہیں۔پس کسی ملک میں مطلقاً کسی ہادی کے آنے سے یہ لازم نہیں آتا۔کہ وہ ہادی نبی ہی ہو۔ممکن ہے وہ نبی کا نائب ہو۔آیت **وفی الارض الخ** سے معلوم ہوا کہ فاعل اگر ایک ہی ہوتب بھی قابلیتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ثمرات مختلف ظاہر ہوتے ہیں۔اسی طرح ایک مربی ہونے کے باوجود قلوب کی استعداد اگر مختلف ہوتو نتائج وثمرات بھی مختلف رونما ہوں گے۔اور یہ نہ مربی کے اختیار میں ہے اور نہ اس کے بخل کی دلیل ہے۔

اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَاتَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَوَاحِدٍ وَّمُتَعَدِّدٍ وَّغَیْرَ ذٰلِکَ **وَمَا تَغِیْضُ** تَنْقُصُ **الْاَرْحَامُ** مِنْ مُدَّۃِ الْحَمْلِ **وَمَا تَزْدَادُ** مِنْہُ **وَکُلُّ شَیْ ءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ**﴿۸﴾ بِقَدْرٍ وَّحَدٍّ لَا یَتَجَاوَزُہٗ **عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَۃِ** مَاغَابَ وَمَا شُوْھِدَ **الْکَبِیْرُ** الْعَظِیْمُ **الْمُتَعَالِ**﴿۹﴾ عَلٰی خَلْقِہٖ بِالْقَھْرِ بِیَاءٍ وَّدُوْنَھَا **سَوَآءٌ مِّنْکُمْ** فِیْ عِلْمِہٖ تَعَالٰی **مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَھَرَ بِہٖ وَمَنْ ھُوَ مُسْتَخْفٍ** مُسْتَتِرٍ **بِالَّیْلِ** بِظَلَامِہٖ **وَسَارِبٌ** ظَاھِرٌ بِذَھَابِہٖ فِیْ سَرْبِہٖ اَیْ طَرِیْقِہٖ **بِالنَّھَارِ**﴿۱۰﴾ **لَہٗ** لِلْاِنْسَانِ **مُعَقِّبٰتٌ** مَلَائِکَۃٌ تَعْتَقِبُہٗ **مِّنْ بَیْنِ یَدَیْہِ** قُدَّامِہٖ **وَمِنْ خَلْفِہٖ** وَرَائِہٖ **یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ** اَیْ بِاَمْرِہٖ مِنَ الْجِنِّ وَغَیْرِھِمْ **اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ** لَایَسْلُبُھُمْ نِعْمَتَہٗ **حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ** مِنَ الْحَالَۃِ الْجَمِیْلَۃِ بِالْمَعْصِیَۃِ **وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا** عَذَابًا **فَلَا مَرَدَّ لَہٗ** مِنَ الْمُعَقِّبَاتِ وَلَاغَیْرِھَا **وَمَالَھُمْ** لِمَنْ اَرَادَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِھِمْ سُوْءًا **مِّنْ دُوْنِہٖ** اَیْ غَیْرِ اللّٰہِ **مِنْ** زَائِدَۃٌ **وَّالٍ**﴿۱۱﴾ یَمْنَعُہٗ عَنْھُمْ **ھُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا** لِلْمُسَافِرِ مِنَ الصَّوَاعِقِ **وَّطَمَعًا** لِلْمُقِیْمِ فِی الْمَطَرِ **وَّیُنْشِئُ** یَخْلُقُ **السَّحَابَ الثِّقَالَ**﴿۱۲﴾ بِالْمَطَرِ **وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ** ھُوَ مَلَکٌ مُّوَکَّلٌ بِالسَّحَابِ یَسُوْقُہٗ مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِہٖ** اَیْ یَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وَ تُسَبِّحُ **الْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ** اَیِ اللّٰہِ **وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ** وَھِیَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ السَّحَابِ **فَیُصِیْبُ بِھَا مَنْ یَّشَآءُ** فَتُحْرِقُہٗ نَزَلَ فِیْ رَجُلٍ بَعَثَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَدْعُوْہُ فَقَالَ مَنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَمَا اللّٰہُ اَمِنْ ذَھَبٍ ھُوَ اَمْ مِّنْ فِضَّۃٍ اَمْ نُحَاسٍ فَنَزَلَتْ بِہٖ صَاعِقَۃٌ فَذَھَبَتْ بِقِحْفِ رَاْسِہٖ **وَھُمْ** اَیِ الْکُفَّارُ **یُجَادِلُوْنَ** یُخَاصِمُوْنَ النَّبِیَّ **فِی اللّٰہِ وَھُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ**﴿۱۳﴾ اَلْقُوَّۃِ اَوِالْاَخْذِ **لَہٗ** تَعَالٰی **دَعْوَۃُ الْحَقِّ** اَیْ کَلِمَتُہٗ وَھِیَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ **وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ** بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ یَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِہٖ** اَیْ غَیْرِہٖ وَھُمُ الْاَصْنَامُ **لَایَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ** مِّمَّا یَطْلُبُوْنَہٗ **اِلَّا** اِسْتِجَابَۃً **کَبَاسِطِ** کَاِسْتِجَابَۃِ بَاسِطٍ **کَفَّیْہِ اِلَی الْمَآءِ** عَلٰی شَفِیْرِ الْبِیْرِ یَدْعُوْہُ **لِیَبْلُغَ فَاہُ** بِارتفاعۃ من البیر الیہ **وَمَا ھُوَ**

بِبَالِغِهٖ اَیْ فَاهُ اَبَدًا فَكَذٰلِكَ مَا هُمْ بِمُسْتَجِيبِيْنَ لَهُمْ **وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ** عِبَادَتُهُمُ الْاَصْنَامَ اَوْ حَقِيْقَةُ الدُّعَآءِ **اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ** ﴿۱۴﴾ ضِيَاعٍ **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا** كَالْمُؤْمِنِيْنَ **وَّكَرْهًا** كَالْمُنَافِقِيْنَ وَمَنْ اُكْرِهَ بِالسَّيْفِ **وَّ** يَسْجُدُ **ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ** الْبُكَرِ **وَالْاٰصَالِ** ﴿۱۵﴾ الْعَشَايَا **قُلْ** يَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ **مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ** اِنْ لَّمْ يَقُوْلُوْهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهٗ **قُلْ** لَهُمْ **اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ** اَيْ غَيْرِهٖ **اَوْلِيَآءَ** اَصْنَامًا تَعْبُدُوْنَهَا **لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا** وَتَرَكْتُمْ مَالِكَهُمَا اِسْتِفْهَامُ تَوْبِيْخٍ **قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ** الْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ **اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ** الْكُفْرُ **وَالنُّوْرُ** الْاِيْمَانُ لَا **اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ** اَيْ خَلْقُ الشُّرَكَاءِ بِخَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى **عَلَيْهِمْ** فَاعْتَقَدُوْا اِسْتِحْقَاقَ عِبَادَتِهِمْ بِخَلْقِهِمْ اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَيْ لَيْسَ الْاَمْرُ كَذٰلِكَ وَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ اِلَّا الْخَالِقُ **قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ** لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِيْهِ فَلَا شَرِيْكَ لَهٗ فِي الْعِبَادَةِ **وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ** ﴿۱۶﴾ لِعِبَادِهٖ ثُمَّ ضَرَبَ مَثَلًا لِلْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَقَالَ **اَنْزَلَ** تَعَالٰى **مِنَ السَّمَآءِ مَآءً** مَطَرًا **فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا** بِمِقْدَارِ مِلْئِهَا **فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا** عَالِيًا عَلَيْهِ هُوَ مَاعَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ قَذْرٍ وَنَحْوِهٖ **وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ **عَلَيْهِ فِي النَّارِ** مِنْ جَوَاهِرِ الْاَرْضِ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالنُّحَاسِ **ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **حِلْيَةٍ** زِيْنَةٍ **اَوْ مَتَاعٍ** يُنْتَفَعُ بِهٖ كَالْاَوَانِيْ اِذَا اُذِيْبَتْ **زَبَدٌ مِّثْلُهٗ** اَيْ مِثْلُ زَبَدِ السَّيْلِ وَهُوَ خَبَثُهُ الَّذِيْ يُنْفِيْهِ الْكِيْرُ **كَذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ **يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ** اَيْ مِثْلَهُمَا **فَاَمَّا الزَّبَدُ** مِنَ السَّيْلِ وَمَا اُوْقِدَ عَلَيْهِ مِنَ الْجَوَاهِرِ **فَيَذْهَبُ جُفَآءً** بَاطِلًا مَرْمِيًّا بِهٖ **وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ** مِنَ الْمَآءِ وَالْجَوَاهِرِ **فَيَمْكُثُ** يَبْقٰى **فِي الْاَرْضِ** زَمَانًا كَذٰلِكَ الْبَاطِلُ يَضْمَحِلُّ وَيُمْحَقُ وَاِنْ عَلَا عَلَى الْحَقِّ فِيْ بَعْضِ الْاَوْقَاتِ وَالْحَقُّ ثَابِتٌ بَاقٍ **كَذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ **يَضْرِبُ** يُبَيِّنُ **اللّٰهُ الْاَمْثَالَ** ﴿۱۷﴾ **لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ** اَجَابُوْهُ بِالطَّاعَةِ **الْحُسْنٰى** الْجَنَّةُ **وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ** وَهُمُ الْكُفَّارُ **لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ** مِنَ الْعَذَابِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ** وَهُوَ الْمُؤَاخَذَةُ بِكُلِّ مَا عَمِلُوْهُ وَلَا يُغْفَرُ مِنْهُ شَيْءٌ **وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ** ﴿۱۸﴾ الْفِرَاشُ هِيَ

ترجمہ: .... اللہ کو سب خبر رہتی ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے (نر ہے یا مادہ، ایک ہے یا کئی وغیرہ) اور جو کچھ رحم میں (مدت حمل کی) کمی بیشی ہوتی ہے اس کے یہاں ہر چیز کا ایک خاص اندازہ ٹھیرایا ہوا ہے (مقدار حد کہ اس سے آگے کوئی چیز نہیں بڑھ سکتی) وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں (غیب وحاضر) کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا بلند مرتبہ ہے (اپنی مخلوق پر غالب ہے۔لفظ

متعال یا کے ساتھ ہے اور بغیر یاء کے بھی) تمہاری ساری حالتیں یکساں ہیں (اس کے علم میں) ظاہر خواہ چپکے سے کوئی بات کرے یا پکار کے کہے، رات (کی اندھیری) میں چھپا ہو یا دن کی روشنی میں چل رہا ہو (راست کے چلنے پھرنے میں) ہر شخص (انسان) کے لئے کچھ فرشتے ہیں جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے (ایک کے بعد ایک فرشتے آتے رہتے ہیں) کچھ اس کے آگے (سامنے) اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ خدائی حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں (جنات وغیرہ سے حکم الٰہی کے ماتحت) واقعی اللہ کبھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا (اس سے نعمت نہیں چھینتا) جب تک کہ وہ خود اپنی صلاحیت کو نہ بدل دے) اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت (عذاب) ڈالنا چاہتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں (نہ فرشتوں کے ٹالے ٹلے اور نہ کسی دوسرے سے) اور پھر ان کے لئے (جنہیں خدا کسی برائی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے) اللہ کے سوا کوئی دوسرا مددگار نہیں رہتا (کہ وہ ان کو بچا سکے، من زائدہ ہے) وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھلاتا ہے جو دلوں میں خوف بھی پیدا کرتی ہے (مسافر کو کڑکنے والی بجلی سے ڈر پیدا ہوتا ہے) اور امید بھی (گھروں میں رہنے والوں کو بارش کی توقع بھی قائم ہو جاتی ہے) اور وہی ہے جو بادلوں کو (بارش کے پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے اور بادلوں کی گرج (وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں کے ہنکانے پر مقرر رہتا ہے) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے (یعنی سبحان اللّٰہ وبحمدہ پڑھتی ہے) اور فرشتے بھی اللہ کی دہشت سے (تسبیح) پڑھتے ہیں اور وہ بجلیاں گراتا ہے (وہ آگ ہے جو بادل سے نکلتی ہے) جس پر چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے (جس سے وہ جل جاتا ہے) اگلی آیت ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کے پاس آنحضرت ﷺ نے جب ایک صحابیؓ کو اپنی دعوت دینے کے لئے بھیجا تو کہنے لگا رسول اللہ کون ہیں؟ اور اللہ کون ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا پیتل کا ہے؟ اس پر ایک بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی) لیکن یہ (کفار) جھگڑ رہے ہیں (نبی کریم ﷺ سے کٹ حجتی کرتے ہیں) اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ بڑا ہی سخت اور اٹل ہے (طاقت اور پکڑ کے اعتبار سے) اس (اللہ) کو پکارنا سچا پکارنا ہے (یعنی کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ) جو لوگ دوسروں کو پکارتے ہیں (یا اور تا کے سے ساتھ یعنی یعبدون ہے) اس کے سوا (یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں) وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے (جو کچھ ان سے فرمائشیں کی جاتی ہیں) ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے (کنویں کی من پر بیٹھ کر پانی کو پکارے) کہ بس پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا (کنویں سے اٹھ کر) حالانکہ وہ اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا (کبھی بھی، پس ایسے ہی یہ بت بھی کبھی ان کی درخواست منظور نہیں کر سکتے) اور کافروں کی درخواست کرنا (بت پرستی مراد ہے یا حقیقۃً ان سے دعاء مانگنا) محض بے اثر (بے کار) ہے اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے سب اللہ ہی کے سامنے سرخم ہیں، خوشی سے ہوں (جیسے مؤمنین) یا مجبوری سے (جیسے منافق یا جو شخص تلوار کے ڈر سے جھکے) اور ان کے سائے صبح شام (سجدہ کرتے ہیں) آپؐ (اے محمد! اپنی قوم سے) پوچھیئے آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہے (اگر وہ جواب نہ دے سکیں، کیونکہ اس کے علاوہ دوسرا اور کوئی جواب نہیں ہے) پھر (ان سے) کہو یہ کیا ہے کہ تم نے اس کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے۔ (بت پرستی کرتے ہو) جو خود اپنی جانوں کا نفع نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتے (تم نے نفع ونقصان کے اصل مالک کو کیوں چھوڑ رکھا ہے۔ یہ استفہام توبیخی ہے) آپؐ پوچھئے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے؟ (مراد کافر ومؤمن ہے) یا اندھیرا اور اجالا (کفر وایمان) برابر ہو سکتا ہے (نہیں) یا پھر ان کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں نے بھی اس طرح مخلوقات پیدا کی جس طرح اللہ نے پیدا کی ہے اور اس لئے پیدا کرنے کا معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ (یعنی ان شریکوں کی بنائی ہوئی چیزیں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ایک سی ہو گئی) ان پر (اس لئے مشرکوں کے پیدا کرنے کی وجہ سے انہیں پرستش کا مستحق سمجھنے لگے استفہام انکاری ہے یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے اور عبادت کا مستحق خالق کے سوا کوئی نہیں) تم ان سے کہو اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے (اس میں

اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔اس لئے اس کا کوئی شریک عبادت نہیں ہے)اور وہ یگانہ ہے، غالب ہے (اپنے بندوں پر)۔
پھر حق و باطل کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے۔آسمان سے (اللہ تعالیٰ نے) پانی برسایا تو اپنی سمائی کے مطابق نالے بہنے لگے (بھرے ہوئے) پھر میل کچیل سے جھاگ بن کر پانی کی سطح پر ابھرا تو سیلاب کی رو، اسے بہالے گئی (رابیا کے معنی چھا جانے کے ہیں اور زبد کہتے ہیں میل کچیل جھاگ وغیرہ کو) اور جو کچھ تپاتے ہیں (لفظ یوقدون تا اور یا کے ساتھ ہے) آگ میں (زمین کی معدنیات سونا، چاندی، تانبہ، پیتل وغیرہ) زیور بنانے کے لئے (آرائش کے لئے) یا اور سامان بنانے کے لئے (جس سے نفع اٹھایا جاسکے۔جیسے پگھلا کر برتن بنائے جائیں) اس کا جھاگ بھی اسی طرح اٹھتا ہے (یعنی سیلاب کے جھاگ کی طرح۔اس سے مراد دھاتوں کا میل کچیل ہے جسے بھٹی پھینک دیتی ہے) اسی طرح (جیسے یہ مثالیں ہیں) بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثالیں۔سو جو میل کچیل ہوتا ہے (پانی کا رو کا اور آگ میں تپائی ہوئی چیزوں کا) وہ تو پھینک دیا جاتا ہے (بے کار رائیگاں کر دیا جاتا ہے) اور جو چیز لوگوں کے کارآمد ہوتی ہے (پانی یا معدنیات میں سے) وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے (ایک زمانہ تک ایسے ہی باطل بھی سرنگوں ہو کر مٹ جاتا ہے اگرچہ کچھ دیر کے لئے حق پر چھا جانے کی کوشش کرے۔لیکن حق برقرار اور باقی رہ جاتا ہے) اسی طرح (جیسے یہ باتیں ہیں) اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا (ان کی فرمانبرداری کر کے کہا مان لیا) تو ان کے لئے سرتاسر خوبی (جنت) ہے اور جن لوگوں نے اس کا کہا نہیں مانا (یعنی کفار) ان کے پاس اگر تمام دنیا بھر کی دولت آجائے اور اسے دوگنا کر دیا جائے اور یہ لوگ بطور فدیہ (عذاب کے) برابر دے دیں۔یہی لوگ ہیں جن کے لئے حساب کی سختی ہے (یعنی ان کے ہر کام پر پکڑ ہوگی اور کچھ بھی معاف نہیں کیا جائے گا) اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور (وہ) کیا ہی برا ٹھکانا (جگہ) ہے۔

تحقیق و ترکیب:............**ماتحمل** اس میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ما موصولہ اسمیہ اور عائد محذوف ہو، ای **تحملہ**۔یا ما مصدریہ ہو بلاعائد کے اور یا **ما** استفہامیہ ہو۔پھر مبتداء ہونے کی وجہ سے محل رفع ہو اور **تحمل** اس کی خبر ہو یا **تحمل** کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہو۔

ما تغیض حنفیہ کے نزدیک مدت حمل نو مہینہ سے کم اور دو سال سے زیادہ نہیں مانی گئی ہے۔(۱) امام شافعیؒ کے نزدیک چار مہینہ اور امام مالکؒ کے نزدیک پانچ مہینہ بھی ہوسکتی ہے۔**من الجن وغیرھم** یعنی فرشتے انسان کی حفاظت جنات، سانپ، بچھو وغیرہ سے کرتے ہیں۔کعبؒ بن احبار کی روایت ہے۔**لولا ان اللہ وکل بکم ملائکۃ یذبون عنکم فی مطعمکم ومشربکم لتخطفتم** اور طبریؒ حضرت عثمانؓ کی مرفوع روایت پیش کرتے ہیں۔لکل ادمی عشرۃ باللیل وعشرۃ بالنھار واحد عن یمینہ وواحد عن یسارہ واثنان من بین یدیہ ومن خلفہ واثنان علی جنبیہ واخر قابض علی ناصیۃ فان تواضع رفعہ وان تکبر وضعہ واثنان علی شفتہ لیس یحفظان الا الصلوٰۃ علی محمد والعاشر یحرسہ من الحیۃ ان یدخل فاہ اذا نام۔**ان اللہ لا یغیر** یعنی جب کوئی اطاعت شعاری چھوڑ کر شیوۂ نافرمانی اختیار کر لیتی ہے۔اللہ بھی اپنی مہربانی کو غصہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔**الرعد** امام ترمذیؒ نے ابن عباسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ یہود نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔یا ابا القاسم اخبرنا من الرعد ما ھو قال ملك من الملائکۃ مؤکل بالسحاب معہ مخاریق من نار یسوق بھا السحاب حیث شاء اللہ فقالوا ما ھذا الصوت، قال زجرہ بالسحاب اذا زجرہ حتی ینتھی الی حیث امر، قالوا صدقت **مسلمان فلاسفر یسبح الرعد** کے معنی یسبح ساحو الرعد کے کرتے ہیں۔گویا سب کی طرف تسبیح کی اسناد ہو رہی ہے۔**وظلالھم** تمام سایوں کا سجدہ طوعاً ہوتا ہے۔کیونکہ بے جان ہونے کی وجہ ان کی ناراضگی کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔چنانچہ کہا جاتا ہے کہ جب کوئی کافر بت کے آگے سجدہ کرتا ہے تو اس کا سایہ اللہ کے آگے جھکتا ہے

سوء الحساب حدیث میں آتا ہے من نوقش الحساب هلك ۔

ربط آیات: .... سابقہ آیات اللّٰہ الذی الخ کی طرح آیت اللّٰہ یعلم الخ میں بھی توحید ہی کا مضمون چل رہا ہے آیت انزل من السماء الخ سے حق و باطل کی دو مثالیں دی جارہی ہیں۔ جیسا کہ پہلے نور وظلمت اور بینا نابینا سے بھی اسی کی تمثیل دی جاچکی ہے۔ اس نے ہدایت وشقاوت کے لئے یہی انداز ے ٹھیرائے ہیں جو ہدایت پائے گا اسی کے مطابق پائے گا۔ جو نہیں پائے گا اسی کے مطابق نہیں پائے گا اور آیت ان اللّٰہ لا یغیر الخ میں ہدایت وشقاوت کے اسی اندازہ کا اعلان ہے جسے عمل اور صلاحیت عمل کا قانون کہنا چاہیئے۔

﴿ تشریح ﴾: .... **اللہ کا علم واندازہ اور قانون انقلاب:** .... آیت اللّٰہ یعلم الخ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سے کوئی بات اور کوئی حالت چھپی ہوئی نہیں ہے اور ان سے ہر بات کے لئے ایک اندازہ مقرر کردیا ہے۔ اس سے باہر کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ پس وہ تمہاری نیتوں اور خیالوں سے بے خبر نہیں ہے۔ انسان کے اندرون ایک کے بعد ایک ابھرنے والی قوتیں ہیں۔ جو حکم الٰہی سے انسان کی حفاظت کرتی ہیں انسان کے گذشتہ اعمال سے اس کا حال بنتا ہے اور حال کے اعمال اس کے مستقبل کو بناتے ہیں ۔خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے۔ یعنی اصل اس بارے میں انسان کا اپنا عمل ہے۔ وہ جیسی حالت چاہے اپنے عمل اور صلاحیت سے حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن جب کوئی قوم اپنی عملی صلاحیت کھودیتی ہے اور اس طرح تبدیل حالت کی مستحق ہوجاتی ہے تو ضروری ہے کہ اسے برائی پہنچے۔ یہ برائی بھی کبھی ٹل نہیں سکتی کیونکہ یہ خود خدا کی جانب سے ہوتی ہے۔ اس کے ٹھیرائے ہوئے قانون کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور خدا کے ٹھیرائے ہوئے قانون کو کون روک سکتا ہے اور کون اس کی زد سے بچ سکتا ہے۔

حفاظت اور حوادث: .... آیت لہٗ معقبات میں لوگوں کو وسوسہ ہوا کہ انسان کی حفاظت جب ملائکہ کرتے ہیں پھر کیوں انسان مصائب وحوادث کا شکار ہوتا ہے؟ لیکن من امر اللّٰہ کی قید نے اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ پس کسی مصلحت سے جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں فرشتوں سے حفاظت کرادیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں حکم نہیں دیتے۔ ملائکہ بھی اپنا کام نہیں کرتے۔ رہا یہ شبہ کہ فرشتوں کی کیا ضرورت؟ خدا چاہے تو ویسے بھی حفاظت ہوسکتی ہے؟ جواب دیا جائے گا کہ ضرورت کے انکار سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس طریقہ حفاظت میں کوئی حکمت بھی نہ ہو۔ ممکن ہے دوسرے اسباب کی طرح حفاظت کے اس طریقۂ خاص میں کوئی حکمت الٰہی رہی ہو۔

اللہ کی ناراضی اس کی نافرمانی کے بغیر نہیں ہوتی: .... البتہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ بعض دفعہ گناہوں اور برائیوں کے باوجود بھی راحت ونعمت نہیں چھنتی۔ بلکہ اس کے برعکس بھلائیوں، اسی طرح نیکیوں کے باوجود نعمت چھن کر نقمت ومصیبت آجاتی ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں ان اللّٰہ لا یغیر الخ کے خلاف ہیں؟ جواب یہ ہے کہ آیت ان اللّٰہ لا یغیر الخ کا منشاء یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے بدلنے سے ہم ضرور ان کی حالت بدل دیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بدوں لوگوں کے بدلے ہم ان میں تبدیلی نہیں کریں گے۔ سو گناہوں کے باوجود نعمت کا نہ چھننا ظاہر ہے کہ اس کے خلاف نہیں۔ ہاں! اگر بدونِ گناہوں کے نعمت چھن جاتی تو بے شک شبہ کی گنجائش تھی۔ پس شبہ کا پہلا حصہ تو ظاہر ہے کہ بالکل صاف ہے۔ لیکن غور کرنے سے شبہ کا دوسرا جزو بھی بے غبار ہے۔ کیونکہ مابقوم میں ما سے مراد رحمت الٰہیہ ہے اور اس کے بدلنے سے مراد اللہ کی ناراضگی اور غضب اللہ ہے اور اسی طرح ماباانفسھم میں ما سے مراد اطاعت خداوندی ہے اور اس کے بدلنے سے مراد نافرمانی ہے۔ پس آیت کا ماحصل یہ نکلا کہ معصیت اور نافرمانی کے بغیر ہم

ناراض نہیں ہوتے۔ چنانچہ گناہوں سے بچنے کی صورت میں ناراضگی یقیناً نہیں ہوتی۔ غرضیکہ اس میں راحت ونعمت چھننے کا دعویٰ نہیں کیا جارہا ہے۔ پس آیت میں اس سے کوئی تعرض نہیں ہے کہ دونوں میں منافات ثابت ہو اور اس شبہ کا پہلا حصہ کے ازالہ کی اور تقریر بھی ممکن ہے کہ گناہوں سے گو ظاہری نعمت اور عافیت زائل نہ ہو۔ لیکن حق تعالیٰ کی ناراضگی کسی نہ کسی درجہ میں یقیناً مرتب ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے مرفوعاً حدیث قدسی مروی ہے۔ **وعزتی وجلالی وارتفاعی فوق عرشی مامن اهل قرية ولا اهل بيت ولا رجل ببادية كانوا على ماكرهت من معصيتي تحولوا عنها الى ما احببت من طاعتي الا تحولت لهم عما يكرهون من عذابي الى ما يحبون من رحمتي الى ما يكرهون من عذابي۔**

ترجمہ: میری عزت وجلال اور عرش پر متمکن ہونے کی قسم کہ کوئی بستی یا کوئی گھر اور کوئی شخص کسی جگہ ایسا نہیں کہ جو میری ناگوار بات یعنی گناہ کرتا رہا اور پھر میری پسندیدہ فرماں برداری کی طرف آ گیا ہو اور میں بھی اس عذاب سے جو اسے ناگوار ہو اپنی رحمت کی طرف نہ آ جاؤں۔ جو لوگوں کو میرے عذاب کی نسبت پسندیدہ ہو۔

پس بعض نصوص سے جو معلوم ہوا کہ بعض دفعہ خاص گناہوں سے عام مواخذہ ہوجاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات بھی ان اللّٰہ لا یغیر الخ کے خلاف ہے لیکن اس سے یہ وسوسہ بھی زائل ہوگیا۔ کیونکہ جن عام لوگوں سے مواخذہ ہوتا ہے۔ اگر وہ بھی برائیوں سے دوسروں کو روکنے کی قدرت کے ہوتے ہوئے پھر نہیں روکتے ہیں اور ہدایت نہیں کرتے ہیں تب تو وہ بھی گنہگار اور ایک معصیت کے مرتکب ہوئے۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر ہدایت نہ کرنے کے باوجود ان سے مواخذہ ہوا تو وہ صورۃً مواخذہ ہوگا جیسے مصیبت کہنا چاہیئے۔ حقیقتاً مواخذہ نہیں کہلائے گا۔ جو غضب اور ناراضگی کا نشان ہوتا ہے۔ اس لئے پھر بھی اشکال نہیں رہنا چاہیئے لیکن انسان کو جو برائی پہنچتی ہے وہ اس لئے نہیں پہنچتی کہ اللہ نے ان برائیوں کا سامان کردیا ہے۔

کوئی برائی بھی حقیقی برائی نہیں ہے کہ اس میں اچھائی کا نشان بھی نہ ہو:

............آیت ویسبح الرعد الخ میں یہ بتلایا جارہا ہے کہ اللہ تو جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اچھا ہی کرتا ہے۔ لیکن اچھائی اور بہترائی کی بڑی سے بڑی بات بھی تمہاری کمزور اور درماندہ گناہوں کے لئے خوف اور دہشت کا باعث بن جاتی ہے۔ تم اپنی حالت کے اعتبار سے سمجھنے لگے ہو کہ برائی ہے اور تمہارے لئے برائی ہو بھی جاتی ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ وہ فی نفسہ برائی ہے بلکہ اس لئے کہ تمہاری حالت کے اعتبار سے اضافی برائی ہوگی۔ چنانچہ اس حقیقت کی تشریح کے لئے ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ "بجلی کا چمکنا مایوسیوں کے لئے پیام امید ہوتا ہے۔ اگر نہ چمکے تو باران رحمت کے آنے کا پیغام بھی نہ ملے۔ مگر تمہارے لئے یہ معاملہ خوف وامید کا معاملہ بن جاتا ہے۔ بارش کی امید سے خوش ہوتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی بجلی کی تیزی سے ڈرنے بھی لگتے ہو۔ پھر وہی بجلی جو زمین کے لئے زندگیوں کا پیام ہے۔ جب کسی انسان پر گرتی ہے تو اس کے لئے موت کا پیام بن جاتی ہے۔ اسی طرح بادل کا گرجنا تمہارے لئے سرتاسر دہشت وہولناکی ہے۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت ہولناکی نہیں ہے۔ سرتاسر خدا کی حمد کا اعلان ہے۔ وہ گرج گرج کر اس کی ستائشوں کا اعلان کرتا ہے فرشتے بادل کی گرج سے نہیں ڈرتے وہ خدا کے خوف سے ڈرتے ہیں، مگر تمہارے لئے وہ کائنات جو کی سب سے بڑی ہولناکی ہوتی ہے۔

یہاں اس آیت میں رعد کا ذکر فرشتوں کے ساتھ کیا گیا ہے اور ترمذی کی حدیث مرفوع میں رعد کو ایک فرشتہ بتلایا گیا ہے اور یہ کہ برق دراصل فرشتہ کے ہاتھ میں ایک آگ کا کوڑا ہوتا ہے۔ اس میں نقلی اشکال تو یہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں لفظ رعد آیا ہے۔ حالانکہ رعد فرشتہ کا نام ہوتا تو نکرہ نہیں آنا چاہیئے تھا؟ جواب یہ ہے کہ جس طرح رعد فرشتہ کا نام ہے اسی طرح اس فرشتہ کی آواز کو بھی کہتے ہیں پس نکرہ سے اس کی آواز مراد ہے نہ کہ وہ خود۔

شریعت کا بیان صحیح ہے یا فلسفہ ٹھیک کہتا ہے؟ .... دوسرا اشکال عقلی یہ ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک رعد و برق کی حقیقت فرشتہ وغیرہ نہیں بلکہ زمین سے اٹھنے والے بخارات غلیظہ جو دھوئیں اور آگ کے اجزاء ہوتے ہیں۔ جب ان میں رگڑ لگتی ہے تو ان سے پیدا ہونے والی آواز کو رعد اور پیدا ہونے والے شعلوں کو برق سے تعبیر کرتے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس آواز کا ظاہری سبب تو فلاسفہ کے قول کے مطابق ہو اور حقیقی سبب شریعت کے بیان کے مطابق ہو چنانچہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ بلکہ دونوں سبب اپنی اپنی جگہ صحیح ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا۔ ایک ایک چیز کے کئی کئی سبب ہو سکتے ہیں۔ انسان کی آواز کا ظاہری سبب تو بقول فلاسفہ خاص قسم کا قلع اور قرع ہے۔ لیکن حقیقی سبب روح ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیک وقت یہ دونوں ظاہری اور معنوی سبب نہ ہوں۔ بلکہ ان دونوں سببوں میں سے کبھی ایک سبب پایا جاتا ہو۔ جس کی وجہ سے گھور گرج پیدا ہو جاتی ہو اور کبھی دوسرا سبب ہو جاتا ہو جس کے نتیجہ میں رعد پایا جاتا ہو۔ غرض کہ ایک ہی چیز کا کبھی ایک سبب پایا جاتا ہو اور کبھی دوسرا۔ اسی طرح برق کے متعلق بھی یہ توجیہ ممکن ہے کہ برق کی حقیقت تو وہی ہو جو فلاسفہ بیان کرتے ہیں مگر وہ فرشتے کے قبضہ میں ہو جیسا کہ شریعت کہتی ہے۔ غرض کہ اس طرح دونوں باتوں میں تطبیق ہو سکتی ہے۔ آیت **وھم یجادلون الخ** میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ کی قدرت وحکمت کی یہ نشانیاں ہمیشہ انسان کے مشاہدہ اور علم میں آتی رہتی ہیں۔ اس پر بھی اس کی غفلت کا یہ حال ہے کہ اللہ کی ہستی اور اس کی یگانگت کے بارہ میں ہمیشہ جھگڑتا رہتا ہے۔ گویا یہ حقیقتیں ثابت نہیں۔ یہ نشانیاں کبھی ظہور ہی میں نہیں آئیں۔

ربوبیت سے الوہیت پر اصرار: .... قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت اور توحید خالقیت سے توحید الوہیت پر اصرار کیا کرتا ہے چنانچہ آیت **لہ دعوۃ الحق** سلسلۂ بیان اسی طرف پھر گیا ہے۔ فرمایا بندگی کی سچی پکار وہی ہے جس میں اللہ کو پکارا جائے۔ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے اور اسے اپنے تشنہ لبوں تک لے جانا چاہے ظاہر ہے کہ اس اپنی کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کی کوششیں بھٹک رہ جائیں گی۔ آیت **وللہ یسجد الخ** میں فرمایا جاتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ ہی کے آگے چار و ناچار جھکی ہوئی ہے کوئی مانے یا نہ مانے لیکن ہر آنکھ دیکھ لیتی ہے۔ کہ تم جو احکام الٰہی سے سرتابی کرنا چاہو تو خود اپنے سایہ ہی کو دیکھ لو جو اندازہ اس بارہ میں بنا دیا گیا ہے اس سے کبھی وہ باہر نہیں جا سکتا۔ صبح کو چڑھتی دھوپ میں اس کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے شام کو ڈھلتی دھوپ میں ایک خاص ڈھنگ، اگر غور کرو تو قدرت الٰہی کے قوانین کے آگے ٹھیک اسی طرح تمہاری مستیاں بھی مسخر ہیں خواہ تمہیں اقرار ہو یا انکار۔

بقاء انفع کا قانون اور اس کی دو مثالیں: .... آیت **انزل من السماء الخ** مہمات سورۃ میں سے ہے اور اس کے تمام مواعظ کے لئے مرکزی نقطہ ہے۔ فرمایا یہ حق و باطل کی آویزش ہے۔ لیکن حق و باطل کی حقیقت کیا ہے؟ اور کونسا قانون الٰہی اس میں کام کر رہا ہے؟ دراصل یہ بقاء انفع کا قانون ہے یعنی اللہ نے کائنات ہستی کے قیام واصلاح کے لئے یہ قانون ٹھیرا دیا ہے کہ یہاں وہی چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو۔ جس میں نفع نہیں وہ ٹھیر نہیں سکتی۔ اسے نیست و نابود ہو جانا ہے۔ اس نازک اور دقیق حقیقت کے لئے کیسی صاف مثال بیان کی ہے۔ جس سے کوئی نگاہ انسانی بھی محروم نہیں ہے۔ جب پانی برستا ہے اور زمین کے لئے شادابی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ تمام وادیاں نہروں کی طرح رواں ہو جاتی ہیں۔ لیکن پھر کیا تمام پانی رک جاتا ہے؟ کیا میل کچیل اور کوڑا کرکٹ اپنی اپنی جگہ پہنچتے رہتے ہیں؟ کیا زمین کی گردان کی حفاظت کرتی رہتی ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہوتا بلکہ زمین کو اپنے نشوونما کے لئے جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ جذب کر لیتی ہے۔ ندی نالوں میں جس قدر سمائی ہوتی ہے اتنا پانی وہ روک لیتی ہیں۔ باقی

پانی جس تیزی کے ساتھ گرا تھا ویسے ہی تیزی سے بہہ بھی جاتا ہے۔میل کچیل کوڑا کرکٹ جھاگ بن کر سمٹتا اور ابھرتا ہے پھر پانی کی روانی اسے اس طرح اٹھا کر لے جاتی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد وادی کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ کہیں اس کا نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔ اسی طرح جب چاندی سونا یا اور کسی طرح کی دہات آگ پر تپاتے ہو تو کھوٹ الگ ہو جاتا ہے خالص دھات الگ نکل آتی ہے۔کھوٹ کے لئے ختم ہو جانا اور جوہر کے لئے باقی رہنا یہی ہے ''بقاء انفع'' کا قانون۔پس یہاں باقی رہنا اسی کے لئے ہے جو نافع ہو اور جو نافع نہیں وہ چھانٹ دیا جاتا ہے۔حق وباطل کی حقیقت بھی یہی ہے۔حق وہ بات ہے جس میں نفع ہے۔پس وہ کبھی مٹنے والی نہیں ہے۔ٹکنا ،باقی رہنا، ثابت ہونا اس کا قدرتی خاصہ ہے کہ حقق کے معنی ہی قیام وثبات کے ہیں۔لیکن باطل وہ ہے جو نافع نہیں۔اس لئے اس کا قدرتی تقاضا مٹ جانا محو ہو جانا ،ٹل جاتا ہے۔اسی حقیقت کا ایک حصہ بقاء اصلح بھی ہے۔لیکن قرآن اصلح کے بجائے انفع کہتا ہے کیونکہ صالح وہی ہے جو نافع ہو، کارخانہ ہستی کی فطرت میں بناوٹ اور تکمیل ہے اور تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے۔جب کہ صرف نافع اشیاء باقی رکھی جائیں، غیر نافع چھانٹ دی جائیں۔اسی قانون کا نتیجہ ہے کہ جو لوگ قانون قبول کرتے ہیں ان کے لئے خوبی ہے ،جو نہیں کرتے ان کے لئے خرابی ہوتی ہے۔کیونکہ جنہوں نے قبول کیا ان کے اعمال نافع ہوں گے۔اب نافع عمل مٹ نہیں سکتا جنہوں نے انکار کیا وہ غیر نافع ہوں گے اور غیر نافع باقی نہیں رہ سکتا۔

لطائف آیات:............آیت **ان اللّٰہ لا یغیر الخ** کا حکم بقول نصر آبادیؒ عوام اور خواص سب کے لئے ہے بلکہ خواص کے لئے زیادہ کاوش ہوتی ہے۔حق تعالیٰ اپنے اولیاء کو مشاہدہ الٰہی سے زیادہ محجوب نہیں کرتے جب تک اولیاء اپنے اوراد ومعمولات کو نہ بدلیں۔آیت **والذین یدعون من دونہ الخ** سے ان لوگوں کا خسران معلوم ہو جاتا ہے جو لوگ اللہ کے علاوہ زندہ اور مردہ لوگوں سے استعانت چاہتے ہیں اور آج کل یہ بلا بہت عام ہے آیت **وللہ یسجد الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا انقیاد تشریعی ہے اور دوسرا تکوینی ہے۔

وَنَزَلَ فِیْ حَمْزَةَ وَاَبِیْ جَهْلٍ **اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ** فَاٰمَنَ بِهٖ **كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى** لَا یَعْلَمُهٗ وَلَا یُؤْمِنُ بِهٖ لَا **اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ** یَتَّعِظُ **اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾** اَصْحَابُ الْعُقُوْلِ **الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ** اَلْمَاْخُوْذُ عَلَیْهِمْ وَهُمْ فِیْ عَالَمِ الذَّرِّ اَوْ كُلِّ عَهْدٍ **وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ﴿۲۰﴾** بِتَرْكِ الْاِیْمَانِ اَوِ الْفَرَائِضِ **وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ** مِنَ الْاِیْمَانِ وَالرَّحِمِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ **وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ** اَیْ وَعِیْدَهٗ **وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾** تَقَدَّمَ مِثْلُهٗ **وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا** عَلَى الطَّاعَةِ وَالْبَلَاءِ وَعَنِ الْمَعْصِیَةِ **ابْتِغَآءَ** طَلَبَ **وَجْهِ رَبِّهِمْ** لَاغَیْرَهٗ مِنْ اَغْرَاضِ الدُّنْیَا **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا** فِی الطَّاعَةِ **مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ** یَدْفَعُوْنَ **بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ** كَالْجَهْلِ بِالْحِلْمِ وَالْاَذٰى بِالصَّبْرِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾** اَیِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُوْدَةُ فِی الدَّارِ الْاٰخِرَةِ هِیَ **جَنّٰتُ عَدْنٍ** اِقَامَةٍ **یَّدْخُلُوْنَهَا** هُمْ **وَمَنْ صَلَحَ** اٰمَنَ **مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ** وَاِنْ لَمْ یَعْمَلُوْا بِعَمَلِهِمْ یَكُوْنُوْنَ فِیْ

دَرجَاتِهِم تكرِمَةً لَهُم **وَالْمَلٰئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِم مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾** مِن اَبوابِ الجَنَّةِ اَوِ القُصُورِ اَوّلَ دُخُولِهِم لِلتَّهنِيَةِ يَقُولُونَ **سَلٰمٌ عَلَيْكُم** هذَا الثَّوابُ **بِمَا صَبَرْتُمْ** بِصَبرِكُم فِي الدُّنيَا **فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾** عُقبَاكُم **وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ** بِالكُفرِ وَالمَعَاصِي **اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ** البُعدُ مِن رَحمَةِ اللّٰهِ **وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾** اَيِ العَاقِبَةُ السَّيِّئَةُ فِي الدَّارِ الاٰخِرَةِ وَهِيَ جَهَنَّمُ **اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوَسِّعُهُ **لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ** يُضَيِّقُهُ لِمَن يَّشَاءُ **وَفَرِحُوْا** اَي اَهلُ مَكَّةَ فَرَحَ بَطَرٍ **بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** اَي بِمَا نَالُوهُ فِيهَا **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي** جَنبِ حَيٰوةِ **الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾** شَيءٌ قَلِيلٌ يُتَمَتَّعُ بِهٖ وَيَذهَبُ **وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِن اَهلِ مَكَّةَ **لَوْلَآ** هَلَّا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ** عَلٰى مُحَمَّدٍ **اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** كَالعَصَا وَاليَدِ وَالنَّاقَةِ **قُلْ** لَّهُم **اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ** اِضلَالَهُ فَلَا تُغنِي الاٰيَاتُ عَنهُ شَيئًا **وَيَهْدِيْٓ** يُرشِدُ **اِلَيْهِ** اِلٰى دِينِهٖ **مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾** رَجَعَ اِلَيهِ وَيُبدَلُ مِن مَن **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ** تَسكُنُ **قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ** اَي وَعدِهٖ **اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾** اَي قُلُوبُ المُؤمِنِينَ **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** مُبتَدَأٌ خَبَرُهُ **طُوْبٰى** مَصدَرٌ مِنَ الطِّيبِ اَو شَجَرَةٌ فِي الجَنَّةِ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ مَا يَقطَعُهَا **لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾** مَرجَعٍ **كَذٰلِكَ** كَمَا اَرسَلنَا الاَنبِيَاءَ قَبلَكَ **اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ** تَقرَأَ **عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ** اَي القُرآنَ **وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ** حَيثُ قَالُوا لَمَّا اُمِرُوا بِالسُّجُودِ لَهُ وَمَا الرَّحْمٰنُ **قُلْ** لَهُم يَا مُحَمَّدُ **هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾** وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا لَهُ اِن كُنتَ نَبِيًّا فَسَيِّرْ عَنَّا جِبَالَ مَكَّةَ وَاجعَل لَنَا فِيهَا اَنهَارًا وَعُيُونًا لِنَغرِسَ وَنَزرَعَ وَابعَث لَنَا اٰبَاءَنَا المَوتٰى يُكَلِّمُونَا اَنَّكَ نَبِيٌّ **وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ** نُقِلَت عَن اَمَاكِنِهَا **اَوْ قُطِّعَتْ** شُقِّقَت **بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى** بِاَن يُحيَوا لَمَا اٰمَنُوا **بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا** لَا بِغَيرِهٖ فَلَا يُؤمِنُ اِلَّا مَن يَّشَاءُ اللّٰهُ اِيمَانَهُ دُونَ غَيرِهٖ وَاِن اُوتُوا مَا اقتَرَحُوا وَنَزَلَ لَمَّا اَرَادَ الصَّحَابَةُ اِظهَارَ مَا اقتَرَحُوا طَمَعًا فِي اِيمَانِهِم **اَفَلَمْ يَايْئَسِ** يَعلَمِ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ** مُخَفَّفَةٌ اَي اَنَّهُ **لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا** اِلَى الاِيمَانِ مِن غَيرِ اٰيَةٍ **وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** مِن اَهلِ مَكَّةَ **تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا** بِصُنعِهِم اَي بِكُفرِهِم **قَارِعَةٌ** دَاهِيَةٌ تَقرَعُهُم بِصُنُوفِ البَلَاءِ مِنَ القَتلِ وَالاَسرِ وَالحَربِ وَالجَدبِ **اَوْ تَحُلُّ** يَا مُحَمَّدُ بِجَيشِكَ **قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ** مَكَّةَ **حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ** بِالنَّصرِ عَلَيهِم **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾** وَقَد حَلَّ بِالحُدَيبِيَةِ حَتّٰى اَتٰى فَتحُ مَكَّةَ

ترجمہ:.............(آئندہ آیت، حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی ہے) جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپؐ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ سب حق ہے (اور اس پر ایمان بھی لے آیا) کیا وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو اندھا ہے (اس بات کو نہیں جانتا اور نہ اس پر ایمان لایا، یہ دونوں ہرگز یکساں نہیں ہوسکتے) وہی لوگ سمجھتے بوجھتے ہیں (نصیحت حاصل کرتے ہیں) جو عقلمند (دانشمند) ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ اپنا عہد پورا کرتے ہیں (جو عہد الست ان سے لیا گیا تھا۔ یا ہر قسم کا عہد وپیمان مراد ہے) اپنا قول وقرار توڑتے نہیں ہیں (ایمان یا دوسرے فرائض چھوڑ کر) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا انہیں جوڑے رکھتے ہیں (ایمان اور رحمی رشتے ناطے وغیرہ) اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی کے خیال سے اندیشہ ناک رہتے ہیں (ایسی ہی آیت پہلے گزر چکی ہے) اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا ہے (اطاعت میں بھی اور بلاؤں پر بھی اور گناہوں سے بھی بچے رہے) اپنے پروردگار کی رضا جوئی کرتے ہوئے (دنیا کی اور کوئی غرض ان کے پیش نظر نہیں ہوتی) اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں (نیک کاموں میں) جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے چھپا کر بھی اور ظاہر طور پر بھی اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں (جیسے کسی کی جہالت کو اپنے علم سے اور دوسروں کی تکلیف کو اپنے صبر سے ختم کر دیتے ہیں) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے عاقبت کا گھر ہے (یعنی آخرت میں بہترین انجام ہوگا اور وہ) ہمیشگی کے باغ جن میں وہ خود بھی داخل ہوں گے اور ان کے آباء واجداد، بیویوں، اولاد میں سے جو نیک عمل ہوں گے اگرچہ ان اعزہ کے اعمال سے واقفیت نہ ہو تب بھی ان کی عزت افزائی کے لئے اعزہ کو انہی کے درجات میں رکھا جائے گا) اور ہر دروازہ سے فرشتے ان کے پاس آتے ہوں گے) جنت یا محلات کے دروازہ سے ابتدائی داخلہ کے وقت مبارکباد دیتے ہوئے کہیں گے) تم صحیح سلامت رہو (یہ ثواب) تمہارے صبر کرنے کی بدولت ہے (دنیا میں جو تم نے صبر کیا ہے) سو اس جہاں (عقبیٰ) میں تمہارا کیا ہی اچھا انجام ہے اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد پھر اسے توڑتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر ڈالتے ہیں اور ملک میں شر وفساد برپا کرتے ہیں (کفر وگناہ کرکے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے لعنت (اللہ کی رحمت سے دوری) ہے اور ان کیلئے برا ٹھکانا ہے (یعنی آخرت میں برا انجام ہوگا اور وہ جہنم ہے) اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی کر دیتا ہے اور (مکہ والے) اتراتے ہیں (اکڑتے ہیں) دنیاوی زندگی پر (یعنی دنیا کی کمائی پر) حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے آگے ہیچ ہے، محض تھوڑا سا برت لینا ہے (جس سے معمولی نفع اٹھا لیا جائے اور پھر فنا ہو جائے) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (مکہ والے) وہ کہتے ہیں اس شخص (محمدؐ) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری (جیسے لاٹھی اور ہاتھ اور اونٹنی کے معجزات) آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے کہ واقعی اللہ جسے چاہیں گمراہ کر دیتے ہیں (پھر اس کے لئے کوئی نشانی بھی سودمند نہیں ہوتی) اور جو شخص اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اسے اپنی طرف ہدایت کر دیتے ہیں (اور اگلا جملہ الذین، من سے بدل واقع ہو رہا ہے) جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کا ذکر (وعدہ) سے ان کے دل مطمئن ہو گئے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو چین وقرار ملتا ہے (یعنی مؤمنین کے دلوں کو) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے (یہ مبتداء ہے اور خبر آگے ہے) تو خوشحالی ہے (یہ مصدر ہے طیب سے ماخوذ ہے یا جنت کے درخت کا نام ہے جس کے سایہ میں سو سال بھی اگر چلے تو اسے طے نہ کر سکے) ان کے لئے نیک انجامی (اچھا ٹھکانہ) ہے اور اسی طرح (جیسے آپؐ سے پہلے نبیوں کو ہم نے بھیجا تھا) ہم نے آپ کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ اس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپؐ پر وحی کے ذریعہ اتاری ہے (یعنی قرآن) اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ سرے سے خدائے رحمان ہی کے قائل نہیں ہیں (کیونکہ جب اللہ کے آگے انہیں سجدہ کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں رحمان کون ہے؟) آپؐ (ان سے اے محمدؐ!) کہہ دیجئے کہ وہ میرا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کے پاس مجھے جانا ہے (اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب وہ لوگ آپؐ سے کہنے لگے کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو

مکہ کے پہاڑ کو ہٹا کر ان کی بجائے نہریں اور چشمے جاری کر دیجئے تا کہ ہم باغ اور کھیت لگا سکیں اور ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو اٹھا دیجئے کہ وہ ہم سے کہیں کہ آپ نبی ہیں) اور اگر ایسا ہو سکتا کہ کسی قرآن کے ذریعہ پہاڑ ہٹا دیئے جاتے (اپنی جگہ سے چلنے لگتے) یا زمین کاٹ دی جاتی (پھاڑ دی جاتی) یا مردے بول اٹھتے (انہیں زندہ کر دیا جاتا تب بھی ایمان نہ لاتے۔ بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کو ہے (کسی دوسرے کو نہیں ہے، اس لئے اللہ جسے چاہے وہی ایمان لا سکتا ہے دوسرا نہیں، خواہ ان کے مطالبے ہی کیوں نہ پورے کو دیئے جائیں اور صحابہؓ نے ان کے ایمان لانے کی امید میں جب یہ چاہا کہ اچھا ہے اگر ان کی فرمائشیں پوری کر دی جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی) پھر کیا مایوس نہیں ہوئے (انہوں نے جانا نہیں) جو لوگ ایمان لائے ہیں کہ (ان مخففہ ہے، اصل میں انـــہ تھا) اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو راہ ہدایت دکھا دیتا (ایمان کی طرف بلا کسی نشانی کے) اور جن لوگوں نے راہ کفر اختیار کی ہے (مکہ والوں میں سے) انہیں کوئی نہ کوئی عقوبت پہنچتی ہی رہے گی ان کے کرتوتوں کی پاداش میں (ان کی حرکتوں یعنی ان کے کفر کی وجہ سے) جو سخت ہوگی (اتنی شدید کہ انہیں جھڑ جھڑا ڈالے گی۔ قتل اور قید اور جنگ اور قحط کی مختلف مصیبتوں میں سے) یا آپ اتریں گے (اے محمدؐ! اپنے لشکر سمیت) ان کی بستی (مکہ) کے قریب یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے جب اللہ کا وعدہ ظہور میں آنے والا ہے (ان کے خلاف تمہاری مدد کا) بلاشبہ وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا (چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے نزول اجلال فرمایا۔ حتی کہ فتح مکہ کی نوبت آ گئی)۔

تحقیق وترکیب:............**ونزل فی حمزۃ** آیات وعدہ تو حضرت حمزہؓ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے اور آیات وعید ابوجہل اور اس کے متبعین کے بارہ میں نازل ہوئیں ہیں۔

والرحم صلہ رحمی کن لوگوں سے کرنی چاہیئے اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ہر ایسے ذی رحم محرم رشتہ دار کو اس میں داخل کیا جائے گا۔ جن میں اگر ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت فرض کیا جائے تو ان کا نکاح ناجائز ہو۔ پس ایسی صورت میں چچا اور پھوپھی اور خالہ کی اولاد اس میں نہیں آئے گی اور بعض نے اس کو عام رشتہ داروں پر محمول کیا ہے۔ ذی رحم محرم ہوں یا غیر ذی محرم وارث ہوں یا نہ ہوں۔ علامہ نوویؒ نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی کرنا حرام ہے۔ ملاقات کرنا، ہدیہ دینا، مدد کرنا قول وفعل سے، سلام وکلام، خط وکتابت سب صلہ رحمی کے دائرہ میں آ جائیں گے۔ غرض کہ شرعی لحاظ سے اس میں کوئی تحدید نہیں ہے۔ بلکہ عرف کو معیار بنایا جائے گا۔ صلہ رحمی سے رزق وعمر میں برکت ہوتی ہے جیسے والدین کی نافرمانی سے بے برکتی ہوتی ہے۔

والذین صبروا مفسر جلالؒ نے اشارہ کیا ہے کہ صبر کی تین قسموں میں گناہوں سے باز رہنا سب سے اعلیٰ قسم ہے اس کے بعد دوام اطاعت ہے اور پھر مصائب پر صبر کا درجہ ہے۔

بالحسنۃ السیئۃ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر ان سے کوئی برائی ہو جاتی ہے تو اس کی مکافات فوراً نیک کام کر کے کر دیتے ہیں۔ گویا اس اپنی برائی کا خود ہی نیکی سے علاج کر دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی دوسرا شخص ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو یہ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں۔

ومن صلح اس سے مراد ایمان ہے۔ اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ بلا ایمان کے نسب کار آمد نہیں۔ **اللّٰہ یبسط الرزق** یہ کفار کے اس شبہ کا جواب ہے۔ وہ کہا کرتے تھے لو کان اللّٰہ غضبانا علینا کما زعمتم ایھا المؤمنون لمٓ بسط لنا الارزاق ونعمنا فی الدنیا حاصل یہ ہے کہ کافر کو رزق کی فراخی اس کے حق میں استدراج ہے اور مسلمان کے لئے تنگی امتحان ہے۔ **ان اللّٰہ یضل** حاصل جواب یہ ہوگا کہ تم ایک دلیل لئے پھرتے ہو یہاں ہزاروں دلائل موجود ہیں لیکن تمہیں نظر نہیں آتے کیونکہ گمراہی میں اندھے بنے ہو۔ اس لئے مزید دلیل بھی تمہارے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔

الذین اٰمنوا اس میں پانچ ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو بقول مفسر جلالؒ من سے بدل ہے دوسرے یہ کہ مبتداء ہو اور دوسرا الذین اور

درمیان میں جملہ معترضہ ہو۔ تیسرے یہ عطف بیان ہوسکتا ہے۔ چوتھے یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ پانچویں یہ فعل مضمر سے منصوب ہو۔

تطمئن القلوب اس آیت سے تو ذکر اللہ کی خاصیت، طمانیت قلب معلوم ہوتی ہے لیکن سورۂ انفال کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اللہ سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ پس ان دونوں میں منافات ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ آیت انفال سے مراد ذکر اللہ سے اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ غیر اللہ کے خوف سے طمانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

ولو ان قراناً کے جواب میں کئی رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں محذوف ہے جیسے اس شعر میں ہے۔

فاقسم لو اتانا رسوله　　سواك ولكن نحد لك مدفعا

لو کا جواب **ردد ناه** محذوف ہے۔ حضرت قتادہؓ کے اس قول کے معنی بھی یہی ہوں گے۔ انہوں نے فرمایا **لو فعل هذا بقران قبل قرانكم ،تفعل بقرانكم** اور بعض کے نزدیک لو کا جواب مقدم ہے ای **وهم يكفرون بالرحمن ولو ان قرانا الخ** اور مفسر علامؒ نے **لما امنوا** جواب محذوف نکالا ہے۔

افلم ييئس قبیلہ نخع اور ہوازن کے لغت میں اس لفظ کے معنی جاننے کے ہیں۔ بقول بغویؒ اکثر مفسرینؒ کی یہی رائے ہے لیکن فراءؒ نے اس کا انکار کیا ہے۔

ربط آیات:............ پچھلی آیت میں حق وباطل کی مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا تھا۔ آیت **افمن يعلم الخ** سے اہل حق اور اہل باطل کا فرق بیان کرنا ہے، ہدایت وگمراہی، اچھے اور برے اعمال اور جزاء وسزا کے اعتبار سے اور چونکہ ان آیتوں سے کفار کی ملعونیت اور رحمت الٰہی سے دور ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان کی دنیاوی خوش حالی اس کے منافی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے آیت **ان اللّٰه يبسط الرزق الخ** میں اس شبہ کا جواب دینا ہے۔ اس کے بعد آیت **ويقول الذين الخ** میں پھر رسالت ونبوت سے متعلق بحث چھیڑی جا رہی ہے۔

شان نزول:............ آیت **افمن يعلم الخ** اگرچہ حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن عام لفظوں کا اعتبار کرتے ہوئے اس وعدو وعید میں قیامت تک دوسرے لوگ بھی داخل ہو جائیں گے۔ آیت **ولو ان قرانا الخ** کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل، عبداللہ بن امیہ وغیرہ کفار کعبۃ اللہ کے پیچھے بیٹھے تھے کہ آنحضرت ﷺ گزر رہے تھے۔ یا آپ کو بلایا گیا۔ اور عبد اللہ بن امیہ کہنے لگا:

ان سرك ان نتبعك فسير جبال مكة بالقرآن فادفعها عنا حتى تفسخ فانها ارض ضيقة لمزارعنا واجعل لنا فيها انهارا وعيونا لنغرس الاشجار ونزرع ونتخذ البساتين فلست كما زعمت باهون على ربك من داؤد حيث سخر له الجبال تسير معه او سخر لنا الريح لنركبها الى الشام لمسيرتنا وحوائجنا ونرجع في يومنا كما سخرت لسليمان الريح كما زعمت فلست باهون على ربك من سليمان واحى لنا جدك قصيا فان عيسىٰؑ كان يحي الموتىٰ ولست باهون على اللّٰه منه فنزلت هذه الاية

ترجمہ:۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی پیروی کریں تو قرآن کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں کو یہاں سے سرکا دیجئے۔ تا کہ یہ تنگ زمین ہماری کھیتی کے لئے کشادہ ہو جائے اور کچھ چشمے جاری کر دیجئے جس سے ہم درخت اور کھیت بو سکیں اور چمن لگا سکیں پس بقول تمہارے جب تم داؤد سے کم نہیں تو جس طرح ان کے ساتھ پہاڑ چلے اسی طرح تم بھی انہیں ہٹا دو اور ہمارے لئے ہوا مسخر کر دو۔ تا کہ ہم تجارتی اور دوسری ضروریات کیلئے ایک ہی دن میں شام آ جا سکیں۔ بقول تمہارے تم سلیمان سے کم درجہ نہیں ہو، ہوا ان کے لئے مسخر ہو چکی ہے

ایسے ہی اپنے دادا قصی کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ کیونکہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور بقول تمہارے تم عیسیٰ سے کم نہیں ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ تشریح ﴾:............ آیت افمن یعلم الخ کا حاصل یہ ہے کہ جسے حق کا علم وعرفان حاصل ہو گیا اور جس نے جان لیا کہ یہ بات سچائی ہے اور یہ سچائی نہیں ہے، کیا اس کا اور اس آدمی کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں ہے اور حق کا مشاہدہ سے اندھا ہو رہا ہے؟ یعنی پہلا تو علم وبصیرت پیش کر رہا ہے۔ دوسرے کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہنے کہتا ہے کہ مجھے دکھائی نہیں دیتا۔ پس دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔

نیکیوں اور نیکوں کا اعزاز:............ ومن صلح الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقربین کی برکت سے ان کے قریبی رشتہ دار بھی انہی کے ذیل اور طفیل میں جنت بداماں ہو کر اس درجہ میں داخل ہو جائیں گے اور آباء واولاد سے مراد بلاواسطہ ہیں ورنہ واسطہ در واسطہ اکثر اعزہ مراد لئے جائیں گے تو لازم آئے گا کہ تمام جنتی ایک ہی درجہ میں آجائیں گے کیونکہ سب بنی آدم ایک دوسرے کے قرابتدار ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ بلاواسطہ ماں باپ اور اولاد لینے کی صورت میں یہی اشکال لازم آئے گا۔ کیونکہ جس طرح جنت میں جانے والوں کے ساتھ ان کے بلاواسطہ ماں باپ جائیں گے۔ اسی طرح ان بلاواسطہ ماں باپ کے ساتھ ان کے بلاواسطہ ماں باپ بھی جانے چاہئیں اور پھر ان کے ساتھ ان کے بلاواسطہ ماں باپ ہونے چاہئیں۔ جواب یہ ہے کہ پس ایک ہی مرتبہ کے تابعین مراد ہیں۔ آگے تابعین کے تابعین وغیرہ اس درجہ میں نہیں ہوں گے۔

آیت الا بذکر اللّٰہ الخ میں ذکر اللہ کی خاصیت اطمینان قلب بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیت اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم میں ذکر اللہ کی خاصیت خوف بتلائی گئی ہے۔ سو ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ اور رغبت نہ رہے۔ پس یہ بات خوف کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اس لئے ذکر اللہ کی دونوں قسم کی تاثیر جمع ہو سکتی ہیں۔

آیت ولو ان قرانا الخ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہدایت، مخلوق کے لئے نازل ہوئی ہے۔ عجائب آخر نبیوں کے لئے نازل نہیں ہوئی۔ اگر کوئی کتاب اس لئے نازل ہوئی ہوتی کہ پہاڑوں کو چلائے اور مردوں سے باتیں کرادے تو تم پر بھی ایسی ہی چیز اترتی لیکن نہ ایسا ہوا نہ اب ایسا ہوگا اس طرح کی فرمائش اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں سچائی کی طلب نہیں۔ اگر طلب ہوتی تو پہاڑوں کے چلنے کا انتظار نہ کرتے یہ دیکھتے کہ انسانوں کے دلوں کو کس راہ پر چلاتی ہے اور مردہ جسموں کی جگہ مردہ روحوں کو کس طرح زندہ کر دیتی ہے؟

لطائف آیات:............ آیت انما یتذکر اولی الالباب الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معتبر عقل، عقل معاد ہے۔ اگرچہ دنیا سے ناواقف ہو کر ایک ایسا ہی شخص عاقل کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

آیت والذین یصلون الخ کے عموم میں سب حقوق اور اہل حقوق آگئے۔ حتیٰ کہ حضرت فضیلؒ کا قول ہے کہ اگر کوئی آدمی سارے کام نیک کرلے۔ لیکن اپنی مرغی کا حق ادا نہ کرے تو وہ نکوکار نہیں ہے۔ پس جب مرغی کے حق میں یہ کہا گیا تو مشائخ اور مریدین کے حقوق بدرجۂ اولیٰ قابل لحاظ ہوں گے۔

آیت الا بذکر اللّٰہ الخ کے ذیل میں علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اس اطمینان کا سبب ایک نور الٰہی ہوتا ہے جو مؤمنین کے قلوب پر فائز ہوتا ہے جس سے پریشانی اور وحشت دور ہو جاتی ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ كَمَا اسْتُهْزِئَ بِكَ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **فَاَمْلَيْتُ** اَمْهَلْتُ **لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ** بِالْعُقُوْبَةِ **فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾** اَیْ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقِعَهٗ فَكَذٰلِكَ اَفْعَلُ بِمَنِ اسْتَهْزَأَ بِكَ **اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ** رَقِيْبٌ **عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ** عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَّشَرٍّ وَهُوَ اللّٰهُ كَمَنْ لَيْسَ كَذٰلِكَ مِنَ الْاَصْنَامِ لَا دَلَّ عَلٰى هٰذَا **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ** لَهٗ مَنْ هُمْ **اَمْ** بَلْ **تُنَبِّئُوْنَهٗ** تُخْبِرُوْنَ اللّٰهَ **بِمَا** اَیْ بِشَرِيْكٍ **لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ** اِسْتِفْهَامُ اِنْكَارٍ اَیْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اِذْ لَوْ كَانَ لَعَلِمَهٗ تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ **اَمْ** بَلْ اَتُسَمُّوْنَهُمْ شُرَكَاءَ **بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ** بِظَنٍّ بَاطِلٍ لَا حَقِيْقَةَ لَهٗ فِي الْبَاطِنِ **بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ** كُفْرُهُمْ **وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ** طَرِيْقِ الْهُدٰى **وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** بِالْقَتْلِ وَالْاَسْرِ **وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ** اَشَدُّ مِنْهُ **وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ** اَیْ عَذَابِهٖ **مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾** مَانِعٍ **مَثَلُ** صِفَةُ **الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ** مُبْتَدأٌ خَبَرُهٗ مَحْذُوْفٌ اَیْ فِيْمَا نَقُصُّ عَلَيْكُمْ **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا** مَا يُؤْكَلُ فِيْهَا **دَآئِمٌ** لَا يُفْنٰى **وَّظِلُّهَا** دَائِمٌ لَا تَنْسَخُهٗ شَمْسٌ لِعَدَمِهَا فِيْهَا **تِلْكَ** اَیِ الْجَنَّةُ **عُقْبَى** عَاقِبَةُ **الَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الشِّرْكَ **وَعُقْبَى الْكَافِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ** كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَغَيْرِهٖ مِنْ مُؤْمِنِي الْيَهُوْدِ **يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ** لِمُوَافَقَتِهٖ مَا عِنْدَهُمْ **وَمِنَ الْاَحْزَابِ** الَّذِيْنَ تَحَزَّبُوْا عَلَيْكَ بِالْمُعَادَاتِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْيَهُوْدِ **مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ** كَذِكْرِ الرَّحْمٰنِ وَمَا عَدَا الْقِصَصِ **قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ** فِيْمَا اُنْزِلَ اِلَيَّ **اَنْ** اَیْ بِاَنْ **اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾** مَرْجِعِيْ **وَكَذٰلِكَ** الْاِنْزَالِ **اَنْزَلْنٰهُ** اَیِ الْقُرْاٰنَ **حُكْمًا عَرَبِيًّا** بِلُغَةِ الْعَرَبِ تَحْكُمُ بِهٖ بَيْنَ النَّاسِ **وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ** اَیِ الْكُفَّارِ فِيْمَا يَدْعُوْنَكَ اِلَيْهِ مِنْ مِلَّتِهِمْ فَرْضًا **بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** بِالتَّوْحِيْدِ **مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ** زَائِدَةٌ **وَّلِيٍّ** نَاصِرٍ **وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾** مَانِعٍ مِنْ عَذَابِهٖ وَنَزَلَ لَمَّا عَيَّرُوْهُ بِكَثْرَةِ النِّسَاءِ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً** اَوْلَادًا وَاَنْتَ مِثْلُهُمْ **وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ** مِّنْهُمْ **اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** لِاَنَّهُمْ عَبِيْدٌ مَرْبُوْبُوْنَ **لِكُلِّ اَجَلٍ** مُدَّةٍ **كِتَابٌ ﴿۳۸﴾** مَكْتُوْبٌ فِيْهِ تَحْدِيْدُهٗ **يَمْحُوا اللّٰهُ** مِنْهُ **مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ** بِالتَّخْفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ فِيْهِ مَا يَشَآءُ مِنَ الْاَحْكَامِ وَغَيْرِهَا **وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾** اَصْلُهُ الَّذِيْ لَا يُغَيَّرُ مِنْهُ شَيْءٌ وَهُوَ مَا كَتَبَهٗ فِي الْاَزَلِ **وَاِنْ مَّا** فِيْهِ اِدْغَامُ نُوْنِ اِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِيْ مَا الْمَزِيْدَةِ **نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ** بِهٖ مِنَ الْعَذَابِ فِيْ حَيَاتِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ مَحْذُوْفٌ اَیْ فَذَاكَ **اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ** قَبْلَ

تَعۡذِیۡبِهِمۡ فَاِنَّمَا عَلَیۡكَ الۡبَلٰغُ لَاعَلَیۡكَ اِلَّا التَّبۡلِیۡغُ وَعَلَیۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اِذۡ اِصَارُوۡا اِلَیۡنَا فَنُجَازِیۡهِمۡ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَیۡ اَهۡلُ مَكَّةَ اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَقۡصُدُ اَرۡضَهُمۡ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا ؕ بِالۡفَتۡحِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ یَحۡكُمُ فِیۡ خَلۡقِهٖ بِمَا یَشَآءُ لَامُعَقِّبَ رَادَّ لِحُكۡمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِنَ الۡاُمَمِ بِاَنۡبِیَآئِهِمۡ كَمَا مَكَرُوۡا بِكَ فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِیۡعًا ؕ وَلَیۡسَ مَكۡرُهُمۡ كَمَكۡرِهٖ لِاَنَّهٗ تَعَالٰی یَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُ كُلُّ نَفۡسٍ ؕ فَیُعِدُ لَهَا جَزَآءَ هَا وَهٰذَا هُوَ الۡمَكۡرُ كُلُّهٗ لِاَنَّهٗ یَاۡتِیۡهِمۡ بِهٖ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ وَسَیَعۡلَمُ الۡكٰفِرُ الۡمُرَادُ بِهِ الۡجِنۡسُ وَفِیۡ قِرَاءَةٍ الۡكُفَّرُ لِمَنۡ عُقۡبَی الدَّارِ ﴿۴۲﴾ اَیِ الۡعَاقِبَةُ الۡمَحۡمُوۡدَةُ فِی الدَّارِ الۡاٰخِرَةِ لَهُمۡ اَمۡ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَاَصۡحَابِهٖ وَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَكَ لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ قُلۡ لَهُمۡ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًاۢ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَكُمۡ ۙ عَلٰی صِدۡقِیۡ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ الۡكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ مِنۡ مُؤۡمِنِیِ الۡیَهُوۡدِ وَالنَّصَارٰی

ترجمہ:.........اور آپؐ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی جاچکی ہے (جس طرح آج یہ آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ دراصل اس میں آنحضرت ﷺ کی تسلی مقصود ہے) اور ہم پہلے ان کافروں کو ڈھیل دیتے رہے، پھر انہیں گرفتار کرلیا۔ سو دیکھو میری سزا کس طرح واقع ہوئی (یعنی اپنے ٹھیک وقت پر عذاب آیا پس جو آپ کی ہنسی اڑا رہے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کروں گا) پھر جو ذات ہر شخص کے حالات سے باخبر (واقف) ہو (اچھے برے کاموں کو جانتی ہو یعنی اللہ وہ ان بتوں کے برابر ہوسکتی ہے جن میں یہ صفت نہیں ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ (اگلا جملہ اس بات پر دلالت کررہا ہے) اور انہوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھیرا رکھے ہیں ان سے کہئے کہ ان کا نام تو لو (کہ وہ کون ہیں؟) کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینا چاہتے ہو کہ دنیا بھر میں خود اسے بھی معلوم نہیں (یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور اسے معلوم ہوتا) یا محض ظاہری لفظ کے اعتبار سے ان میں شریک کہتے ہو (محض ایک دکھاوے کی بات ہے جس کی تہہ میں کوئی اصلیت نہیں ہے؟) اصل بات یہ ہے کہ منکرین کی نگاہوں میں ان کی مکاریاں (کفر کی باتیں) خوشنما بن گئی ہیں اور راہِ حق (طریقہ ہدایت) میں قدم اٹھانے سے رک گئے ہیں اور اللہ جسے گمراہی میں رکھے اسے راہ پر لانے والا کوئی نہیں ہے ان کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے (قتل وقید کا) اور آخرت کا عذاب بدرجہا اس سے زیادہ سخت ہوگا اور کوئی نہیں جو اللہ (کے عذاب) سے بچا سکے جس جنت کا متقیوں کے لئے وعدہ کیا گیا ہے اس کی شان یہ ہے کہ (یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے یعنی فیما نقص علیکم) اس کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، اس کے پھل (جو کھائے جائیں گے) بارہ ماہی ہیں (کبھی ختم نہیں ہوں گے) اور اس کی چھاؤں بھی باقی رہے گی (کبھی وہاں سے نہیں ہٹے گی کیونکہ وہاں دھوپ نہیں ہوگی) یہ (جنت) ہے انجام (نتیجہ) ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ (شرک سے بچنے) کی راہ اختیار کی اور کافروں کا انجام آگ ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ نومسلم یہودی) وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو آپؐ پر اتاری گئی ہے (کیونکہ وہ باتیں ان کی کتاب کے موافق ہوتی ہیں) اور انہیں کے گروہ میں (جو مشرکین و یہود آپ کے خلاف گروہ بندی کررہے ہیں) ایسے لوگ بھی ہیں کہ قرآن کے بعض حصہ کا انکار کرتے ہیں۔ جیسے رحمٰن کا اور قرآنی حقوق کے علاوہ احکام کا انکار کرتے ہیں) آپ فرمادیجئے کہ مجھے تو بس یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤں۔ اسی کی طرف تمہیں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رخ (ٹھکانہ) ہے۔ اور اسی (نازل کرنے کی) طرح ہم نے قرآن کو عربی فرمان کی شکل میں اتارا ہے (عربی زبان میں نازل کیا ہے

تا کہ آپ لوگوں کا فیصلہ کرسکیں) اگر آپ نے ان کے نفسانی خیالات کی پیروی کی (یعنی کفار اپنی جن مذہبی باتوں کی طرف آپ کو بلانا چاہتے ہیں، بالفرض اگر آپ نے ان کا کہنا مان لیا) آپ کے پاس علم (توحید) آچکنے کے بعد تو سمجھ لینا کہ پھر اللہ کے مقابلہ میں، نہ آپ کا کوئی کارساز ہوگا (من زائدہ ہے) اور نہ کوئی بچانے والا (اس کے عذاب سے روکنے والا ہوگا۔ اور اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ پر زیادہ بیویاں ہونے کی وجہ سے اعتراض کیا گیا) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر، قوموں میں پیدا کئے اور ہم نے انہیں بیویاں بھی دیں اور بچے بھی (اور آپ بھی انہیں کی طرح ہیں) اور کسی پیغمبر کے لئے بھی یہ بات نہ ہوئی کہ وہ خود کوئی نشانی لا دکھاتا۔ مگر اسی وقت کہ اللہ کا حکم ہو (کیونکہ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے تھے) اور ہر مدت کے لئے ایک کتاب ہے (جس میں اس وقت کی تحدید ہوتی ہے) اللہ جو بات چاہتا ہے (ان میں سے) مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے (لفظ یثبت تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے۔ یعنی اس کتاب میں جو احکام وغیرہ چاہتا ہے ان کا محو و اثبات کرتا رہتا ہے) اور کتاب کی اصل و بنیاد اسی کے پاس ہے (یعنی وہ اصل جس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوتا اور وہ لوح محفوظ ہے۔ جسے روز اول میں لکھ دیا گیا تھا) اور جس بات کا ہم ان سے وعدہ کررہے ہیں (امـا میں ان شرطیہ کا نون ما زائدہ میں ادغام کردیا گیا ہے) ہوسکتا ہے کہ ان میں سے بعض باتیں ہم آپ کی زندگی میں دکھادیں (یعنی آپ کی زندگی میں انہیں عذاب دے دیں اور جواب شرط محذوف ہے ای فـــذاک) ہوسکتا ہے کہ (ان پر عذاب آنے سے پہلے) ہم آپ کو وفات دے دیں۔ بہر حال آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے (سوائے تبلیغ کے آپ کی ذمہ داری کچھ نہیں ہے) ان سے حساب لینا ہمارا کام ہے (جب ہمارے پاس آئیں گے دارو گیر ہم کرلیں گے) پھر کیا یہ (مکہ کے) لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم (ان کی) سرزمین پر چہار طرف سے برابر کم کرتے چلے جارہے ہیں (آنحضرت کی فتوحات کے ذریعہ اور اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے (اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے) کوئی نہیں جو اس کا فیصلہ ٹال سکے۔ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی مخفی تدبیریں کی تھیں (پچھلی امتوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ جیسا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ خفیہ تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں) سو ہر طرح کی اصل تدبیر تو خدا ہی کی ہے (ان کی تدبیریں خدا کی تدبیر تک کہاں پہنچ سکتی ہیں کیونکہ اللہ کو) سب خبر رہتی ہے ہر شخص جو بھی کرتا ہے (لہٰذا وہ اسی کئے ہوئے کے مطابق بدلہ دے دے گا اور یہی اس کی مخفی تدبیر ہے۔ کیونکہ وہ ایسی طرح ان کے پاس آتی ہے کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلتا) اور ان کفار کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (اس سے مراد جنس کافر ہیں ایک قرأت میں کافر کی بجائے کفار پڑھا بھی گیا ہے) کہ خوش انجامی کس کے حصہ میں آئی ہے؟ (یعنی آخرت کا انجام خیر کسے نصیب ہوتا ہے؟ آیا انہیں یا آنحضرت ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو؟ اور یہ کافریوں کہہ رہے ہیں کہ آپ خدا کے رسول نہیں۔ آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی (تصدیق کے لئے) کافی ہے اور اس کی گواہی بس کرتی ہے جس کے پاس علم کتاب ہے (مسلمانان یہود و نصاریٰ)۔

تحقیق و ترکیب:.......... **افمن هو قائم** ان آیات میں نہایت بلیغ احتجاج ہے کئی طریقہ سے، اول تو **افمن هو قائم الخ** سے ان کے قیاس کا فساد بتلانا ہے کہ اس میں جہت جامعہ موجود نہیں ہے۔ دوسرے **وجعلوا لله شركاء** میں وضع الظاہر موضع المضمر کرکے تنبیہ کردی کہ اللہ کی ذات واحد ہے۔ مگر یہ لوگ اس کے لئے شریک تجویز کررہے ہیں۔

تیسرے **قل سموهم** میں برہانی طریقہ پر شریک باری کا انکار کرنا ہے کہ اگر کوئی شریک ہے تو اس کا ذرا نام تو لو۔ جیسے بولا جاتا ہے ان كان الذي تدعيه موجودا فسمه ۔ چوتھے **ام تنبئونه** سے احتجاج بطور کنایہ کیا گیا ہے۔ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی پر استدلال ہے یعنی معلوم کی نفی سے علم کی نفی ہورہی ہے۔

پانچویں **ام بظاهر من القول** میں باب استدراج سے احتجاج کیا جارہا ہے۔ ہمزہ تقریر کے لئے ہے۔ ای اتقولون من غير روية ، وانتم اولياء فتفكروا فيه لتقفوا على بطلانه ۔

اکلھا دائم یعنی دنیا کے پھلوں کی طرح ختم نہیں ہوں گے۔

مومنی الیھود اس میں تو مسلم نصاریٰ بھی داخل ہیں جو اسی افراد تھے۔ چالیس نجران کے اور آٹھ یمن کے اور بتیس حبشہ کے۔ بہر حال اس قول پر تو اہل کتاب مراد ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے دوسرے صحابہؓ مراد ہیں جو اہل کتاب کے علاوہ ہیں۔

من ینکر بعضہ یعنی جو واقعات اور احکام ان کی کتابوں کے مطابق تھے یا ان کے عقائد ورسوم کے خلاف نہیں تھے ان کو مانتے تھے۔ باقی کا انکار کر دیتے تھے۔ جیسے آنحضرتؐ کی رسالت یا اللہ کو رحمان کہنا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے صلح نامہ شروع کیا تو کہنے لگے کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔

ونزل مشرکین کہتے تھے۔ لیس ھمۃ ھذا الرجل الا فی النساء ۔ ازواجا وذریۃ چنانچہ حضرت داؤدؑ کے سو بیویاں تھیں اور حضرت سلیمانؑ کے تین سو آزاد بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں۔ اور آنحضرتؐ کے تو صرف نو یا گیارہ ازواج اور حرم تھیں۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے اور آنحضرتؐ کے تو صرف تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں اس ترتیب کے ساتھ تھیں۔ قاسمؓ، زینبؓ، رقیہؓ، فاطمہؓ، ام کلثومؓ، عبداللہؓ (یعنی طیب طاہر) ابراہیمؓ۔ ان میں صرف ابراہیمؓ تو ماریہ قبطیہؓ کے تھے۔ باقی تمام اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔ نیز سب کا انتقال آپؐ کے سامنے ہی ہو گیا تھا۔ بجز حضرت فاطمہؓ کے۔ وہ آپ کی وفات سے چھ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔

یمحو اللہ اس سے احکام مراد ہیں کہ ان میں جو مناسب ہوتے ہیں انہیں باقی رکھا جاتا ہے۔ باقی کو حسبِ مصلحت منسوخ کر دیا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں جیسے عمرؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ ظاہر لفظ کے اعتبار سے عام معنی مراد لئے ہیں۔ جس میں رزق، سعادت، شقاوت، موت بھی داخل ہے اور ابن عباسؓ ان چاروں کا استثناء فرماتے ہیں اور ضحاکؒ اور کلبیؒ کہتے ہیں کہ جن کاموں میں ثواب وعذاب نہیں ہوتا انہیں اللہ مٹا دیتا ہے اور جن میں ثواب ہو عذاب نہ ہو، انہیں باقی رکھتا ہے اور عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ توبہ سے جن گناہوں کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

ام الکتاب لوح محفوظ ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دو کتابیں ہیں، ایک میں جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور ایک میں ثابت رکھتا ہے اور ام الکتاب کے متعلق کعبؓ سے سوال کیا تو فرمایا کہ علم اللہ مراد ہے۔

ناتی الارض مکہ کی سرزمین مراد ہے یا عام زمین مراد ہے۔ پہلی صورت میں آنحضرتؐ اور صحابہؓ کی مدد کرنا اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہے کہ علماء وصلحاء اور اولیاء کے مرنے کی وجہ سے ملک میں نقصان اور کمی آجاتی ہے۔

ربط آیات: .... آیات سابقہ میں توحید ورسالت کا بیان تھا۔ اب آیت ولقد استھزئ الخ میں شرک اور مشرکین کی برائی بیان کی جارہی ہے۔ اس کے بعد آیت ویقول الذین کفروا الخ میں اہل کتاب کی حالت اور ان کے بعض شبہات کا ذکر ہے اور پھر آیت وانما نرینک الخ میں کفار منکرین نبوت کا بیان ہو رہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾: .... مشرکین بھی آسمان میں خدا کا کوئی شریک نہیں مانتے: .... ام تنبئونہ بما لا یعلم کے ساتھ فی الارض کی قید اس لئے لگائی ہے کہ آسمانوں میں اللہ کا کوئی شریک مشرکین مکہ بھی نہیں مانتے تھے۔ اکلھا دائم میں پھل کے ہمیشہ نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نوع باقی رہے گی گو ان کے افراد ختم ہو جائیں۔ ایک بار میوہ کھالینے کے بعد دوسرا پھل اس کے بدلہ میں درخت پر لگ جائے گا اور سایہ کے ہمیشہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں آفتاب اور اس کی دھوپ نہیں ہوگی۔ اگرچہ روشنی کسی اور دوسرے نور کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے اور آیت یمحو اللہ الخ سے مراد اگر منسوخ اور غیر منسوخ احکام لئے جائیں تب تو سہل اور آسان تفسیر ہو جائے گی۔ لیکن اگر بقول بعض سعادت وشقاوت مراد لی جائے تو پھر اس میں ردوبدل ہونے کے کیا معنی؟ سو علم الکتاب سے مراد اگر علم الٰہی اور لوح محفوظ ہو تب تو اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی لیکن اگر دفتر ملائکہ مراد ہو تو اس میں

اس قسم کے جزئی اور معمولی تغیرات ممکن ہیں۔

آیت وان ما نرینلث الخ سے آخر تک تمام سورت کے نصائح کا خلاصہ ہے۔فرماتے ہیں کہ تمہارے ذمہ جو کچھ ہے وہ پیغام حق کا پہنچا دینا ہے۔محاسبہ کرنا اللہ کا کام ہے اور وہ حساب لے کر رہے گا۔ہوسکتا ہے کہ جن جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے تمہاری زندگی ہی میں ظاہر ہوجائیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے بعد ظہور پذیر ہوں۔اس بات سے کہ نتائج وعواقب تمہارے سامنے نہیں ہوتے۔اللہ کے وعدوں پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔یہ بات مختلف سورتوں میں بار بار دھرائی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف مستقبل کی خبر دینا ہی نہیں تھا۔بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کرنی تھی کہ کوئی شخصیت خواہ کتنی ہی اہم ہو لیکن پھر شخصیت ہے اور اللہ کے کاروبار کا مقابلہ اس کی موجودگی اور غیر موجودگی پر موقوف نہیں۔جو کچھ ہونا چاہیئے اور جو کچھ ہونے والا ہے بہر حال ہو کر رہے گا۔خواہ پیغمبر اپنی زندگی میں اس کا ظہور دیکھ لیں یا نہ دیکھ لیں۔پھر غور کرو کہ نتائج کا ظہور بھی ٹھیک ٹھیک اسی طرح ہوا جن باتوں کی خبر دی گئی تھی۔ان کا بڑا حصہ تو خود پیغمبر اسلام کی زندگی ہی میں ظاہر ہوگیا تھا۔یعنی انہوں نے وفات سے پہلے تمام جزیرۂ عرب کو حلقہ بگوش اسلام پایا۔البتہ بعض باتوں کا ظہور آپ کے بعد ہوا۔مثلاً منافقوں کا استیصال، بیرونی فتوحات، خلافت الٰہی کے وعدہ کی تکمیل۔

آیت اولم یروا الخ میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ ''سریع الحساب'' ہے۔اس لئے نتائج ظاہر ہونے کا وقت دور نہیں ہے اور دعوت کی فتح مندی اس طرح ظاہر ہوگی کہ آہستہ آہستہ مکہ کے اطراف وجوانب قریش مکہ کے قبضہ سے نکلتے جائیں گے اور بالآخر مکہ بھی فتح ہوجائے گا۔

ایک اشکال کا حل:............اگر یہ سورۃ مکی ہے تو ننقصھا کی تفسیر پر بظاہر یہ اشکال ہوگا کہ اس وعدہ کے باوجود ہجرت سے پہلے تک تو فتوحات نہیں ہوئی تھیں۔پھر اس پیشین گوئی کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ سورۃ مکی کہنے سے اس آیت کو مستثنیٰ کرلیا جائے۔ممکن ہے یہ آیت مدنی ہو۔دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ فتوحات سے مراد عام لی جائیں۔خوشدلی سے فتوحات ہوں یا زبردستی۔پس اسلام کو قبول کرلینا تو برضا ورغبت فتح کہلائے گی اور جنگ کے نتیجہ میں اسلام کا غلبہ یہ زبردستی کی فتح کہلائے گی۔پس ہجرت سے پہلے اگرچہ جبریہ فتح نہیں ہوئی تھی۔لیکن اسلامی نشر واشاعت یقیناً ہو رہی تھی اور لوگ برضا ورغبت اسلام قبول کررہے تھے اور عرب سے گزر کر اسلام ملک حبشہ تک پہنچ چکا تھا۔جو خوشدلی کی فتح تھی۔اس لئے اب شبہ نہیں رہا۔

آیت ویقول الذین الخ میں حق وباطل کی آمیزش کے نزاعی نقطہ کو واضح کیا جارہا ہے کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو اور یہ کہتے ہیں کہ تم اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نہیں ہو۔اب قضا بالحق اور بقاء انفع کے قانون کی رو سے واضح کردیا جائے گا کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا۔

لطائفِ آیات:............آیت انما امرت الخ سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ عبادات کسی سے بھی ساقط نہیں ہوتیں اور آیت ولئن اتبعت اھوآئھم سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی واجب کے چھوڑنے پر وعید ہوتی ہے۔مستحب چیز کے چھوڑنے پر وعید نہیں ہوتی۔آیت ولقد ارسلنا رسلا الخ سے اشارہ اس طرف ہے کہ دنیاوی تعلقات کامل انسان کو نقصان نہیں دیتے۔اس لئے یہ تعلقات ولایت کے بھی خلاف نہیں ہوتے۔آیت وما کان لرسول الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیئے اور انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی اس کی فرمائش کی اجازت نہیں۔حالانکہ وہ خود صاحب خوارق ہوتے ہیں تو دوسروں کو جن کے لئے صاحب خوارق ہونا ضروری نہیں۔بدرجۂ اولیٰ اس مطالبہ کی ممانعت ہوگی۔آیت یمحو اللّٰہ الخ سے مراد بعض حضرات نے سعادت اور شقاوت لی ہے۔پس اگر علم الکتاب سے مراد لوح محفوظ اور علم الٰہی ہو تو اس میں ردوبدل جائز اور ممکن نہیں۔لیکن اگر علم الکتاب سے مراد دفتر ملائکہ ہو تو اس میں تغیر اور ردوبدل ممکن ہے اور اس کے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگوں کی دستبرد اور کانٹ چھانٹ سے محفوظ ہے۔

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ اَلْاٰيَتَيْنِ اِحْدٰى
اَوْ ثِنْتَانِ اَوْ اَرْبَعٌ اَوْخَمْسٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ **كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ** الْكُفْرِ **اِلَى النُّوْرِ** الْاِيْمَانِ **بِاِذْنِ** بِاَمْرِ **رَبِّهِمْ** وَيُبْدَلُ مِنْ اِلَى النُّوْرِ **اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ** الْغَالِبِ **الْحَمِيْدِ﴿۱﴾** الْمَحْمُوْدِ **اللّٰهِ** بِالْجَرِّ بَدَلٌ اَوْ عَطْفُ بَيَانٍ وَمَا بَعْدَهٗ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ **الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴿۲﴾** نِ**الَّذِيْنَ** نَعْتٌ **يَسْتَحِبُّوْنَ** يَخْتَارُوْنَ **الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ** النَّاسَ **عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** دِيْنِ الْاِسْلَامِ **وَيَبْغُوْنَهَا** اَيِ السَّبِيْلَ **عِوَجًا** مُعْوَجَّةً **اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ﴿۳﴾** عَنِ الْحَقِّ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ** بِلُغَةِ **قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ** لِيُفْهِمَهُمْ مَا اَتٰى بِهٖ **فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ﴿۴﴾** فِيْ صُنْعِهٖ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ** التِّسْعِ وَقُلْنَا لَهٗ **اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ** بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ **مِنَ الظُّلُمٰتِ** الْكُفْرِ **اِلَى النُّوْرِ** الْاِيْمَانِ **وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ** بِنِعَمِهٖ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** التَّذْكِيْرِ **لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ** عَلَى الطَّاعَةِ **شَكُوْرٍ﴿۵﴾** لِلنِّعَمِ وَ اذْكُرْ **اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمُ** الْمَوْلُوْدِيْنَ **وَيَسْتَحْيُوْنَ** يَسْتَبْقُوْنَ **نِسَآءَكُمْ** لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَهَنَةِ اَنَّ مَوْلُوْدًا يُّوْلَدُ فِيْ بَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ

یَکُوْنُ سَبَبُ ذِھَابِ مُلْکِ فِرْعَوْنَ وَفِیْ ذٰلِکُمْ اَلْاِنْجَاءِ وَ الْعَذَابِ بَلَآءٌ اِنْعَامٌ اَوْ اِبْتِلَاءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۶﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ اَعْلَمَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ نِعْمَتِیْ بِالتَّوْحِیْدِ وَالطَّاعَةِ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ جَحَدْتُمُ النِّعْمَةَ بِالْکُفْرِ وَالْمَعْصِیَةِ لَاُعَذِّبَنَّکُمْ دَلَّ عَلَیْهِ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ اِنْ تَکْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ مِنْ خَلْقِهٖ حَمِیْدٌ ﴿۸﴾ مَحْمُوْدٌ فِیْ صُنْعِهٖ بِهِمْ اَلَمْ یَاْتِکُمْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِیْرٍ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ وَّثَمُوْدَ قَوْمِ صَالِحٍ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ لِکَثْرَتِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَةِ عَلٰی صِدْقِهِمْ فَرَدُّوْٓا اَیِ الْاُمَمُ اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ اَیْ اِلَیْهَا لِیَعُضُّوْا عَلَیْهَا مِنْ شِدَّةِ الْغَیْظِ وَقَالُوْٓا اِنَّا کَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ عَلٰی زَعْمِکُمْ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۹﴾ مُوْقِعٌ لِلرِّیْبَةِ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ اِسْتِفْهَامُ اِنْکَارٍ اَیْ لَاشَكَّ فِیْ تَوْحِیْدِهٖ لِلدَّلَائِلِ الظَّاهِرَةِ عَلَیْهِ فَاطِرِ خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَدْعُوْکُمْ اِلٰی طَاعَتِهٖ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ مِنْ زَائِدَةٌ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یُغْفَرُ بِهٖ مَا قَبْلَهٗ اَوْ تَبْعِیْضِیَّةٌ لِاِخْرَاجِ حُقُوْقِ الْعِبَادِ وَیُؤَخِّرَکُمْ بِلَا عَذَابٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی اَجَلِ الْمَوْتِ قَالُوْٓا اِنْ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا مِنَ الْاَصْنَامِ فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۰﴾ حُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ عَلٰی صِدْقِکُمْ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کَمَا قُلْتُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ بِالنُّبُوَّةِ وَمَا کَانَ مَا یَنْبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاَمْرِهٖ لِاَنَّا عَبِیْدٌ مَرْبُوْبُوْنَ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ یَثِقُوْا بِهٖ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰهِ اَیْ لَامَانِعَ لَنَا مِنْ ذٰلِكَ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا عَلٰی اَذَاکُمْ وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ....سورۂ ابراہیم مکی ہے۔ البتہ الم تر الی الذین بدّلوا نعمة اللّٰه الخ دوآیتیں مکی نہیں ہیں۔ اس میں کل آیات ۵۲ یا ۵۴ یا ۵۵ ہیں۔ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم الف، لام، را (اس کی ٹھیک ٹھیک مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے، یہ قرآن ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ پر (اے محمد!) اتاری ہے تا کہ آپ تمام لوگوں کو (کفر کی) اندھیریوں سے (ایمان کی) روشنی کی طرف نکال لائیں۔ ان کے پروردگار کے حکم سے (اور الی النور سے الی صراط الخ بدل واقع ہورہا ہے) یعنی خدائے غالب خوبیوں والے کے راستہ کی طرف (لفظ اللہ کسرہ کے ساتھ تو ترکیب میں بدل یا عطف بیان واقع ہورہا ہے اور بعد والا جملہ الذی لہ الخ اس کی صفت ہوجائے گی اور اگر لفظ اللہ کو مرفوع پڑھا جائے تو یہ مبتداء ہوجائے گا جس کی خبر آگے آتی ہے) وہ اللہ ایسا ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (مملوک اور مخلوق اور بندے ہونے کے لحاظ سے) اور عذاب کی بڑی ہی سخت خرابی ہے ان

کافروں کے لئے (آگے صفت ہے) جنہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگانی پسند کر لی جو اللہ کی راہ (اسلام) سے انسانوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس (راستہ) میں کجی ڈال دیں۔ یہی لوگ ہیں کہ بڑی گہری گمراہی میں جا پڑے اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا۔ مگر اس طرح کہ اپنی ہی قوم کی زبان میں پیغام حق پہنچانے والا ہوا تاکہ لوگوں پر واضح کر کے بیان کر دے (اور وہ اس کے پیغام کو سمجھ جائیں) پس اللہ جسے چاہتا ہے اس کی راہ گم کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کی راہ کھول دیتا ہے اور وہی (اپنے ملک میں) غالب ہے (اپنی صفت میں) حکمت والا ہے اور دیکھ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنی (نو) نشانیوں کے ساتھ موسیٰ کو بھیجا (اور ہم نے ان سے کہا) کہ اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لائیں اور انہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں۔ کیونکہ اس تذکرے میں بڑی ہی عبرتیں ہیں ہر اس شخص کے لئے جو (اطاعت میں) صبر کرنے والا ہو (نعمتوں پر) شکر گزار ہو اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں انہیں نہ بھولو۔ اس نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی۔ وہ تمہیں جانکاہ عذابوں میں ڈالتے تھے؟ تمہارے (نومولود) بچوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے کیونکہ بعض کاہنوں نے فرعون کو یہ بتلا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا بچہ ہونے والا ہے جو فرعون کی سلطنت کے زوال کا سبب ہوگا اور اس (نجات یا عذاب) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے کیسی سخت آزمائش تھی؟ اور کیا وہ وقت بھول گئے جب تمہارے پروردگار نے اعلان کیا تھا (اطلاع دی تھی) اگر تم نے شکر کیا (میری نعمتوں کا توحید اور اطاعت بجا لا کر) تو تمہیں اور زیادہ نعمتیں بخشوں گا اور اگر ناشکری کی (کفر و نافرمانی کر کے نعمت کو ٹھکرایا) تو میں تمہیں ضرور سزا دوں گا۔ جیسا کہ اگلا جملہ اس مفہوم پر دلالت کر رہا ہے) تو پھر میرا عذاب بھی بڑا سخت عذاب ہے اور (اپنی قوم سے) موسیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم اور تمام دنیا بھر کے آدمی سب کے سب مل کر بھی ناشکری کرنے لگو تو اللہ کی ذات تو بے نیاز ہے (اپنی مخلوق سے) ستودہ صفات ہیں (لوگوں کے کام میں عمدہ ہیں) پھر کیا تم تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی (استفہام تقریری ہے) جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں؟ قوم نوح اور عاد (قوم ہود) اور ثمود (قوم صالح) اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئی ہیں۔ جن کا حال اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (ان کی کثرت کی وجہ سے) ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے (اپنی سچائی پر واضح دلیلیں لے کر) سو ان (قوموں) نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے دیئے (یعنی زیادہ غصہ سے ہاتھ کاٹ کاٹ لئے) اور کہا (بقول تمہارے) جو بات تم لے کر آئے ہو اس سے ہمیں انکار ہے اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو ہمیں اس پر یقین نہیں (ہم شک وشبہ میں پڑ گئے ہیں) ان کے پیغمبروں نے کہا، کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے؟ استفہام انکاری ہے، یعنی اللہ کی توحید میں دلائل کھلے ہوئے ہونے کی وجہ سے کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیئے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں (اپنی فرمانبرداری کی طرف) بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں (من زائد ہے کیونکہ اسلام سے تو پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یا من تبعیضیہ مانا جائے تاکہ بندوں کے حقوق اس سے نکل جائیں) اور تمہیں مہلتیں دے۔ (بلا عذاب کے) ایک مقررہ وقت (موت) تک۔ قوم کے لوگ کہنے لگے، تم اس کے سوا کیا ہو کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو اور پھر چاہتے ہو کہ جن معبودوں کو ہمارے باپ دادے پوجتے چلے آئے ہیں ان (بتوں) کی پوجا کرنے سے ہمیں روک دو اچھا کوئی واضح دلیل پیش کرو (اپنی سچائی پر) ان کے رسولوں نے (ان کے جواب میں) کہا ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہی ہیں لیکن اللہ جس بندے کو چاہتا ہے اپنے فضل واحسان (نبوت) کے لئے چن لیتا ہے اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہیں کوئی معجزہ دکھلا سکیں بغیر اللہ کے حکم کے (کیونکہ ہم اس کے پروردہ بندے ہیں) اور اللہ ہی پر سب ایمان والوں کو بھروسہ (اعتماد) کرنا چاہیئے اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں؟ (یعنی ہمارے لئے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں) حالانکہ اس نے ہمارے راستوں میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ تم نے جو کچھ ہمیں ایذاء

پہنچائی ہے اس (تمہاری تکلیف) پر ہم صبر کریں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

تحقیق وترکیب: .... سورۃ ابراھیم کسی سورۃ کے نام رکھنے کی وجہ اگر اس واقعہ کو قرار دیا جائے جو اس میں ذکر کیا جاتا ہے تو وہ وجہ مستر دنہیں سمجھنی چاہیئے۔ بلکہ وجہ تسمیہ کو توقیفی قرار دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ **ھذا القراٰن** اشارہ کر دیا کہ کتاب مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ **من الظلمت الی النور** کفر اور گناہوں کے طریقے چونکہ بہت زیادہ اور طریق ہدایت ایک ہی ہے۔ اس لئے ظلمات جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور نور واحد کا **الا بلسان قومہ** اس پر یہ اشکال ہے کہ آنحضرتؐ تو سارے عالم کے لئے مبعوث فرمائے گئے ہیں جیسا کہ **انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا** سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر آپ کو ایک مخصوص زبان کیوں دی گئی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس عمومی ضرورت کو پورا کرنے کے دو ہی طریقے ہوسکتے تھے یا دنیا کی سب زبانوں میں قرآن واحکام نازل کئے جاتے اور یا پھر قرآن ایک ہی زبان میں نازل ہو۔ مگر دوسروں کی ضرورت تراجم کے ذریعہ پوری کر دی جائے پس دوسری صورت کی موجودگی میں پہلی صورت کو تطویل سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اب رہا یہ کہ ایک زبان کے سلسلہ میں کسی بھی لغت کو اختیار کیا جا سکتا تھا۔ پھر عربی کو کیوں انتخاب کیا گیا۔ سو اس کی وجہ ترجیح آپؐ کی قومی زبان ہونے کی حیثیت اور اس کے ذاتی محاسن اور ہمہ گیری ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ آپ کو سب زبانوں کا علم دیا گیا تھا۔ اگرچہ عام طور پر کسی دوسری زبان میں آپؐ کی گفتگو ثابت نہیں ہے۔ یوں فارسی کا ایک آدھ لفظ آپؐ نے ارشاد فرمادیا وہ دوسری بات ہے۔ لیکن دوسری زبان نہ بولنا اس کے نہ جاننے کی دلیل نہیں ہے۔

لئن شکرتم اس لئے کہا گیا الشکر **قید الموجود، وصید المفقود فی افواھھم ای الیھا الخ** سے مفسرؒ نے اشارہ کر دیا کہ فی بمعنی الی ہے اور یہ "**عضّوا علیکم الانامل من الغیظ**" کی طرح شدت غیظ وغضب سے کنایہ ہے اس صورت میں **افواھھم** کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہوگی۔ دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ **افواھھم** کی ضمیر انبیاء کی طرف لوٹائی جائے یعنی انبیاء کو بولنے نہیں دیتے تھے اور اپنے ہاتھ ان کے منہ میں ٹھونس دیتے تھے۔ پہلی رائے ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔

من ذنوبکم بقول اخفش من زائد ہے کیونکہ اسلام لانے سے پہلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ **الاسلام یھدم ما کان قبلہ** لیکن اگر بندوں کے حقوق مستثنی کئے جائیں تو پھر من تبعیضیہ ہو جائے گا۔ اشباہ میں لکھا ہے کہ حربی کے اسلام لانے سے تو سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن ذمی کافر کے لئے مظالم کے علاوہ گناہوں کی معافی ہے۔

ربط آیات: .... سورۂ رعد کا اختتام، رسالت کی بحث پر ہوا تھا۔ اس سورۃ کی ابتداء بھی اس بحث سے ہو رہی ہے اور آیت **من ورائہ الخ** سے کفار کی سزا کا بیان اور آیت **ادخل الذین** سے اہل ایمان کی جزاء کا بیان ہے اور یہ دونوں مضمون معاد سے متعلق ہیں۔ آگے پھر آیت **الم تر کیف الخ** سے توحید کا ذکر ہے اور اس کی تاکید کے لئے آیت **اذقال ابراھیم الخ** سے حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد آیت **لاتحسبن الخ** سے پھر معاد کا مضمون دہرایا گیا ہے اور آخری آیت تو ان سب مضامین کی جامع ہے۔ غرض کہ ان مضامین کی باہمی مناسبت بالکل واضح ہے۔

شانِ نزول: .... ابن جریرؒ سعید بن جبیرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ قریش نے جب اعتراض کیا کہ **لو لا انزل ھذا القراٰن اعجمیا وعربیا** اس پر آیت **لو جعلناہ قراٰنا اعجمیا** نازل ہوئی۔ لیکن روح المعانی میں بحر سے نقل کیا گیا ہے کہ قریش کہنے لگے کہ "**ما بال الکتب کلھا اعجمیۃ وھذا عربی**" اس پر آیت **وما ارسلنا من رسول الخ** نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:.............. **ہر پیغمبرؑ پیام الٰہی اپنی قومی زبان میں پیش کرتا ہے**:............ اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انبیاء ظاہر ہونے اور ان کے احوال ونتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا گیا ہے۔ایک خاص بات یہ بھی نمایاں ہے کہ خطاب کا رخ زیادہ تر رؤساء قریش کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ریاست وپیشوائی کی باگ ڈور تھی۔

فرمایا جارہا ہے کہ ہدایت روشنی ہے اور گمراہی ایک اندھیرا ہے۔سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو وحی الٰہی کی ہدایت کے ذریعہ انسانوں کو تاریکی سے نکالا جاتا ہے۔چنانچہ قرآن کریم کی آمد بھی اسی روشنی کا پیغام ہے اور ایسا ہی پیام حضرت موسیٰؑ نے بھی دیا تھا۔غرض کہ جب سب پیغمبر اپنی اپنی قوم میں احکام لے کر آئے تو آپؐ کے لئے بھی یہی قاعدہ رکھا گیا کہ آپ کی امت اگرچہ سارا عالم ہے۔تاہم قوم تو آپ کی عرب ہے۔اس لئے قرآن کریم بھی آپ کی قومی زبان ہی میں نازل کیا گیا۔اس لئے قرآن کریم کی عربی زبان کی خصوصیت کا شبہ لغو ہے"سورۂ فصلت" کی آیت **ولو جعلناه قرانا اعجميا. لقالوا لو لا فصلت اٰياته** میں ایک اور وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔یعنی قرآن اگر عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو لوگ اس وقت یہ اعتراض کرتے کہ قرآن عجمی اور عربی دونوں زبانوں میں کیوں نازل نہ ہوا؟

حاصل یہ نکلا کہ قرآن کریم نازل کرنے کی دو ہی صورتیں ہوسکتی تھیں یا دنیا کی سب زبانوں میں نازل ہوتا یا پھر دنیا کی کسی ایک زبان کو منتخب کرلیا جاتا۔دوسری صورت کو اس لئے ترجیح دی گئی کہ پہلی صورت میں طوالت تھی۔رہی ضرورت کی عمومیت سووہ تراجم کے ذریعہ سے بھی پوری ہوسکتی تھی جیسا کہ آج تک پوری ہورہی ہے۔باقی عجمی اور عربی زبانوں میں خصوصیت سے عربی کا انتخاب سووہ آپ کی قومی زبان کی خصوصیت کے پیش نظر ہے۔

البتہ یہ شبہ نکالنا کہ شاید آنحضرتؐ نے قرآن خود تصنیف کرلیا ہو؟ اس لئے صحیح نہیں کہ قرآن کریم کا اعجاز اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے کافی ہے۔جیسا کہ آیت **فاتوا بسورة من مثله الخ** سے معلوم ہوتا ہے۔

قوم اور امت کا فرق:............ رہا **بلسان قومه** سے یہ شبہ کرنا کہ آپ کی قوم چونکہ صرف عربی تھی۔اس لئے آپ کی دعوت بھی عرب کے ساتھ خاص ہوئی۔جیسا کہ یہود کا اعتراض بھی تھا حالانکہ دلائل سے آپ کی رسالت کا ساری دنیا کے لئے عام ہونا ثابت ہے؟

جواب یہ ہے کہ قوم خاص ہوتی ہے اور امت عام، پس قوم کے خاص ہونے سے امت کا خاص ہونا لازم نہیں آتا،قوم ایک مخصوص جماعت کو کہتے ہیں خواہ اس سے نسبی تعلقات ہوں یا غیر نسبی لیکن امت کہتے ہیں ان تمام لوگوں کو جن کی طرف نبی دعوت لے کر آتا ہے۔

البتہ آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاء میں یہ فرق اپنی جگہ ہے کہ دوسرے انبیاء کی قوم اور امت دونوں ایک ہی رہیں اور آنحضرت ﷺ کی امت قوم سے عام ہے۔یہود کے اس اعتراض کا ایک مستقل عقلی جواب بھی ہے کہ اگر بقول تمہارے آنحضرتؐ عرب کے نبی ہیں تو نبی کے لئے سچا ہونا لازمی ہے اور آپؐ اپنے لئے عام نبی ہونے کا دعویٰ فرمار ہے ہیں۔پس اس دعویٰ میں بھی آپؐ سچے ہونے چاہئیں۔اس لئے خود یہود کے قول سے ان کے اپنے قول کا غلط ہونا اور اس کے خلاف جانب کا صحیح ہونا ثابت ہوگیا۔

قرآن صرف عربی زبان میں کیوں نازل کیا گیا:............ باقی اس شبہ کا جواب کہ عموم بعثت کے لحاظ سے تو قرآن کریم کا دنیا کی تمام زبانوں میں ہونا زیادہ موزوں تھا؟ علامہ آلوسیؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اس صورت میں مختلف زبانوں کی وجہ سے اختلاف

بہت ہو جاتا ہے اور ان میں کوئی ایک زبان اصل ہوتی۔ جس سے اختلافات کا فیصلہ ہوسکتا اور یہ بات نزول کتاب کی حکمت کے خلاف ہو جاتی۔ اور یہ بیان احکام کی سہولت اس درجہ اہم نہیں تھی، جتنا بڑا مفسدہ اور فتنہ یہ ہو جاتا۔

جہاں تک احکام کی وضاحت اور سہولت کا تعلق ہے اس کے لئے دوسری زبانوں میں تراجم اور تفاسیر بھی کافی ہوسکتی ہیں۔ تراجم میں اگر اختلاف ہو بھی تو وہ اس اصل زبان کی طرف مراجعت کرنے سے دور ہوسکتا ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا اور وہ زبان آپؐ کی قومی زبان ہونے کی حیثیت سے، نیز اپنی خصوصیات کی وجہ سے اور قوم عرب کی خصوصیات کی وجہ سے عربی بھی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جہاں ایک طرف عربی زبان دنیا کی تمام زندہ زبانوں میں سب سے زیادہ وسیع مالدار زبان ہے۔ اسی طرح عرب اور بالخصوص قریش اسلام کی نشر واشاعت میں دنیا کی تمام متمدن قوموں سے بڑھ چڑھ کر رہے اور زبان کے لحاظ سے عرب میں چونکہ کچھ زیادہ قابل لحاظ اختلاف نہیں تھا بلکہ لب ولہجہ اور طرز ادائیگی وغیرہ کے اعتبار سے کچھ جزوی اختلاف ضرور تھا۔ اس لئے انزل القرآن علی سبعة احرف کے لحاظ سے قرآن کے پڑھنے میں ابتداءً کچھ توسع کر دیا گیا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ جب عام طور پر لوگ لغت قریش سے مانوس ہو گئے تو پھر یہ آزادی باقی نہیں رہی اور سب کو لغت قریش کا پابند بنا دیا گیا۔

اس کے بعد آنحضرتؐ کی دعوت ورسالت کی تائید کے لئے مختلف انبیاء کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر تو ان کی اہمیت وشہرت اور صاحب کتاب وشریعت ہونے کے لحاظ سے تفصیلاً ہے اور حضرت نوح وہود وصالح علیہم السلام کا تذکرہ اجمالاً ہے اور آیت والذین من بعدھم الخ میں بعض کا تذکرہ ابہاماً ہے۔

بنی اسرائیل مصر میں عرصہ تک چونکہ مظلومیت اور مقہوریت کی زندگی بسر کر چکے تھے، اس لئے ان کی طبیعتوں میں پست ہمتی اور مایوسی سرایت کر گئی تھی مستقبل کے لئے فتح واقبال کی بشارتیں سنتے مگر اپنے دل میں عزم وثبات کے ولولے نہیں پاتے تھے۔ پس حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ انہیں ایسے تذکرے سناؤ جن میں قوانین حق کی بڑی بڑی نشانیاں ہوں۔ یہ دلیلیں واضح کر دیں گی کہ جو لوگ مصائب وآلام کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہارتے وہ سچائی کی راہ میں جمے رہتے ہیں اور عملی جدوجہد سے گھبراتے نہیں۔ ان کی کامیابی وکامرانی اٹل، اور قطعی ہوتی ہے۔

صبر وشکر:............صبر کے معنی ہیں مشکلوں میں جمے رہنا۔ شکر کے معنی ہیں اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں کی قدر کرنا اور انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا۔ خدا کا یہ مقررہ قانون ہے کہ جو قوم شکر کرتی ہے خدا انہیں زیادہ نعمتیں عطا کرتے ہیں۔ لیکن جو کفران نعمت کرتی ہے وہ محرومی اور نامرادی کے عذاب میں گرفتار ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کا سخت عذاب ہے۔ جو کسی جماعت کے حصہ میں آتا ہے۔ غور کرو، حقیقت حال کی یہ کتنی سچی تعبیر ہے؟ کہ جو گروہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتا ہے۔ مثلاً خدا نے اسے فتح مندی وکامرانی عطا فرمائی ہے وہ اس نعمت کو پہچانتا ہے، اسے ٹھیک طور پر کام میں لاتا ہے اور اس کی حفاظت سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ اور زیادہ نعمتوں کے حصول کا مستحق ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور جو ایسا نہیں کرتا۔ کیا اس کی نامرادی کا دنیا ہی میں کوئی شک ہوسکتا ہے؟

قدرت کے اصول اٹل ہیں:............آیت وقال موسیٰ الخ میں دیکھو۔ گذشتہ وقائع کے مجموعی نتائج وثمرات کو کس طرح بیان کیا جا رہا ہے اور کس طرح ان کے جزئیات کو ایک حقیقت کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے یعنی سب کا ظہور ایک ہی طرح ہوا تھا۔ سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا تھا۔ سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ سب کو جوابات ایک طرح کے ملے تھے اور پھر نتیجہ بھی ہر واقعہ میں ایک ہی طرح کا نکلا۔ ہر رسول اور اس کے ساتھی کامیاب ہوئے۔ ہر سرکش ناکام ونامراد ہوا۔ قرآن کے یہی

مقامات ہیں جنہوں نے ایام ووقائع کے سنن وبصائر صاف صاف واضح کردیئے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا پچھلی قوموں کے واقعات تم تک نہیں پہنچے؟ پھر تین قوموں کا ذکر کیا۔جن کے حالات سے نہ تو بنی اسرائیل بے خبر تھے اور نہ مصر کے باشندے بے خبر ہو سکتے تھے اور چونکہ بقیہ قوموں کا حال اس درجہ مشہور نہ تھا۔اس لئے صرف والذین من بعدھم الخ سے اشارہ کرکے چھوڑ دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ یہ قومیں بہت سی تھیں جن کا شمار اللہ کو معلوم ہے۔تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔یہاں ایک شبہ ہے کہ آیت الم یاتکم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا ان کو علم ہے اور آیت لا تعلمھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ معلوم نہیں۔پس دونوں میں تعارض ہو گیا۔جواب یہ ہے کہ اجمال کے اعتبار سے واقعہ معلوم تھا اور تفصیل کے لحاظ سے معلوم نہیں تھا۔لہٰذا دونوں کا حکم صحیح ہو گیا۔

خدا کی ہستی میں شک کرنا ایسا ہے جیسے خود اپنی ہستی میں شک وشبہ کرنا:..........آیت قالت رسلھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کا ہمیشہ یہی جواب رہا کہ ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شک ہے اس لئے ہم نہیں مانتے لیکن پیغمبروں کی پکار بھی ایک ہی رہی کہ "افی اللہ شک" یعنی کس کے بارے میں تمہیں شک ہو رہا ہے؟ اللہ کے بارے میں جو آسمان وزمین کا بنانے والا ہے اور ایسی ہستی کے بارے میں جس کا اعتقاد تمہاری فطرت کے ضمیر میں موجود ہے اور تمہارے دل کا ایک ایک ریشہ کہہ رہا ہے کہ دنیا کی ہر بات میں شک کر سکتے ہو۔لیکن اس بارے میں تم شک نہیں کر سکتے۔تم کیوں کر جرأت کر سکتے ہو کہ اپنے دل کے یقین سے انکار کرو، اپنی روح کے اعتقاد سے مکر جاؤ، خود اپنی نسبت شک کرنے لگو؟ "یغفر لکم من ذنوبکم" کا حاصل یہ ہے کہ اسلام لانے سے حقوق اور زواجر کے علاوہ اور تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں چنانچہ اسلام لانے کے باوجود حدود کا ذمی کے ذمہ سے معاف نہ ہونا فقہ میں مذکور ہے۔

لطائف آیات:..........آیت وما ارسلنا الخ سے مستنبط ہوتا ہے کہ شیخ کا خلیفہ وہی شخص ہو سکتا ہے جسے تمام مریدوں میں شیخ سے زیادہ مناسبت ہو اور شیخ کے اول مخاطب بھی ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔چنانچہ قرآن کریم کا پہلا خطاب عرب سے ہوا، دوسری اقوام سے بعد کو۔آیت اخرج قومک الخ میں اخراج کی نسبت نبی کی طرف کی گئی ہے۔حالانکہ حقیقی اخراج اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے؟ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ مرید کی تکمیل میں شیخ کو بڑا دخل ہوتا ہے۔

آیت وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت سے بھی مومن کی تربیت اور اس کا نفع ہوتا ہے۔آیت فردوا ایدیھم فی افواھھم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح کفر ایک جرم ہے اسی طرح بے ادبی کرنا بھی ایک مستقل جرم ہے۔اسی لئے طریقت میں بے ادبی کو سخت ترین جرم شمار کیا گیا ہے "باادب بانصیب: بےادب بےنصیب۔"

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ لَتَصِيْرُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا دِيْنِنَا فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ الْكَافِرِيْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ اَرْضَهُمْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ بَعْدَ هَلَاكِهِمْ ذٰلِكَ النَّصْرُ وَاِيْرَاثُ الْاَرْضِ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ اَيْ مَقَامَهُ بَيْنَ يَدَيَّ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ بِالْعَذَابِ وَاسْتَفْتَحُوْا اِسْتَنْصَرَ الرُّسُلُ بِاللّٰهِ عَلٰى قَوْمِهِمْ وَخَابَ خَسِرَ كُلُّ جَبَّارٍ مُتَكَبِّرٍ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مُعَانِدٍ لِلْحَقِّ مِّنْ وَّرَآئِهٖ اَيْ اَمَامِهٖ جَهَنَّمُ يَدْخُلُهَا وَيُسْقٰى فِيْهَا مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ هُوَ مَآءٌ

يَسِيلُ مِنْ جَوْفِ أَهْلِ النَّارِ مُخْتَلِطًا بِالْقَيْحِ وَالدَّمِ **يَتَجَرَّعُهُ** يَبْتَلِعُهُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ لِمَرَارَتِهِ **وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ** يَزْدَرِدُهُ لِقُبْحِهِ وَكَرَاهَتِهِ **وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ** أَيْ أَسْبَابُهُ الْمُقْتَضِيَةُ لَهُ مِنْ أَنْوَاعِ الْعَذَابِ **مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِنْ وَّرَآئِهِ** بَعْدَ ذٰلِكَ الْعَذَابِ **عَذَابٌ غَلِيظٌ**﴿۱۷﴾ قَوِيٌّ مُتَّصِلٌ **مَثَلُ** صِفَةُ **الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ** مُبْتَدَأٌ وَيُبْدَلُ مِنْهُ **أَعْمَالُهُمْ** الصَّالِحَةُ كَصِلَةٍ وَصَدَقَةٍ فِي عَدَمِ الْإِنْتِفَاعِ بِهَا **كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ** شَدِيدُ هُبُوبِ الرِّيحِ فَجَعَلَتْهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا لَا يُقْدَرُ عَلَيْهِ وَالْمَجْرُورُ خَبَرُ الْمُبْتَدَأِ **لَا يَقْدِرُونَ** أَيِ الْكُفَّارُ **مِمَّا كَسَبُوا** عَمِلُوا فِي الدُّنْيَا **عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ** أَيْ لَا يَجِدُونَ لَهُ ثَوَابًا لِعَدَمِ شَرْطِهِ **ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ** الْهَلَاكُ **الْبَعِيدُ**﴿۱۸﴾ **أَلَمْ تَرَ** تَنْظُرْ يَا مُخَاطَبًا اِسْتِفْهَامُ تَقْرِيرٍ **أَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ** مُتَعَلِّقٌ بِخَلَقَ **إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ**﴿۱۹﴾ بَدَلَكُمْ **وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ**﴿۲۰﴾ شَدِيدٍ **وَبَرَزُوا** أَيِ الْخَلَائِقُ وَالتَّعْبِيرُ فِيهِ وَفِيمَا بَعْدَهُ بِالْمَاضِي لِتَحَقُّقِ وُقُوعِهِ **لِلّٰهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا** الْأَتْبَاعُ **لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا** الْمَتْبُوعِينَ **إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا** جَمْعُ تَابِعٍ **فَهَلْ أَنْتُمْ مُّغْنُونَ** دَافِعُونَ **عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ** مِنَ الْأُولَىٰ لِلتَّبْيِينِ وَالثَّانِيَةُ لِلتَّبْعِيضِ **قَالُوا** أَيِ الْمَتْبُوعُونَ **لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۖ** لَدَعَوْنَاكُمْ إِلَى الْهُدَىٰ **سَوَآءٌ عَلَيْنَآ أَجَزِعْنَآ أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ** زَائِدَةٌ **مَّحِيصٍ**﴿۲۱﴾ مَلْجَأٍ **وَقَالَ الشَّيْطٰنُ** إِبْلِيسُ **لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ** وَأُدْخِلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ وَاجْتَمَعُوا عَلَيْهِ **إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ** بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَصَدَقَكُمْ **وَوَعَدْتُّكُمْ** أَنَّهُ غَيْرُ كَائِنٍ **فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ** زَائِدَةٌ **سُلْطٰنٍ** قُوَّةٍ وَّقُدْرَةٍ أَقْهَرُكُمْ عَلَىٰ مُتَابَعَتِي **إِلَّآ** لٰكِنْ **أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۚ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوٓا أَنْفُسَكُمْ ۖ** عَلَىٰ إِجَابَتِي **مَآ أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ** بِمُغِيثِكُمْ **وَمَآ أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا **إِنِّي كَفَرْتُ بِمَآ أَشْرَكْتُمُونِ** بِإِشْرَاكِكُمْ إِيَّايَ مَعَ اللّٰهِ **مِنْ قَبْلُ ۗ** فِي الدُّنْيَا قَالَ تَعَالَىٰ **إِنَّ الظّٰلِمِينَ** الْكَافِرِينَ **لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ**﴿۲۲﴾ مُؤْلِمٌ **وَأُدْخِلَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ** حَالٌ مُقَدَّرَةٌ **فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا** مِنَ اللّٰهِ وَمِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَفِيمَا بَيْنَهُمْ **سَلٰمٌ**﴿۲۳﴾ **أَلَمْ تَرَ** تَنْظُرْ **كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا** وَيُبْدَلُ مِنْهُ **كَلِمَةً طَيِّبَةً** أَيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ **كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ** هِيَ النَّخْلَةُ **أَصْلُهَا ثَابِتٌ** فِي الْأَرْضِ **وَّفَرْعُهَا** غُصْنُهَا **فِي السَّمَآءِ**﴿۲۴﴾ **تُؤْتِيٓ** تُعْطِي **أُكُلَهَا** ثَمَرَهَا **كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ** بِإِرَادَتِهِ كَذٰلِكَ كَلِمَةُ الْإِيْمَانِ ثَابِتَةٌ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِ وَعَمَلِهِ يَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ وَيَنَالُهُ بَرَكَتُهُ وَثَوَابُهُ كُلَّ وَقْتٍ **وَيَضْرِبُ** يُبَيِّنُ **اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ**

یَتَذَکَّرُوْنَ﴿۲۵﴾ یَتَّعِظُوْنَ فَیُؤْمِنُوْنَ **وَمَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیْثَۃٍ** ھِیَ کَلِمَۃُ الْکُفْرِ **کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃٍ** ھِیَ الْحَنْظَلَۃُ **اِجْتُثَّتْ** اُسْتُوْصِلَتْ **مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَھَا مِنْ قَرَارٍ**﴿۲۶﴾ مُسْتَقَرٍّ وَّثَبَاتٍ کَذٰلِکَ کَلِمَۃُ الْکُفْرِ لَاثَبَاتَ لَھَا وَلَا فَرْعَ وَلَا بَرَکَۃَ **یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ** ھُوَ کَلِمَۃُ التَّوْحِیْدِ **فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ** اَیْ فِی الْقَبْرِ لِمَا یَسْأَلُھُمُ الْمَلَکَانِ عَنْ رَّبِّھِمْ وَدِیْنِھِمْ وَنَبِیِّھِمْ فَیُجِیْبُوْنَ بِالصَّوَابِ کَمَا فِیْ حَدِیْثِ الشَّیْخَیْنِ **وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ** الْکُفَّارَ فَلَا یَھْتَدُوْنَ لِلْجَوَابِ بِالصَّوَابِ بَلْ یَقُوْلُوْنَ لَا نَدْرِیْ کَمَا فِی الْحَدِیْثِ **وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ**﴿۲۷﴾

ترجمہ ....اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے یا پھر تم ہمارے مذہب (دین) میں لوٹ آؤ۔ پس ان رسولوں پر اُن کے رب نے وحی نازل کی کہ اب ہم ان ظالموں (کافروں) کو ضرور ہلاک کر ڈالیں گے اوران کے (تباہ ہونے کے) بعد ہم تمہیں اس سرزمین میں آباد کریں گے یہ (تمہاری امداد اور تمہیں اس سرزمین میں آباد کرنا) ہر اس شخص کے لئے جو ہمارے روبرو (سامنے) کھڑا ہونے سے ڈرا اور (عذاب) کی تنبیہ سے ڈر گیا۔ اور پیغمبروں نے فتح مندی طلب کی (اپنی قوم کے مقابلہ میں انبیاء نے اللہ سے مدد مانگی) جتنے سرکش (اللہ کی اطاعت سے تکبر کرنے والے) ضدی (حق کے مخالف) لوگ تھے وہ سب نامراد ہوئے اس کے آگے (سامنے) جہنم ہے (جس میں وہ داخل ہوگا) اور ایسا پانی پینے کو (وہاں) دیا جائے گا جو لہو اور پیپ ہوگا (جو پانی جہنمیوں کے پیٹ سے بہتا ہوا ہوگا اور خون پیپ سے ملا ہوا ہوگا) اور وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا (زیادہ بد ذائقہ ہونے کی وجہ سے بار بار گھونٹ کر کے پینے کی کوشش کرے گا) اور گلے سے اتار نہ سکے گا (ناگواری اور جی نہ لینے کی وجہ سے نگلنے کی کوشش کرے گا) اور اس پر موت آئے گی (یعنی موت کے اسباب طرح طرح کے عذاب کی شکل میں) ہر طرف سے آئیں گے مگر وہ کسی طرح مرے گا نہیں اور پھر اس کے پیچھے (اس کے عذاب کے بعد) ایک سخت عذاب کا سامنا ہوگا (جو زبردست اور مسلسل رہے گا) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا (یہ مبتداء ہے آگے بدل ہے) ان کے (نیک) اعمال (جیسے صلہ رحمی، صدقہ بےکار ہونے میں ان) کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر کہ تیز آندھی کے دن تیزی کے ساتھ ہوا اڑا لے جائے (تیز و تند ہوا اسے اڑا کر صاف کر دے کہ اس کا نشان تک نہ مل سکے اور مجرور خبر ہے مبتدا کی) جو کچھ ان لوگوں نے کمایا ہے (دنیا کے کام کئے ہیں) اس میں سے کچھ بھی ان (کفار) کے ہاتھ نہ آئے گا (ثواب کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اس کی شرط یعنی ایمان نہ پائے جانے کی وجہ سے) یہ بھی بڑے دور دراز کی گمراہی ہے (کیا تم نہیں دیکھتے اے مخاطب! استفہام تقریری ہے) کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک بنایا ہے (بالحق کا تعلق خلق سے ہے) اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور (تمہارے بجائے) ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور ایسا کرنا خدا کو کچھ مشکل (دشوار) نہیں اور اللہ کے روبرو سب پیش ہوں گے (ساری مخلوق اور یہاں اور اس کے بعد ماضی کا لفظ لانا اس کے واقعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے ہے) پھر چھوٹے درجہ کے لوگ (خادم قسم کے) بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے جو دنیا میں پیشوا تھے ہم تمہارے پیچھے چلنے والے تھے (تبع جمع تابع کی) تو کیا تم آج اللہ کے عذاب سے ہمارا بچاؤ کر سکتے ہو؟ (پہلا من بیانیہ ہے اور دوسرا من تبعیضیہ ہے) وہ (مخدوم) کہیں گے۔ اگر اللہ ہمارے بچنے کی کوئی راہ نکالتا تو ہم بھی تمہارے لئے کوئی راہ نکالتے (تمہاری کچھ راہنمائی کرتے) لیکن اب تو خواہ ہم جھیل لیں خواہ رو لیں پیٹ لیں دونوں صورتیں ہمارے لئے برابر ہیں۔ کسی طرح کا ہمارے لئے

(من زائد ہے) چھٹکارا نہیں ہے اور شیطان بولے گا جب کہ مقدمات کا فیصلہ ہو چکے گا (اور جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی شیطان کے پاس جمع ہوں گے) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا (قیامت اور جزا کے متعلق۔ پس وہ اس نے سچ کر دکھایا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ (قیامت نہیں آئے گی) مگر میں نے وہ وعدہ تم سے خلاف کیا تھا۔ میرا تم پر اور تو کچھ زور چلتا نہ تھا (ف زائد ہے کہ تمہیں اپنی تابعداری پر مجبور کر سکتا) سوائے اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا۔ سو تم نے میرا کہنا مان لیا۔ پس اب مجھے ملامت نہ کرو، خود اپنے آپ کو ملامت کرو (میرا کہنا ماننے پر) آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں (تمہاری مدد کر کے) اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو (لفظ مصرختیّ فتح یا اور کسر یا کے ساتھ ہے) میں خود تمہارے اس فعل سے بے زار ہوں کہ تم مجھے اللہ کا شریک قرار دیتے رہے (تم نے مجھے اللہ کے ساتھ شریک ٹھیرائے رکھا) اس سے پہلے (دنیا میں ارشاد ربانی ہے) یقیناً ظالموں (کافروں) کے لئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے تھے اور جنہوں نے نیک کام کئے وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ انہی میں رہیں گے (خالدین حال مقدرہ ہے) وہاں ان کے لئے اللہ اور فرشتوں کی طرف سے اور آپس میں) دعاؤں کی پکار یہی ہوگی کہ "تم پر سلامتی ہو" کیا آپ نے غور نہیں کیا (دیکھا نہیں) کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے؟ (آگے بدل ہے) کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللّٰہ) کی کہ وہ ایک اچھے (کھجور کے) درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) خوب جمی ہوئی ہے اور ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں، ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پیدا کرتا (دیتا رہتا ہے۔ یہی حال کلمہ طیبہ کا ہے کہ اس کی جڑ مؤمن کے قلب میں ہوتی ہے اور اس کا عمل آسمان پر چلا جاتا ہے جس کی برکت وثواب کا پھل ہر وقت اسے حاصل ہوتا رہتا ہے) اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ خوب سوچیں سمجھیں (نصیحت حاصل کر کے ایمان لے آئیں) اور گندہ کلمہ (کلمۂ کفر) کی مثال کیا ہے جیسے ایک نکما درخت (سینڈھ کا) کہ زمین کے اوپر ہی اوپر اس کی جڑ کھوکھلی ہو (جب چاہا اکھاڑ پھینکا) اس کے لئے جماؤ نہیں (ٹھیراؤ اور پائیداری نہیں۔ کلمۂ کفر کا حال بھی یہی ہے کہ نہ اس میں جماؤ ہوتا ہے اور نہ برگ وبار اور نہ خیر وبرکت) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (کلمہ توحید) کے ذریعہ جماؤ اور مضبوطی دیتا ہے دنیا اور آخرت میں (یعنی قبر میں جب فرشتے اس سے پروردگار اور دین اور نبی کے بارے میں سوالات کریں گے تو وہ اہل ایمان ٹھیک ٹھیک جواب دیں گے۔ جیسا کہ حدیث شیخینؒ میں آتا ہے) اور نافرمانوں (کافروں) کو بچلا دیتا ہے (اس لئے وہ ٹھیک ٹھیک جواب نہیں دے سکیں گے۔ بلکہ یہی کہیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تحقیق وترکیب: .... **لتعودنّ** عود چونکہ پچھلی حالت کی طرف لوٹنے کو کہتے ہیں۔ حالانکہ انبیاء نے کبھی بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ اس لئے جلال محققؒ نے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ عود سے مراد صیرورت اور کفر میں داخل ہونا ہے۔

وخاف وعید اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا خوف اور اللہ کی وعید کا خوف، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں کیونکہ عطف ایک دوسرے کے مختلف ہونے میں دلالت کرتا ہے۔

استفتحوا اس کی ضمیر میں کئی احتمال ہیں۔ انبیاء کی طرف لوٹائی جائے یا کفار کی طرف لوٹائی جائے اور بعض نے دونوں کی طرف اور بعض نے قریش کی طرف لوٹائی ہے۔ کیونکہ قریش ہی قحط میں مبتلا ہوئے تھے۔ اس آخری صورت میں **استفتحوا** جملہ مستانفہ اور پہلی صورتوں میں فاوحی پر عطف ہوگا۔ **ویسقٰی** مفسر علامؒ نے اس کا علت درست کرنے کے لئے اس سے پہلے **یدخلها** معطوف علیہ مقدر مانا جائے۔

ماء صدید حاکمؒ نے ابوامامہؓ سے مرفوع روایت نقل کی ہے۔ **ھو ماء یقرب الیه فیکرہ فاذا دنی منه شوی وجهه**

ووقعت فروة راسه فاذا شرب قطع امعاء ہ حتی یخرج من دبرہ کما قال تعالیٰ وسقوا ماء حمیما فقطع امعاء ھم ورائه یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ آگے اور پیچھے کے معنی ہیں۔ مثل سیبویہؒ کے نزدیک اس مبتداء کی خبر محذوف ہے۔ ای فیما یتلی علیکم اور کرماد الخ جملہ مستانفہ ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ مثل مبتداء ہو اور اعمالھم بدل اشتمال ہو اور کرماد خبر ہو۔ اعمالھم بعض کے نزدیک کفار کے عام اچھے کام مراد ہیں اور بعض کے نزدیک بت پرستی اور شرک ہے۔

سواء علینا یہ کلام یا صرف جہنم میں داخل ہونے والے خواص کا ہوگا اور عام اور خاص دونوں فریق کا ہوگا۔ جیسا کہ روایت بھی ہے۔ انھم یقولون تعالوا نجزع فیجزعون خمس مائة عام فلا ینفعھم فیقولون تعالوا نصبر فیصبرون کذلک ثم یقولون سواء علینا. وقال الشیطان جہنم میں ایک آگ کا منبر بچھایا جائے گا۔ جس پر شیطان بٹھلایا جائے گا اور اس کے گرد جہنمی ہوں گے۔

ما انا بمصرخکم مفسرؒ نے بمغیثکم کہہ کر اشارہ کر دیا کہ مصرخ میں ہمزہ سلب کے لئے ہے۔ صراخ کے معنی فریاد چاہنے کے ہیں اس میں تعلیل ہوگئی ہے۔

کلمة طیبة اس سے عام اچھی باتیں مراد ہوسکتی ہیں۔ نخلة ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کی مثال ایک درخت کے ساتھ دیتے ہیں۔ پس بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں نے درختوں میں غور کرنا شروع کر دیا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہوسکتا ہے، مگر میں اس وقت کمسن بچہ تھا اس لئے بول نہیں سکا۔ آپؐ نے بتلا دیا کہ کھجور کا درخت مراد ہے۔ میں نے جب اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ سے اس صورت حال کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اے جان پدر! اگر تم بتلا دیتے تو یہ میرے لئے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی بات ہوتی۔

کل حین چھ مہینہ پھل دیتا ہے یا بارہ ماسی پھل دیتا ہے۔ اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں عقل کو عمدہ درخت سے تشبیہ دی گئی ہے اور خواہش نفس کو بدترین درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ نفس امارہ بدترین درخت کی طرح ہوتا ہے۔

شجرة خبیثة سینڈ اور جھاؤ کا درخت مراد ہے جو قطعاً بے کار ہوتا ہے کہ نہ اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے اور نہ پھل کارآمد ہوتا ہے۔

یثبت اللّٰہ دنیا میں بھی ایمان قلوب میں اس طرح رچ جاتا ہے کہ نکلنے کا نام نہیں لیتا۔ خواہ کتنی ہی آفتیں آئیں جیسے حضرت زکریا، یحییٰ، جرجیس، شمعون علیھم السلام اور قبر میں بھی نکیرین کے سوال وجواب میں ثابت قدم رہتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے۔ حین یحیی اللّٰہ الموتی حتی یسمع قرع نعال من کان ماشیا فی جنازته ثم یعاد روح المؤمن فی جسده فیأتیه ملکان فیجلسانه فی قبره فیقولان له من ربك، وما دینك، ومن نبیك؟ فیقول ربی اللّٰہ ودینی الاسلام ونبیی محمد ﷺ فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی فذلک قوله یثبت اللّٰہ الذین امنوا الخ ثم یقول الملکان عشت سعیدا و مت حمیدا ونم نومة العروس قد علمنا ان کنت لموقنا واما الکافر او المنافق فیقول لا ادری کنت اسمع الناس یقولون شیئا فقلت مثل ما یقولون فیضربانه بمطراق من نار فیصیح صیحة یسمعه من فی الارض غیر الثقلین ویقولان له لا دریت ولا تلیت

ربط آیات:.........آیت وقال الذین کفروا الخ میں کفار کی دنیاوی سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اور آیت من ورائه جھنم الخ سے اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ آیت مثل الذین الخ سے کہ اچھے کاموں کا بے کار ہونا اور جن کے کہنے سے خدا کی نافرمانی کی

تھی۔ان کا کارآمد نہ ہونا بتلایا ہے۔آگے آیت وادخل الذین الخ میں کفار کے بالمقابل اہل ایمان کے مستحق نجات وثواب ہونا مذکور ہے۔اس رسالت وقیامت کے ذکر کے بعد آیت الم تر کیف ضرب اللّٰہ الخ میں کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی اچھائی برائی مثال کے ساتھ بیان فرمائی جارہی ہے۔

﴿تشریح﴾:.........**جہنمیوں کا حال پتلا ہوگا**:......... جہنمیوں کو لہو پلایا جائے گا۔اس کے دو وصف بیان کئے ہیں۔ایک یتجرعہ دوسرے لایکاد دونوں وصفوں کے ایک ساتھ پائے جانے کی دوصورتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ پھنس کر گلے سے نیچے اترے گا۔پس اتر جانے کے اعتبار سے تو یتجرعہ فرمادیا اور بے پھنسے نہ اترنے کے اعتبار سے لایکاد فرمادیا۔دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کچھ لہو گلے میں پھنس کر رہ جائے گا، نیچے نہیں اترے گا۔پس لایکاد فرمانا تو بالکل ظاہر ہے اور یتجرع کا حکم بلحاظ ارادہ کے صحیح ہوجائے گا۔یعنی ہر چند پینا چاہے گا مگر پی نہ سکے گا۔

کفار مکہ اپنے گمان میں کچھ کام اچھے سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ اگرچہ کچھ کام تو ان میں سے فی نفسہ اچھے نہیں تھے جیسے شرک وبت پرستی اور کچھ ان کے اعتبار سے اچھے نہیں تھے جیسے غلاموں کو آزاد کرنا۔صلہ رحمی کرنا۔مہمانداری کرنا کہ یہ کام فی نفسہ تو اچھے ہیں۔ مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جو شرط قبولیت ہے ان کے حق میں یہ کام اچھے نہیں رہے تاہم ان کاموں پر نظر کرتے ہوئے انہیں شبہ ہوسکتا تھا کہ بالفرض آخرت ہوئی تو یہ اعمال ہمارے کام آئیں گے اور ہمیں عذاب سے بچالیں گے، ورنہ اصل اعتقاد تو ان کا یہ تھا کہ آخرت کوئی چیز نہیں، دوبارہ زندہ ہونا جب محال ہے تو پھر عذاب کا کیا سوال؟

آخرت میں کفار کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہوگی:......... اسی طرح یہ بھی سمجھتے تھے کہ جن کے کہنے سے ہم نے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے۔اگر آخرت ہوتی تو وہ ہمارے کام آئیں گے اور اللہ کے سوا معبود بھی ہماری سفارش کریں گے۔غرضیکہ ان سب شبہات کو دور کرنے کے لئے ان اعمال کا بالکل بے اثر ہونا آیت مثل الذین الخ میں اور قیامت کا ممکن الوقوع ہونا آیت الم تر الخ میں اور اکابرین کفر کا کارآمد نہ ہونا آیت وبرزوا الخ میں اور شیطان کا صاف جواب دے دینا آیت وقال الشیطان الخ میں بیان فرمایا جارہا ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں نجات کے تمام راستے بند ہوجائیں گے۔

دنیا میں مفید چیز ہی برقرار رکھی جاتی ہے:......... آیت الم تر ان اللّٰہ الخ میں فرماتے ہیں کہ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دنیا کی ہر چیز کسی خاص مصلحت ومقصد سے بنائی گئی ہے۔یہ نہیں کہ بغیر کسی سوچے سمجھے ہوئے مقصد اور ٹھیرائی ہوئی مصلحت کے لئے ویسے ہی ظاہر ہوگئی ہو۔پھر اگر تم دیکھ رہے ہو کہ آسمان وزمین کی ہر چیز کسی مصلحت کے ساتھ بنائی گئی ہے تو کیوں کر ممکن ہے کہ خود تمہاری ہستی کی پیدائش میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو اور دنیا کی یہ سب سے بڑی اور اشرف مخلوق محض بےکار اور فضول بنادی گئی ہو۔اگر وہ چاہے تو تمہیں چھانٹ دے اور ایک نئی قوم کی پیدائش کا سامان کردے۔کیوں کہ اس کا ٹھیرایا ہوا قانون یہی ہے کہ جو جماعت مفید نہ ہوا سے مٹ جانا ہے اور اس کی جگہ نافع اور بہتر جماعت کو آنا ہے۔

اگر مختلف آیات کی رو سے یہ بات مان لی جائے کہ قیامت میں بعض حقائق کفار سے مخفی رہیں گے۔تب تو فھل انتم مغنون الخ میں استفہام اپنے ظاہر پر رہے گا۔ورنہ یہ استفہام توبیخ وعتاب کے لئے ہوگا۔جیسا کہ بعض مفسرینؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور ماکان لی علیکم من سلطان کے یہ معنی ہیں کہ گمراہ کرنے میں اس سے زیادہ زور کسی کا نہیں چلتا کہ دوسرے کو اغوا کرے، یہ نہیں کہ زبردستی کسی کو گمراہ کردے۔پس اس حصر سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ شیطان انسان کو کسی طرح کی کوئی دوسری

تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ بلکہ نصوص اور مشاہدہ سے یہ ثابت ہے کہ شیاطین انسان کو بیہوش کر سکتے ہیں، پتھر برسا سکتے ہیں، آدمی کو کہیں غائب کر سکتے ہیں۔ البتہ فرشتوں کی حفاظت کی وجہ سے ایسے واقعات بکثرت پیش نہیں آتے اور دعوتکم الخ میں دونوں صورتیں داخل ہیں۔ خواہ شیطان خود بہکائے یا دوسرے کے ذریعہ سے اغواء کرائے اور ایک ہی وقت میں بہت سے آدمیوں کو نہ بہکا سکنے پر کوئی وزنی دلیل قائم نہیں ہے۔

آخرت میں جھوٹی پیروی کارآمد نہیں ہوگی:........آیت وبرزوا الخ میں گمراہی کی سب سے بڑی وجہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اپنے گمراہ سرداروں، امیروں، بادشاہوں، پیشواؤں کی اندھی تقلید واطاعت کرنا اور خود اپنی عقل وسمجھ سے کام نہ لینا گمراہی کی سب بڑی بنیاد ہے، کیا یہ غلط اور جھوٹے پیشوا اعمال کے نتائج کی گرفت سے بچا سکتے ہیں؟ قیامت کے دن کمزور افراد اور عوام اپنے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی تھی آج عذاب الٰہی کی پکڑ سے ہمارا بچاؤ کرو۔ وہ کہیں گے کہ ہم خود اپنے کو نہیں بچا سکتے، ہم تمہیں کس طرح بچائیں؟ قریش جو قوم کے سردار و پیشوا تھے اور نہ صرف قبائل حجاز بلکہ عرب کے تمام باشندے انہی کے طور وطریقہ کی پابندی کرتے تھے۔ جب انہوں نے اسلامی دعوت کی مخالفت میں قدم اٹھایا تو تمام عرب نے ان کی پیروی کی۔

قرآن نے ہر جگہ ایمان کی خصوصیت یہ بتلائی کہ وہ سرتاسر سلامتی ہے اور کفر کی پہچان یہ بتلائی کہ وہ سرتاسر محرومی ہے۔ پس جنتی زندگی کے مرقع میں بھی یہی بات سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے کہ وہ سلامتی کی زندگی ہوگی۔ اور وہاں ہر طرف سے سلامتی ہی کی پکاریں سنائی دیں گی۔

حنظل چونکہ تنادار نہیں ہوتا۔ اس لئے کہا جائے گا کہ مجازاً اس کو درخت کہا ہے اور کھجور کا عمدہ ہونا ظاہر ہے اور سینڈ اور جھاؤ بلحاظ بدبو و بدمزہ ہونا بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے طبی منافع اور نقصانات الگ رہے اہل ایمان کے دنیا میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جنات وشیاطین کے گمراہ کرنے کا ان پر اثر نہیں ہوتا اور وہ مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتے ہیں اور آخرت میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوالات کا صحیح صحیح اور اطمینان بخش جواب دیتے ہیں اور اسی اعتبار سے کفار کے دنیا میں اور آخرت میں گمراہ رہنے کا مطلب لیا جائے گا اور بعض نے آخرت سے مراد قیامت کا دن لیا ہے۔

ایک اشکال کا حل:..........البتہ اس آیت کو قبر کے سوال پر محمول کرنے کی صورت میں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ قبر کے سوال وجواب کا علم تو آنحضرتؐ کو مدینہ طیبہ میں ہوا ہے اور یہ سورۃ اس سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھی۔ پھر اس آیت کی تفسیر سوال قبر سے کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔

اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ممکن ہے یہ آیت مدنی ہو اور اس سورۃ کا مکی ہونا اکثر آیات کے اعتبار سے ہو اور دوسرا جواب یہ کہ یہ آیت عام ہے اور قبر اور قیامت دونوں کو شامل ہے۔ آخرت کے معنی بعد الموت کے ہوں۔ البتہ اس آیت کے ایک حصہ یعنی قیامت کا علم تو آپؐ کو مکہ ہی میں دے دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے دوسرے جزو یعنی قبر کے احوال کا علم وہ آپؐ کو مدینہ میں آکر کرایا گیا ہے۔

تاہم نصوص سے قیامت میں بھی سوال کا ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ فلنسئلن الذین ارسل الیهم ولنسئلن المرسلین فرق اتنا ہے کہ اہل ایمان سے حساب میں آسانی ہوگی اور اس میں ثابت قدمی سے ان کی مدد فرمائی جائے گی اور کفار سے سخت حساب کتاب ہوگا اور نزلت فی عذاب القبر سے یہ مراد نہیں کہ اس آیت کا تعلق خصوصیت سے قبر کے ساتھ ہے۔ بلکہ منشا یہ

ہے کہ قبر بھی آخرت کے مفہوم میں داخل ہے۔

لطائف آیات:............آیت وما کان لی علیکم الخ سے معلوم ہوا کہ شیطان کا زور وسوسہ اندازی کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ بہ جبر کسی سے گناہ نہیں کرا سکتا اس لئے یہ عذر باور کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ کیا کریں، شیطان نے فلاں گناہ کرا ہی دیا۔

اَلَمْ تَرَ تَنْظُرْ **اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** اَیْ شُكْرَهَا **كُفْرًا** هُمْ كُفَّارُ قُرَيْشٍ **وَّاَحَلُّوْا** اَنْزَلُوْا **قَوْمَهُمْ** بِاِضْلَالِهِمْ اِيَّاهُمْ **دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾** اَلْهَلَاكِ **جَهَنَّمَ** عَطْفُ بَيَانٍ **يَصْلَوْنَهَا** يَدْخُلُوْنَهَا **وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾** اَلْمَقَرُّ هِيَ **وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا** شُرَكَاءَ **لِّيُضِلُّوْا** بِفَتْحِ الْيَاءِ وَضَمِّهَا **عَنْ سَبِيْلِهٖ** دِيْنِ الْاِسْلَامِ **قُلْ** لَهُمْ **تَمَتَّعُوْا** بِدُنْيَاكُمْ قَلِيْلًا **فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ** مَرْجِعَكُمْ **اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ** فِدَاءٌ **فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾** مُخَالَّةٌ اَیْ صَدَاقَةٌ تَنْفَعُ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ **اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ** السُّفُنَ **لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ** بِالرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ **بِاَمْرِهٖ ۚ** بِاِذْنِهٖ **وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ** جَارِيَيْنِ فِيْ فَلَكِهِمَا لَا يَفْتَرَانِ **وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ** لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ **وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾** لِتَبْتَغُوْا فِيْهِ مِنْ فَضْلِهٖ **وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ** عَلٰی حَسْبِ مَصَالِحِكُمْ **وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ** بِمَعْنٰی اِنْعَامِهٖ **لَا تُحْصُوْهَا ۚ** لَا تُطِيْقُوْا عَدَّهَا **اِنَّ الْاِنْسَانَ** الْكَافِرَ **لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾** كَثِيْرُ الظُّلْمِ لِنَفْسِهٖ بِالْمَعْصِيَةِ وَالْكُفْرِ لِنِعْمَةِ رَبِّهٖ وَ اذْكُرْ **اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ** مَكَّةَ **اٰمِنًا** ذَا اَمْنٍ وَقَدْ اَجَابَ اللّٰهُ تَعَالٰی دُعَآءَهٗ فَجَعَلَهٗ حَرَمًا لَا يُسْفَكُ فِيْهِ دَمُ اِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيْهِ اَحَدٌ وَلَا يُصَادُ صَيْدُهٗ وَلَا يُخْتَلٰی خَلَاهُ **وَّاجْنُبْنِيْ** بَعِّدْنِيْ **وَبَنِيَّ** عَنْ **اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ** اَیِ الْاَصْنَامُ **اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ** بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا **فَمَنْ تَبِعَنِيْ** عَلَی التَّوْحِيْدِ **فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ** مِنْ اَهْلِ دِيْنِيْ **وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾** هٰذَا قَبْلَ عِلْمِهٖ اَنَّهٗ تَعَالٰی لَا يَغْفِرُ الشِّرْكَ **رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ** اَیْ بَعْضَهَا وَهُوَ اِسْمٰعِيْلُ مَعَ اُمِّهٖ هَاجَرَ **بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ** هُوَ مَكَّةَ **عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ** الَّذِيْ كَانَ قَبْلَ الطُّوْفَانِ **رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً** قُلُوْبًا **مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ** تَمِيْلُ وَتَحِنُّ **اِلَيْهِمْ** قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَوْ قَالَ اَفْئِدَةُ النَّاسِ لَحَنَّتْ اِلَيْهِ فَارِسُ وَالرُّوْمُ وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ **وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾** وَقَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّائِفِ اِلَيْهِ

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَانُخْفِيْ مَانُسِرُّ وَمَا نُعْلِنُ ۚ وَمَايَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ زَائِدَۃٌ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَافِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ كَلَامِهٖ تَعَالٰى اَوْكَلَامِ اِبْرَاهِيْمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ اَعْطَانِيْ عَلَى مَعَ الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وُلِدَ وَلَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ سَنَةً وَاِسْحٰقَ ۚ وُلِدَ وَلَهٗ مِائَةٌ وَّثِنْتَا عَشْرَةَ سَنَةً اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ اجْعَلْ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ مَنْ يُّقِيْمُهَا وَاَتٰى بِمِنْ لِاِعْلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَهٗ اَنَّ مِنْهُمْ كُفَّارًا رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ اَلْمَذْكُوْرَ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ هٰذَا قَبْلَ اَنْ يَّتَبَيَّنَ لَهٗ عَدَاوَتُهُمَا لِلّٰهِ وَقِيْلَ اَسْلَمَتْ اُمُّهٗ وَقُرِئَ وَالِدِيْ مُفْرَدًا وَوَلَدِيْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ يَثْبُتُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع

ترجمہ:.......... کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت (کے شکریہ) کو کفران نعمت سے بدل ڈالا (یعنی کفار قریش نے) اپنی قوم کو (گمراہ کر کے) ہلاکت (تباہی) کے گھر جا اتارا۔ یعنی جہنم میں (یہ عطف بیان ہے) داخل کر کے رہے اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور انہوں نے اللہ کے ساجھی (شریک) ٹھہرائے۔ تاکہ لوگوں کو بھٹکائیں (فتح یا اور ضمہ یا کے ساتھ ہے) اس (دین اسلام) کے راستہ سے آپؐ (ان سے) کہہ دیجئے۔ اچھا فائدے برت لو (دنیا میں تھوڑے سے) پھر انجام کار تمہارا ٹھکانا دوزخ ہی کی طرف ہے۔ جو میرے خاص ایمان والے بندے ہیں ان سے آپ فرما دیجئے کہ وہ نماز کی پابندی رکھیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہیں۔ ایسا وقت آنے سے پہلے کہ جب کسی طرح کا نہ لین دین (فدیہ) کام دے گا اور نہ کسی طرح کی دوستی (تعلق، محبت فائدہ دے گی، مراد قیامت کا دن ہے) یہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی برسایا۔ پھر اس سے طرح طرح کے پھل پیدا کئے کہ تمہارے لئے غذا کا سامان ہیں اور جہاز (کشتیاں) تمہارے نفع کے لئے مسخر بنائے تاکہ سمندر میں چلنے لگیں (سواری یا بار برداری کے طور پر) اللہ کے حکم (اجازت) سے نیز دریا بھی تمہارے لئے مسخر کر دیئے۔ اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیئے جو ایک خاص دستور کے مطابق ہمیشہ چلنے میں رہتے ہیں (اپنے اپنے مدار پر برابر گھومے جا رہے ہیں ذرا نہیں تھکتے) اور تمہارے نفع کے لئے رات کو بھی مسخر کیا (سکون حاصل کرنے کے لئے) اور دن کو بھی مسخر کیا (روزی تلاش کرنے کے لئے) غرضیکہ جو جو چیزیں تم نے مانگیں (بشرطیکہ اس کی مصلحت کے موافق ہوئیں) ہر چیز تمہیں عطا کی۔ اگر تم اللہ کی نعتیں (انعامات) گننا چاہو تو شمار میں نہیں لا سکتے (انہیں گن نہیں سکتے) حقیقت یہ ہے کہ انسان (کافر) بڑا ہی ناشکرا ہے (گناہ کر کے اپنی جان پر بے حد ظلم ڈھا رہا ہے اور اپنے مالک کی نعمتوں کا بے حد ناشکرا ہے) اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب کہ ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی، اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دیجیو (چنانچہ حق نے ان کی دعا قبول فرمالی اور اس جگہ کو حرم بنا دیا جس میں نہ کسی انسان کا خون گرانا جائز ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنا روا ہے۔ نہ ہی وہاں شکار کھیلنے کی اجازت ہے اور نہ ہی گھاس اکھاڑنا جائز ہے) اور مجھے اور میرے خاص فرزندوں کو بت پرستی سے بچائیو (دور رکھیو) پروردگار! ان (بتوں) نے بہت سے آدمیوں کو (اپنی پوجا پاٹ میں لگا کر) بھٹکا دیا ہے تو جو میرے پیچھے چلے گا (توحید میں) وہ تو میرا (ہم مذہب) ہے ہی اور جو میرا کہنا نہیں مانے گا سو آپ بے حد بخشش رحمت والے ہیں (یہ دعا اس وقت کی ہے جب انہیں پتہ نہیں تھا کہ شرک معاف نہیں کیا جائے گا) اے ہم سب کے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو (یعنی بعض اولاد کو یعنی حضرت اسماعیلؑ کو مع ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام

ونشان نہیں تھا (مراد مکہ ہے) تیرے محترم گھر کے پاس (جو طوفان نوحؑ سے پہلے سے موجود ہے) لا بسایا ہے۔ خدایا! اس لئے بسایا ہے کہ نماز قائم کریں۔ پس آپ کچھ لوگوں کے قلوب (دل) ان کی طرف مائل (راغب) کر دیجئے (ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیمؑ "افئدۃ الناس" فرما دیتے تو سب لوگوں کے دل (حرم کی طرف جھک پڑتے خواہ وہ فارسی ہوں یا رومی) اور ان کے لئے زمین کی پیداوار کے سامان رزق مہیا کر دے۔ تاکہ یہ آپ کے شکر گزار ہوں (چنانچہ اس دعا کی قبولیت اس طرح ہوئی کہ طائف سے یہ پیداوار اس سرزمین کی طرف منتقل ہونے لگی) اے ہمارے پروردگار! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ تو جانتا ہے جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی تیرے علم میں ہے۔ آسمان وزمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو (یہ جملہ کلام الٰہی ہے یا حضرت ابراہیمؑ کا مقالہ ہے) ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے عطا فرمائے اسماعیلؑ (حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ننانوے سال کی تھی) اور اسحٰقؑ جب کہ حضرت ابراہیمؑ کی عمر ایک سو بارہ سال کی تھی) حقیقت میں میرا پروردگار دعائیں سنتا ہے۔ خدایا! مجھے بھی نماز کا اہتمام کرنے والا رکھیو اور میری نسل میں سے بھی اس کی توفیق ملے (اور من اس لئے استعمال کیا کہ انہیں اللہ نے بتلا دیا تھا کہ تمہاری اولاد میں سے بعض کافر بھی ہوں گے) پروردگار! میری دعا تیرے حضور قبول ہو۔ پروردگار: میری اور میرے ماں باپ کی (ماں باپ کے حق میں یہ دعا اس وقت کی تھی جب انہیں واضح نہیں ہوا تھا کہ ماں باپ اللہ کے دشمن ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ ان کی والدہ ایمان لا چکی تھیں۔ ایک قرأت میں والدی اور ولدی مفرد پڑھا گیا ہے) اور ان سب کی جو ایمان لائے مغفرت کیجیو۔ جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

تحقیق وترکیب: .... **کفار قریش** جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور طبریؒ نے حضرت عمرؓ وعلیؓ سے نقل کیا ہے کہ ھما الافجران بنو امیۃ وبنو مخزوم۔ **لعبادی** اضافت تشریفیہ ہے۔ **یقیموا الصلوٰۃ۔ المقول** محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ قل لھم اقیموا الصلوۃ وانفقوا اور بعض یقیموا کو امر مانتے ہیں۔ ای لیقیموا او لینفقوا لام حذف کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ قل حذف لام پر دلالت کر رہا ہے۔ ورنہ ابتداءً یقیموا وینفقوا حذف لام کے ساتھ جائز نہ ہوتا۔

صداقۃ اس سے اشارہ کر دیا کہ **خلال** مصدر ہے اور ابو علی کی رائے میں خلۃ کی جمع ہے۔ **اللّٰہ الذی** اس آیت میں دس دلیلیں ہیں توحید باری پر۔ **من کل ماسألتموہ** بقول اخفشؒ من زائد ہے اور بقول سیبویہؒ من تبعیضیہ ہے اور ما موصولہ اسمیہ ہے یا حرفیہ ہے اور مصدر قائم مقام اسم مفعول ہے **علی حسب مصالحکم** یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ یہ کہنا کس طرح صحیح ہے کہ کل درخواستیں اور دعائیں منظور ہو جاتی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ جن دعاؤں کی قبولیت میں مصلحت ہوتی ہے وہ کل دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ اس صورت میں من تبعیضیہ ہوگا۔ لیکن من بیانیہ لینے کی صورت میں کل تکثیر کے لئے ہو جائے گا جیسے کہا جائے **فلان یعلم کل شئ** یا **اتاہ کل الناس** یا آیت قرآنیہ ہے۔ **فتحنا علیھم ابواب کل شئ**. **نعمۃ اللّٰہ** خدا کی نعمتیں موجود ہیں اور موجودات متناہی ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتیں متناہی ہیں پھر کیسے **لاتحصوھا** فرمایا گیا؟ مفسر علامؒ نے **نعمۃ** کو انعام کے معنی میں لے کر اسی کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انعامات تجدد کے لحاظ سے غیر متناہی ہیں۔

ھذا البلد یہاں البلد معرفہ ہے اور سورۂ بقرہ میں بلداً نکرہ آیا ہے۔ ممکن ہے حضرت ابراہیمؑ نے بار بار دعا فرمائی ہو۔ بیت اللہ کی تعمیر سے پہلے تو **ھذا بلداً** اتنا فرمایا ہو اور اس کی جگہ صرف شہریت دعا میں پیش نظر ہو اور خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد **ھذا البلد امنا** سے شہر کی مامونیت مطلوب ہو۔

واجنبنی باوجود معصوم ہونے کے خود اپنے لئے شرک وکفر سے بچنے کی دعا کرنا یا غایت خوف کی وجہ سے ہے کہ اپنے رتبہ کا خیال ہی نہ رہا اور یا مقصود اپنے ساتھ اولاد شریک کرنا ہو۔

انی اسکنت یہ واقعہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے بعد پیش آیا۔ چونکہ حضرت ہاجرہؑ حضرت سارہؑ کی باندی تھی۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بخش دیا تھا۔ چنانچہ ان سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوگئے اور حضرت سارہ کے ابھی تک کچھ نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے حضرت ابراہیمؑ پر زور دے کر حضرت ہاجرہؑ کو نکال دیا چنانچہ حق تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ ان دونوں ماں بیٹوں کو ملک شام سے لے کر مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں چھوڑ کر واپس ہوگئے۔

بیتك المحرم مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا کہ باعتبار ماکان کے مجازاً بیت الحرام کہا ہے اور مایؤل کے اعتبار سے بھی مجازاً جاری ہوسکتا ہے کہ آئندہ یہ جگہ بیت الحرام بننے والی ہے۔ علی الکبر علی اپنے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی مع بھی ہوسکتا ہے۔

اسماعیلؑ یہ لفظ اسمع یا ایل تھا۔ ایل بمعنی اللہ ہے۔ یعنی اے اللہ سن لے! جب اللہ نے دعا سن لی تو اسماعیل نام رکھ دیا اور اسحاق کا نام عبرانی زبان میں ضحاک تھا۔

ولوالدی ایک توجیہ مفسر علامؒ نے فرمائی ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ والدین سے مراد آدمؑ وحواء ہوں۔ تیسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ دعاء ومغفرت بشرط ایمان تھی اور والدہ اگر مؤمن تھیں تو والد کے بارہ میں توجیہ کی ضرورت پیش آئے گی۔

ربط آیات: .... الم تر الخ سے کفار ومشرکین کی برائی اور مؤمنین کی تعریف کی گئی ہے۔ آیت اللّٰہ الذی خلق الخ سے توحید ثابت کی جارہی ہے اور بعض نعمتوں کو یاد دلایا جارہا ہے۔ آیت واذقال ابراھیم الخ سے حضرت ابراہیمؑ کی مقبول دعاؤں کا ذکر ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **بھلائی کی طرف بڑوں ہی کو آگے بڑھنا چاہیئے:** .... آیت الم تر الی الذین الخ میں قریش مکہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ملک کی ریاست وپیشوائی کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں تھی اور عام لوگ انہی کے پیچھے چلتے تھے۔ لیکن ان کی محرومی دیکھو کہ کس طرح اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کر رہے ہیں اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کو شعار بنالیا ہے؟ اللہ نے انہیں قوم کی پیشوائی دی تھی۔ پس ان کا فرض تھا کہ دعوت حق کی قبولیت میں سب سے آگے ہوتے اور قوم کی سچی رہنمائی کرتے مگر انہوں نے استبداد نعمت کی راہ پسند کی۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی گمراہی میں دھکیل دیا۔ قریش مکہ کے کفران نعمت کے ذکر کے بعد ہی روئے سخن مومنوں کی طرف پھر گیا۔ فرمایا کہ انہیں چاہیئے کہ نعمت کی قدر کریں ناشکری سے بچیں، نماز قائم کرنے اور انفاق فی سبیل اللہ میں سرگرم رہیں۔

ربوبیت ہی دلیل معبودیت ہے: .... آیت اللّٰہ الذی الخ میں برہان ربوبیت سے استدلال ہے۔ فرماتے ہیں اپنی زندگی کی حاجتوں کو دیکھو اور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پر نظر ڈالو۔ زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے جس کا قدرتی انتظام نہ کر دیا گیا ہو اور کارخانہ عالم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو تمہارے لئے افادہ اور فیضان نہ رکھتا ہو۔ حتیٰ کہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز صرف اسی لئے بنی ہے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر دے اور کسی نہ کسی شکل میں خدمت ونفع رسانی کا ذریعہ ہو۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ بغیر ارادہ کے ظاہر ہوگیا اور کوئی ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟ اگر ایک ایسی ہستی موجود ہے تو

ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق اس کی ذات ہے یا ان کی جو حاجتوں میں خود کسی پروردگار کی پروردگاریوں کے محتاج ہیں۔

مادّی اور شرعی اسباب یکجا ہوسکتے ہیں یا نہیں؟:.......... بارش کے آسمان سے برسنے پر بعض کو یہ شبہ ہوا ہے کہ بعض دفعہ پہاڑوں کے اوپر کھڑے ہونے سے نیچے پانی برستا ہوا نظر آتا ہے اور پہاڑ کے اوپر کا حصہ خشک رہتا ہے اگر بارش آسمان سے برستی تو پہاڑ پر بھی برسنی چاہیئے تھی؟

لیکن یہ شبہ اس طرح صحیح نہیں کہ ممکن ہے بارش کا پانی غیر محسوس طور پر بادل میں آجاتا ہو اور قطرات نظر نہ آتے ہوں لیکن بادلوں سے نیچے قطرات چمکتے نظر آتے ہوں۔ رہا فلاسفہ کے نزدیک بخارات کو بارش کا سبب ماننا سو ممکن ہے دونوں مل کر بارش کا سبب ہوں۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی۔ یا یوں کہا جائے کہ دونوں الگ الگ مستقل سبب ہیں۔ کبھی ایک سبب پایا جاتا ہے کبھی دوسرا اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوا کرتا اور آیت من کل ما سألتموہ الخ میں جلال محققؒ نے وعلی حسب المصالح کی قید لگائی ہے۔ اس سے اس شبہ کا جواب ہوگیا کہ بعض چیزیں ہم مانگتے ہیں مگر نہیں ملتیں پھر کل دعاؤں کی مقبولیت کا دعویٰ کیسے کیا گیا ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مصلحت الٰہیہ جن دعاؤں سے متعلق ہو وہ سب قبول کی جاتی ہیں اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ لفظ کل تکثیر کے لئے ہے۔ یعنی اکثر دعائیں قبول کرلی جاتی ہیں ساری دعاؤں کی قبولیت کا دعویٰ نہیں کیا جارہا ہے کہ اشکال ہو۔

خدا کی بے شمار نعمتیں:.......... اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بے شمار ہونا اس طرح ہے کہ جو منافع اور فوائد انسان کو سر دست حاصل ہیں اور جن نقصانات سے وہ بچا رہتا ہے اول تو وہ بکثرت ہیں۔ پھر ان منافع کے اسباب و مقدمات کا ابتدائی سلسلہ پھر ان کے بعد کی مصلحتوں اور حکمتوں کا سلسلہ کہ وہ بھی نعمتیں ہیں۔ بیشمار ہیں کہ عادۃً ان کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔ اسی لحاظ سے نعمتوں کو بیشمار فرمایا گیا ہے۔ اور ان الانسان الخ میں انسان سے مراد جنس انسان ہے خواہ بعض افراد کے اعتبار ہی سے سہی۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ ہر انسان تو ناشکرا نہیں ہے۔

مشرکین مکہ کی ناشکری:.......... آیت واذ قال ابراھیم الخ اس ناشکری کی ایک مناسب مقام کی مثال بیان کردی۔ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہوسکتی ہے جو قریش مکہ نے کی ہے؟ وہ دنیا کے ایک ایسے گوشہ میں رہتے ہیں جو انسانی آبادی کے لئے زیادہ سے زیادہ ناموزوں مقام تھا۔ ایک بے آب وگیاہ ریگستان جہاں درندے بھی بھٹ نہ بنائیں اور پرند بھی ہوا میں اڑنا پسند نہ کریں۔ لیکن اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ایسا دلچسپ اور معمور مقام بنا دیا کہ انسانی دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے اور زمین کی ساری پیداوار جو کبھی سرسبز وشاداب ملک میں مل سکتی ہیں اس بنجر سرزمین میں مہیا ہوگئیں۔ یہ انقلاب کس طرح ہوا؟ حضرت ابراہیمؑ نے اگر یہاں دین حق کی عبادت گاہ بنائی اور اس کی پاسبانی اپنی اولاد کے سپرد کی۔ اس ویرانہ کو آباد کرنے کے سلسلہ میں ان کی دعا اس طرح مقبول ہوئی کہ عرب اور غیر عرب کے سالانہ اجتماع کا مرکز بن گیا۔ رؤساء قریش انہی کی نسل سے ہیں اور انہی کی برکتوں کا ظہور ہیں۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کا حق کس طرح ادا کیا؟ ملت ابراہیمی سے منحرف ہوگئے، ظلم وگمراہی کو اپنا شیوہ بنالیا، وہ دین حق جس کے قیام کے لئے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی بت پرستی سے بدل گیا۔ قریش اب اپنی تمام طاقتیں اس دعوت کی مخالفت میں خرچ کررہے ہیں جو اس ملت ابراہیمی کی تجدید ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی پانچوں دعائیں مقبول: .... حضرت ابراہیمؑ نے پانچ دعائیں فرمائی اور وہ سب مقبول ہوئیں۔ پہلی دعا مکہ کے حرم بننے کی تھی وہ مقبول ہوئی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنوایا۔ لیکن اگر کوئی شخص اس امن کو توڑ دے اور خلاف ورزی کرے تو اس سے شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ امن سے مراد مستحق امن ہوتا ہے اور استحقاق امن خلاف ورزی کے بعد بھی رہتا ہے۔ یہاں ھذا البلد امنا معرفہ آیا ہے اور سورۂ بقرہ میں ھذا بلدا امنا فرمایا گیا ہے۔ دونوں میں کچھ تعارض نہیں ہے۔ اس سے اس جگہ کا پہلے سے شہر ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے کہا جائے اجعل ھذا الخاتم حسنا یعنی اس انگوٹھی کو اچھا بنانا۔ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انگوٹھی جس کو بنوانا ہو پہلے سے تیار ہو۔ ایسی ترکیب سے زیادہ مقصد مفعول ثانی پر زور دینا ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دونوں لفظ کہے تھے یا ایک لفظ۔ سو دونوں احتمال ہیں۔ مثلاً اول بلدا امنا کہا ہو جس میں آبادی بنوانے کی دعا ہو اور پھر ھذا البلد امنا کہا ہو جس میں زیادہ مقصود امن کی دعا ہو اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک ہی لفظ کہا ہو جس میں آبادی کی بھی دعا مقصود ہو۔ لیکن امن کی دعا زیادہ مطلوب بھی تھی اس لئے نقل کرنے میں دونوں تعبیریں صحیح ہوگئیں۔ پہلی تعبیر تو دونوں کی مقصودیت کی بناء پر اور دوسری تعبیر امنیت کی زیادہ مقصودیت کی وجہ سے تھی۔

دوسری دعاء اجنبنی وبنی الخ میں وبنی سے مراد بلا واسطہ صلبی اولاد ہے۔ اس لئے اگر بعد کی اولاد میں شرک آ گیا تو اس سے قبولیت دعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ باقی حضرت ابراہیمؑ تو نبی معصوم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سے شرک سے بچے ہوئے تھے۔ پھر اس سے محفوظ رہنے کی دعا کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ آئندہ بھی ہمیشہ کے لئے حفاظت کی دعا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ نبی کے لئے عصمت چونکہ لازم ہے۔ اس لئے شرک سے حفاظت بھی ہمیشہ رہے گی پھر اس کی دعا کا کیا حاصل؟ علامہ آلوسیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی کے لئے معصومیت اللہ کی توفیق سے ہے اس کا لزوم طبعی نہیں ہے۔ اس لئے دعا کی ضرورت ہے۔

تیسری دعا نماز کا اہتمام برقرار رکھنے کی قبول ہوئی۔ چوتھی دعا لوگوں کے دلوں کو حرم کی طرف مائل کرنے کی بھی قبول ہوئی۔ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آ کر آباد ہوا۔ حضرت اسماعیلؑ کی شادی بھی اسی خاندان سے ہوئی اور پانچویں دعا رزق کے بادہ میں بھی قبول ہوئی چنانچہ طائف سے اور دوسرے شہروں سے بکثرت آمد ہوئی بلکہ اب تو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں زراعت اور باغات کی طرف رجحان ہو چلا ہے اور اس کے امکانات بھی کچھ روشن ہو رہے ہیں۔

مشرکین کے حق میں دعاء ابراہیمی: .... ومن عصانی فانک غفور رحیم میں اگر نافرمانی سے مراد شرک و کفر ہے تو ان کی مغفرت کا مطلب طلب ہدایت ہے جس کے نتیجہ میں مغفرت و نجات ہو سکے اور والدین میں سے والدہ اگر ایمان لا چکی تھیں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر ایمان ثابت نہ ہو تو ان کے لئے بھی۔ ورنہ صرف والد کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کی ایک توجیہ تو جلال محقق کر چکے ہیں اور دوسری توجیہ یہی ہے کہ مقصود ہدایت کی دعا ہے جس کے نتیجہ میں ان کی مغفرت ہو جائے۔

البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ غالباً یہ دعا بڑھاپے کی حالت میں ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کے باپ زندہ نہیں ہوں گے۔ پھر آخر دعائے ہدایت کے ظاہر ہونے کا کیا موقعہ ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ دو حال سے خالی نہیں یا حضرت ابراہیمؑ کو باپ کے مرنے کی اطلاع پہنچ چکی تھی یا نہیں۔ اگر نہیں پہنچی تب تو زندگی کے احتمال اور امید پر دعا کی ہوگی اور اگر مرنے کی خبر ہو گئی تو بشرط

ایمان مغفرت کی دعا مقصود ہوگی۔ پھر جب وحی سے باپ کا کفر پر مرنا معلوم ہوا تو حضرت ابراہیمؑ نے برأت کر لی اور والدہ کا ایمان اگر ثابت نہ ہو تو یہی جواب وہاں بھی ہوگا اس کی کچھ بحث آیت وما کان استغفار ابراھیم کے ذیل میں گیارہویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکی ہے۔

کھانے کی طرح پانی بھی اگرچہ ضروری ہے۔ لیکن اس کے لئے غالباً اس لئے دعا نہیں کی ہوگی کہ وادی ہونے کی وجہ سے وہ تو کچھ نہ کچھ جمع ہو ہی جائے گا۔ اسی لئے واد غیر ذی زرع کے ساتھ غیر ذات ماء نہیں فرمایا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی ان دو بیویوں کے علاوہ اگرچہ ایک تیسری کنعانی بیوی بھی تھیں جن سے چھ بچے اور ہوئے تھے۔ لیکن دعا میں صرف حضرت اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کی تخصیص شاید یا تو اس لئے ہو کہ اس وقت یہی دو ہوں اور یا ان دونوں کے سب میں برتر ہونے کی وجہ سے خصوصیت برتی ہو۔ اور ان سب دعاؤں کا ایک ہی جلسہ میں ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے یہ شبہ نہیں رہا کہ اس وقت حضرت اسماعیلؑ کا بچپن ہوگا۔ جیسا کہ اسکنت کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے۔ پس اس وقت اسحاقؑ کہاں تھے؟ تو ممکن ہے دونوں کے لئے الگ الگ وقتوں میں دعا کی ہو۔

لطائف آیات: ....آیت وان تعدوا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمت کا دائرہ اتنا وسیع ہے۔ کہ اہل جہنم تک اس سے باہر نہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت۔ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جہنمیوں پر بھی احسان ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دے سکتا تھا۔

آیت واجنبنی وبنی الخ سے معلوم ہوا کہ انبیاء معصوم ہوتے ہوئے بھی جب بے خوف نہیں ہوتے تو پھر ان کا کیا ذکر جو ہر وقت نفس وشیطان کے پھندوں میں پھنسے رہتے ہیں ان کو کب ناز کا موقعہ ہے۔

آیت ربنا انی اسکنت الخ سے بعض غالی صوفیوں نے استدلال کیا ہے کہ توکل کی رو سے ایسے مقامات پر اپنے اہل وعیال کو رکھنا جائز ہے جہاں کچھ سروسامان نہ ہو۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں، کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ نے وحی سے ایسا کیا اور چنانچہ حدیث میں ہے حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا کہ کیا آپ کو حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ہاں! کہنے لگیں پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور اب کس پر وحی آتی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہو؟

آیت فاجعل افئدۃ الخ سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی حد تک اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے مال وعزت کا طلب کرنا جائز ہے۔ بالخصوص جب کہ دین کی تائید کا ذریعہ ہو۔ جیسا کہ آیت میں نماز کے قیام اور شکرگزاری کی غرض ظاہر کی گئی ہے۔

قَالَ تَعَالٰی **وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ** الْكَافِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ **اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ** بِلَاعَذَابٍ **لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾** لِهَوْلِ مَاتَرَىٰ يُقَالُ شَخَصَ بَصَرُ فُلَانٍ اَیْ فَتَحَهٗ فَلَمْ يُغْمِضْهُ **مُهْطِعِيْنَ** مُسْرِعِيْنَ حَالٌ **مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ** رَافِعِيْ اِلَى السَّمَآءِ **لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ** بَصَرُهُمْ **وَاَفْئِدَتُهُمْ** قُلُوْبُهُمْ **هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾** خَالِيَةٌ مِنَ الْعَقْلِ لِفَزْعِهِمْ **وَاَنْذِرِ** خَوِّفْ يَامُحَمَّدُ **النَّاسَ** الْكُفَّارَ **يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ** هُوَيَوْمُ الْقِيٰمَةِ **فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا** كَفَرُوْا **رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ** بِاَنْ تَرُدَّنَا اِلَى الدُّنْيَا **اِلٰٓى اَجَلٍ**

قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ بِالتَّوْحِيدِ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ فَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيخًا أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ حَلَفْتُمْ مِّن قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مَا لَكُم مِّن زَائِدَةٌ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ عَنْهَا إِلَى الْآخِرَةِ وَسَكَنتُمْ فِيهَا فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ مِنَ الْأُمَمِ السَّابِقَةِ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ مِنَ الْعُقُوبَةِ فَلَمْ تَنْزَجِرُوا وَضَرَبْنَا بَيَّنَّا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ فِي الْقُرْآنِ فَلَمْ تَعْتَبِرُوا وَقَدْ مَكَرُوا بِالنَّبِيِّ صَلْعَمْ مَكْرَهُمْ حَيْثُ أَرَادُوا قَتْلَهُ أَوْ تَقْيِيدَهُ أَوْ إِخْرَاجَهُ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ أَيْ عِلْمُهُ أَوْ جَزَاؤُهُ وَإِن مَا كَانَ مَكْرُهُمْ وَإِنْ عَظُمَ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ الْمَعْنَى لَا يُعْبَأُ بِهِ وَلَا يَضُرُّ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَالْمُرَادُ بِالْجِبَالِ هُنَا قِيلَ حَقِيقَتُهَا وَقِيلَ شَرَائِعُ الْإِسْلَامِ الْمُشَبَّهَةُ بِهَا فِي الْقَرَارِ وَالثَّبَاتِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ لَامِ لِتَزُولَ وَرَفْعِ الْفِعْلِ فَإِنْ مُخَفَّفَةٌ وَالْمُرَادُ تَعْظِيمُ مَكْرِهِمْ وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالْمَكْرِ كُفْرُهُمْ وَيُنَاسِبُهُ عَلَى الثَّانِيَةِ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا وَعَلَى الْأُولَى مَاقُرِئَ وَمَا كَانَ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ بِالنَّصْرِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَالِبٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ مِمَّنْ عَصَاهُ أُذْكُرْ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ فَيُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى أَرْضٍ بَيْضَاءَ نَقِيَّةٍ كَمَا فِي حَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ وَرَوَى مُسْلِمٌ حَدِيثًا سُئِلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ قَالَ عَلَى الصِّرَاطِ وَبَرَزُوا خَرَجُوا مِنَ الْقُبُورِ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى يَا مُحَمَّدُ تُبْصِرُ الْمُجْرِمِينَ الْكَافِرِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ مَشْدُودِينَ مَعَ شَيَاطِينِهِمْ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ الْقُيُودِ أَوِ الْأَغْلَالِ سَرَابِيلُهُم قُمُصُهُمْ مِّن قَطِرَانٍ لِأَنَّهُ أَبْلَغُ لِاشْتِعَالِ النَّارِ وَتَغْشَىٰ تَعْلُوا وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ مُتَعَلِّقٌ بِبَرَزُوا اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ يُحَاسِبُ جَمِيعَ الْخَلْقِ فِي قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيثٍ بِذٰلِكَ هَٰذَا الْقُرْآنُ بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ أَيْ أُنْزِلَ لِتَبْلِيغِهِمْ. وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا بِمَا فِيهِ مِنَ الْحُجَجِ أَنَّمَا هُوَ أَيِ اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ بِإِدْغَامِ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الذَّالِ يَتَّعِظُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ أَصْحَابُ الْعُقُولِ

ترجمہ: .... (اللہ فرماتے ہیں) اور تم یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ غافل ہیں ظالموں (مکہ کے کافروں) کے عمل سے، دراصل ان کو (بلا عذاب) اللہ نے صرف اس دن تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پتھرا جائیں گی (دہشت ناک منظر دیکھ کر بولتے ہیں شخص فلان یعنی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں) دوڑتے ہوں گے (جلدی جلدی یہ حال ہے) اپنے سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے۔ نگاہیں ہیں کہ لوٹ کر آنے والی نہیں اور دل ہیں کہ بالکل بدحواس ہیں (ہوش کھوئے ہوئے ہیں گھبراہٹ کے مارے)

اور (اے محمد!) آپ ان لوگوں (کافروں) کو اس دن سے ڈرایئے جب ان پر عذاب آپڑے گا (قیامت کے دن) پھر یہ ظالم (کافر) لوگ کہیں گے پروردگار! ہمیں مہلت دیجئے (دنیا میں واپس بھیج دیجئے) تھوڑی سی مدت کے لئے۔ ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے (توحید کے سلسلہ میں) اور پیغمبروں کی پیروی کریں گے (لیکن ڈانٹتے ہوئے ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اس سے پہلے (دنیا میں) قسمیں نہ کھائیں تھیں کہ تمہیں کسی طرح کا زوال ہی نہیں؟ (من زائد ہے دنیا سے آخرت کی طرف جانا نہیں ہے) تم انہیں لوگوں کی بستیوں میں سے تھے۔ جنہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی تھی (یعنی پہلی امتوں میں سے جنہوں نے کفر کیا تھا) اور تمہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہوگیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا (سزا کا لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آئے تھے) نیز تمہیں سمجھانے کے لئے ہم نے طرح طرح کی مثالیں بھی بیان کردیں (قرآن میں مگر تم نے پھر بھی کوئی عبرت حاصل نہیں کی) ان لوگوں نے (نبی کریم ﷺ کے ساتھ) اپنی سی ساری تدبیریں کرڈالیں تھیں (آپ کو قتل کرنے، قید کرنے کی، جلاوطن کرنے کی سازشیں کی) اور اللہ کے پاس ان کی ساری تدبیروں کا جواب تھا (یعنی ان کی تدبیروں کا اللہ کو علم تھا یا ان کی سزا اللہ کے پاس تھی) اور ان کی تدبیریں ایسی ہی نہیں تھیں۔ کہ (خواہ کتنی ہی بڑی ہوں) کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہلا دیں (یعنی وہ تدبیریں کچھ وزنی یا نقصان دہ نہیں تھیں مگر انہیں کے لئے اور پہاڑ سے یہاں مراد بعض حضرات نے حقیقۃً پہاڑ لئے ہیں اور بعض کی رائے میں احکام اسلامی کو پہاڑ سے تشبیہ دی گئی ہے پائداری اور مضبوطی میں اور ایک قرأت میں لتــــزول کا پہلا لام مفتوح اور فعل مرفوع ہے۔ اس صورت میں ان مخففہ ہوگا اور مراد تدبیروں کا بڑا ہونا ہوگا اور بعض نے کہا ہے کہ مکر سے مراد کفر ہے اور اس دوسری قرأت کے مناسب یہ آیت بھی ہے **تکاد السموات یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا** اور پہلی قرأت کے مناسب اس آیت کی ایک قرأت لفظ **وما کان** کے ساتھ ہے) پس ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ (نصرت) کرچکا ہے اس کے خلاف کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (کوئی طاقت اسے زیردست نہیں بنا سکتی) پورا بدلہ لینے والا ہے (نافرمانوں سے، یاد کیجئے) وہ دن کہ جب یہ زمین بدل کر دوسری ہی زمین ہوجائے گی اور آسمان بھی بدل جائیں گے (قیامت کے روز، ایک صاف سفید زمین پر لوگوں کا حشر ہوگا۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے۔ اور مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ اس روز کہاں جائیں گے؟ فرمایا کہ پل صراط پر ہوں گے) اور سب کے سب (قبروں سے نکل کر) اللہ یگانہ اور زبردست کے حضور پیش ہوں گے اور (اے محمد) تم اس دن مجرموں (کافروں) کو دیکھو گے کہ جکڑے ہوئے ہیں (اپنے شیطانوں سمیت بندھے ہوئے ہوں گے) زنجیروں میں (بیڑیوں اور رسوں میں) ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے۔ یہ اس لئے ہوگا (کیوں کہ یہ آگ کو بہت جلد پکڑنے والی ہوتی ہے) اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر لپٹے ہوں گے۔ یہ اس لئے ہوگا کہ (اس کا تعلق بــــرزوا کے ساتھ ہے) اللہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق (بھلائی برائی کا) بدلہ دے دے۔ بلاشبہ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے (کہ ساری دنیا کا حساب کتاب۔ دنیا کے اعتبار سے آدھے دن میں بنادے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) یہ (قرآن) انسانوں کے لئے ایک پیام ہے (جو ان کی تبلیغ کے لئے اتارا گیا ہے) کہ وہی (یعنی اللہ) ایک معبود برحق ہے۔ نیز اس لئے کہ اس سے نصیحت پکڑیں (دراصل اس میں تاء کا ذال میں ادغام ہو رہا ہے یعنی یتــعـظ) سمجھ بوجھ والے (دانشمند)۔

تحقیق وترکیب: ....غـافلاً حق تعالیٰ کے لئے غفلت چونکہ محال ہے اس لئے لازمی معنی لئے جائیں گے۔ یعنی بدلہ نہ دینا اور چھوڑ دینا۔ **مهطعین مقنعی رؤسهم** دونوں منصوب علی الحال ہیں۔ حضرت اسرافیلؑ بلند ٹیلہ پر کھڑے ہوکر آواز لگائیں گے ایتھا

العظام البالیة تو سب ان کی طرف دوڑیں گے۔ یوم تبدل الارض قیامت کے روز زمین کی تبدیلی میں اختلاف ہے۔ بعض نے اوصاف کی تبدیلی مراد لی ہے یعنی اس کے پہاڑ اور نہریں سب ختم ہو کر زمین یکساں ہو جائے گی اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمین تو ایسی ہی رہے گی۔ لیکن آسمان میں تبدیلی ہوگی کہ ستارے پھیل جائیں گے۔ سورج چاند گرہن ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ کر دروازے بن جائیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ زمین آسمان بدل کر دوسرے ہو جائیں گے اور ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایسی سفید زمین پر لوگوں کا حشر ہوگا۔ جس پر کوئی خطا نہیں ہوئی ہوگی اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ زمین چاندی کی اور آسمان سونے کا ہو جائے گا۔ روی مسلم حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ قالت قال رسول اللہ ﷺ یوم تبدل الارض غیر الارض ۔این الناس یومئذ ،قال سئلتنی عن شیئ ما سألنی احد قبلک الناس یومئذ علی الصراط آیت میں آسمان زمین کی تبدیلی دونوں طرح کی مراد ہو سکتی ہے۔ ذاتی بھی اور صفاتی بھی۔ صفاتی تبدیلی تو نغمۂ صعق سے پہلے ہوگی کہ ستارے بکھر جائیں گے، آفتاب ماہتاب بے نور ہو جائیں گے آسمان بھی تیل کی طرح ہوگا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑے پھریں گے اور ذاتی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ زمین چاندی کی اور آسمان سونے کا ہو جائے گا۔ مقرنین جیسا کہ دوسری آیت **نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین**۔ اور آیت **فوربک لنحشر نھم والشیاطین** سے معلوم ہوتا ہے۔ **قطران** یہ فتح قاف اور کسر طاء کے ساتھ اور سکون طاء کے ساتھ دونوں لغت ہیں۔ پہلی عام قرأت ہے اور دوسری حضرت عمرؓ وعلیؓ کی قرأت ہے۔ ایک تیل ہوتا ہے جو خارشی اونٹ کو ملا جاتا ہے جس سے خارش اچھی ہو جاتی ہے۔

ربط آیات:.........پہلی آیت **ومن ورائه الخ** میں جہنم کا ذکر کیا گیا تھا۔ آیت **ولا تحسبن اللہ الخ** میں بھی یہی مضمون ہے۔ آیت **ھذا بلاغ للناس الخ** میں توحید و رسالت و معاد اور قرآن کا تعلق جامع مضمون بیان کیا گیا ہے۔

﴿تشریح﴾:.........**وسکنتم الخ** میں ایسے کفار کو خطاب ہے جن سے پہلے کی امت کو عذاب ہو چکا ہو۔ اس توجیہ کے بعد اب تسلسل لازم نہیں آئے گا کہ ہر رہنے والے کے لئے ظالموں کے گھر میں جب رہنا ضروری ہوا اور پھر وہ ظالم بھی دوسرے ظالموں کے گھر میں رہنے والے ہوئے تو اس طرح تسلسل لازم آئے گا۔ لیکن جب بعد کے کافر مراد ہوں گے تو یہ اشکال نہیں رہے گا۔ بلکہ سیاق وسباق بتلا رہا ہے کہ بعد کے کفار میں بھی خاص اس امت کے کافر مراد ہیں اور ان کا ان مبتلائے عذاب لوگوں کے گھروں میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ملک شام کی طرف اہل عرب تجارتی اسفار میں ان جگہوں میں ٹھہرتے تھے اور یا یہ مطلب ہے کہ طوفان نوح میں چونکہ سب کافر غرق ہو گئے تھے اور عرب لوگ جہاں رہتے تھے وہ جگہیں بھی انہیں میں سے ہیں جن پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔

قیامت میں زمین وآسمان بدل جائیں گے:.........زمین وآسمان کے بدلنے سے مراد ذات اور صفت کے اعتبار سے دونوں طرح صحیح ہے۔ کیونکہ زمین وآسمان کے بدلنے میں مادہ تو پہلا ہی ہوگا۔ مگر ہیئت بدل دی جائے گی پس اگر ہیئت کو جزو ذات مانا جائے تو تبدیل ذاتی کہلائے گی اور خارج ذات قرار دیا جائے تو صفاتی تبدیلی کہلائے گی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین وآسمان میں کچھ اور تبدیلی بھی ہوگی جس میں اہل محشر زمین کی بجائے پل صراط پر ہوں گے باقی اس تبدیلی کی حکمت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ بہر حال جس حادثہ کو قرآن نے قیامت سے تعبیر کیا ہے وہ اجرام سماویہ کا ایسا حادثہ ہوگا جو کہ کرۂ ارض کو بالکل بدل دے گا۔ نہ تو

زمین وہ زمین رہے گی جو کہ اب ہے۔ نہ آسمان ویسا آسمان ہوگا جیسا کہ اب نظر آرہا ہے۔ رہا کسی کی تدبیروں سے پہاڑوں کا ٹل جانا سو یہ ایک محاورہ ہے جو کسی چیز کی قوت بیان کرنے کے لئے بولا جاتا ہے اور آج کل تو ایسی ایٹمی ایجادات ہوگئی ہیں جن سے بڑے بڑے پہاڑ غاروں میں تبدیل کئے جاسکتے ہیں ۔ آخری آیت میں بلاغ سے مراد تصدیق رسالت ہے اور لینذروا سے مراد معاد کی تصدیق ہے اور لیعلموا سے مراد توحید کی تصدیق ہے اور لیذکر میں مالی اور بدنی عبادات مراد ہیں۔ اس طرح یہ آیت تمام مضامین سورت کی جامع ہوگئی۔

لطائف آیات:............آیت **وان کان مکرھم الخ** سے معلوم ہوا کہ کسی بات میں مبالغہ کرنا جس کی حقیقت ضرب المثل ہوتی ہے سچ کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیئے ۔ خاص کر غلبۂ حال کے وقت کہ عبارت اپنے ظاہر سے تو خارج ہوتی ہے۔ مگر اس کا مدلول اہل مناسبت کے نزدیک ظاہر ہوتا ہے۔

نوٹ

سورۃ الحجر کی پہلی آیت تیرھویں پارہ کی ہے لیکن اس تفسیر میں سورتوں کا اعتبار کیا گیا ہے لہذا اسے چودھویں پارہ کی ابتداء میں ملاحظہ فرمائیں

﴾پارہ نمبر۱۴﴿

رُبَمَا

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ **تِلْكَ** هٰذِهِ الْاٰيَاتُ **اٰيٰتُ الْكِتٰبِ** الْقُرْاٰنِ وَالْاِضَافَةُ بِمَعْنٰى مِنْ **وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ﴿۱﴾** مُظْهِرٍ لِلْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ **رُبَمَا** بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ **يَوَدُّ** يَتَمَنّٰى **الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِذَا عَايَنُوْا حَالَهُمْ وَحَالَ الْمُسْلِمِيْنَ **لَوْكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴿۲﴾** وَرُبَّ لِلتَّكْثِيْرِ فَاِنَّهٗ يُكْثِرُ مِنْهُمْ تَمَنِّيْ ذٰلِكَ وَقِيْلَ لِلتَّقْلِيْلِ فَاِنَّ الْاَحْوَالَ تُدْهِشُهُمْ فَلَا يُفِيْقُوْنَ حَتّٰى يَتَمَنَّوْا ذٰلِكَ اِلَّافِيْ اَحْيَانٍ قَلِيْلَةٍ **ذَرْهُمْ** اُتْرُكِ الْكُفَّارَ يَا مُحَمَّدُ **يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا** بِدُنْيَاهُمْ **وَيُلْهِهِمُ** يُشْغِلْهُمُ **الْاَمَلُ** بِطُوْلِ الْعُمْرِ وَغَيْرِهٖ عَنِ الْاِيْمَانِ **فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴿۳﴾** عَاقِبَةَ اَمْرِهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ** زَائِدَةٌ **قَرْيَةٍ** اُرِيْدَ اَهْلُهَا **اِلَّاوَلَهَا كِتَابٌ** اَجَلٌ **مَّعْلُوْمٌ﴿۴﴾** مَحْدُوْدٌ لِهَلَاكِهَا **مَاتَسْبِقُ مِنْ** زَائِدَةٌ **اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ﴿۵﴾** يَتَاَخَّرُوْنَ عَنْهُ **وَقَالُوْا** اَیْ كُفَّارُ مَكَّةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ** الْقُرْاٰنُ فِیْ زَعْمِهٖ **اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴿۶﴾ لَوْمَا** هَلَّا **تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴿۷﴾** فِیْ قَوْلِكَ اِنَّكَ نَبِیٌّ وَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ تَعَالٰى **مَانُنَزِّلُ** فِيْهِ حَذْفُ اِحْدَى التَّائَيْنِ **الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّابِالْحَقِّ** بِالْعَذَابِ **وَمَاكَانُوْٓا اِذًا** اَیْ حِيْنَ نُزُوْلِ الْمَلَائِكَةِ بِالْعَذَابِ **مُّنْظَرِيْنَ﴿۸﴾** مُؤَخَّرِيْنَ **اِنَّا نَحْنُ** تَاكِيْدٌ لِاِسْمِ اِنَّ اَوْ فَصْلٌ **نَزَّلْنَا الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **وَاِنَّالَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴿۹﴾** مِنَ التَّبْدِيْلِ وَالتَّحْرِيْفِ وَ الزِّيَادَةِ وَالنَّقْصِ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ** رُسُلًا **فِیْ شِيَعِ** فِرَقِ **الْاَوَّلِيْنَ﴿۱۰﴾ وَمَا كَانَ يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّاكَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴿۱۱﴾** اِسْتِهْزَاءُ قَوْمِكَ بِكَ وَهٰذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ** اَیْ مِثْلَ اِدْخَالِنَا التَّكْذِيْبَ فِیْ قُلُوْبِ اُولٰئِكَ نُدْخِلُهٗ **فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ﴿۱۲﴾** اَیْ

كُفَّارِ مَكَّةَ **لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ** بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ﴿۱۳﴾** اَىْ سُنَّةُ اللّٰهِ فِيْهِمْ مِنْ تَعْذِيْبِهِمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ اَنْبِيَاءَ هُمْ وَهٰؤُلَاءِ مِثْلُهُمْ **وَلَوْفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ** فِى الْبَابِ **يَعْرُجُوْنَ﴿۱۴﴾** يَصْعَدُوْنَ **لَقَالُوْآ اِنَّمَا سُكِّرَتْ** سُدَّتْ **اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴿۱۵﴾** يُخَيَّلُ اِلَيْنَا ذٰلِكَ **وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا** اِثْنَى عَشَرَ الْحَمَلُ وَالثَّوْرُ وَالْجَوْزَاءُ وَالسَّرَطَانُ وَالْاَسَدُ وَالسُّنْبُلَةُ وَالْمِيْزَانُ وَالْعَقْرَبُ وَالْقَوْسُ وَالْجَدْىُ وَالدَّلْوُ وَالْحُوْتُ وَهِىَ مَنَازِلُ الْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السَّيَّارَةِ اَلْمِرِّيْخ وَلَهُ الْحَمَلُ وَالْعَقْرَبُ وَ الزُّهَرَةِ وَلَهَا الثَّوْرُ وَالْمِيْزَانُ وَعُطَارِدٍ وَلَهُ الْجَوْزَاءُ وَالسُّنْبُلَةُ وَالْقَمَرِ وَلَهَا السَّرَطَانُ وَالشَّمْسِ وَلَهَا الْاَسَدُ وَالْمُشْتَرِىْ وَلَهُ الْقَوْسُ وَالْحُوْتُ وَزُحَلٍ وَلَهُ الْجَدْىُ وَالدَّلْوُ **وَّزَيَّنّٰهَا** بِالْكَوَاكِبِ **لِلنّٰظِرِيْنَ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا** بِالشُّهُبِ **مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ﴿۱۷﴾** مَرْجُوْمٍ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ** خَطِفَهُ **فَاَتْبَعَهٗ** لَحِقَهُ **شِهَابٌ مُّبِيْنٌ﴿۱۸﴾** كَوْكَبٌ مُضِيْءٌ يُحْرِقُهُ اَوْ يَثْقُبُهُ اَوْ يُخَبِّلُهُ **وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا** بَسَطْنَاهَا **وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِىَ** جِبَالًا ثَوَابِتَ لِئَلَّا تَتَحَرَّكَ بِاَهْلِهَا **وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْزُوْنٍ﴿۱۹﴾** مَعْلُوْمٍ مُقَدَّرٍ **وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ** بِالْيَاءِ مِنَ الثِّمَارِ وَالْحُبُوْبِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ **مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ﴿۲۰﴾** مِنَ الْعَبِيْدِ وَالدَّوَابِّ وَالْاَنْعَامِ فَاِنَّمَا يَرْزُقُهُمُ اللّٰهُ **وَاِنْ** مَا **مِّنْ** زَائِدَةٌ **شَىْءٍ اِلَّاعِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ** مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِهٖ **وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴿۲۱﴾** عَلٰى حَسْبِ الْمَصَالِحِ **وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ** تُلَقِّحُ السَّحَابَ فَيَمْتَلِئُ مَاءً **فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ** السَّحَابِ **مَآءً** مَطَرًا **فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخَازِنِيْنَ﴿۲۲﴾** اَىْ لَيْسَتْ خَزَائِنُهُ بِاَيْدِيْكُمْ **وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْىٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴿۲۳﴾** اَلْبَاقُوْنَ نَرِثُ جَمِيْعَ الْخَلْقِ **وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ** اَىْ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْخَلْقِ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ **وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ﴿۲۴﴾** اَلْمُتَاَخِّرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ **وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ** فِىْ صُنْعِهٖ **عَلِيْمٌ﴿۲۵﴾** بِخَلْقِهٖ

ترجمہ:............ الف، لام، را (اس کی حقیقی مراد تو اللہ کو معلوم ہے) یہ آیتیں ہیں کتاب کی (مراد قرآن ہے اور اضافت بواسطہ من ہے) اور قرآن کی جو روشن ہے (حق و باطل میں امتیاز کرنے والا قرآن کا اور اس کی صفت کا عطف کتاب پر ہو رہا ہے) بار بار (یہ لفظ تشدید و تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے) آرزوئیں (تمنائیں) کریں گے۔ کافر لوگ (قیامت کے دن، جب ان کی اور مسلمانوں کی حالت کا معائنہ کریں گے) کہ کاش! ہم بھی مسلمان ہوتے (لفظ ربّ تکثیر کے لئے ہے۔ یعنی بار بار ان کی طرف سے یہ تمنائیں ہوں گی اور بعض کے نزدیک رب تقلیل بیان کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ قیامت کی ہولناکیوں میں وہ اس درجہ مدہوش ہوں گے کہ انہیں اس تمنا کرنے کا بہت ہی کم موقعہ ملے گا) انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو (اے محمد!) کفار کو ان کے حال پر رہنے دیجئے) کہ وہ کھالی

لیں اور چین اڑالیں (دنیا میں) امیدوں پر بھولے رہیں (زیادہ لمبی عمر کے خیالی منصوبوں میں پڑ کر ایمان سے محروم رہیں) ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (انجام کار کے متعلق، یہ حکم جہادی حکم سے پہلے کا ہے) ہم نے کبھی کسی بستی (کے باشندوں) کو ہلاک نہیں کیا (من زائد ہے) مگر اسی طرح ان کے لئے ایک ٹھہرائی ہوئی بات تھی۔ جس میں ان کی تباہی مقرر ہو چکی تھی) کوئی امت نہ تو اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے (من زائد ہے) اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے اور (کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ سے) کہا اے وہ شخص! جس پر نصیحت (اس کے خیال کے مطابق قرآن کی دولت) اتری ہے تو یقیناً دیوانہ ہے۔ تو فرشتے اتار کر کیوں نہیں دکھلا دیتا اگر تو اپنے دعویٰ میں سچا ہے (کہ تو نبی ہے اور یہ قرآن کلام الٰہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ہم فرشتے بے کار (بلا عذاب کے) نہیں اتارا کرتے اور (جب فرشتے عذاب الٰہی لے کر آتے ہیں) تو اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جاتی بلاشبہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ خود ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (ردوبدل، کمی بیشی نہیں ہونے دیں گے) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے پچھلے لوگوں میں (پیغمبر) بھیجے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی کے پاس کوئی پیغمبر آیا ہو اور لوگوں نے اس کی ہنسی نہ اڑائی ہو (جس طرح آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑا رہی ہے۔ دراصل اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے) اسی طرح (جیسے ان کے دلوں میں ہم نے جما دیا ہے) ہم بٹھا دیتے ہیں مجرموں (کفار مکہ) کے دلوں میں کلام حق کی مخالفت، یہ لوگ (نبی کریم ﷺ پر) ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان سے ایسا ہی برتاؤ ہوتا چلا آیا ہے (یعنی جنہوں نے اللہ کے نبی کو جھٹلایا، اللہ کی عادت انہیں عذاب میں گرفتار کرنے کی رہی ہے، اسی طرح ان کا حال ہوگا) اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ دن دہاڑے اس (دروازہ) پر چڑھنے لگیں، تب بھی یہی کہنے لگیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے۔ بلکہ ہم لوگوں پر بالکل جادو کردیا گیا ہے (جس سے ہمیں ایسا دکھائی دے رہا ہے) اور یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کردیئے (بارہ برج مراد ہیں حمل۔ ثور۔ جوزاء۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔ یہ بارہ برج سات سیاروں کے منازل کہلاتے ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے کہ مریخ ستارے کے لئے حمل اور عقرب دو برج ہیں۔ اور زہرہ ستارے کے لئے ثور اور میزان دو برج ہیں۔ اور عطارد ستارے کے جوزاء اور سنبلہ دو برج ہیں اور قمر ستارے کے لئے صرف سرطان برج اور سورج کے لئے بھی صرف برج اسد ہی اور مشتری ستارہ کے لئے قوس اور حوت دو برج ہیں اور زحل ستارہ کے لئے جدی اور دلو دو برج ہیں) اور اسے دیکھنے والوں کے لئے خوشنما کردیا (ستاروں سے) نیز اسے (شعلوں کے ذریعہ) ہر شیطان مردود (پھٹکار مارے ہوئے) سے محفوظ کردیا ہے۔ الا یہ کہ کوئی کن سوئے لینا چاہے (چوری چھپے سن بھاگے) تو پھر ایک چمکتا ہوا شعلہ اس کا تعاقب کرتا ہے (روشن ستارہ سے اسے بھسم کردیا جاتا ہے یا چھید دیا جاتا ہے یا اسے خبطی بنا دیا جاتا ہے) اور ہم نے زمین بچھادی (پھیلادی) اور اس میں بھاری پہاڑ گاڑ دیئے (مضبوط پہاڑ، تاکہ وہ اپنے باشندوں کو لئے ہوئے ڈگمگا نہ سکے) اور اس میں ہر قسم کی چیزیں ایک معینہ مقدار سے اگائیں اور تمہارے لئے معیشت کا سارا سامان مہیا کردیا (پھل اور غلے لفظ معایش یاء کے ساتھ ہے) اور ان مخلوقات کو بھی (تمہارے لئے پیدا کردیا) جن کے لئے تم روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو (یعنی غلام، عام جانور، چوپائے، کیونکہ اللہ ہی انہیں روزی دیتا ہے) اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ اس کے ذخیرے (خزانے کی کنجیاں) ہمارے پاس نہ ہوں۔ مگر ہم انہیں (حسب مصالح) ایک ٹھہرائے ہوئے قانون کے مطابق ہی بھیجتے ہیں۔ اور ہم نے ہوائیں چلائیں کہ بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں (بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور پانی سے لبریز کردیتی ہیں) پھر ہم ہی آسمان سے (بادل) پانی بارش برسا دیتے ہیں اور وہ تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ حالانکہ تم اتنا پانی جمع کر کے نہیں رکھ سکتے تھے (یعنی ان کے ذخیرے تمہارے قبضہ میں نہیں آسکتے تھے) اور یہ ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی باقی رہ جائیں گے (سب کی کمائی ہمارے ہی قبضہ میں

آئے گی) اور تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں (آدم سے لے کر تم تک جو لوگ گزرے ہیں) اور تمہارے پچھلوں کو بھی جانتے ہیں (قیامت تک جو آنے والے ہیں) اور بلاشبہ آپ کا پروردگار ہی ان کو جمع فرمائے گا، یقیناً وہ (اپنی صفت میں) حکمت والا (اپنی مخلوق کو) جاننے والا ہے۔

تحقیق وترکیب:............الحجر مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ جہاں کا واقعہ اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سورت کا مکی ہونا اور اس میں ۹۹ آیات بالا جماع ہیں۔

یود قیامت کے روز یہ تمنا کریں گے، یا نزع کے وقت جب عذاب کا مشاہدہ ہوگا، یا بقول امام اعظمؒ کے جب مسلمان جہنم سے نکال لئے جائیں گے اور لفظ رب تکثیر اور تقلیل دونوں کے لئے آتا ہے اور کبھی تقلیل سے تحقیق کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔

انا نحن نزلنا چونکہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ، خدائی وعدہ ہے۔ اس لئے قیامت تک قرآن محفوظ رہے گا۔ لیکن تورات وانجیل کی حفاظت کا بار علماء یہود ونصاریٰ پر ڈالا گیا تھا۔ جیسا کہ آیت **بما استحفظوا من کتاب اللّٰہ** سے معلوم ہوتا ہے اور انسانی حفاظت جیسی کچھ ہے معلوم ہے۔ اس لئے پچھلی آسمانی کتابیں پوری طرح محفوظ نہیں رہ سکیں اور اس طرح کی قرآنی غیر معمولی حفاظت کہ اس کے ایک نقطہ اور شوشہ میں بھی آج تک کوئی فرق نہیں آسکا۔ یہ قرآن کریم کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ جو دوسری کتابوں کو حاصل نہیں ہوسکا۔ البتہ قیامت کے قریب قرآن کریم اٹھالیا جائے گا۔ جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

یرفع القران فی اخر الزمان من المصاحف فیصبح الناس فاذا الورق ابیض یلوح لیس فیہ حرف ثم ینسخ القران من القلوب فلا یذکر منہ کلمۃ ثم یرجع الناس الی الاشعار والارغانی واخبار الجاھلیۃ (فصل الخطاب)۔

بروجا برج کے لغوی معنی قلعہ کے ہیں۔ فلک کے دورہ کو تقسیم کرکے ہر قسم کو برج کہا جاتا ہے۔ ہر برج کی لمبائی تیس درجہ مانی گئی ہے اور ایک قطب سے دوسرے قطب تک چوڑائی ایک سو اسی درجہ مانی گئی ہے۔ آسمان کا ہر حصہ چونکہ آفات وتصرفات سے محفوظ کردیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو برج سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان بارہ برجوں کے یہ خاص نام رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس شکل کے ہیں بلکہ ستاروں کی ہیئت کذائیہ سے مجموعی صورت دیکھنے والے کو ترازو، ڈول، مچھلی، بیل، کمان، کیکڑے وغیرہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ان برجوں کا نام انہی کے نام پر رکھ دیا گیا ہے اور باستثناء آفتاب وماہتاب کے سب ستاروں کے لئے نجومیوں نے دو دو برج مانے ہیں۔ اسی کے مطابق تفسیر میں نقل کردینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نظریہ کو قرآن وحدیث سمجھ کر مانا جائے اور اس پر اعتقاد رکھا جائے اسی طرح منجمین کا خیال یہی ہے کہ اسد آفتاب کے ساتھ گرمی اور خشکی میں شریک ہے۔ نیز جس طرح آفتاب سات ستاروں کے درمیان میں ہوتا ہے اسی طرح برج اسد اور بروج کے درمیان واقع ہے۔ نیز جس طرح آفتاب تمام ستاروں میں قوی التاثیر ہے۔ اسی طرح برج اسد تمام بروج میں قوی تر ہے۔ اسی لئے آفتاب جب برج اسد میں ہوتا ہے تو اس کی تاثیر قوی ترین ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسد کو "بیت الشمس" مانا گیا ہے اور چونکہ چاند بھی مختلف تاثیرات میں سورج کے مشابہ ہے۔ اس لئے "بیت القمر" "بیت الشمس" کے نزدیک ہی مانا گیا ہے اور چونکہ چاند اور سرطان دونوں کا مزاج بارد تر ہے۔ برخلاف برج سنبلہ کے اس کا مزاج بارد خشک ہے۔ اس لئے چاند سے سرطان کو زیادہ مناسبت ہے۔ ویسے بھی دونوں میں تیزی سے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ نیز چونکہ ان سات ستاروں میں سے خمسہ متحیرہ تاثیرات کے لحاظ سے نیرین یعنی چاند سورج کے ساتھ نصف آسمان میں شریک ہیں۔ اس لئے منجمین نے ہر ایک کے لئے دو برج مانے ہیں۔ بہر حال علامہ سیوطیؒ کو یہاں اور علامہ محلیؒ کو سورۂ فرقان میں منجمین کے ان خیالات کو ذکر نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ یہ اوہام مدار تفسیر نہیں ہیں۔

ومن لستم یہ محل نصب نہیں ہے لفظ **لکم یا معایش** پر عطف کرتے ہوئے ای وجعلنا لکم فیھا معایش وجعلنا لکم من لستم لہ برازقین یا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ جعلنا لکم معایش وجعلنا لکم من لستم لہ برازقین لیکن ضمیر لکم پر اس کا عطف جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ضمیر مجرور پر عطف کرنے کے لئے جاء کو لوٹانا ضروری ہے۔

ربط آیات:.........سورۂ حجر میں قرآن کی حقانیت، کفار پر عذاب، رسالت کی تحقیق، توحید کا اثبات، بعض انعامات کا تذکرہ اور اطاعت شعار اور خلاف ورزی کرنے والوں کو جزاء وسزا کا بیان کچھ واقعات کے ساتھ تھا اسی طرح قیامت کا حق ہونا اور آنحضرت کی تسلی وغیرہ مضامین اس صورت کا خلاصہ ہیں۔ جس سے اس سورت کے مضامین کا باہمی ربط اور پچھلی سورت سے اس کا تعلق پورے طور سے سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ آیت الٓرٰ میں قرآن کی حقانیت کے ساتھ دوسرے بعض مضامین مقصودہ کا بیان ہے اور آیت **قالوا یا ایھا الذی الخ** سے رسالت کی بحث اور آیت **ولقد جعلنا فی السماء الخ** سے توحید بیان کی جارہی ہے۔

شان نزول:.........ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایک خوبصورت عورت مسجد میں جماعت کے ساتھ شامل ہوگئی تو بعض حضرات تو اس لئے اگلی صفوں میں بڑھ گئے کہ نماز میں اس پر نظر نہ پڑے اور بعض اسے دیکھنے کی غرض سے پچھلی صفوں میں رہ گئے۔ اس پر آیت **ولقد علمنا المستقدمین منکم الخ** نازل ہوئی۔ گویا اس سے مراد اگلی اور پچھلی صفوں کے لوگ ہیں اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اول وقت اور آخری وقت میں نماز پڑھنے والے لوگ مراد ہیں۔

﴿تشریح﴾: **قرآنی روشنی:**.........قرآن نے جابجا اپنے نمایاں اور روشن ہونے پر زور دیا ہے۔ یعنی اپنے مطالبہ میں، اپنی دعوت میں، اپنے دلائل میں قرآن بالکل واضح اور کھلا ہوا ہے۔ اس کی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو مشکل ہو نا قابل فہم ہو۔ ہر ذہن اسے سمجھ سکتا ہے، ہر دل اسے قبول کرسکتا ہے، ہر روح اس پر مطمئن ہوسکتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے جو انسان کے دل ودماغ کے لئے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ سچائی ہے اور سچائی کی کوئی بات مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہوسکتی۔ روشنی کا خاصہ یہ ہے کہ ہر بات کو نمایاں کردیتی ہے، کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اگر وضاحت نہیں تو پھر اجالا بھی نہیں۔ اجالا جب کبھی ہوگا وضاحت اپنی ساتھ لائے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے قرآن کے خلاف انکار اور سرکشی کی راہ اختیار کی وہ اپنی ہلاکت کا اپنے ہاتھوں سامان کر رہے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں ایک دن آنے والا ہے جب وہ حسرت وندامت کے ساتھ کہیں گے۔ کاش! ہم نے انکار نہ کیا ہوتا۔

قرآنی اعجاز:.........قرآنی حفاظت کے سلسلہ میں وعدۂ خداوندی کی وجہ بعض حضرات نے قرآن کے اعجاز نظمی کو سمجھا ہے لیکن اس پر یہ شبہ کہ اعجاز نظمی سے یہ تو معلوم ہوسکتا ہے کہ قرآن میں اضافہ نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر کچھ اضافہ ہوتا تو قرآن کی موجودہ یکسانیت پر ضرور فرق آتا۔ حالانکہ اس میں سرمو فرق نہیں۔ البتہ اگر قرآن میں سے کچھ حصہ حذف کر کے کم کردیا جائے تو اعجاز نظمی سے یہ کمی کیسے معلوم ہوسکتی ہے۔ کیونکہ موجودہ ترتیب سے کمی کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر قرآن میں اس طرح کی کوئی کمی ہوتی تو قرآن کے کسی نہ کسی نسخہ میں اس کمی کا پتہ چل جاتا کہ کسی نسخہ میں یہ کمی ہوتی اور کسی نسخہ میں یہ کمی نہ ہوتی۔ ساری دنیا میں کسی کتاب کے تمام نسخوں کا متفق ہونا عادتاً ناممکن ہوتا ہے۔ لیکن اعجاز نظمی کے ساتھ قرآن کے تمام نسخوں میں اس طرح کا کامل توافق ایک مستقل معجزہ ہے جس سے ایک طرف قرآن میں اضافہ کے احتمال کی بندش ہوجاتی ہے۔ وہیں دوسری طرف کمی کے احتمال کا امکان بھی نہیں رہتا۔

حفاظت قرآنی:.......... اور قرآنی حفاظت کی اس پیشین گوئی کا اظہار جس درجہ اب ہوا ہے ابتدائی دور میں اتنا نہیں ہوا تھا کیونکہ اس وقت قرآن کو اترے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔لیکن تاہم کچھ نہ کچھ اس وقت بھی اس کا وقوع ہو چکا تھا۔اس لئے کہ کتابت وتدوین جیسے ظاہری سامان حفاظت کے نہ ہوتے ہوئے بھی قرآن کا اس درجہ محفوظ رہ جانا کچھ کم عجیب بات نہیں۔پھر قرآن کی عبارت بھی نظم کی بجائے نثر ہے۔جس کا یاد رکھنا عادۃً مشکل ہوتا ہے۔پھر قرآن کی مخالفت جس قدر کی گئی وہ خود اپنی جگہ دشواری کا ایک بنیادی اور قوی سبب تھا۔لیکن ان سب دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوجود پھر اس کا اس طرح یادداشتوں اور حافظہ میں محفوظ رہنا کچھ کم حیرت ناک نہیں ہے۔یوں اتفاقاً کسی کو سہو ہو گیا یا غلط یاد ہو گیا تو معمولی تنبیہ سے اصلاح ہو جاتی تھی اور جن کی زبان عربی نہیں یا کمسن اور نوعمر بچے ہوں ان کے لئے تو اور بھی دقت طلبی ہے۔لیکن اہل زبان ہوں یا غیر زبان، نوعمر ہوں یا بڑی عمر والے۔قرآن کریم کے ایک ایک حرف کو جس طرح مسلمانوں نے سفینوں سے زیادہ سینوں سے لگایا ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتی اور دنیا میں کسی کتاب یا خطبہ اور تقریر ونظم کو یہ بات حاصل نہیں ہے۔بالفرض اگر ساری دنیا سے قرآن مجید کے نسخے ناپید کر دیئے جائیں تو ایک کمسن حافظ بچہ قرآن کریم دوبارہ لکھوا سکتا ہے یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟

شبہات کا جواب:.......... رہا یہ شبہ کہ جب قرآن کا محافظ اللہ ہے تو پھر ابتداء سے آج تک اس کی حفاظت کا سامان کیوں کیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ سامان بھی اللہ کی حفاظت کے طریقہ میں شمار ہے۔لیکن حفاظت کا یہ سامان اگر دنیا کی کسی اور کتاب کو میسر بھی ہو جائے تب بھی وہ اس طرح محفوظ نہ رہ سکے گی۔کہ اس کے کتاب الٰہی ہونے کا شبہ ہو سکے۔رہا یہ شبہ کہ ممکن ہے یہ آیت **انا نحن نزلنا الخ** ہی کسی نے بعد میں ملا دی ہو اور یہ قرآن کا دعویٰ نہ ہو۔پس اس پیشین گوئی کا یقینی ہونا کس طرح ثابت ہو سکے گا؟ جواب یہ ہے کہ دوسری آیات کی طرح تواتر سے اس آیت کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔اس لئے الحاق کا یہ احتمال بے بنیاد ہے۔اور **فظلوا فیہ یعرجون** میں کفار کے آسمان پر چڑھنے کو جو کہا گیا ہے۔یہ ان کے مطالبہ یعنی فرشتوں کے زمین پر اترنے سے زیادہ تعجب خیز ہے۔کیونکہ فرشتوں کا اترنا خارق عادت نہیں۔چنانچہ فرشتوں کے اترنے کو کفار خود بھی مانتے تھے۔اگرچہ آنحضرتؐ پر اترنے کو نہیں مانتے تھے۔مگر انسانوں کا آسمانوں پر چڑھنا خارق عادت ہے۔

آسمانی بارہ برج:.......... بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی۔پھر سریانی قومیں اس سے آشنا ہوئیں اور بالآخر یونانیوں نے اس خیال کو قبول کر لیا۔عربی زبان اپنی ابتدائی شکلوں میں عراق، مصر، شام کی حکمران زبان رہ چکی ہے اور ان ملکوں کے ساتھ عربوں کے قدیم تجارتی تعلقات بھی معلوم ہیں۔پس اگر چاند کی منزلوں کی طرح سورج کے بارہ برجوں سے بھی عربی زبان آشنا ہو چکی ہو تو تعجب نہیں۔یہ دوسری بات ہے کہ عرب جاہلیت کے کلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔پس زیادہ صاف بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں برج سے مراد روشن ستارے لئے جائیں۔چنانچہ ابن عباسؓ، مجاہدؒ وقتادہؒ سے یہی تفسیر منقول ہے۔تشبیہاً اور مجازاً ان کو برج کہہ دیا گیا ہے۔مفسر علامؒ کی طرف سے برج اور ستاروں کی بیان کردہ تفصیل سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہی تفصیل مراد خداوندی ہو گی۔حالانکہ یہ سب نظریات اہل ہیئت ونجوم کے ہیں۔مراد الٰہی سمجھنا صحیح نہیں ہے۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس طرح کی چیزیں تفسیری طور پر نہ ذکر کی جائیں۔

جمال فطرت کی جلوہ گری:.......... آیت **وزینا ھا للناظرین الخ** میں جمال فطرت سے استدلال کیا گیا ہے۔یعنی

کائنات ہستی کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں حسن وجمال کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رحمت وفیضان کا کوئی ارادہ یہاں ضرور کام کررہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے حسن وخوبی کے ساتھ بنے اور اس میں روحوں کے لئے سرور اور نگاہوں کے لئے عیش ومسرت ہو۔ اگر ایک رحمت والی ہستی کی یہ کارفرمائی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے۔ تمہاری فطرت تو کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کی کاریگری ہے جس میں حسن وجمال کا فیضان ہو۔ پس یہ آسمان کس طرح دیکھنے والوں کے لئے حسین وجمیل بنادیا گیا ہے؟ چاندنی راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو، اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو؟ صبح جب اپنی ساری دلفریبیوں کے ساتھ آتی ہے۔ شام جب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ چھپتی ہے۔ گرمیوں میں صاف شفاف آسمان کا نکھرنا، بارش میں ہر طرف سے امنڈنا۔ شفق کی لالہ گونی، قوس وقزح کی بوقلمونی، سورج کی زرافشانی، غرض کہ آسمان کا کون سا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لئے زینت نہیں، جس میں دلوں کے لئے راحت وسکون نہیں؟

شیطانوں کا چوری چھپے آسمانی خبریں سننا:......... اجرام سماویہ کی حفاظت کا سامان نہ کردیا گیا ہوتا تو ایسی شیطانی قوتیں تھیں جو ان کے مقررہ کاموں میں خلل انداز ہوتیں۔ لیکن جب کوئی ایسی قوت ٹوہ لگانا چاہتی ہے تو شعلے بھڑکتے ہیں اور انہیں قریب نہیں آنے دیتے۔ شہاب شعلہ کو کہتے ہیں اور اس ستارہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو راتوں کو ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس سے مفسرین نے سمجھ لیا کہ یہاں شہاب سے وہی ستاروں کا ٹوٹنا ہے حالانکہ قرآن میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ باقی یہ بات کہ شیاطین چوری چھپے غیبی خبروں کو آسمانوں میں جاکر سنتے ہیں یا آسمانوں سے نیچے بادلوں میں پہنچ کر سنتے ہیں؟ سو حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ فرشتے بادلوں میں آکر آسمانی خبروں کا تذکرہ کرتے ہیں اور یہ شیاطین کچھ سن لیتے ہیں۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: قالوا ماذا قال ربکم ،قالو االحق فیسمعها مسترقو االسمع ۔ فرشتے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ پروردگار نے کیا فرمایا؟ جواب ملتا ہے کہ جو کچھ فرمایا حق فرمایا: لیکن چوری چھپے سے شیاطین اس کو سن لیتے ہیں۔ اس میں فا تعقیب کے لئے ہے۔ یعنی آسمان میں تذکرہ ہونے کے بعد سنتے ہیں خواہ بادلوں میں سہی۔ غرضیکہ اس روایت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ شیاطین آسمانوں میں جاکر سن لیتے ہوں۔

دو شبہوں کا جواب:......... اس تقریر پر یہ اشکال بھی نہیں رہتا کہ احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت یا بعثت کے بعد شیاطین کا آسمانوں میں جانا بند کردیا گیا ہے۔ پھر اس کے معنی کیا؟ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ شیاطین کو آسمان پر جانے سے تو بالکل روک دیا گیا ہے۔ مگر بادلوں میں جاکر سن لیتے ہیں اس لئے ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ باقی یہ کہنا کہ پھر روکنے سے کیا فائدہ، جب کہ سننے کے لئے ایک راستہ کھلا رہا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے آسمانوں میں بڑی اور اہم باتوں کا تذکرہ ہوتا ہو اس لئے ان پر روک لگادی گئی اور بادلوں میں معمولی باتوں کا ذکر ہوتا ہو اس لئے ان پر روک لگانا ضروری نہیں سمجھا۔ پس اس طرح آیت **انهم عن السمع لمعزولون** کو آسمانوں کی بندش پر محمول کیا جائے گا اور آیت **استرق السمع** کو بادلوں میں سے سننے پر محمول کیا جائے گا۔ وہاں ناتمام خبریں سننے میں آتی ہیں۔ جیسا کہ **خطف الخطفة** سے معلوم ہوتا ہے۔

آنحضرتؐ کی بدولت شیاطین آسمانوں سے روک دیئے گئے ہیں:......... اور اس بندش کا آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے آسمانوں تک شیاطین کی رسائی ہوتی رہتی تھی لیکن آپؐ کے دور نبوت میں آپؐ کے شرف کی وجہ سے اس پر روک لگادی گئی۔ آنحضرتؐ سے پہلے تمام انبیاء کرام کا دور نبوت ایک محدود پیمانہ پر تھا یعنی ان کی موجودگی میں اگر وحی اور غیر وحی میں تلبیس پیش آتی تو وہ ان کے فرمادینے سے ختم ہوجاتی تھی اور ان کے بعد اگر تلبیس کی صورتیں پیش

آتیں تو بعد کے دوسرے انبیاء آ کر تلبیس کا پردہ چاک کر دیتے تھے اور اس طرح حق و باطل میں امتیاز قائم رکھا جاتا۔

لیکن آنحضرتؐ کے دور نبوت کے شروع ہونے کے بعد ایک طرف تو آپ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے انبیاء کا آنا بند کر دیا گیا ادھر دوسری طرف شیاطین کے چوری چھپے کی اس کاروائی پر کوئی روک نہ لگائی جاتی تو گمراہی کے انسداد کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ بلکہ خطرہ کا دروازہ کھلا رہتا اس لئے اس کی بندش ضروری سمجھی گئی۔ غرضیکہ آنحضرتؐ کے شرف کے ساتھ آپؐ کا خاتم النبیین ہونا بھی شیاطین کے لئے اس رکاوٹ کا سبب بنا۔

شہابؔ کے اسباب:......... شیاطین کے چوری چھپے سننے کے وقت شعلے مارنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ شہاب کا سبب شیاطین کو مارنا ہی ہوتا ہے ممکن ہے کبھی محض طبعی طور پر بھی ہوتا ہو اور شیاطین کے مارنے میں شہاب کے دخل کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ شہابی سخونت سے شیاطین یا بخارات کے مادہ میں فرشتوں کے ذریعہ آگ پیدا ہو جاتی ہو۔ جس سے شیاطین تباہ یا بدحواس ہو جاتے ہوں اور شہاب ثاقب رات کی طرح دن میں بھی ہوتا ہے لیکن سورج کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ کیا شیاطین رات ہی کو چوری چھپے سنتے ہیں اور دن میں نہیں سنتے؟

بارش کا سبب:......... ہواؤں کے بادلوں کو پانی سے بھر دینے کا مطلب یہ ہے کہ بادلوں کے مادہ یعنی بخارات کو ہوائیں طبقہ زمہریریہ میں پہنچا دیتی ہیں۔ جہاں وہ بخارات پانی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پس گویا ہوا بادل میں پانی پیدا ہونے کا سبب بن گئی اور **انزلنا من السماء ماء** کی توجیہ یہ ہوگی کہ طبقہ زمہریریہ میں جو کچھ پانی بخارات کے ذریعہ پیدا ہو چکا تھا۔ عادت الٰہیہ کے مطابق اس میں آسمان سے بھی پانی ہمیشہ یا کبھی کبھی بھیج دیا جاتا ہے۔ (بیان)

زمین کا گول ہونا:......... زمین گیند کی طرح گول ہے۔ لیکن حکمت الٰہی نے اسکی کردیت کا نشیب وفراز اس طرح پھیلا دیا ہے کہ کوئی آنکھ اونچ نیچ محسوس نہیں کر سکتی اور اس کا ہر کونہ ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح مسطح ہے۔ اگر اس طرح کی سطحیت پیدا نہ ہوتی تو زمین میں وہ تمام خصوصیات بھی پیدا نہ ہوتیں۔ جنہوں نے زمین کو زندگی کے لئے خوش گوار بنا دیا ہے۔ لیکن زمین کے سکونت و معیشت کے قابل ہونے کے لئے صرف اسی قدر کافی نہ تھا اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس میں جا بجا ایسی بلندیاں ہوتیں جو پانی کے خزانے جمع کرتیں اور پھر بلندی سے اس طرح گراتیں کہ سینکڑوں کوسوں تک بہتا ہوا چلا جاتا اور میدانی علاقوں کو سرسبز وشاداب کر دیتا۔ پس اس طرح **والقینا فیھا رواسی** فرما کر بتلا دیا کہ پہاڑ طرح طرح کی معدنیات کا سرچشمہ ہیں اور دریاؤں کی روانی کا منبع اور زمین کی افادیت کے لئے ضروری عنصر ہیں۔

زمینی چیزوں کا طبعی تناسب:......... اس آیت سے زمین کی نسبت تین چیزوں کا ہونا معلوم ہوا (۱) بچھی ہوئی ہے، (۲) اس پر پہاڑوں کی بلندیاں ہیں۔ (۳) اس پر جتنی چیزیں اگتی ہیں وہ سب موزون ہیں۔ کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک کسی خاص انداز پر رکھنا ہوتا ہے تو اسے کانٹے پر تول لیا کرتے ہیں کہ رتی بھر ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ پس ہر چیز کے موزون ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لئے حکمت الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، کیفیت، کمیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے باہر کبھی نہیں جاسکتی۔ ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی ایسی اگ آئے جو گھاس کے مقررہ اندازہ اور تناسب کے خلاف ہو طرح طرح کے غلے، طرح طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، طرح طرح کے درخت، طرح طرح کی

سبزیاں، طرح طرح کے گھاس پھوس ہر طرف اگ رہی ہیں اور نہ معلوم کب سے اگ رہی ہیں۔ لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل، ڈیل ڈول، رنگت، خوشبو، مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ انداز پر نہ ہو اور ٹھیک ٹھیک طول نہ ہو؟ گیہوں کا ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑلو، گھاس کی ایک پتی سامنے رکھ لو اور دیکھو۔ اس کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں؟ لاکھ مرتبہ بوؤ، کروڑ مرتبہ بوؤ، اس اندازہ میں فرق آنے والا نہیں۔ شکل ہو تو اس کا ایک خاص اندازہ ہو وہ چیز جب آئے گی اسی شکل میں آئے گی۔ اگر رنگت ہے، خوشبو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے تو سب کا ایک خاص اندازہ ہے اور یہ اندازہ قطعی ہے دائمی ہے، اٹل ہے، انمٹ ہے اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے اور ایک ایک دانہ، ایک ایک پتے، ایک ایک پھل کو تول تول کر بانٹ دیا ہے۔ ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے۔ موزوں کے مفہوم میں تناسب واعتدال ہی داخل ہے۔ یعنی جتنی چیزیں اگتی ہیں اپنی ساری باتوں میں تناسب واعتدال کی حالت رکھتی ہیں۔ کوئی چیز نہیں جو اپنی کمیت وکیفیت میں متناسب ومعتدل نہ ہو۔

خدائی مقررہ نظام:.......... آیت **وجعلنا لکم فیھا معایش** میں کتنی بڑی حقیقت بیان کردی گئی ہے؟ فرماتے ہیں ہم نے زمین میں تمہارے لئے زندگی اور معیشت کے سارے سروسامان مہیا کردیئے۔ لیکن اس طرح کہ اگرچہ ہر چیز کا ہمارے پاس ذخیرہ موجود ہے لیکن ان کی بخشش ایک مقررہ اندازہ ہی کے ساتھ ہوتی ہے ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر کسی اندازے اور نظام کے تمام چیزیں بکھیر دی ہوں اور یہ جو ایک مقررہ اندازہ ہے یہی تو بتلا رہا ہے۔ کہ یہاں کوئی اندازہ مقرر کرنے والی اور اسے قائم رکھنے والی ہستی ضرور موجود ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا۔ کہ اس طرح کی ناپ تول اور پورے انضباط کے ساتھ ہر چیز کی بخشش کا نظام قائم ہو جاتا۔ پھر اس کے بعد بارش کی مثال دے کر فرماتے ہیں کہ بارش زمین کی شادابی اور روئیدگی کا ذریعہ ہے اگر یہ نہ ہو تو زمین کی روئیدگی بھی نہ ہو۔ لیکن دیکھو کس طرح مقررہ اندازوں اور پیمانوں کا ایک پورا نظام کام کررہا ہے پہلے سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے۔ وہ پانی کے ذروں کو لے کر اوپر چڑھتی ہے پھر بلندی میں جاکر ابر کی چادریں بنتی ہیں اور چادریں فضا میں پھیل جاتی ہیں۔ پھر وہی چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں اور زمین کے ایک ایک ذرہ کو شاداب کردیتی ہیں۔ تم نے پانی کے ذخیرے جمع کرکے نہیں رکھے تھے لیکن آسمان جمع کرتا رہتا ہے پھر ٹھیک ٹھیک تمہاری ضرورت کے مطابق مطلوبہ مقدار تمہیں بخش دیتا ہے۔ یہ بات کہ پانی کو جمع ہونے اور ایک خاص ترتیب اور اندازے کے ساتھ برستے رہنے کا ایک پورا کارخانہ بنا ہوا ہے اور وہ زمین کی ضرورت کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہیں۔ یہی یہاں کے استدلال کا اصلی نقطہ ہے۔ کیونکہ اندازہ اور نظم کی یہ حالت اس کے بغیر نہیں ہوسکتی کہ ربوبیت کا کوئی ارادہ پس پردہ کا کام کررہا ہے۔

زندگی اور موت کا اندازہ:.......... آگے فرماتے ہیں ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور اس بات کو جانتے ہیں کہ کون پہلے آنے والوں میں ہوئے اور کون پیچھے آنے والوں میں ہوئے۔ یعنی جس طرح ہم نے تمام چیزوں کا مقررہ اندازہ ٹھہرادیا ہے اسی طرح موت وحیات کا بھی ایک خاص اندازہ ٹھہرادیا ہے اور قوموں کے آگے پیچھے کرنے کے لئے بھی مقررہ اندازہ ہے۔ جو چیز پیدا ہوتی ہے اپنے مقررہ اندازے کے مطابق پیدا ہوتی ہے اور جو مرتی ہے مقررہ اندازے کے مطابق مرتی ہے۔ غرضیکہ تقدیر واندازہ کا قانون عالمگیر قانون ہے جس سے کوئی چیز باہر نہیں حتیٰ کہ فرماتے ہیں کہ تمہارا پروردگار اعمال کی جزا کے لئے لوگوں کو اپنے حضور جمع کرے گا۔ کیونکہ تمام باتوں کی طرح اس بات کے لئے بھی اس نے ایک اندازہ ٹھہرادیا ہے، وہ حکیم وعلیم ہے اور جب وہ حکیم ہے تو ممکن نہیں کہ اس نے انسان کے اعمال کے لئے کوئی اندازہ ٹھیرایا ہو اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ انسان کے اعمال اس کی نظر سے پوشیدہ رہ

سکیں۔(ترجمان آزادؒ)

لطائف آیات:............آیت ذرھم یا کلوا الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ جسے بڑی فکر شکم پری اور شہوت رانی کی رہتی ہو۔ایسا شخص اللہ کے حرم کے تقرب سے محروم رہتا ہے۔آیت وقالوا یایھا الذی نزل الخ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص اسرار وحقائق نہ سمجھتا ہو اسے چاہیئے کہ سچے اولیاء اللہ کے معارف وعلوم اور احوال پر انکار نہ کرے۔جیسا کہ بعض منکرین،انہیں ان کے جنون کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔اور کہہ اٹھتے ہیں کہ ریاضتوں کی وجہ سے فاسد خیالات کا ان پر غلبہ ہوگیا ہے البتہ بناوٹی صوفیوں کے احوال ومواجید اس میں داخل نہیں ہیں۔

آیت لو ماتاتینا الخ سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی صداقت پر دلائل صحیحہ قائم ہوں اس سے خوارق طلب نہیں کرنے چاہئیں۔

آیت ولو فتحنا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حال اولیاء اللہ کے منکرین کا ہوتا ہے کہ وہ ان کے خوارق بھی دیکھ لیتے ہیں۔مگر جادو یا شعبدہ کہہ کر انکار کرتے ہیں۔

آیت وان من شئ الخ میں اشارہ ہے۔توکل اور اسباب کے قطع کرنے اور اغیار کی جانب التفات نہ کرنے کی طرف۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اٰدَمَ **مِنْ صَلْصَالٍ** طِيْنٍ يَابِسٍ تُسْمَعُ لَهٗ صَلْصَلَةٌ اَیْ صَوْتٌ اِذَا نُقِرَ **مِّنْ حَمَاٍ** طِيْنٍ اَسْوَدَ **مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾** مُتَغَيِّرٍ **وَالْجَآنَّ** اَبَا الْجِنِّ وَهُوَ اِبْلِيْسُ **خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ** اَیْ قَبْلَ خَلْقِ اٰدَمَ **مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾** هِیَ نَارٌ لَادُخَانَ لَهَا تَنْفُذُ فِی الْمَسَامِ وَاذْكُرْ **اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ** اَتْمَمْتُهٗ **وَنَفَخْتُ** اَجْرَيْتُ **فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ** فَصَارَ حَيًّا وَاِضَافَةُ الرُّوْحِ اِلَيْهِ تَشْرِيْفٌ لِاٰدَمَ **فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾** سُجُوْدَ تَحِيَّةٍ بِالْاِنْحِنَاءِ **فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾** فِيْهِ تَاكِيْدَانِ **اِلَّآ اِبْلِيْسَ** هُوَ اَبُو الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ **اَبٰٓى** اِمْتَنَعَ مِنْ **اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ** تَعَالٰی **يٰٓاِبْلِيْسُ مَالَكَ** مَامَنَعَكَ **اَلَّا** زَائِدَةٌ **تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ** لَايَنْبَغِیْ لِیْ اَنْ اَسْجُدَ **لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا** اَیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ **فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾** مَطْرُوْدٌ **وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾** اَلْجَزَاءِ **قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾** اَیِ النَّاسُ **قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾** وَقْتِ النَّفْخَةِ الْاُوْلٰی **قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ** اَیْ بِاِغْوَائِكَ لِیْ وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَجَوَابُهٗ **لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ** الْمَعَاصِیَ **وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾** اَیِ الْمُؤْمِنِيْنَ **قَالَ** تَعَالٰی **هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾** وَهُوَ **اِنَّ عِبَادِیْ** اَیِ الْمُؤْمِنِيْنَ **لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ** قُوَّةٌ **اِلَّا** لٰكِنْ **مَنِ اتَّبَعَكَ**

مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ الْكَافِرِيْنَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَیْ مَنِ اتَّبَعَكَ مَعَكَ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اَطْبَاقٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهَا مِّنْهُمْ جُزْءٌ نَصِيْبٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ بَسَاتِيْنَ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ تَجْرِیْ فِيْهَا وَيُقَالُ لَهُمْ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اَیْ سَالِمِيْنَ مِنْ كُلِّ مَخُوْفٍ اَوْ مَعَ سَلَامٍ اَیْ سَلِّمُوْا وَادْخُلُوْا اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ مِنْ كُلِّ فَزَعٍ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ حِقْدٍ اِخْوَانًا حَالٌ مِنْهُمْ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ حَالٌ اَيْضًا اَیْ لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى قَفَا بَعْضٍ لِدَوَرَانِ الْاَسِرَّةِ بِهِمْ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ تَعَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ اَبَدًا نَبِّئْ خَبِّرْ يَا مُحَمَّدُ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ بِهِمْ وَاَنَّ عَذَابِیْ لِلْعُصَاةِ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ اَلْمُؤْلِمُ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ وَهُمْ مَلَائِكَةٌ اِثْنَا عَشَرَ اَوْ عَشَرَةٌ اَوْ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ جِبْرَئِيْلُ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا اَیْ هٰذَا اللَّفْظَ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَمَّا عَرَضَ عَلَيْهِمُ الْاَكْلَ فَلَمْ يَاْكُلُوْا اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ خَائِفُوْنَ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ لَا تَخَفْ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ ذِیْ عِلْمٍ كَثِيْرٍ هُوَ اِسْحَاقُ كَمَا ذُكِرَ فِیْ هُوْدَ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ بِالْوَلَدِ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ حَالٌ اَیْ مَعَ مَسِّهٖ اِيَّایَ فَبِمَ فَبِاَیِّ شَیْءٍ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اِسْتِفْهَامُ تَعَجُّبٍ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ الْاٰئِسِيْنَ قَالَ وَمَنْ اَیْ لَا يَقْنَطُ بِكَسْرِ النُّوْنِ وَفَتْحِهَا مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ الْكَافِرُوْنَ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَاْنُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ كَافِرِيْنَ اَیْ قَوْمِ لُوْطٍ لِاِهْلَاكِهِمْ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ لِاِيْمَانِهِمْ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ اَلْبَاقِيْنَ فِی الْعَذَابِ لِكُفْرِهَا

ترجمہ:............اور ہم نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتی ہے (کھنکھناتی ہوئی مٹی کہ جب اسے خشک ہونے کے بعد بجایا جائے تو بجنے لگے، خمیر اٹھے ہوئے سڑے ہوئے) گارے سے اور جن (یعنی جنات کے جد اعلیٰ، ابلیس) کو ہم نے اس (انسان کی پیدائش) سے پہلے پیدا کر دیا تھا جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے (ایسی آگ سے جس میں دھواں نہ ہو اور جو مسامات میں گھس جاتی ہو) اور (یاد کیجئے) اس وقت کو جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں تو جب ایسا ہو کہ میں اسے پورا بنا چکوں (ٹھیک ٹھاک کر دوں) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں (جس سے وہ زندہ ہو جائے روح کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف آدم کی بزرگی بیان کرنے کے لئے کی ہے) تو تم سب ان کے آگے سربسجود ہو جانا (جھک کر آداب بجالانا) چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب ان کے آگے سربسجود ہو گئے (اس میں دوہری تاکید ہے) مگر ابلیس (جو جنات کا جد اعلیٰ تھا اور فرشتوں میں رہتا تھا اس) پر یہ بات شاق گزری (ناگوار ہوئی) کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو۔ اللہ نے فرمایا کہ اے ابلیس! تجھے کیا ہوا (کس نے تجھے روکا) کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ (اس میں

لا زائد ہے) کہا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں سجدہ کروں (یعنی میرے لئے سجدہ کرنا زیبانہیں) ایک ایسے بشر کے لئے جسے تو نے کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنایا جو کہ سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوتی ہے۔ "حکم ہوا" یہاں سے نکل جا (جنت سے یا آسمانوں سے) کہ تو راندہ (مردود) ہوا اور یقیناً قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت رہے گی "اس نے کہا" خدایا! تو پھر مجھے اس دن تک مہلت دے جب انسان (لوگ) دوبارہ اٹھایا جائے۔ فرمایا: اس مقررہ وقت (پہلے صور پھونکنے) تک کے لئے تجھے مہلت دی گئی " کہنے لگا خدایا! چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا (یعنی آپ کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اس میں با قسمیہ ہے اور جواب قسم یہ ہے) تو اب میں ضرور دنیا میں ان کی نظر میں (گناہوں کو) خوشنما کر کے دکھلاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا، ہاں! ان میں جو آپ کے مخلص بندے ہیں (مؤمن) وہ میرے بہکائے میں آنے والے نہیں "۔ ارشاد ہوا بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا۔ جو راہ سے بھٹک گئے (یعنی کافر) اور ان سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو تیرے پیچھے چلیں گے) جس کے سات دروازے (طبقے) ہیں۔ ان کی ہر ٹولی کے حصہ میں ایک دروازہ آئے گا جس سے وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔ بلاشبہ خدا سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے (وہ چشمے ان باغوں میں بہہ رہے ہوں گے ان سے کہا جائے گا) ان میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ (یعنی ہر قسم کے خوف سے صحیح سلامت یا سلام کرتے ہوئے، حاصل یہ کہ سلام کرتے ہوئے داخل ہونا) اور یہ اطمینان (ہر طرح کی گھبراہٹ سے بے فکر ہو کر) ان کے دلوں میں جو کچھ رنجشیں (کدورتیں) تھیں وہ سب ہم نے نکال دیں کہ سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے (یہ اخوانًا ضمیر ھم سے حال ہے) ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے) (یہ بھی حال ہے یعنی ایک دوسرے کی گدی کی طرف دیکھنے کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ گھومنے والی کرسیوں اور تختوں پر بیٹھے ہوں گے) وہاں انہیں ذرا بھی تکلیف نہیں چھوئے گی اور نہ وہاں سے (کبھی) نکالے جائیں گے آپ آگاہ کر دیجئے (اے محمد: آپ اطلاع دے دیجئے) میرے بندوں کو کہ بلاشبہ میں (مسلمانوں کی) بڑی ہی مغفرت کرنے والا ہوں (ان پر) رحمت کرنے والا ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی (گنہگاروں کے لئے) بڑا سخت (تکلیف دہ) ہے اور انہیں ابراہیمؑ کے مہمانوں کا معاملہ بھی سنادو (جو بارہ یا دس یا تین تھے اور حضرت جبریلؑ ان میں شامل تھے) جب یہ مہمان ان کے پاس آئے تو کہا السلام علیکم (یعنی یہ لفظ کہے) ابراہیمؑ فرمانے لگے (جب مہمانوں کے سامنے ابراہیمؑ نے کھانا پیش کیا اور انہوں نے نہ کھایا) ہمیں تم سے اندیشہ (خطرہ) ہے انہوں نے کہا "ڈرومت ہم تو تمہیں ایک فرزند کی خوشخبری سنانے (دینے) آئے ہیں، جو بڑا عالم ہوگا (زیادہ علم والا حضرت اسحاقؑ مراد ہیں۔ جیسا کہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے) ابراہیمؑ نے کہا "تم مجھے (فرزند کی) خوشخبری دیتے ہو، حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے (یہ حال ہے، یعنی باوجود یکہ بڑھاپا مجھ پر چھا گیا ہے) پس کس چیز کی مجھ کو بشارت دیتے ہو؟ (استفہام تعجب کے لئے ہے) فرشتے بولے کہ ہم تمہیں واقعی (سچائی کے ساتھ) خوشخبری سناتے ہیں۔ سو آپ، کو ناامید (مایوس) نہیں ہونا چاہیئے "ابراہیمؑ نے کہا" بھلا اپنے پروردگار کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے (یعنی کوئی نہیں ہوتا۔ یہ لفظ نون کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ دونوں طرح ہے) سوائے گمراہوں (کافروں) کے پھر فرشتوں سے پوچھا تم لوگ جو بھیجے ہوئے آئے ہو تو تمہیں کون سی مہم درپیش ہے "؟ انہوں نے کہا ہم ایک مجرم جماعت کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ قوم لوط کے کافروں کی تباہی کے لئے آئے ہیں) مگر خاندان لوطؑ کے تمام افراد کو (ان کے ایمان کی وجہ سے) ہم بچالیں گے۔ البتہ ان کی بیوی نہیں بچے گی۔ اس کے لئے ہمارا اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی " (اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہو جائے گی)۔

تحقیق وترکیب: ....مسنون سڑا ہوا، بدبودار گارہ۔ والجان جلال محقق کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابوالجن اور ابلیس کا مصداق ایک ہی ہے اور جان سے مراد بھی وہی ہے۔ لیکن بعض حضرات کی رائے ہے کہ جان سے مراد ابوالجن ہے اور ابلیس سے مراد ابوالشیطان ہے۔

مسام یہ خلاف قیاس سم کی جمع ہے جیسے حسن کی جمع محاسن آتی ہے۔

من روحی من زائد ہے اور تبعیضیہ بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی اللہ نے پیدا کی ہوئی روحوں میں سے بعض کو آدمؑ کے بدن میں داخل کر دیا اور نفخ کا لفظ بطور تمثیل کے استعمال کیا ہے حقیقی معنی مراد نہیں۔ کیونکہ وہاں نہ نفخ تھا اور نہ منفوخ اور اضافت بیت اللہ کی طرح شرف ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

ساجدین جلال مفسرؒ نے حقیقی سجدہ مراد نہیں لیا اور بعض نے حقیقی سجدہ مراد لے کر توجیہات کی ہیں۔

یا ابلیس اس سے اور خلقۃ خطاب کے صیغہ سے معلوم ہوا کہ براہ راست ابلیس سے گفتگو ہوئی اور جس طرح حق تعالیٰ اکرام کے لئے کسی سے گفتگو فرماتے ہیں اسی طرح عتاب کے لئے بھی کلام فرماتے ہیں اس لئے اشکال نہیں ہونا چاہیئے اور بعض حضرات نے اسی اشکال کی وجہ سے کلام کو فرشتوں کے واسطے سے کلام پر محمول کیا ہے۔

ان لا تسجد چونکہ دوسری آیت میں لا نہیں ہے اس لئے دونوں میں یکسانیت کرنے کے لئے مفسرؒ علام لا کو زائد مان رہے ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک لا زائد نہیں ہے۔

الی یوم الدین چونکہ قیامت سب سے زیادہ بعید مدت ہوتی ہے۔ اس لئے محاورہ میں اس کے معنی ابید اور ہمیشگی کے لئے جاتے ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت کے بعد اس پر لعنت ختم ہو جائے گی اور دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کے معنی غایت ہی کے لئے جائیں۔ یعنی قیامت تک اس پر لعنت ہوتی رہے گی لیکن اس کے بعد قسم قسم کے دوسرے عذابات شروع ہو جائیں گے اس لئے لعنت کی ضرورت نہیں رہے گی۔

الی یوم یبعثون اس سے شیطان کی غرض ہمیشہ کے لئے موت سے بچنا ہوگی کیونکہ مرنا قیامت سے پہلے ہی ہوسکتا ہے قیامت کے بعد کون مرے گا لیکن جواب میں الی یوم الوقت المعلوم فرما کر بتلا دیا کہ تیری درخواست نامنظور نہیں ہے۔ ناتمام منظور ہے۔ وقت معلوم یعنی پہلے نفخہ تک تجھے مہلت ہے۔ لیکن اس کے بعد موت آئے گی اور پھر دوسرے نفخہ پر سب کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ ان دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا اور بعض کی رائے ہے کہ ''وقت معلوم'' سے مراد قیامت کے قریب آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور وہب کی رائے ہے کہ جنگ بدر مراد ہے۔ جبکہ شیطان کو فرشتوں نے مارڈالا تھا۔

سبعة ابواب حضرت علیؓ نے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بتلایا کہ اس طرح اوپر نیچے جہنم کے دروازے ہوں گے۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ جہنم کے سات طبقوں کے نام اور ترتیب یہ ہے۔ (۱) جہنم (۲) لظی (۳) حطمہ (۴) سعیر (۵) سقر (۶) جحیم (۷) ہاویہ۔ اور ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ پہلے درجہ میں گنہگار موحدین رہیں گے، دوسرے میں یہود، تیسرے میں نصاریٰ، چوتھے میں صابی، پانچویں میں مجوسی، چھٹے میں مشرکین، اور ساتویں میں منافقین رہیں گے۔ اور خطیبؒ کے نزدیک دوسرے نصاریٰ، تیسرے درجہ میں یہود ہوں گے۔

ان المتقین اگر بالفعل تقویٰ مراد لیا جائے تو شرک وکفر سے بچنا کافی ہوگا اور اگر بالقوۃ تقویٰ مراد ہو تو پھر تقویٰ کے مختلف مراتب ہوں گے۔

وان عذابی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان امید وبیم کے درمیان میں ہونا چاہیئے۔ دونوں ہی پہلوؤں پر نظر رہنی چاہیئے۔ عن ضیف اس لفظ میں قلیل وکثیر کی گنجائش ہے اور عکرمہؒ کی رائے ہے کہ چار فرشتے آئے تھے۔ جبریلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ۔

ربط آیات: .... برہان ربوبیت والوہیت کے بعد آیت ولقد خلقنا الانسان الخ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کیا جارہا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا اور توحید کی تعلیم اور اس کے ظاہری اور باطنی انعام کا تذکرہ اور شیطان کی نافرمانی اور بدانجامی کے ساتھ منکرین کا فعال ووبال بھی آجاتا ہے۔ اس کے بعد آیت ان المتقین الخ میں اہل طاعت کے لئے جنت کا ذکر

اور "نبیٔ عبادی" سے اس وعدہ اور وعید کی تاکید مقصود ہے اور بطور استشہاد کے حضرت ابراہیم ولوط علیہما السلام کے واقعات کا ذکر ہے۔ جن میں انعام وانتقام دونوں پہلو ہیں۔

شانِ نزول :.......... ایک روز آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے تو صحابہؓ کو ہنستے ہوئے دیکھا۔ تو آپؐ نے عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا۔ مالی اراکم تضحکون کیا بات ہے تم کیوں ہنستے ہو؟ اس پر صحابہؓ پریشان ہوگئے۔ یہ فرما کر آپؐ دولت خانہ میں تشریف لے گئے لیکن فوراً ہی واپس ہوئے اور فرمایا کہ جبریلؑ پیغام لائے ہیں کہ میرے بندوں کو تم نے کیوں ناامید کر دیا ہے۔ اور نبیٔ عبادی الخ آیت نازل ہوئی ہیں۔

﴿تشریح﴾ :.......... انسان وشیطان کی پیدائش میں حکمت الٰہی :.......... آیت ولقد خلقنا الانسان الخ سے یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ ایک حقیر ترین چیز سے جو ہمیشہ تمہارے قدموں میں پامال رہتی ہے۔ اللہ نے تمہاری ہستی پیدا کی اور اسے اس درجہ بلند کیا کہ مسجود ملائکہ بن گئی اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اختیار وتصرف میں دے دی گئی ہیں۔ البتہ ایک قوت تمہارے آگے نہیں جھکی اور وہ ابلیس کی طاقت تھی تمہارے آگے نہیں جھکتی بلکہ تمہیں اپنے آگے جھکانا چاہتی ہے۔ پس جو انسان اس سے مغلوب ہوگیا اس نے راہ سعادت گم کردی اور جو مغلوب نہیں ہوا۔ بلکہ اسے اپنے سے مغلوب رکھا وہ اللہ کا سچا بندہ ہوا۔ اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پالیا جو حکمت الٰہی نے اسے عطا فرمایا ہے اور جو اللہ کے مخلص بندے ہیں ان پر ابلیس کا داؤ چلنے والا نہیں، مغلوب وہی ہوتے ہیں جو راہ عبودیت سے بھٹک جاتے ہیں۔ آیت والجان الخ میں سب سے پہلے جن کی پیدائش کا ذکر ہے۔ چنانچہ جنات میں بھی پھر انسانوں کی طرح نسل کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ نیز جس طرح انسان کے مٹی سے پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اجزاء ترکیبیہ میں غالب عنصر مٹی کا رکھا گیا ہے دوسرے عناصر کم رکھے گئے ہیں اسی طرح جنات کے اجزائے ترکیبی میں بھی آگ کا عنصر غالب رکھا گیا ہے آگ سے بنانے کا یہی مطلب ہوگا۔

دو شبہوں کا جواب :.......... رہا یہ شبہ کہ جب اس میں دوسرے عناصر مل گئے تو پھر خالص آگ کہاں رہی؟ جواب یہ ہے کہ پہلے خالص آگ لی گئی ہوگی اور بعد میں دوسرے عناصر بھی شامل ہوگئے۔ اسی طرح یہ شبہ کہ جنات جب آگ سے پیدا ہوئے ہیں تو پھر جہنم کی آگ سے تو انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی؟ جواب یہ ہے کہ عنصر کے ایک ہونے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ ایک ہی عنصر کے بعض حصے کو دوسرے حصے سے تکلیف نہ پہنچے۔ آخر انسان کو اگر مٹی کا ڈھیلا مارا جائے تو اس سے تکلیف ہوتی ہی ہے۔

خصائص جنات :.......... بہرحال جنات آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں بھی توالد وتناسل ہوتا ہے۔ وہ عادۃً نظر نہیں آتے مختلف شکلیں بدل سکتے ہیں۔ البتہ جن شکلوں کے قبول کرنے سے دین کا نقصان ہوتا ہے اللہ اس کی انہیں قدرت نہیں دیتا۔ ہاں! جن شکلوں سے دنیاوی نقصان ہوتا ہو ان پر انہیں تھوڑی بہت قدرت دے دی جاتی ہے۔ شیاطین بھی جنات ہی کی قسم میں سے ہیں۔ یعنی شریر جنات شیاطین کہلاتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک، روح، جسم لطیف ہے۔ اس صورت میں نفخ کے حقیقی معنی لئے جائیں گے اور اگر روح کو غیر مادی جوہر مانا جائے تو مطلق تعلق اور وابستگی کو مجازاً بطور استعارہ کے نفخ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ ھٰذا صراطی مستقیماً میں حق تعالیٰ نے شیطان کی تصدیق فرمادی۔ صرف جواب میں ترتیب بدل دی گئی جس کے نزدیک جو چیز زیادہ اہم تھی اسی کو پہلے بیان کر دیا۔ شیطان کے نزدیک گمراہی قابل تھی، اور اللہ کے نزدیک ہدایت اہم تھی۔

جہنم کے سات دروازے: ....اور لها سبعة ابواب کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں اور جن کے دروازے الگ الگ ہوں گے اور بعض کے نزدیک ایک ہی درجہ کے سات دروازے بیان کرنا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ داخل ہونے والے اتنی کثرت سے ہوں گے کہ ایک دروازہ کافی نہیں ہوگا۔

پھر آیت نبیء عبادی الخ سے واضح کر دیا کہ اس بارے میں قانون الٰہی یہی ہے؟ فرمایا رحمت اور بخشش الٰہی ہے۔ لیکن جو اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو اس کے لئے سخت ترین عذاب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتوں کا آنا چونکہ انسانی شکل میں تھا۔ اس لئے مہمانوں سے تعبیر فرمایا۔ دوسری آیت میں حضرت اسحاقؑ کے ساتھ حضرت یعقوبؑ کی بشارت بھی مذکور ہے۔ اور قدرنا میں فرشتوں نے مجازاً اپنی طرف نسبت کر دی ورنہ حقیقۃً یہ کام اللہ کا تھا۔ اس کے بعد تائید میں گذشتہ قوموں کے حالات وواقعات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انکار وسرکشی کا نتیجہ کیسے دردناک عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس سلسلہ میں تین قوموں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گزرتے رہتے تھے اور ان کی ہولناک ہلاکتوں کے مناظر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتے تھے۔ یعنی قوم لوط جس کی بستیاں عرب وفلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں۔ حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں یا مصر کی طرف۔ ان کے کھنڈرات ضرور پڑتے تھے اور اہل مدین کی بستی بحر قلزم کے کنارے پڑتی تھی اور شہر حجر میں بسنے والی قوم ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ حجاز وشام پر پڑتا تھا۔ یہ سورت اسی مقام کے نام سے وابستہ ہے۔

لطائف آیات: ....آیت فاذا سويته ونفخت الخ سے اللہ نے روح کی اضافت اظہار شرف کے لئے اپنی طرف کی ہے۔ یہ ایک مخفی سر الٰہی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ آیت وان عليك اللعنة الخ سے بعض نادانوں نے یہ سمجھا ہے کہ شیطان قیامت کے بعد ملعون نہیں رہے گا۔ حالانکہ اس سے مراد ابدی لعنت ہے۔ کیونکہ جب دار العمل میں رہ کر مقبول نہ ہوا تو دار الجزاء میں جا کر کیا مقبول ہوگا۔ آیت نبیء عبادی الخ میں طریق ارشاد کی تعلیم ہے کہ خوف ورجاء دونوں سے تربیت کرنی چاہئے۔ کیونکہ محض امید سے طبیعت میں تعطل پیدا ہو جائے گا اور صرف خوف سے مایوسی کا خطرہ ہے۔ آیت فما خطبكم الخ میں فرشتوں کے مجمع کو دیکھ کر کام کی اہمیت کا اندازہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں مناسب انتظام کا بندوبست بہتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل اللہ کی عادات طبعیہ میں بھی یہ بات داخل ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ اَیْ لُوْطًا نِ **الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾** لَا اَعْرِفُكُمْ **قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا** اَیْ قَوْمُكَ **فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾** يَشُكُّوْنَ وَهُوَ الْعَذَابُ **وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾** فِیْ قَوْلِنَا **فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ** اِمْشِ خَلْفَهُمْ **وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ** لِئَلَّا یَرٰی عَظِیْمَ مَا یَنْزِلُ بِهِمْ **وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾** وَهُوَ الشَّامُ **وَقَضَيْنَآ** اَوْحَیْنَا **اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ** وَهُوَ **اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾** حَالٌ اَیْ یَتِمُّ اِسْتِیْصَالُهُمْ فِی الصَّبَاحِ **وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ** مَدِیْنَةِ سَدُوْمَ وَهُمْ قَوْمُ لُوْطٍ لَمَّا اُخْبِرُوْا اَنَّ فِیْ بَیْتِ لُوْطٍ مُرْدًا حِسَانًا وَهُمُ الْمَلٰئِکَةُ **يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾** حَالٌ طَمَعًا فِیْ فِعْلِ الْفَاحِشَةِ بِهِمْ **قَالَ** لُوْطٌ **اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا**

تَفۡضَحُوۡنِ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ﴿۶۹﴾ بِقَصۡدِكُمۡ اِيَّاهُمۡ بِفِعۡلِ الۡفَاحِشَةِ بِهِمۡ **قَالُوۡٓا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۷۰﴾** عَنۡ اِضَافَتِهِمۡ **قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ﴿۷۱﴾** مَا تُرِيۡدُوۡنَ مِنۡ قَضَآءِ الشَّهۡوَةِ فَتَزَوَّجُوۡهُنَّ قَالَ تَعَالٰى **لَعَمۡرُكَ** خِطَابٌ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَىۡ وَحَيَاتِكَ **اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ﴿۷۲﴾** يَتَرَدَّدُوۡنَ **فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ** صَيۡحَةُ جِبۡرَئِيۡلَ **مُشۡرِقِيۡنَ﴿۷۳﴾** وَقۡتَ شُرُوۡقِ الشَّمۡسِ **فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا** اَىۡ قُرَاهُمۡ **سَافِلَهَا** بِاَنۡ رَفَعَهَا جِبۡرِيۡلُ اِلَى السَّمَآءِ وَاَسۡقَطَهَا مَقۡلُوۡبَةً اِلَى الۡاَرۡضِ **وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ﴿۷۴﴾** طِيۡنٍ طُبِخَ بِالنَّارِ **اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ** الۡمَذۡكُوۡرِ **لَاٰيٰتٍ** دَلَالَاتٍ عَلٰى وُحۡدَانِيَّتِهٖ تَعَالٰى **لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ﴿۷۵﴾** لِلنَّاظِرِيۡنَ الۡمُعۡتَبِرِيۡنَ **وَاِنَّهَا** اَىۡ قُرٰى قَوۡمِ لُوۡطٍ **لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ﴿۷۶﴾** طَرِيۡقِ قُرَيۡشٍ اِلَى الشَّامِ لَمۡ يَنۡدَرِسۡ اَفَلَا يَعۡتَبِرُوۡنَ بِهِمۡ **اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً** لَعِبۡرَةً **لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۷۷﴾ وَاِنۡ** مُخَفَّفَةٌ اَىۡ اِنَّهٗ **كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ** هِىَ غَيۡضَةُ شَجَرٍ بِقُرۡبِ مَدۡيَنَ وَهُمۡ قَوۡمُ شُعَيۡبٍ **لَظٰلِمِيۡنَ﴿۷۸﴾** بِتَكۡذِيۡبِهِمۡ شُعَيۡبًا **فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ** بِاَنۡ اَهۡلَكۡنَاهُمۡ بِشِدَّةِ الۡحَرِّ **وَاِنَّهُمَا** اَىۡ قُرٰى قَوۡمِ لُوۡطٍ وَالۡاَيۡكَةُ **لَبِاِمَامٍ** طَرِيۡقٍ **مُّبِيۡنٍ﴿۷۹﴾** وَاضِحٍ اَفَلَا يَعۡتَبِرُ بِهِمۡ اَهۡلُ مَكَّةَ **وَلَقَدۡ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡحِجۡرِ** وَادٍ بَيۡنَ الۡمَدِيۡنَةِ وَالشَّامِ وَهُمۡ ثَمُوۡدُ **الۡمُرۡسَلِيۡنَ﴿۸۰﴾** بِتَكۡذِيۡبِهِمۡ صَالِحًا لِاَنَّهٗ تَكۡذِيۡبٌ لِبَاقِى الرُّسُلِ لِاِشۡتِرَاكِهِمۡ فِى الۡمَجِىۡءِ بِالتَّوۡحِيۡدِ **وَاٰتَيۡنٰهُمۡ اٰيٰتِنَا** فِى النَّاقَةِ **فَكَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ﴿۸۱﴾** لَا يَتَفَكَّرُوۡنَ فِيۡهَا **وَكَانُوۡا يَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا اٰمِنِيۡنَ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُصۡبِحِيۡنَ﴿۸۳﴾** وَقۡتَ الصَّبَاحِ **فَمَآ اَغۡنٰى** دَفَعَ **عَنۡهُمۡ** الۡعَذَابَ **مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ﴿۸۴﴾** مِنۡ بِنَاءِ الۡحُصُوۡنِ وَجَمۡعِ الۡاَمۡوَالِ **وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ** لَا مُحَالَةَ فَيُجَازٰى كُلُّ اَحَدٍ بِعَمَلِهٖ **فَاصۡفَحِ** يَا مُحَمَّدُ عَنۡ قَوۡمِكَ **الصَّفۡحَ الۡجَمِيۡلَ﴿۸۵﴾** اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ اِعۡرَاضًا لَا جَزۡعَ فِيۡهِ وَهٰذَا مَنۡسُوۡخٌ بِاٰيَةِ السَّيۡفِ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡخَلّٰقُ** لِكُلِّ شَىۡءٍ **الۡعَلِيۡمُ﴿۸۶﴾** بِكُلِّ شَىۡءٍ **وَلَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِىۡ** قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ هِىَ الۡفَاتِحَةُ رَوَاهُ الشَّيۡخَانِ لِاَنَّهَا تُثَنّٰى فِىۡ كُلِّ رَكۡعَةٍ **وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِيۡمَ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا** اَصۡنَافًا **مِّنۡهُمۡ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ** اِنۡ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا **وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ** اَلِنۡ جَانِبَكَ **لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۸۸﴾ وَقُلۡ اِنِّىۡۤ اَنَا النَّذِيۡرُ** مِنۡ عَذَابِ اللّٰهِ اَنۡ يُّنَزِّلَ عَلَيۡكُمۡ **الۡمُبِيۡنُ﴿۸۹﴾** الۡبَيِّنُ الۡاِنۡذَارِ **كَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا** الۡعَذَابَ **عَلَى الۡمُقۡتَسِمِيۡنَ﴿۹۰﴾** الۡيَهُوۡدِ وَالنَّصَارٰى **الَّذِيۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ** اَىۡ كُتُبَهُمُ الۡمُنَزَّلَةَ عَلَيۡهِمۡ **عِضِيۡنَ﴿۹۱﴾** اَجۡزَاءً حَيۡثُ اٰمَنُوۡا بِبَعۡضٍ وَكَفَرُوۡا بِبَعۡضٍ وَقِيۡلَ الۡمُرَادُ بِهِمُ الَّذِيۡنَ اقۡتَسَمُوۡا طُرُقَ مَكَّةَ يَصُدُّوۡنَ النَّاسَ عَنِ الۡاِسۡلَامِ وَقَالَ بَعۡضُهُمۡ فِى الۡقُرۡاٰنِ سِحۡرٌ وَّبَعۡضُهُمۡ كَهَانَةٌ وَّبَعۡضُهُمۡ شِعۡرٌ **فَوَرَبِّكَ**

لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ سُؤَالُ تَوْبِيْخٍ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ يَا مُحَمَّدُ بِمَا تُؤْمَرُ اَىِ اجْهَرْ بِهٖ وَامْضِهٖ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ هٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْجِهَادِ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ بِكَ بِاَنْ اَهْلَكْنَا كُلًّا مِّنْهُمْ بِاٰفَةٍ وَهُمُ الْوَلِيْدُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ وَ الْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ وَعَدِىُّ بْنُ قَيْسٍ وَالْاَسْوَدُ بْنُ الْمُطَّلِبِ وَالْاَسْوَدُ بْنُ عَبْدِ يَغُوْثَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ صِفَةٌ وَقِيْلَ مُبْتَدأٌ وَلِتَضَمُّنِهٖ مَعْنَى الشَّرْطِ دَخَلَتِ الْفَاءُ فِىْ خَبَرِهٖ وَهُوَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ عَاقِبَةَ اَمْرِهِمْ وَلَقَدْ لِلتَّحْقِيْقِ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ مِنَ الْاِسْتِهْزَاءِ وَالتَّكْذِيْبِ فَسَبِّحْ مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ اَىْ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ الْمُصَلِّيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ اَلْمَوْتُ

ع ۶

ترجمہ:......... پھر جب وہ فرشتے خاندان لوط کے پاس پہنچے تو لوط نے کہا "تم تو اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو" (میں تم سے واقف نہیں ہوں) انہوں نے کہا، نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں (تمہاری قوم) لوگ (شک وشبہ) کر رہے ہیں (یعنی عذاب) اور ہم تمہارے پاس یقینی ہونے والی چیز لے کر آئے ہیں اور بالکل سچے ہیں (اپنی بات میں) سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر نکل جایئے اور آپ سب کے پیچھے ہو لیجئے (دوسرے لوگوں کے پیچھے پیچھے چلئے) اور اس بات کا خیال رکھنا کہ تم میں سے کوئی پیچھا پھیر کر نہ دیکھے (کہ کہیں اسے وہ ہولناک عذاب نظر نہ آجائے جو لوگوں پر اتر رہا ہوگا) اور جہاں جانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے (ملک شام میں) اسی طرف رخ کر کے چلے جانا۔ غرضیکہ ہم نے لوط پر حقیقت حال واضح کردی (وحی سے بتلا دیا) کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی بالکل جڑ کٹ جاوے گی (یہ حال ہے یعنی صبح ہوتے ہوتے ان کی بیخ بنیاد ہی اکھڑ جانے والی ہے) اور شہر کے لوگ (یعنی شہر سدوم کے رہنے والے قوم لوط کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت لوطؑ کے گھر نو عمر خوبصورت لڑکے مہمان آئے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ فرشتے تھے) خوب خوشیاں مناتے ہوئے آپہنچے (یہ ہی حال ہے یعنی مہمانوں کے ساتھ بدفعلی کے لالچ میں) لوط نے فرمایا "دیکھو یہ میرے مہمان ہیں، سو مجھے فضیحت مت کرو، اللہ سے ڈرو، تم میری رسوائی کے درپے کیوں ہو گئے ہو (ان کے ساتھ بدفعلی کر کے) انہوں نے کہا "کیا ہم نے تمہیں روک نہیں دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو، لیکن اپنے یہاں مت ٹھہرانا (مہمان مت بنانا) لوطؑ نے فرمایا "دیکھو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں، اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے (تمہیں اگر نفس کی خواہش پوری کرنی ہے تو اپنی عورتوں سے شادی کرلو، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تمہاری جان کی قسم (یہ آنحضرت ﷺ سے خطاب ہے یعنی آپ کی زندگی کی قسم) یہ لوگ تو اپنی مستی میں کھوئے گئے ہیں (مدہوش ہیں) غرضیکہ سورج نکلتے نکلتے (جبریلؑ کی) ایک ہولناک آواز نے انہیں آلیا۔ پس ہم نے ان بستیوں کو زیر و زبر کر ڈالا (جبریلؑ نے ان بستیوں کو آسمان کے قریب لے جا کر الٹ کر پٹک دیا) اور کنکریوں کی ان پر بارش کر دی (جو آگ میں پکے ہوئے تھے) بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی ہی نشانیاں ہیں (اللہ کی یکتائی کی دلیلیں ہیں) اہل بصیرت (عبرت کی نگاہ سے دیکھنے والوں) کے لئے، اور یہ (قوم لوط کی) بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں (جس پر قریش کے لوگ سفر شام کرتے ہیں اس کے نشانات مٹے نہیں ہیں۔ کیا تم ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے) بلاشبہ ان باتوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی ہی عبرت ہے اور (ان مخفف ہے یعنی انه تها) بن میں رہنے والے لوگ بھی (مدین کے نزدیک ایک گھنی جھاڑی تھی، جس میں قوم شعیب کے لوگ رہتے تھے) بڑے ہی ظالم تھے (کہ حضرت شعیب کو جھٹلا بیٹھے) سو ہم نے ان سے بدلہ لیا (سخت گرمی میں

انہیں مار ڈالا) اور یہ دونوں بستیاں (قوم) لوط اور بن والوں کے شہر) عام سڑک پر صاف دکھائی دیتی ہیں (پھر کیا مکہ والے ان سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے) اور حجر کے لوگوں نے بھی جھٹلا دی تھی (یہ ایک وادی ہے مدینہ اور شام کے بیچ میں اور یہ قوم ثمود تھی) پیغمبروں کی بات (حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور چونکہ سب پیغمبر توحید کی دعوت دیتے ہیں، اس لئے ان کا جھٹلانا، سب پیغمبروں کا جھٹلانا ہوا، ہم نے انہیں (اونٹنی کے سلسلہ میں) اپنی نشانیاں دکھلائیں، مگر وہ روگردانی ہی کرتے رہے (ان نشانیوں میں ذرا بھی غور نہیں کیا) وہ پہاڑ تراش کے گھر بناتے تھے کہ محفوظ رہیں۔ لیکن ایک دن صبح کو اٹھے تو ہولناک آواز نے آپکڑا، سوان کے ہنر (قلعوں کا بنانا اور مالی دولت جمع کرنا ان کے کچھ بھی کام نہ آئے (عذاب الٰہی روکنے میں) ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، بغیر کسی مصلحت کے پیدا نہیں کیا اور قیامت ضرور آنے والی ہے (چنانچہ ہر انسان اپنی کرنی کو بھرے گا) پس آپ (اے محمدؐ: اپنی قوم کے بارے میں) حسن وخوبی سے درگزر کیجئے (اس طرح نظر انداز کر دیجئے کہ دل میں نام کو شکایت نہ رہے، یہ حکم جہاد کے حکم سے منسوخ ہو چکا ہے) تمہارا پروردگار ہی ہے (جو سب کا) پیدا کرنے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے اور بلاشبہ ہم نے آپ کو دہرائی جانے والی آیتوں میں سے سات آیتوں کی سورت عطا کی ہے (آنحضرت کا ارشاد ہے کہ سورۂ فاتحہ مراد ہے، کیونکہ ہر رکعت میں یہ سورت دہرائی جاتی ہے (بخاری، مسلم) اور قرآن عظیم عنایت فرمایا۔ یہ جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو بہرہ مند کر دیا ہے تو آپ اپنی آنکھ سے اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھئے (اور اگر یہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر بیکار غم نہ کیجئے اور مومنوں کے لئے اپنے بازو پھیلا دیجئے ان پر اپنی شفقت رکھئے اور اعلان کر دیجئے کہ میں (عذاب الٰہی سے) کھلم کھلا خبر دار کرنے والا ہوں (صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں) جیسا ہم نے (یہ عذاب) ان لوگوں پر نازل کیا ہے جنہوں نے حصے بخرے کر رکھے تھے (یعنی یہود ونصاریٰ) اپنی آسمانی کتاب کے (جو قرآن ان پر اترے ہیں انہیں) پارہ پارہ کر دیا تھا (اس طرح ٹکڑے کر دیئے تھے کہ کتاب کے بعض حصے کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کے راستوں کو چھانٹ رکھا تھا۔ تا کہ لوگوں کو اسلام لانے سے روک سکیں۔ ان میں سے بعض تو قرآن کو جادو کہتے تھے اور بعض کہانت قرار دیتے تھے اور بعض شعر مانتے تھے) آپ کا پروردگار شاہد ہے کہ ان سب کاموں کی ضرور ان سے ہم باز پرس کریں گے (ڈانٹ ڈپٹ کر) غرضیکہ جو کچھ آپ کو (اے محمدؐ!) حکم دیا گیا ہے اسے صاف صاف سنا دیجئے (آشکارا کر کے بیان کر دیجئے) اور ان مشرکوں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) ان ہنسی اڑانے والوں کے لئے ہم تمہاری طرف سے کافی ہیں (انہیں ہم کسی نہ کسی آفت میں پھنسا کر رہیں گے۔ یہ ہنسی کرنے والے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عدی بن قیس، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث تھے) جو اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو بھی معبود بناتے ہیں (یہ جملہ صفت ہے اور بعض کے نزدیک مبتداء ہے اور چونکہ اس میں شرط کے معنی رکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کی خبر پر فا آگئی جو آگے ہے) سو ابھی ان کو معلوم ہوا جاتا ہے (اپنا انجام) اور واقعی (قد تحقیق کے لئے ہے) ہمیں معلوم ہے کہ ان کی ہنسی اور جھٹلانے کی باتوں سے) آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ سو آپؐ اپنے پروردگار کی ستائش و تعریف کا ورد رکھئے (یعنی سبحان اللّٰہ وبحمدہ پڑھا کیجئے) اور اس کے حضور سجدہ میں گرے رہیئے (نماز پڑھتے رہیئے) اور مرتے دم تک اپنے پروردگار کی بندگی میں لگے رہیئے۔

تحقیق وترکیب: .... ال لوط چونکہ دوسری آیت ولقد جاء ت رسلنا لوط الخ آیا ہے۔ اس لئے مفسر علامؒ نے اشارہ کر دیا کہ یہاں لفظ ال زائد ہے۔ حضرت لوطؑ کی بستی حضرت ابراہیمؑ کی بستی سے چار فرسخ کے فاصلہ پر تھی۔

منکرون اگر اسی شہر کے باشندے ہوتے تو حضرت لوطؑ ضرور پہچان لیتے اور باہر سے آئے ہوتے تو کچھ سفر کے آثار ان پر معلوم ہوتے۔ لیکن دونوں باتیں نہیں تھیں اس لئے تعارف چاہا۔

قضینا جلال محققؒ نے اشارہ کر دیا کہ قضی، اوحٰی کے معنی کو متضمن ہے۔ اسی لئے الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے۔

مصبحین یہ ھؤلاء سے حال ہے اور مضاف جب کہ مضاف الیہ کا خبر ہو اور معنی اضافت اس میں عامل ہوں۔ تو مضاف الیہ

سے بھی حال ہوسکتا ہے اور مقطوع کی ضمیر سے بھی حال ہوسکتا ہے اور حال کو جمع لانا بلحاظ معنی ہوگا۔ ای ھؤلاء جاء اس سے معلوم ہوا کہ واؤ مطلق جمع کے لئے آتا ہے۔ اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ چنانچہ قوم لوط کا آنا پہلے ہوا اور فرشتوں کا خود کو فرشتے ظاہر کرنا بعد میں ہوا۔

بناتی جلال محقق نے اس سے حضرت لوطؑ کی صاحبزادیاں مراد لی ہیں اور اس وقت مسلمان عورت کا نکاح کافر سے جائز ہوگا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ حضرت لوطؑ کی امت کی عورتیں مراد لی جائیں۔

لعمرک ابوھریرہؓ کی روایت ہے کہ اللہ نے آنحضرتؐ کے علاوہ کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ لفظ عمر فتح اور ضمہ دونوں طرح آتا ہے۔ لیکن قسم چونکہ کثیر الاستعمال ہے۔ اس لئے فتح خفیف ہونے کی وجہ سے مناسب رہتا ہے۔ لفظ لعمرک مبتداء محذوف الخبر ہے۔ اس کے بعد جواب قسم آتا ہے۔

فجعلنا عالیھا یہ چار بستیاں ہیں جن میں چار ہزار کی آبادی تھی۔

فانتقمنا سات روز سخت گرمی رہی۔ اس کے بعد ایک ابر اٹھا جس کے نیچے سب لوگ گرمی سے پریشان ہوکر اکٹھے ہوگئے اور لوگوں پر آگ برسی۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اس مقام حجر پر گزرے تو فرمایا **لا تدخلوا مساکن الذین ظلموا انفسھم الا ان تکونوا باکین ان یصیبکم مثل ما اصابھم**۔

سبعا من المثانی سورۂ فاتحہ میں چونکہ سات آیتیں ہیں۔ اس لئے سبع کہا گیا ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سات آیات کون سی ہیں؟ حنفیہؒ کے نزدیک **الحمد للہ** سے پہلی آیت شروع ہوتی ہے۔ اور **اھدنا الصراط الخ** سے آخر تک دو آیتیں ہیں۔ لیکن شوافعؒ کے نزدیک **بسم اللہ** پہلی آیت ہے اور **اھدنا الخ** سے آخر سورت تک پوری ایک آیت ہے۔ اس طرح دونوں کے نزدیک مبدأ اور منتھی میں فرق رہا اور مثانی مثنیٰ کی جمع ہے۔ مکہ اور مدینہ میں دو دفعہ نازل ہونے کی وجہ سے اس سورت کو مثانی کہا گیا ہے۔ یا نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جانے کی وجہ سے اسے مثانی کہا گیا ہے اور یا اس لئے کہ اس کے دو حصے ہیں۔ نصف اول تو اللہ کی حمد وثنا ہے اور نصف آخر بندہ کی درخواست سے متعلق ہے۔

علی المقتسمین مفسر علامؒ نے اس میں دو اختلاف بیان کئے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے مختلف راستوں پر پھٹ جاتے تھے۔ جن کی تعداد ۱۶ تھی۔ جن کا سرغنہ ولید تھا اور یا یہود ونصاریٰ ہیں۔ اسی طرح **القران** میں بھی دو احتمال ہیں۔ سابقہ آسمانی کتابیں ہوں کہ ان کے ماننے والے بھی من پسند باتوں کو قبول کرتے تھے اور باقی کو نظر انداز کردیتے تھے اور ان آسمانی کتابوں کو قرآن سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ آپ کی تسلی مقصود ہے کہ جس طرح آپؐ کے قرآن کے ساتھ یہ معاملہ کر رکھا ہے۔ اپنے اپنے قرآنوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کر چکے ہیں۔ ان کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ خواہ آپؐ کے لئے یہ بات نئی چیز ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن سے مراد موجودہ قرآن کریم ہو کہ لوگ اس کے بارہ میں مختلف الرائے ہیں۔ کوئی شعر وشاعری مانتا ہے کوئی سحر وکہانت مانتا ہے کوئی کچھ ہانکتا ہے کوئی کچھ۔ غرض جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔

نسئلھم مفسر علامؒ نے "سوال توبیخ" نکال کر ایک شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کردیا کہ بظاہر اس آیت میں دوسری آیت **فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان** سے ایک تعارض معلوم ہورہا تھا۔

وھم الولید یہ پانچوں بری طرح سے ہلاک ہوئے۔ چنانچہ ولید بن مغیرہ کے دامن میں تیر الجھ کر کسی رگ میں پیوست ہوگیا۔ جس سے اس کی موت واقع ہوگئی اور عاص بن وائل کے پاؤں میں ایسا کانٹا چبھا کہ پلوں دوڑ گیا جس سے مرگیا اور اسود بن عبد المطلب اندھا ہوکر مرا اور عدی بن قیس کی ناک میں کیڑے پڑے اور اسود بن یغوث درختوں میں سر دے کر مرگیا اور ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ ایسے افراد آٹھ تھے۔ عقبہ بن ابی معیط بدر میں مرا اور ابولہب کے گلٹی نکلی جس سے مرا، اور حکم بن ابی العاص فتح مکہ کے بعد ایمان لے آیا تھا۔

الیقین موت چونکہ متیقن ہے۔ اس لئے بقول ابوحیانؒ یقین موت کا نام ہے۔ رہی یہ بات کہ اس قید کے لگانے کا کیا

فائدہ، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ موت کے بعد عبادت نہیں ہوسکتی؟ جواب یہ ہے کہ مقصد مرتے دم تک ساری زندگی عبادت میں لگے رہنا ہے۔

ربط آیات:............آیت **فلما جاء ال لوط الخ** سے قوم لوط اور اصحاب مدین اور اصحاب حجر کے واقعات عذاب بیان کئے جارہے ہیں اور آیت **وماخلقنا الاموات الخ** سے آنحضرت کی تسلی کا مضمون ذکر کیا جارہا ہے۔

شان نزول:............ایک روز ابوجہل کے ساتھ تجارتی قافلے شام سے مکہ میں آئے یا بصری وغیرہ سے یہود بنی قریظہ اور بنونضیر کے لئے آئے۔ سونا، خوشبو اور جواہرات وغیرہ تھے۔ جنہیں دیکھ کر آنحضرتؐ یا مفلوک الحال مسلمانوں کو خیال ہوا کہ اگر یہ سامان ہمارے پاس ہوتا تو ہم اسے اللہ کی فرمانبرداری میں خرچ کرتے اور صدقہ خیرات کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:............**قوم لوط پر عذاب کا وقت:**............قوم لوط پر عذاب کے وقت کے سلسلہ میں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں **مصبحین** اور **مشرقین** پس ممکن ہے کہ عذاب صبح سے شروع ہوا ہو اور اشراق تک رہا ہو۔ اس طرح دونوں لفظ جمع ہوسکتے ہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ صبح کا مفہوم عام لے لیا جائے۔ جس میں اشراق کا وقت بھی آجاتا ہے۔ البتہ ایک آیت میں **بکرہ** کا لفظ بھی آیا ہے۔ جس کے معنی شروع دن کے آتے ہیں۔ پس اگر اس سے عرفی دن مراد لیا جائے تو بکرہ کا لفظ مشرقین کا مترادف ہوجائے گا اور شرعی دن مراد لیا جائے تو پھر لفظ بکرہ مصبحین کے قریب ہوجائے گا۔

خدا کی طرف سے قسموں کا استعمال:............قرآن کریم میں جابجا جن چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان سے مقصود ان چیزوں کا بے حد نافع ہونا اور قدرت الٰہی کا نمونہ ہونا ہوتا ہے۔ لیکن کسی چیز کی خدا کے برابر تعظیم کرنا چونکہ جائز نہیں ہے اور لوگوں کے قسم کھانے میں اس کا احتمال ہے کہ وہ ان چیزوں کی تعظیم حد سے زیادہ کرنے لگیں۔ اس لئے غیر اللہ کی قسم کھانا ناجائز قرار دے دیا۔ البتہ خود حق تعالیٰ میں اس کا احتمال نہیں کہ کسی مخلوق کو اپنے برابر یا اپنے سے بڑا سمجھیں اس لئے اللہ کے قسم کھانے پر کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ جن چیزوں کی قسمیں کھائی جاتی ہیں ان کی ذات پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ ان کی صفت سامنے ہوتی ہے کہ وہ چیزیں قدرت الٰہی کا نمونہ ہیں۔ سو وہ صفت اور خوبی درحقیقت صفت الٰہی ہوئی اور صفات الٰہی کے قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے حق تعالیٰ کا قسمیں کھانا محل اشکال نہیں البتہ عام لوگ اس لحاظ سے قسم نہیں کھاتے اس لئے انہیں ابہام سے بچانے کے لئے غیر اللہ کی قسموں کو ناجائز کہا گیا ہے۔

ایکہ اور مدین اور حجر پر عذاب الٰہی:............ایکہ کے معنی بن کے ہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک شہر مدین کے آس پاس یہ بن تھا اس لئے اہل مدین کو اصحاب الایکہ بھی کہتے ہیں۔ لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اصحاب الایکہ اور اہل مدین دو الگ الگ قوموں کے نام ہیں۔ یکے بعد دیگرے دونوں قوموں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور بقول جلال مفسرؒ حجر ایک جگہ کا نام تھا شام وحجاز کے درمیان جہاں قوم ثمود آباد تھی۔ قوم لوط اور قوم ثمود کی یہ دونوں آبادیاں چونکہ سرراہ پڑتی تھیں اس لئے بطور تشبیہ فرمایا جارہا ہے کہ قوم لوطؑ کی طرح اہل ایکہ کی بستیاں بھی تمہارے راستہ میں پڑتی ہیں۔ اس صورت میں **انھما لبامام مبین** کہتے ہیں حقیقۃً تکرار نہ ہوا۔ رہا ظاہری تکرار سو اس میں بھی اس مکرر کی تاکید مقصود نہیں ہے بلکہ اس تشبیہ کی تاکید مقصود ہوئی۔

برائی سے درگزر کرنا:............ کسی بات سے درگزر کرنے کی صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی بے بس ہوتا ہے اس لئے مجبور ہوکر بدلہ نہیں لیتا، درگزر کر دیتا ہے لیکن دل نفرت وانتقام سے لبریز رہتا ہے۔ اسے صفح تو کہیں مگر "صفح جمیل" نہیں کہا جائے گا۔ "صفح جمیل" یہ ہے کہ مجبور ہوکر نہیں بلکہ خود اپنی مرضی اور خوشی سے درگزر کیا جائے اور نفرت وانتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ اٹھے اگر اٹھے تو غالب نہ آسکے، مغلوب ہوکر رہ جائے"۔ پس فرمایا جارہا ہے کہ تمہیں مخالفوں کے ساتھ صفح جمیل کرنا چاہئے۔ لوگوں کی سرکشی وشرارت سے آزردہ خاطر ہونے کی بجائے حسن وخوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہنا چاہیئے۔ اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور سب کی حالت جاننے والا ہے۔ اس لئے اس کے بندوں کا معاملہ اسی پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

حکم الٰہی کی برتری:............ آیت ولقد اٰتینٰک الخ سے آخر تک سورۃ کا خاتمہ ہے اور پوری سورۃ کے مواعظ وارشاد کا خلاصہ ہے۔ خطاب اگرچہ بظاہر پیغمبر اسلام سے ہے مگر فی الحقیقت مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت مراد ہے جو مکہ میں ایمان لائی تھی اور مظلومی اور بے سروسامانی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ مخالفوں کے پاس ہر طرح کی دنیاوی آسائشیں اور دنیاوی طاقتیں ہیں۔ تمہارے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، لیکن تم بھولتے ہو، تمہارے پاس بھی ایک چیز ہے۔ جس سے تمہارے مخالف یک قلم خالی ہاتھ ہیں اور وہ اللہ کا کلام ہے۔ ولقد اٰتینٰک سبعا من المثانی والقراٰن العظیم۔ اور اگر یہ نعمت تمہارے پاس ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوش حالیوں کو حسرت اور رشک کی نظر سے دیکھو، یہی ایک نعمت تمہیں دین ودنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کر دینے والی ہے۔

سورۂ فاتحہ قرآن کریم کا نچوڑ ہے:............ احادیث کی روشنی میں "سبعا من المثانی" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ یہاں خصوصیت سے سورۂ فاتحہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ تمام قرآن کی تعلیم کا خلاصہ اور ایمان وعمل کی زندگی کا نچوڑ ہے۔ جس فرد اور جس جماعت کی زندگی ان سات آیتوں کی ورد اور مداومت میں بسر ہو رہی ہے ممکن نہیں کہ وہ دینی اور دنیاوی سعادتوں سے محروم رہے اور اس بار بار دہرائے جانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ ایک مومن کی زندگی کے لئے دن رات اسی کا ورد ہے۔ وہ ہر روز نمازوں میں، نماز کی ہر رکعت میں اسے دہراتا رہتا ہے اور صبح آتی ہے تو اس کی صدائیں چھڑتی ہیں، شام ہوتی ہے تو اسی کی صدائیں اٹھتی ہیں، دوپہر میں بھی اس کا نغمہ یہی ہوتا ہے اور راتوں کا ترانہ بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا طریقہ:............ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سورۂ فاتحہ کو سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور ہر آیت کا آخری لفظ کسی قدر کھینچ کر ختم کرتے تھے۔ ایسا نہیں کرتے تھے کہ دو تین سانسوں میں پوری سورت ختم کر دیتے۔ یعنی الحمد سے لے کر یوم الدین تک ایک سانس میں اور پھر آخر سورت ایک سانس میں جیسا کہ ناواقفیت سے آج کل قرأت کا یہ دستور نکال لیا ہے اور راوی نے صرف اتنی ہی تصریح پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ الگ الگ آیتیں پڑھ کر بتلا ہی دیا کہ اس طرح وقف کر کے پڑھتے تھے اور فی الحقیقت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا صحیح اور قدرتی طریقہ یہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے اور اس کی ہر ایک آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی طلب والحاح کی ایک صدا کا حکم رکھتی ہے۔ جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح وثنا کر کے صرف مطلب زبان پر لاتا ہے تو ایسا نہیں کرتا کہ ایک خطیب کی طرح مسلسل تقریر شروع کر دے اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے۔ بلکہ طلب ونیاز کے لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہے گا اور یہ حالت اسے مہلت نہ دے گی۔ کہ ایک مرتبہ سب کچھ کہہ جائے۔ مثلاً: کہے گا آپ فیاض ہیں، آپ کریم ہیں، آپ کی سخاوت کی دھوم ہے، اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ اور ان میں سے ہر بول دوسرے بول سے ملا کر نہیں کہے گا۔ الگ الگ کر کے ٹھہر ٹھہر کے کہے گا۔

بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ باعتبار مطلب کے ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ بات ایک ہی جملہ میں پوری نہیں ہو جاتی لیکن وقف واتصال کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے۔ کلام کی روش اور خطاب کا اداشناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن خطاب کے لئے کہاں وقف کرنا چاہیئے کہاں نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ حقیقت اس وقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب قرآن کے ان تمام مقامات پر نظر ڈالی جائے جہاں آنحضرتؐ کا وقف کرنا آیات سے ثابت ہے، ان میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں متاخرین کے نزدیک وقف نہیں کرنا چاہیئے۔ لیکن آنحضرتؐ کا وقف کرنا ثابت ہے اور اگر مقام کی نوعیت پر غور کرو گے تو واضح ہو جائے گا کہ طریق خطیبانہ کا اسلوب یہی چاہتا ہے کہ یہاں وقفہ ہو۔ بغیر اس کے زور کلام ابھرتا نہیں اور گو آیت میں بات پوری ہوئی نہیں ہے۔ لیکن موقعہ کا قدرتی اسلوب خطاب یہی ہے کہ وقفہ کیا جائے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:.........ان آیات میں سزا وغیرہ کے بعض مضامین تسلی سے بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ ان کا سزایاب ہونا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ بات آپؐ کی شفقت کے خلاف ہے؟ جواب یہ ہے کہ آپؐ کا ان کے لئے سزا چاہنا اپنے نفس کے لئے نہیں تھا کہ خلاف شفقت ہو بلکہ بغض فی اللہ کا اثر تھا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان کے کفر و شرک کی وجہ سے آپؐ ان کا سزایاب ہونا چاہتے تھے۔ اسی کے ساتھ آپؐ کی شفقت کا حال تو یہ تھا کہ اس کے باوجود ان کی ہدایت کے لئے برابر کوشاں اور جدوجہد کرتے رہے شفقت کے یہ معنی نہیں کہ کفر و شرک کرتے ہوئے آپؐ ان کی مغفرت کے خواہاں ہوتے۔

پریشانی کا علاج:.........تنگدلی کا علاج جو عبادت میں مشغول ہونا بتلایا گیا ہے۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ تو ہمیشہ عبادت میں رہا کرتے تھے۔ پھر کیوں عبادت کا حکم دیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ صرف عبادت کا حکم دینا نہیں ہے کہ وہ تو آپؐ پہلے سے کرتے تھے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ آپؐ ان سب باتوں سے کٹ کر صرف عبادت کے لئے وقف ہو جایئے اور اس طرح کی مشغولیت سے آپکی گھٹن کم یا زائل ہو جائے گی کیونکہ نفس اور طبیعت ایک آن میں دو طرف پوری توجہ نہیں کر سکتا۔ پچھلی کتابوں کو قرآن کہنے میں آنحضرتؐ کی تسلی مقصود ہے کہ پہلے قرآنوں کا بھی انکار ہو چکا ہے اور بعض نے کما انزلنا کو اتیناک کے متعلق کہا ہے۔ یعنی پچھلے انبیاء کی طرح ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن دیا ہے۔ اس لئے وحی نازل ہونے کو بعید نہیں سمجھنا چاہیئے۔

لطائف آیات:.........آیت ولا یلتفت الخ سے معلوم ہوا کہ غضب الٰہی جن پر اترا ہو ان پر اور ان کے آثار پر تفریح کے طور پر نظر ڈالنی نہیں چاہیئے چنانچہ اس میں بدعت و کفر کے مجامع بھی داخل ہو گئے۔ آیت ان فی ذلک لایت الخ سے مراد فراست مؤمن ہے۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله ۔ پس اس میں عقلی اور کشفی وغیرہ سب قسم کے ادراک آ گئے۔ لیکن اس سے ان کا قطعی ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ کشفی و عقلی طریقے بھی فائدے سے خالی نہیں۔ شرعی حدود کی رعایت کرتے ہوئے ان سے بھی کام لینا چاہیئے۔ پس آیت سے عارفین کی فراست کا صحیح ہونا معلوم ہوا اور فراست ایسی چیز کا نام ہے جسے عام لوگ نہیں دیکھتے۔ آیت فاصفح الجمیل میں بعض اخلاق کی تعلیم ہیں۔ آیت لا تمدن الخ سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی طرف دیکھنا بھی غیرت الٰہی کے خلاف ہے۔ آیت فاصدع الخ سے معلوم ہوا کہ حق بات کو بہت صفائی سے کہہ دینا چاہیئے اور پیغام حق ادا کر کے پھر خلوت کی طرف رجوع کیجئے۔ اور شاہد حق کا مراقبہ کیجئے اور اس سے مشائخ نے خلوت کی حفاظت کو لیا ہے۔ آیت ولقد نعلم الخ سے معلوم ہوا کہ تنگ دلی اور غم کا علاج ذکر اور توجہ حق ہے۔ آیت واعبد ربك الخ سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ سلوک میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جس میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس قسم کا اعتقاد سراسر الحاد ہے۔

سُــوْرَةُ النَّحــلِ

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاِنْ عَاقَبْتُمْ اِلٰى اٰخِرِهَا مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ نحل مکی ہے بجز آیت وان عاقبتم الخ کے اس میں کل ۱۲۸ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمَّا اَسْتَبْطَأَ الْمُشْرِكُوْنَ الْعَذَابَ نَزَلَ **اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ** اَىِ السَّاعَةُ وَاَتٰى بِصِيْغَةِ الْمَاضِىْ لِلتَّحَقُّقِ وَقُوْعِهٖ اَىْ قُرُبَ **فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ** تَطْلُبُوْهُ قَبْلَ حِيْنِهٖ فَاِنَّهٗ وَاقِعٌ لَامُحَالَةَ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِيْهًا لَهٗ **وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۱﴾** بِهٖ غَيْرَهٗ **يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ** اَىْ جِبْرَئِيْلَ **بِالرُّوْحِ** بِالْوَحْىِ **مِنْ اَمْرِهٖ** بِاِرَادَتِهٖ **عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ** وَهُمُ الْاَنْبِيَاءُ **اَنْ** مُفَسِّرَةٌ **اَنْذِرُوْٓا** خَوِّفُوا الْكَافِرِيْنَ بِالْعَذَابِ وَاَعْلِمُوْهُمْ **اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ﴿۲﴾** خَافُوْنِ **خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ** اَىْ مُحِقًّا **تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۳﴾** بِهٖ مِنَ الْاَصْنَامِ **خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ** مَنِىٍّ اِلٰى اَنْ صَيَّرَهٗ قَوِيًّا شَدِيْدًا **فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ** شَدِيْدُ الْخُصُوْمَةِ **مُّبِيْنٌ﴿۴﴾** بَيِّنُهَا فِىْ نَفْىِ الْبَعْثِ قَائِلًا مَنْ يُّحْىِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ **وَالْاَنْعَامَ** الْاِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ وَنَصْبُهٗ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ **خَلَقَهَا لَكُمْ** فِىْ جُمْلَةِ النَّاسِ **فِيْهَا دِفْءٌ** مَا تَسْتَدْفِئُوْنَ بِهٖ مِنَ الْاَكْسِيَةِ وَالْاَرْدِيَةِ مِنْ اَشْعَارِهَا وَاَصْوَافِهَا **وَّمَنَافِعُ** مِنَ النَّسْلِ وَالدُّرِّ وَالرُّكُوْبِ **وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴿۵﴾** قَدَّمَ الظَّرْفَ لِلْفَاصِلَةِ **وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ** زِيْنَةٌ **حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ** تَرُدُّوْنَهَا اِلٰى مَرَاحِهَا بِالْعَشِىِّ **وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ﴿۶﴾** تُخْرِجُوْنَهَا اِلَى الْمَرْعٰى بِالْغَدَاةِ **وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ** اَحْمَالَكُمْ **اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ** وَاصِلِيْنَ اِلَيْهِ عَلٰى غَيْرِ الْاِبِلِ **اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ** وَبِجُهْدِهَا **اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴿۷﴾** بِكُمْ حَيْثُ خَلَقَهَا لَكُمْ وَّ خَلَقَ **الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً** مَفْعُوْلٌ لَهٗ وَالتَّعْلِيْلُ بِهِمَا لِتَعْرِيْفِ النِّعَمِ لَايُنَافِىْ خَلْقَهَا لِغَيْرِ ذٰلِكَ كَالْاَكْلِ فِى الْخَيْلِ الثَّابِتِ بِحَدِيْثِ الصَّحِيْحَيْنِ **وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴿۸﴾** مِنَ الْاَشْيَاءِ الْعَجِيْبَةِ الْغَرِيْبَةِ **وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ**

اَیْ بَیَانُ الطَّرِیْقِ الْمُسْتَقِیْمِ **وَمِنْهَا** اَیِ السَّبِیْلِ **جَآئِرٌ** حَائِدٌ عَنِ الْاِسْتِقَامَةِ **وَلَوْشَآءَ** هِدَایَتَکُمْ **لَهَدٰکُمْ** اِلٰی قَصْدِ السَّبِیْلِ **اَجْمَعِیْنَ﴿۹﴾** فَتَهْتَدُوْنَ اِلَیْهِ بِاخْتِیَارٍ مِّنْکُمْ **هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ** تَشْرَبُوْنَهُ **وَّمِنْهُ شَجَرٌ** یَنْبُتُ بِسَبَبِهٖ **فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ﴿۱۰﴾** تَرْعَوْنَ دَوَابَّکُمْ **یُنْۢبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ** الْمَذْکُوْرِ **لَاٰیَةً** دَالَّةً عَلٰی وَحْدَانِیَّتِهٖ تَعَالٰی **لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴿۱۱﴾** فِیْ صُنْعِهٖ فَیُؤْمِنُوْنَ **وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ** بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی مَا قَبْلَهٗ وَالرَّفْعِ مُبْتَدأٌ **وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ** بِالْوَجْهَیْنِ **مُسَخَّرٰتٌ** بِالنَّصْبِ حَالٌ وَالرَّفْعِ خَبَرٌ **بِاَمْرِهٖ** بِاِرَادَتِهٖ **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴿۱۲﴾** یَتَدَبَّرُوْنَ وَسَخَّرَ لَکُمْ **مَاذَرَاَ** خَلَقَ **لَکُمْ فِی الْاَرْضِ** مِنَ الْحَیَوَانِ وَالنَّبَاتِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ **مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ** کَاَحْمَرَ وَاَخْضَرَ وَاَصْفَرَ وَغَیْرِهَا **اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ﴿۱۳﴾** یَتَّعِظُوْنَ **وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ** ذَلَّلَهٗ لِرُکُوْبِهٖ وَالْغَوْصِ فِیْهِ **لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا** هُوَ السَّمَکُ **وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا** هِیَ اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ **وَتَرَی** تُبْصِرُ **الْفُلْکَ** السُّفُنَ **مَوَاخِرَ فِیْهِ** تَمْخَرُ الْمَاءَ اَیْ تَشُقُّهٗ بِجَرْیِهَا فِیْهِ مُقْبِلَةً وَّمُدْبِرَةً بِرِیْحٍ وَّاحِدَةٍ **وَلِتَبْتَغُوْا** عَطْفٌ عَلٰی لِتَاْکُلُوْا تَطْلُبُوْا **مِنْ فَضْلِهٖ** تَعَالٰی بِالتِّجَارَةِ **وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴿۱۴﴾** اللّٰهَ عَلٰی ذٰلِکَ **وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ** جِبَالًا ثَوَابِتَ لِ **اَنْ لَّا تَمِیْدَ** تَتَحَرَّکَ **بِکُمْ** وَجَعَلَ فِیْهَا **اَنْهٰرًا** کَالنِّیْلِ **وَّسُبُلًا** طُرُقًا **لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ﴿۱۵﴾** اِلٰی مَقَاصِدِکُمْ **وَعَلٰمٰتٍ** تَسْتَدِلُّوْنَ بِهَا عَلَی الطُّرُقِ کَالْجِبَالِ بِالنَّهَارِ **وَبِالنَّجْمِ** بِمَعْنَی النُّجُوْمِ **هُمْ یَهْتَدُوْنَ﴿۱۶﴾** اِلَی الطُّرُقِ وَالْقِبْلَةِ بِاللَّیْلِ **اَفَمَنْ یَّخْلُقُ** وَهُوَ اللّٰهُ **کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ** وَهُوَ الْاَصْنَامُ حَیْثُ تُشْرِکُوْنَهَا مَعَهٗ فِی الْعِبَادَةِ لَا **اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ﴿۱۷﴾** هٰذَا فَتُؤْمِنُوْنَ **وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا** تَضْبِطُوْهَا فَضْلًا اَنْ تُطِیْقُوْا شُکْرَهَا **اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۸﴾** حَیْثُ یُنْعِمُ عَلَیْکُمْ مَعَ تَقْصِیْرِکُمْ وَعِصْیَانِکُمْ **وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴿۱۹﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ** بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ تَعْبُدُوْنَ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** وَهُوَ الْاَصْنَامُ **لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ﴿۲۰﴾** یُصَوَّرُوْنَ مِنَ الْحِجَارَةِ وَغَیْرِهَا **اَمْوَاتٌ** لَا رُوْحَ فِیْهِمْ خَبَرٌ ثَانٍ **غَیْرُ اَحْیَآءٍ** تَاکِیْدٌ **وَمَا یَشْعُرُوْنَ** اَیِ الْاَصْنَامُ **اَیَّانَ** وَقْتَ **یُبْعَثُوْنَ﴿۲۱﴾** اَیِ الْخَلْقُ فَکَیْفَ یُعْبَدُوْنَ اِذْ لَا یَکُوْنُ اِلٰهًا اِلَّا الْخَالِقُ الْحَیُّ الْعَالِمُ بِالْغَیْبِ **اِلٰهُکُمْ** الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ مِنْکُمْ **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** لَا نَظِیْرَ لَهٗ فِیْ ذَاتِهٖ وَلَا فِیْ صِفَاتِهٖ وَهُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی **فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْکِرَةٌ** جَاحِدَةٌ لِلْوَحْدَانِیَّةِ **وَّهُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ﴿۲۲﴾** مُتَکَبِّرُوْنَ عَنِ الْاِیْمَانِ بِهَا **لَا جَرَمَ** حَقًّا **اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ**

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ فَيُجَازِيْهِمْ بِذَالِكَ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ بِمَعْنٰى اَنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ وَنَزَلَ فِي النَّضْرِ بْنِ الْحَارِثِ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا اِسْتِفْهَامِيَّةٌ ذَآ مَوْصُوْلَةٌ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ قَالُوْٓا هُوَ اَسَاطِيْرُ اَكَاذِيْبُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِضْلَالًا لِلنَّاسِ لِيَحْمِلُوْٓا فِيْ عَاقِبَةِ الْاَمْرِ اَوْزَارَهُمْ ذُنُوْبَهُمْ كَامِلَةً لَمْ يُكَفَّرْ مِنْهَا شَيْءٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ بَعْضِ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِاَنَّهُمْ دَعَوْهُمْ اِلَى الضَّلَالِ فَاتَّبَعُوْهُمْ فَاشْتَرَكُوْا فِي الْاِثْمِ اَلَا سَآءَ بِئْسَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ يَحْمِلُوْنَهُ حَمْلَهُمْ هٰذَا

ترجمہ:............(عذاب کے آنے میں مشرکین نے جب جلدی چاہی تو یہ آیات نازل ہوئیں) اللہ کا حکم آپہنچا (یعنی قیامت ماضی کا صیغہ لانے میں قیامت کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے، یعنی قیامت نزدیک آگئی ہے)، پس اس کے لئے جلدی نہ مچاؤ (وقت سے پہلے نہ چاہو، وہ تو لامحالہ آکر رہے گی) اس کی ذات ان باتوں سے پاک و برتر ہے جو یہ مشرکین کررہے ہیں، وہ اپنے بندوں (پیغمبروں) میں سے جسے چاہتا ہے اس کے پاس فرشتوں (جبریلؑ) کو اپنے حکم سے بھیج دیتا ہے کہ (ان مفسرہ ہے) خبردار کردیجئے (کافروں کو عذاب سے چونکا دیجئے اور بتلا دیجئے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس مجھ سے ڈرتے رہو اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت (تدبیر سے) بنایا۔ اس کی ذات برتر ہے، اس بات سے جو یہ لوگ شرکیہ کام کررہے ہیں (یعنی بت پرستی) انسان کو نطفہ سے پیدا کیا (قطرہ منی) سے اسے اتنا طاقت ور بنادیا) پھر دیکھو وہ جھگڑنے والا (لڑاکا) کھلم کھلا (یہ کہہ کر قیامت کا صاف انکار کرنے لگا کہ پرانی بوسیدہ ہڈیوں کو کون جلاسکتا ہے) اور اسی نے چوپاؤں کو (اونٹ، گائے، بکری مراد ہے، یہ منصوب ہے۔ **ما اضمر عامله علی شرط التفسیر** کی بنا پر) پیدا کیا ہے، تمہارے (تمام لوگوں کے) لئے ان میں جاڑے کا سامان ہے (اور بال اور اون سے بنے ہوئے کمبلوں اور چادروں سے جو تم گرمی حاصل کرتے ہو) اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ (نسل اور دودھ اور سواری) اور انہی میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو (لفظ **منها** ظرف کو ختم آیات کی رعایت سے مقدم کردیا گیا ہے) اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق (زینت) بھی ہے، جب انہیں شام کے وقت تم واپس لاتے ہو (شام کے وقت جب چرا کر انہیں تھان پر باندھتے ہو) اور جب صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو (صبح کو چراگاہ میں روانہ کرتے ہو) اور یہی جانور تمہارا بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لے جاتے ہیں کہ تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے (بلاسواری کے) بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے (زحمت اٹھائے ہوئے) واقعی تمہارا پروردگار بڑی شفقت اور رحمت والا ہے (کہ تمہارے لئے اس نے یہ چیزیں پیدا کیں) اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا کردیئے ہیں) کہ تم اس سے سواری کا کام لو اور ویسے ان میں خوشنمائی بھی ہے (یہ مفعول لہ ہے اور ان تینوں جانوروں کے پیدا کرنے کی ان دونوں علتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی پیدائش کی اور کوئی غرض نہ ہو۔ چنانچہ گھوڑے کے گوشت کا کھانا حدیث صحیحین سے ثابت ہے) وہ اور بھی ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تمہیں خبر بھی نہیں (عجیب وغریب چیزیں) اور یہ اللہ کا کام ہے کہ راہ حق (سیدھا راستہ) واضح کردے اور کچھ راہیں ٹیڑھی بھی ہیں (سیدھے راستہ سے ہٹی ہوئیں) اور اگر اللہ چاہتا (تمہیں ہدایت دینا) تو سب کو منزل مقصود (سیدھی راہ) دکھادیتا (تم اپنے اختیار سے اس تک پہنچ جاتے) وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، تمہارے فائدے کی خاطر، اس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے اور کچھ درختوں کو سیراب کرتا ہے (اس سے درخت پیدا ہوتے ہیں) جس سے تم اپنے مویشی چراتے ہو (جانور چگاتے ہو) اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتیاں اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل پھول بھی پیدا کرتا ہے۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے (توحید کی) بڑی دلیل ہے جو غور وفکر کرنے والے ہیں (اس کی صفت میں، پھر اس پر ایمان لاتے

ہیں) اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج مسخر کر دیئے (نصب کے ساتھ ان لفظوں کا عطف ماقبل پر ہوگا اور رفع کے ساتھ ہوں تو مبتداء ہیں) اور چاند اور ستارے بھی (یہ دونوں لفظ بھی نصب اور رفع کے ساتھ دونوں طرح ہیں) اسی طرح تمہارے لئے مسخر ہو گئے ہیں (نصب کے ساتھ تو حال ہے اور رفع کے ساتھ خبر ہے اس کا حکم (ارادہ) سے۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں (تدبر کرتے ہیں) اور زمین کی سطح پر (جانوروں اور گھاس پھوس وغیرہ میں سے) طرح طرح کے رنگوں کی پیداوار اور جو تمہارے لئے پیدا کر دی ہے (جیسے سرخ، سبز، زرد وغیرہ) بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں۔ وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لئے مسخر کر دیا (تاکہ اس مین جہاز رانی اور غوطہ خوری ممکن ہو سکے) اس سے تروتازہ گوشت (مچھلی) نکالو اور پہننے کے لئے زیورات کی چیزیں نکالو (موتی مرجان) نیز دیکھتے ہو کہ جہاز پانی چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں (پانی ان کے چلنے کے وقت آگے پیچھے ہٹ جاتا ہے، ہموار ہوا کے ساتھ) تاکہ (اس کا عطف تاکلوا، تطلبوا پر ہے) خدا کی روزی (تجارت کے ذریعہ) تلاش کرو اور اس کا شکر بجالاؤ (ان نعمتوں پر) اور اللہ نے زمین میں پہاڑ قائم کر دیئے (مضبوط) تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈگمگانے نہ لگیں اور اس نے (نیل جیسی) نہریں رواں کر دیں اور راستے رواں کر دیئے، تاکہ تم اپنی منزل مقصود تک پہنچو اور اس نے بہت سی نشانیاں بنا دیں (جو تمہیں راستے بتلانے والی ہیں جیسے پہاڑ) اور ستاروں سے بھی لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں (رات کے وقت راستے اور قبلہ کو معلوم کر لیتے ہیں) جو ذات پیدا کرتی ہے (یعنی اللہ) اور جو ہستیاں پیدا نہیں کر سکتیں (جن بتوں کی پوجا کر کے تم شرک کرتے ہو) وہ دونوں کیسے برابر ہو سکتی ہیں؟ پھر کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ (یہ باتیں پھر تو تمہیں ایمان لے آنا چاہیئے) اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو کبھی نہ گن سکو گے (انہیں شمار بھی نہیں کر سکو گے چہ جائیکہ ان کی شکر گزاری کر سکو) بلاشبہ اللہ بڑا ہی رحمت والا ہے (کہ کوتاہیوں اور گناہوں کے باوجود تم پر نعمتیں فرماتا ہے) اور اللہ تمہاری چھپی ہوئی اور کھلی ہوئی سب کچھ باتیں جانتا ہے اور جن ہستیوں کی یہ پوجا کرتے ہیں (تاء اور یاء کے ساتھ دونوں طرح ہے یدعون بمعنی تعبدون ہے) اللہ کے سوا (یعنی بتوں کی) ان کا حال یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود ہی مخلوق ہیں (پتھروں وغیرہ سے بنائے گئے ہیں) وہ مردے ہیں (بے جان، یہ دوسری خبر ہے) نہ کہ زندہ (یہ تاکید ہے) ان (بتوں) کو یہ بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے (لوگ، پھر کیسے ان کی بندگی کی جارہی ہے، کیونکہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو پیدا کرنے والا ہو، زندہ ہو، غیب کی باتیں جاننے والا ہو) تمہارا معبود برحق (تمہاری عبادتوں کا مستحق ہے) تو ایک ہی ہے (جو اپنی ذات وصفات میں بے نظیر ہے، یعنی اللہ) پھر جو لوگ آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے تو ان کے دل ہی انکار میں ڈوبے ہوئے (اللہ کی وحدانیت کو نہیں مانتے) اور وہ گھمنڈ کر رہے ہیں (ایمان قبول کرنے سے تکبر کر رہے ہیں) ضروری بات ہے کہ اللہ ان کے سب کھلے اور چھپے احوال جانتے ہیں (لہٰذا ان باتوں کا انہیں ضرور بدلہ دے گا) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے (یعنی ضرور انہیں سزا دیں گے اور اگلی آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے) اور جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ (ما استفہامیہ ہے اور ذا موصولہ) تمہارے پروردگار نے (محمد پر) کیا بات اتاری ہے تو کہتے ہیں (کچھ نہیں) محض اگلے وقتوں کے افسانے ہیں (لوگوں کو بہکانے کے لئے) نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کا (انجام کار اپنے گناہوں کا) پورا بوجھ (جن کا کچھ بدلہ بھی دنیا میں نہیں چکایا گیا ہوگا) قیامت کے روز، اور جنہیں یہ لوگ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے، ان کے گناہوں کا بھی (کچھ) بوجھ اپنے اوپر اٹھانا پڑے گا (کیونکہ انہوں نے دوسروں کو گمراہی کی طرف بلایا تھا۔ جس کی وجہ سے دوسروں نے ان کا اتباع کیا۔ لہٰذا پیروی کرنے والوں کے گناہ میں آمادہ کرنے والے بھی شریک سمجھے جائیں) تو دیکھو کہ کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں (یعنی یہ ان کا بوجھ لادنا برا ہے)۔

تحقیق وترکیب: .... **سورۃ النحل** اس کا نام سورۃ الانعام بھی ہے۔ دونوں کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ **امر اللہ** عذاب خداوندی مراد ہے یا قیامت یا آنحضرت ﷺ کی مدد کرنا مراد ہے۔

بالروح اس سے مراد وحی یا قرآن ہے۔ کیونکہ اس سے حیات روحانی حاصل ہوتی ہے یا دین بمنزلہ بدن کے ہے اور وحی وقرآن مثل روح کے ہے۔ بالحق مفسر علامؒ نے اشارہ کردیا کہ یہ حال کی وجہ سے منصوب ہے۔

ما یشرکون اشارہ کردیا کہ ما موصولہ یا موصوفہ ہے اور عائد محذوف ہے۔ یعنی **بہ خلق الانسان** حضرت آدمؑ وحواؑ کے علاوہ انسان مراد ہیں۔ کیونکہ حضرت آدمؑ مٹی سے اور حضرت حواء ان کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئے۔

والانعام اس آیت سے ان جانوروں کا کھانا، ان کی سواری اور ان پر بوجھ لادنا اور کرایہ پر چلانا، ان کے اون اور بال وغیرہ سے انتفاع جائز معلوم ہوتا ہے اور **نافع** سے مراد اصولیوں کی اصطلاح نہیں یعنی **لایبقی زمانین** جیسے سواری اور بار برداری۔ کیونکہ یہ اعراض ہیں جن پر **لا ینبغی زمانین** صادق آتا ہے برخلاف زوائد کے، جس کے معنی **یبقی زمانین** کے آتے ہیں۔ ان آیتوں میں سواری اور بار برداری وغیرہ اصطلاح منافع کے مقابلہ میں آیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی منافع میں داخل ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ متعارف معنی مراد ہیں۔ منافع اور زوائد کے احکام میں فرق یہ ہے کہ منافع مغصوب کا ضمان نہ تو تلف کرنے سے آتا ہے اور نہ روکے رکھنے سے۔ لیکن زائد مغصوبہ کا ضمان دونوں صورتوں میں آتا ہے البتہ صرف ہلاک کرنے کی صورت میں ضمان آئے گا۔ خود بخود ہلاک کرنے کی صورت میں زوائد کا ضمان نہیں آئے گا۔ ہاں! اگر مغصوبہ چیز ہلاک ہوجائے تو پھر ہلاک کرنے اور ہلاک ہوجانے کی دونوں صورتوں میں ضمان آجائے گا۔

والخیل یہ آیت امامؒ صاحب اور امام مالکؒ کی دلیل ہے۔ گھوڑے کا گوشت ناجائز ہونے کے بارے میں، لیکن امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اباحت کے قائل ہیں۔ جلال محققؒ اپنے مسلک کی حمایت میں امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے جواب کی طرف **والتعلیل** سے اشارہ کررہے ہیں۔ یعنی بلاشبہ آیت میں گھوڑوں کا مقصد سواری اور آرائش بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس سے کھانے کی نفی نہیں ہوتی اور تائید میں حدیث شیخین بیان کردی کہ انہ ﷺ رخص فی لحوم الخیل۔ اسی طرح مسلم میں جابرؓ کی روایت ہے۔ نحرنا فرسا علی عهد رسول اللہ ﷺ فاکلناه ونحن بالمدینة۔ لیکن حنفیہ اس کے جواب میں ابوداؤد کی روایت انہ ﷺ نهی عن اکل لحوم الخیل پیش کرسکتے ہیں۔

صاحب مدارکؒ اور صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت چونکہ منت واحسان کے موقعہ پر آئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گھوڑے وغیرہ میں سب سے بڑی نعمت اس پر سواری اور اس کا آرائش ہونا ہے کیونکہ حکیم اعلیٰ درجہ کی نعمت کے ہوتے ہوئے ادنیٰ نعمت بیان نہیں کیا کرتا اس لئے ان چیزوں کا کھانا حلال نہیں ہونا چاہیئے۔ برخلاف ابو یوسفؒ، محمدؒ اور امام شافعیؒ کے، وہ گھوڑے خچر کو جائز کہتے ہیں اور امام مالکؒ شہری گدھے کو حلال فرماتے ہیں۔ رہا جنگلی گدھا وہ سب کے نزدیک جائز ہے شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ گھوڑے کے حرام ہونے میں ہمارے ساتھ ہیں اور خانگی گدھے کے بارہ میں ہمارے خلاف ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت کسی کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی البتہ آنحضرتؐ نے جنگ خیبر کے موقعہ پر خانگی گدھے کو حرام قرار دے دیا تھا اور گھوڑے کے کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ جس کا جواب گزر چکا ہے اور امام مالکؒ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ لم یبق من مالی الا حمیران تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کل من سمین مالك لیکن حنفیہ کی طرف سے یہ آیت اور حدیث خیبر جواب میں پیش کی جاسکتی ہے۔ باقی حنفیہ نے کراہت کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ حرام ہونا یقینی نہیں ہے۔

پھر بعض کراہت تنزیہی کے قائل ہیں اور بعض تحریمی کراہت مانتے ہیں اور یہی اصح ہے۔ بلاضرورت مفتی کو گھوڑے کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ آلۂ جہاد ہے جس میں کمی آجانا مناسب نہیں ہے۔ نیز حنفیہ کے خلاف ہے۔ ہاں اگر کوئی گھوڑا مرنے کے قریب ہوجائے تو ذبح کی اجازت دی جاسکتی ہے اور مالک استعمال کرسکتا ہے۔ تاکہ مسلمان کا مال ضائع نہ ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک اباحت کی وجہ سے اور بھی گنجائش ہے، برخلاف خانگی گدھے کے وہ حنفیہ میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کسی حالت میں بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

لاية اس صورت میں سات جگہ لفظ آیۃ آیا ہے۔ پانچ جگہ مفرد اور دو جگہ جمع کے صیغہ سے۔ آیت کے مدلول یعنی کہ وحدانیت باری پر نظر کرتے ہوئے تو مفرد استعمال کیا گیا ہے اور دلیل کا لحاظ کرتے ہوئے کہ ہر دلیل سے اس کی وحدانیت معلوم ہوتی ہے، جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں ان تین آیتوں میں بھی پہلی اور تیسری آیت میں لفظ اٰية مفرد اور درمیان میں جمع لایا گیا ہے۔

لحما طريا چونکہ مچھلی صرف کھانے ہی کے کام آتی ہے اور دوسرے جانوروں کی طرح ذبح کی ضرورت نہیں پیش آتی اس لئے **لحما** کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور **طريا** اس لئے کہا کہ جلد خراب ہوجاتی ہے۔ اس آیت سے مراد مچھلی کا حلال ہونا معلوم ہوا۔ مچھلی کو عرف میں اگرچہ گوشت شمار نہ کیا جاتا ہو۔ لیکن فی الحقیقت گوشت ہے چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ تو عرف کی اجازت کی وجہ سے مچھلی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ لحم کے معنی میں شدت پائی جاتی ہے اور شدت خوف کے بغیر نہیں ہوتی۔ مچھلی میں چونکہ خوف نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے گوشت میں سختی بھی نہیں۔ کیونکہ قسموں کا مدار عرف پر ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقۃً متروک ہوگئی۔ چنانچہ اگر کوئی شخص دابہ پر سوار نہ ہونے کی قسم کھالے تو کافر پر سوار ہونے کی وجہ سے اس کی قسم نہیں ٹوٹ جائے گی۔ حالانکہ قرآن میں کافر کو دابہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ عرف میں کافر کو دابہ نہیں کہا جاتا جس پر قسم کا مدار رہتا ہے۔

بہرحال مچھلی کا بیان خصوصیت سے امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے برخلاف حجت ہے۔ تمام دریائی جانوروں کا ایک حکم ماننے کے سلسلہ میں حنفیہ کے نزدیک مطلقاً مچھلی حلال نہیں ہے۔ بلکہ بقول صاحب ہدایہؒ طافی مچھلی مکروہ ہے کیونکہ وہ طبعی موت مرگئی ہے۔ لیکن اگر پکڑنے یا کسی وجہ سے مرجائے۔ تب کچھ حرج نہیں ہے۔ امام مالکؒ وشافعیؒ مطلقاً مچھلی حلال فرماتے ہیں۔

دوسری بات آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ موتی وغیرہ بھی زیور شمار ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی زیور نہ پہننے کی قسم کھالے تو موتی وغیرہ کا ہار پہننے سے قسم ٹوٹ جاتی ہے جیسا کہ صاحبینؒ کی رائے ہے اور انہیں کے قول پر فتویٰ ہے۔ برخلاف امامؒ صاحب کے۔

مرجان۔ جوہر سرخ یا چھوٹا بڑا موتی۔ علی اختلاف الاقوال۔ **مواخر فيه** یعنی ایک ہی سمت کی ہوا ہونے کے باوجود بھی دو مخالف سمت کو بادبانی جہاز سمندر میں چل سکتے ہیں۔ **ان تميد بكم** کوفیوں کے قول پر **لا تميد** اور بصریوں کے قول پر **كراهة ان تميد** عبارت کی تقدیر ہوگی۔ **وبالنجم** مراد ثریا، نبات النعش، فرقدین، جدی ستارے ہیں۔

كاملة یعنی آخرت میں پورا پورا مؤاخذہ ہوگا۔ کسی بھی گناہ کا کفارہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مؤمنین کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا ورنہ پھر تخصیص کی کوئی وجہ نہیں رہے گی۔ **ومن اوزار الذين** چنانچہ ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ ان رسول الله ﷺ قال من دعى الى هدى كان له من الاجر مثل اجور من يتبعه لا ينقص ذلك من اجورهم شيئا ومن دعى الى ضلالة كان عليه من الاثم من يتبعه لا ينقص ذلك من اثامهم شيئا (اخرجه مسلم)

ربط آیات:......... سورۂ نحل کی ابتداء دلائل توحید سے ہورہی ہے۔ ان میں زیادہ حصہ دلائل عقلیہ کا ہے۔ جو آیت **خلق السموٰت** سے دور تک چلا گیا ہے۔ اس سے پہلے آیت **ينزل الملائكة** میں نقلی دلائل کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ توحید کا مضمون سب سے زیادہ

اہم ہے۔اس لئے سب سے پہلے اتی امر اللہ الخ سے وعید کا مضمون شروع کیا جارہا ہے۔تاکہ دلائل میں غور کرنے کی طرف تنبیہ ہوجائے۔اسی اہتمام کے لئے نقلی دلیل ہیں۔دوبارہ تنبیہ کے لئے انذر لائے ہیں۔نیز عقلی دلائل میں اپنے انعامات کا ذکر بھی فرمایا جارہا ہے۔تاکہ ترغیب وترہیب دونوں سے کام لیا جاسکے۔دلائل توحید کے بیچ میں جملہ معترضہ کے طور پر آیت وعلی اللہ قصد السبیل الخ سے ان دلائل کا روحانی نعمت ہونا بتلانا ہے کہ ان سے سیدھا راستہ معلوم ہوتا ہے اور غلط راستہ سے بچاؤ ہوجاتا ہے۔پھر آگے دلائل کا سلسلہ جاری ہے اور آیت افمن یخلق الخ سے شرک کا ابطال اور مشرکین کی برائی بیان کی جارہی ہے۔

شان نزول:............قریش مکہ آنحضرتؐ کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور آپؐ کی وعیدوں کو جھٹلاتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ان صح ما تقولون من مجیٔ العذاب فالاصنام تشفع لنا وتخلصنا مسلمان جس عذاب کی دھمکیاں دیتے ہیں اگر وہ آیا بھی تو ہمارے بت سفارش کراکے ہمیں بچالیں گے۔ اس سلسلہ میں آیت اتی امر اللہ نازل ہوئی ہے اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی غیبی تائید وامداد مراد ہے۔آیت فھو خصیم مبین بعض حضرات کے نزدیک عام خصومت سے متعلق ہے،دنیاوی ہو یا آخرت کی۔اور بعض ابی بن خلف جُمحی کے بارے میں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں بوسیدہ ہڈی لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا۔یا محمد اتزعم ان اللہ یحی العظام وھی رمیم ؟اے محمد! کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ اللہ اس بوسیدہ ہڈی کو زندہ کرسکتا ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔آیت واذا قیل لھم الخ کے شان نزول کی طرف جلال محققؒ خود اشارہ کررہے ہیں۔

﴿تشریح﴾:............عذاب الٰہی کا انتظار:............سورۂ نحل بھی ان سورتوں میں سے ہے جو مکی عہد کے آخری دنوں میں نازل ہوئی ہے۔مشرکین اس بات کی ہنسی اڑایا کرتے تھے کہ تم کہتے ہو کہ اللہ کا حکم آنے والا ہے۔اگر سچ مچ ایسا ہونے والا ہے۔تو کیوں نہیں ہوچکتا اور کیوں نہیں اللہ کا حکم ظاہر ہوجاتا؟ اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ وہ وقت آگیا ہے اب بالکل قریب ہے۔کیونکہ مخالفوں کا ظلم وتشدد انتہائی حد تک پہنچ چکا ہے۔مومنوں پر زندگی دشوار ہوگئی ہے۔اس حکم کا ایک حصہ یہ ہے کہ عنقریب ہجرت مدینہ کا واقعہ ظہور میں آنے والا ہے۔اور اس کا ظہور، گویا اس امر کے فیصلہ کا اعلان ہوگا۔آیت ینزل الملائکۃ الخ سے معلوم ہوا کہ توحید کی دعوت تمام انبیاء کی مشترک شریعت رہی ہے۔کیونکہ ہمیشہ سے یہ اللہ کی مقررہ سنت رہی ہے کہ وہ خلق کی ہدایت کے لئے کسی بندہ کو چن لیتا ہے اور اسے وحی کی روح سے معمور کردیتا ہے اور اس کی دعوت ،توحید الٰہی کی تلقین ہوتی ہے۔یعنی اللہ کے سوا جب کوئی معبود نہیں۔بس اسی کی بندگی کرو،اس کے بعد آیت خلق السموات الخ سے توحید الٰہی کے دلائل کاملہ کا بیان شروع ہورہا ہے اور منشاء استدلال ''تخلیق بالحق'' ہے۔

قدرت الٰہی کا کرشمہ:............آیت خلق الانسان الخ میں قدرت الٰہی کی ایک کرشمہ سازی پر توجہ دلائی گئی ہے۔کہ نطفہ کے ایک حقیر قطرہ سے ایک ایسا عقیل ومفکر وجود پیدا ہوجاتا ہے جس میں بحث ونزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال نکالنے لگتا ہے۔نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اکثر انسان کے افراد منی سے پیدا کئے گئے ہیں۔حضرت آدمؑ وحواء اس سے مستثنیٰ ہیں کہ اول مٹی سے پیدا ہوئے اور حضرت حواء آدم کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔اسی طرح اگر منی کو مرد کی منی کے ساتھ خاص کیا جائے تو حضرت عیسیٰؑ بھی مستثنیٰ ہوجائیں گے۔

زینت وآرائش اور فخر وتکبر میں فرق:............ آیت ولکم فیھا جمال الخ سے زینت وجمال کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے اور زینت وآرائش اور فخر وتکبر میں یہ فرق ہے۔ کہ آرائش وزیبائش تو محض اپنا دل خوش کرنے کے لئے ہوتی ہے یا اللہ کی نعمتوں کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ نہ تو خود کو مستحق نعمت سمجھتا ہے اور نہ دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے۔ لیکن فخر وتکبر میں خود بینی اور دوسروں پر اظہار برتری ہوتا ہے۔ دوسروں کو حقیر اور خود کو مستحق سمجھنا ہوتا ہے جو یقیناً حرام ہے۔ آیت والانعام سے "تخلیق حق" کی حقیقت پر توجہ دلائی جارہی ہے۔ کہ کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کسی سوچی سمجھی ہوئی مصلحت سے بنائی گئی ہے، بیکار کوئی چیز بھی نہیں بنائی گئی۔ چنانچہ انسان خود اپنی ہستی کو دیکھے اور اپنے چاروں طرف نظر ڈالے۔ کس طرح ہر چیز بول رہی ہے کہ مجھے کس رب رحیم نے بنایا ہے جو پرورش کرنا چاہتی ہے، فائدہ پہنچانا چاہتی ہے، ساری احتیاطیں ضرورتیں پوری کررہی ہے اور سرتاسر بخشش، فضل، احسان اور رحمت ہے۔

پرستش کے لائق کون ہے؟:............ پھر اگر ایسی ربوبیت ورحمت رکھنے والی ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی پرستاریوں کا مستحق اسے ہونا چاہئے یا انہیں جو خود اپنی پرورش کے لئے اس کی پروردگاری کے محتاج ہیں؟ اور اگر وہ ہستی تمہاری تمام جسمانی ضرورتوں اور آسائشوں کا انتظام کررہی ہے تو کیا ضروری نہ تھا کہ تمہاری روحانی سعادت وزندگی کا بھی سروسامان کردیتی؟ یہی سروسامان ہے جو وحی اور پیغمبروں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیوں تمہیں اس پر انکار وتعجب ہے؟

آیت الابشق الانفس سے بعض لوگوں نے اولیاء اللہ کی ایک خاص کرامت "طے ارض" کا انکار کیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیت میں اکثر انسانوں کا حال بیان کیا جارہا ہے کہ بلامشقت بغیر سواری کے سفر نہیں کرسکتے اس سے سب کی نفی کہاں ہوئی ہوسکتا ہے کہ بعض افراد یعنی اہل اللہ مسافت بسہولت اپنی کرامت سے طے کرلیتے ہوں۔

آیت ومنہ شجر الخ میں درخت سے مراد عام ہے۔ گھاس پھوس بھی اس میں داخل ہے اور آیت وتستخرجوا منہ حلیۃ الخ میں اگر موتی مونگا صرف دریائے شور سے برآمد ہوتے ہوں۔ جیسا کہ مشہور ہے تب تو بحر سے صرف دریائے شور مراد ہوگا ورنہ عام دریا مراد لیا جائے گا۔ شور ہو یا شیریں چنانچہ سورۂ رحمٰن میں منھما کی ضمیر تثنیہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر خاص دریائے شور مراد ہو تو پھر ضمیر منھما کی توجیہ یہ ہوگی کہ تثنیہ مجاورت کی وجہ سے کہدیا کہ دونوں طرح کے پانی پاس پاس اور ملے ہوئے ہوتے ہیں اور موتی مونگا عورتوں کی طرح مردوں کو بھی پہننا جائز ہے پس تلبسون میں تغلیب مانی جائے گی۔

زمین گھومتی ہے یا ٹھہری ہوئی ہے؟:............ بعض حضرات نے آیت "ان تمید بھم" سے زمین کے سکون پر استدلال کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہاں زمین کی اس حرکت کے ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں کی جارہی ہے، جو حکماء کے درمیان مختلف فیہ ہے اور نہ یہ قرآن کا موضوع ہے۔ زمین حرکت کرتی ہے یا نہیں اس کے لئے تو دوسرے دلائل کی ضرورت ہے۔ یہاں ان تمید بھم میں زمین کی عارضی حرکت کی نفی کی جارہی ہے جسے ڈگمگانا اور ڈولنا کہتے ہیں۔ حکماء کے درمیان جس حرکت میں کلام ہے، یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔

زمین کے جمانے کے لئے پہاڑوں کو پیدا کرنے کی جس حکمت کی طرف اشارہ اس آیت میں کیا گیا ہے اس پر سرسری طور سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ قدیم حکماء کے اصول پر زمین اپنے طبعی تقاضہ سے ساکن ہے اور علماء متکلمین کے نزدیک زمین نہ حرکت کا تقاضہ کرتی ہے اور نہ سکون کا پھر یہاں کیسے کہا گیا کہ اگر پہاڑ پیدا نہ کئے جاتے تو زمین حرکت کرنے لگتی۔

اس کا جواب متکلمین کے اصول کے مطابق یہ ہے کہ زمین کا اصلی تقاضا اگرچہ حرکت کرنے کا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے زمین کو

اس طرح بنایا ہے کہ اس کے نیچے کا پانی جب ہوا سے حرکت کرتا تو زمین بھی ہلنے لگتی اس عارضی حرکت کے روکنے کے لئے قدرت نے زمین پر پہاڑوں کی زبردست میخیں ٹھوک دیں تا کہ زمین پانی کی حرکت سے ہلنے نہ پائے رہا زمین کو اس خاص طرز پر بنانے کی حکمت۔ سو اللہ کی بے شمار حکمتوں کا کون احاطہ کرسکتا ہے؟ تاہم منجملہ بہت سی حکمتوں کے ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قدرت فرشتوں کو اپنی عظمت وقوت دکھلانا چاہتی ہو کہ دیکھو ہم نے کس طرح حرکت پیدا کردی اور پھر کس طرح اسے ہم نے سکون سے بدل دیا۔

خدا کے انعامات ان گنت اور بے شمار ہیں: .... آیت **وان تعدوا الخ** فرمایا جارہا ہے کہ ان چند چیزوں کی پیدائش ہی پر موقوف نہیں۔ اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر تم گننا چاہو تو تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو۔ تمہاری زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا رہین منت ہے کائنات ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش وکرم کی نشانی ہے۔ درختوں کا ہر پھول، دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ، اس کی ربوبیت کی ایک پروردگاری اور اس کی رحمت کی ایک چارہ سازی ہے۔ تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اور سورج کی کرنیں گن سکتے ہو تو اس کی نعمتیں ہی گن لو، تم اگر درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرہ سے سوال کرو، سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو، تمہیں یہی جواب ملے گا۔ کہ جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے۔ **اموات غیر احیاء** سے مراد عام ہے خواہ دائمی طور پر بے جان ہوں جیسے بت یا فی الحال مرچکے ہوں یا آئندہ مرنے والے ہوں جیسے فرشتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ پس اس آیت سے حضرت عیسیٰ کے اس وقت زندہ نہ ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ **لیحملوا اوزارھم کاملۃ** سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کی سزا کا کچھ حصہ معاف ہوسکتا ہے۔

لطائف آیات: .... آیت **ولکم فیھا جمال الخ** میں ضروری منافع کے بعد زینت وآرائش کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی مصلحت شرعی پیش نظر ہے جیسے ذلت کو دفع کرنا، مسرت حاصل کرنا بشرطیکہ کبر وفخر نہ ہو تو زیبائش وآرائش وغیرہ مصالح زوائد کا ارادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن چونکہ مبتدی ان ساری حدود کی رعایت نہیں کرسکتا۔ اس لئے اسے کنارہ کشی ہی مناسب ہے۔ ہاں! اسے تہذیب نفس حاصل ہوجائے۔ جس کی شہادت شیخ کامل بھی دیدے تو پھر زیبائش کی اجازت ہوگی۔ آیت **تستخرجوا منہ حلیۃ الخ** میں بھی یہی کہا جائے گا کہ زینتی لباس اور تجارت وغیرہ اگر حق سے مانع نہ ہو تو طریق کے خلاف نہیں ہے۔ آیت **قلوبھم منکرۃ الخ** سے تکبر کی جس درجہ برائی نکل رہی ہے۔ وہ ظاہر ہے کیونکہ کفر وانکار کی اصل جڑ تکبر ہی ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَهُوَ نُمْرُوْدُ بَنٰى صَرْحًا طَوِيْلًا لِيَصْعَدَ مِنْهُ اِلَى السَّمَاءِ لِيُقَاتِلَ اَهْلَهَا **فَاَتَى اللّٰهُ** قَصَدَ **بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ** الْاَسَاسِ فَاَرْسَلَ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَالزَّلْزَلَةَ فَهَدَمَتْهَا **فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ** اَىْ وَهُمْ تَحْتَهٗ **وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾** مِنْ جِهَةٍ لَا يَخْطُرُ بِبَالِهِمْ وَقِيْلَ هٰذَا تَمْثِيْلٌ لِاَفْسَادِ مَا اَبْرَمُوْا مِنَ الْمَكْرِ بِالرُّسُلِ **ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ** يُذِلُّهُمْ **وَيَقُوْلُ** لَهُمُ اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ الْمَلٰئِكَةِ تَوْبِيْخًا **اَيْنَ شُرَكَآءِىَ** بِزَعْمِكُمْ **الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ** تُخَالِفُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **فِيْهِمْ** فِىْ شَانِهِمْ

قَالَ اَیْ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۷﴾ یَقُوْلُوْنَهٗ شَمَاتَةً بِهِمْ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ بِالْکُفْرِ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ اِنْقَادُوْا وَاسْتَسْلَمُوْا عِنْدَ الْمَوْتِ قَائِلِیْنَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ شِرْكٍ فَتَقُوْلُ الْمَلٰٓئِکَةُ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَیُجَازِیْکُمْ بِهٖ وَیُقَالُ لَهُمْ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَی مَاْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْا خَیْرًا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْاِیْمَانِ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ حَیَاةٌ طَیِّبَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ اَیِ الْجَنَّةُ خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا قَالَ تَعَالٰی فِیْهَا وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ هِیَ جَنّٰتُ عَدْنٍ اِقَامَةٍ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ یَدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ کَذٰلِكَ الْجَزَاءَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ نَعْتٌ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ طَاهِرِیْنَ مِنَ الْکُفْرِ یَقُوْلُوْنَ لَهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ وَیُقَالُ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ مَا یَنْظُرُوْنَ یَنْتَظِرُ الْکُفَّارُ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ بِالتَّاءِ وَالْیَاءِ الْمَلٰٓئِکَةُ لِقَبْضِ اَرْوَاحِهِمْ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ اَلْعَذَابُ اَوِ الْقِیَامَةُ الْمُشْتَمِلَةُ عَلَیْهِ کَذٰلِكَ کَمَا فَعَلَ هٰؤُلَاءِ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْاُمَمِ کَذَّبُوْا رُسُلَهُمْ فَاُهْلِکُوْا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ بِاِهْلَاکِهِمْ بِغَیْرِ ذَنْبٍ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ بِالْکُفْرِ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا اَیْ جَزَاؤُهَا وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَیِ الْعَذَابُ وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا مِنْ اَهْلِ مَکَّةَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ مِنَ الْبَحَائِرِ وَالسَّوَائِبِ فَاِشْرَاکُنَا وَتَحْرِیْمُنَا بِمَشِیَّتِهٖ فَهُوَ رَاضٍ بِهٖ قَالَ تَعَالٰی کَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَیْ کَذَّبُوْا رُسُلَهُمْ فِیْمَا جَاءُوْا بِهٖ فَهَلْ فَمَا عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾ اَلْاِبَلَاغُ الْبَیِّنُ وَلَیْسَ عَلَیْهِمْ هِدَایَةٌ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا کَمَا بَعَثْنَاكَ فِیْ هٰؤُلَاءِ اَنْ اَیْ بِاَنْ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ الْاَوْثَانَ اَنْ تَعْبُدُوْهَا فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَی اللّٰهُ فَاٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ وَجَبَتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ فَلَمْ یُؤْمِنْ فَسِیْرُوْا یَا کُفَّارَ مَکَّةَ فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾ رُسُلَهُمْ مِنَ الْهَلَاكِ اِنْ تَحْرِصْ یَا مُحَمَّدُ عَلٰی هُدٰهُمْ وَقَدْ اَضَلَّهُمُ اللّٰهُ لَا تَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِكَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ وَالْفَاعِلِ مَنْ یُّضِلُّ مَنْ یُرِیْدُ اِضْلَالَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ مَانِعِیْنَ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ اَیْ غَایَةَ اجْتِهَادِهِمْ فِیْهَا لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ قَالَ تَعَالٰی بَلٰی

يَبْعَثُهُمْ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا مَصْدَرَانِ مُؤَكِّدَانِ مَنْصُوْبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ اَیْ وَعَدَ ذٰلِكَ وَعْدًا وَحَقَّهٗ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اَیْ اَهْلَ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ لِيُبَيِّنَ مُتَعَلِّقٌ يَبْعَثُهُمُ الْمُقَدَّرِ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْهِ مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ بِتَعْذِيْبِهِمْ وَاِثَابَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ فِیْ اِنْكَارِ الْبَعْثِ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَیْ اَرَدْنَا اِيْجَادَهٗ وَقَوْلُنَا مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ اَیْ فَهُوَ يَكُوْنُ وَفِیْ قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی نَقُوْلُ وَالْاٰيَةُ لِتَقْرِيْرِ الْقُدْرَةِ عَلَی الْبَعْثِ ع

ترجمہ:............ان سے پہلے جولوگ، ہوگزرے ہیں انہوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں (نمرود نے ایک نہایت اونچا قلعہ بنایا۔ تاکہ اس پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کرے) لیکن انہوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی اللہ نے اس کی جڑ بنیاد تک اکھاڑ کر پھینک دی (چنانچہ ان پر آندھی اور زلزلہ آیا اور اس عمارت کو اکھاڑ کر رکھ دیا) پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی (اور وہ اس کے تلے دب گئے) اور ان پر ایسی طرح عذاب ٹوٹ پڑا کہ انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا (یعنی ایسی طرف سے عذاب آیا کہ انہیں خطرہ بھی نہیں گزرسکتا تھا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ان کفار نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ جو مکر کا جال بنا تھا یہ اس کی تمثیل ہے) پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے گا اور (ڈانٹتے ہوئے فرشتوں کی زبانی ان سے) پوچھے گا ''بتلاؤ آج وہ ہستیاں کہاں گئیں جنہیں تم نے (اپنے گمان میں) میرا شریک بنایا تھا۔ جن کے بارہ میں تم لڑا جھگڑا کرتے تھے؟ (مسلمانوں سے اختلاف کیا کرتے تھے) اس وقت (انبیاء اور مومنین میں سے) جاننے والے پکار اٹھیں گے۔ بے شک آج کے دن کی رسوائی اور خرابی سرتاسر کافروں کے لئے ہے (یہی بات ان کی خراب حالت سے خوش ہوتے ہوئے کہیں گے) وہ فرشتے جنہوں نے ان کی جان کفر کی حالت میں قبض کی تھی۔ چنانچہ کافروں نے فرشتوں کے سامنے صلح کا پیغام ڈالا تھا (اطاعت کا اظہار کیا تھا اور مرتے وقت اسلام لانا چاہا۔ یہ کہتے ہوئے کہ) ہم نے کوئی برائی کی بات نہیں کی تھی (شرک نہیں کیا تھا، اس پر فرشتے کہیں گے) ہاں تم نے ضرور کی اور جو کچھ تم کرتے رہے ہو، اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے، (اس لئے وہ تمہیں ضرور سزا دے گا، ان سے کہا جائے گا) پس اب تمہارے لئے یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں ہمیشہ اسی میں رہنا ہوگا، تو دیکھو گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا انجام ہوا اور متقیوں سے جب پوچھا جاتا ہے وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے نازل کی ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ بڑی خیر کی بات نازل فرمائی ہے، سو جن (اہل ایمان) نے اس دنیا میں اچھائی کی ان کے لئے اچھائی (پاکیزہ زندگی) ہے اور عالم آخرت (جنت) تو اور بھی زیادہ بہتر ہے (دنیا و مافیہا سے، حق تعالیٰ جنت کے متعلق فرماتے ہیں) اور واقعی متقیوں کا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا۔ (وہ) دائمی باغ ہیں (قیام گاہ ہیں یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) جس میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جو کچھ چاہیں گے وہاں ان کے لئے مہیا ہو جائے گا، اسی (جزاء کی) طرح اللہ متقیوں کو بدلہ دے گا۔ جنہیں فرشتوں نے ایسی حالت میں وفات دی ہوگی کہ وہ پاک تھے (کفر سے بچے رہے) درآنحالیکہ (موت کے وقت ان سے) فرشتے کہتے جاتے تھے ''السلام علیکم'' (اور آخرت میں ان سے کہا جائے گا) تم جنت میں چلے جاؤ۔ اپنے اعمال کے سبب یہ (کفار) اس بات کے منتظر ہیں کہ (ان کی جانیں قبض کرنے کے لئے) ان پر فرشتے اتر آئیں (لفظ تسا تھم تا اور یا کے ساتھ ہے) یا آپ کے پروردگار کا حکم آجائے؟ (یعنی عذاب یا عذاب لئے ہوئے قیامت) ایسا ہی (جیسا ان لوگوں

نے کیا ہے) ان سے پہلے لوگوں نے بھی کیا تھا (جو امتیں اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر تباہ ہو چکی ہیں) اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ انہیں بلا قصور ہلاک کر دیا ہو) لیکن (کفر کر کے) انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ آخر کار ان کی بدعملیوں کی سزائیں (پاداش) انہیں ملیں اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اس نے انہیں آگھیرا اور (مکہ کے) مشرکین یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ہم اور ہمارے باپ دادے اس کے سوا کسی کی بندگی ہی نہ کر سکتے اور نہ اس کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہرا سکتے (جیسے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام، خاص قسم کے جانور، لہٰذا ہمارا شرک کرنا اور ان جانوروں کو حرام کرنا اسی کے ارادہ سے ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ وہ ان باتوں سے خوش ہے۔ حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں) ایسی ہی روش ان لوگوں نے بھی تیار کی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (جنہوں نے پیغمبروں کی لائی ہوئی باتوں کو جھٹلایا) سو پیغمبروں کے ذمہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ صاف صاف پہنچا دیں؟ (کھلے طور پر بیان کر دینا ان کا کام ہے، کسی کو ہدایت دینا ان کی ذمہ داری نہیں ہے) اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور پیدا کیا ہے (جیسا کہ ہم نے آپ کو ان لوگوں میں رسول بنا کر بھیجا ہے) کہ اللہ کی بندگی کرو (توحید بجالاؤ) اور سرکش قوتوں سے بچو (بت پرستی سے) پھر ان امتوں میں سے بعض پر اللہ نے کامیابی کی راہ کھول دی (کہ وہ ایمان لے آئے اور بعض ایسے تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی (علم الٰہی میں اس لئے وہ ایمان نہیں لا سکے) پس (اے مکہ کے کافرو) ملکوں میں چل پھر کر دیکھو کہ جو قومیں جھٹلانے والی تھیں، انہیں بالآخر کیا انجام پیش آیا؟ (پیغمبروں کو جھٹلانے والے ہلاک ہوگئے) آپ (اے محمد!) ان لوگوں کی ہدایت پانے کے کتنے ہی خواہشمند ہوں (حالانکہ خدا کی طرف سے ان کے لئے گمراہی مقدر ہو چکی ہو، تب بھی آپ یہ نہ کر سکتے) کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیا کرتا (یہ لفظ معروف اور مجہول دونوں طرح ہے) جس پر وہ راہ گم کر دیتا ہے (جس کے گمراہ کرنے کا ارادہ وہ کر لیتا ہے) اور ایسے لوگوں کے لئے کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا (کہ اللہ کے عذاب سے بچالے) اور یہ لوگ بڑے زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں (پوری طاقت صرف کر کے) کہ جو مر جاتا ہے، اسے کبھی دوبارہ نہیں اٹھائے گا (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) ہاں ضرور (اٹھائے گا) یہ اس کا وعدہ ہے جسے اللہ نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے (یہ دونوں مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے اور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی وعد ذلک وعدا وحقه حقا) لیکن اکثر آدمی (مکہ کے) جو اس بات کا علم نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ یہ (لفظ **یبعثھم** مقدر کے متعلق ہے) جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ) ان کی حقیقت کھول دے (ان کو عذاب اور مسلمانوں کو ثواب کی دینی باتیں) اور اس لئے کہ منکرین جان لیں کہ (قیامت کے انکار کرنے میں) وہ جھوٹے تھے۔ جب ہم کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں (یعنی کسی چیز کو ہم موجود کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں (قولنا مبتداء ہے خبر آگے ہے) پس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا کافی ہوتا ہے کہ تو ''ہو جا'' پس وہ ہو جاتی ہے (تقدیری عبارت فھو یکون تھی اور ایک قرأت میں یکون نصب کے ساتھ ہے نقول پر عطف کرتے ہوئے۔ اور آیت کا منشاء قیامت پر قدرت کو واضح کرتا ہے)۔

تحقیق وترکیب:......... وھو نمرود یہ ایک ظالم ترین بادشاہ تھا جس نے بابل میں آسمانیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک نہایت بلند محل بنایا تھا۔ بقول ابن عباسؓ اس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ تھی اور بقول کعبؒ ومقاتلؒ دو فرسخ اونچا تھا۔ لیکن ایک سخت آندھی آئی۔ جس سے وہ سب درہم برہم ہو گیا اور بہت سے لوگ اس کے نیچے دب گئے۔ بعض کی رائے ہے کہ ان کی زبان سریانی تھی۔ جیسا کہ بغوی نے ذکر کیا ہے۔ مگر یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت صالحؑ ان لوگوں سے پہلے ہو چکے حالانکہ ان کی زبان عربی تھی۔ نیز اہل یمن جن میں سے قبیلہ جرہم بھی تھا۔ جن میں حضرت اسماعیلؑ پلے اور بڑھے اور ان کی زبان بھی عربی تھی۔

قال جلال محققؒ نے اشارہ کر دیا کہ یقینی ہونے کی وجہ سے مستقبل کو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ للذین احسنوا الخ یہ

جملہ مستانفہ ہے یا خیرا سے بدل ہے یا اس کی تفسیر ہے۔

حیـــاۃ طیبۃ جان ومال کا محفوظ رہنا، تعریف ومدح کا مستحق ہو جانا، دشمنوں پر کامیابی اور مکاشفات ومجاہدات والطاف کے دروازے کھل جانا، اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ، حیات طیبہ کہلاتا ہے۔

سلام علیکم روایت ہے کہ موت کے قریب مؤمن بندہ کے پاس فرشتہ آ کر کہتا ہے۔ السلام علیك یا ولی اللہ، اللہ یقرر علیك السلام ویبشرك بالجنۃ ادخلوا الجنۃ فرشتوں کی طرف سے یہ بشارت موت کے وقت قبر کے متعلق بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قبر بھی "روضۃ من ریاض الجنۃ" ہے۔ **بما کنتم** میں بامقابلہ کے لئے ہے سببیہ نہیں ہے۔ حدیث میں ہے۔ لن یدخل احدکم الجنۃ الا بفضل اللہ ورحمتہ لا تقدر یہ ان تحرص شرط کی جزاء محذوف ہے اور **فان اللہ الخ** دال بر جزاء ہے۔ **کن** یہ امر، ارادہ پر مراد کے جلد مرتب ہونے سے کنایہ ہے۔ کاف اور نون کا مجموعہ مراد نہیں۔ ورنہ معدوم چیز کو خطاب کرنا لازم آئے گا۔ یا موجودہ چیز کو خطاب کی صورت میں تحصیل حاصل کا اشکال رہے گا۔

ربط آیات:............ آیت **قد مکر الذین** سے پچھلے گمراہوں کی تباہی کو عبرت کے لئے بیان کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی عذاب آخرت کی کیفیت کا نقشہ ہی کھینچ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آیت **وقیل للذین اتقوا الخ** سے ان کے بالمقابل فرمانبرداروں کے اقوال واعمال، وعدہ وبشارت کے ساتھ بیان کئے جارہے ہیں اور آگے آیت **ھل ینظرون الخ** میں پھر کفار کے اصرار وعناد پر وعید بیان کی جارہی ہے۔ چونکہ پچھلی آیات میں قیامت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اس پر کافروں کی طرف سے دو شبہے پیش کئے گئے۔ ایک یہ کہ ہمارا یہ طریقہ جسے مسلمان کفر کہتے ہیں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں کہ جس کی وجہ سے ہم مستحق عذاب ہو سکیں۔ دوسرے یہ کہ خود قیامت ہی سرے سے کوئی چیز نہیں ہے کہ باوجود مستحق عذاب ہونے کے بھی ڈرا جا سکے۔ اس لئے آیت **وقال الذین** میں ان دونوں شبہات اور ان کے جوابات کا ذکر ہے اور چونکہ اس طرح کے شبہات ضد وعناد کی وجہ سے ہوا کرتے تھے۔ جن سے آنحضرت کو سخت الجھن اور تکلیف وگھٹن پیش آتی تھی۔ اس لئے درمیان میں سامان تسلی بھی ہے نیز پہلے شبہ کا مفصل جواب آیت **سیقول الذین اشرکوا الخ** پارہ نمبر۸ میں گزر جانے کی وجہ سے یہاں اسکے اجمالی جواب پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

﴿تشریح﴾:............ **گناہ کی تاثیر زہر سے زیادہ ہلاکت انگیز ہے:**............ برائی اور گناہ کرنے کو ہر جگہ قرآن نے ظلم واسراف سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی اور اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ یہاں بھی اور آیت **الذین تتوفھم الخ** میں بھی ایسا ہی طرز اختیار کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک کفر وبدعملی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو نقصان وہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اس بات کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی آدمی کو ہم سنکھیا کھاتے دیکھتے ہیں تو بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو؟ قرآن کے نزدیک کفر ونافرمانی بھی ایسی چیز ہے۔ یہ دودھ پینے کی بجائے اپنی جان کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے اور خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہے۔

وحی الٰہی کے متعلق ماننے اور نہ ماننے والوں کا ردعمل:............ ان آیات میں دو جماعتوں کی متضاد حالتوں اور متضاد عمل کا بیان کیا جارہا ہے۔ ایک گروہ منکروں کا ہے۔ ایک متقی انسانوں کا۔ منکروں کے نزدیک وحی کی حقیقت "اگلوں کے افسانے" اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن جو متقی ہیں ان کے نزدیک اس کی حقیقت سرتاپا خیر وبرکت ہے۔ پہلے گروہ پر جب موت آتی ہے تو

اس حال میں آتی ہے کہ برائیوں میں سرگرم ہوتے ہیں۔ لیکن دوسرے گروہ پر جب موت آتی ہے تو وہ ایمان ویقین اور پاکی وعمل کی روح سے خوش حال ہوتے ہیں۔ جزاءِ عمل کے لحاظ سے بھی دونوں کی حالتیں متضاد ہوں گی۔ پہلے گروہ کو جہنم رسید کیا جائے گا اور دوسرے گروہ کو جنت بداماں، پہلے کے لئے خواری وعذاب کا پیام ہوگا۔ دوسرے کے لئے سلامتی کا پیام، پہلے نے گھمنڈ کیا تھا تو گھمنڈ کرنے والوں کا کیاہی براٹھکانا ہوا۔ پہلے کے لئے عذاب دائمی ہوا دوسرے کے لئے راحت وسرور دائمی زندگی ہوئی۔

آیت وحدیث میں تعارض:.......... مرتے ہی جنت میں جانا روحانی طور پر ہے اور جسمانی جانا قیامت کے ساتھ خاص ہے یا بقول جلال محققؒ یہ معنی ہوں کہ قیامت کے روز تم کو جنت میں جانا ہے۔ بہرحال مقصود جنت کی بشارت سنانا ہے اور اعمال کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہونے سے مراد سبب عادی ہے۔ ورنہ حقیقی سبب تو رحمت الٰہیہ ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس لئے آیت اور حدیث کے مضمون میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ قرآن نے جابجا، مشرکوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''اگر شرک برائی ہے تو خدا ہمیں کیوں برائی کرنے دیتا ہے اور ہم اور ہمارے آباء واجداد کیوں ایسی بات کریں؟ اگر وہ چاہے تو اب بھی ہمیں روک دے۔ پھر یہ شور ہنگامہ مسلمانوں نے کیوں برپا کر رکھا ہے کیوں خدا سے نہیں کہہ دیتے کہ وہ ہمیں روک دے؟ یہاں بھی آیت **وقال الذین الخ** میں اسی قول کو نقل کرکے جواب دیا جارہا ہے کہ انہوں نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ پہلے بھی لوگ ایسی ہی روش اختیار کر چکے ہیں لیکن یہ روش گمراہی اور ہٹ دھرمی کی روش ہے۔ اللہ کے رسول اس لئے نہیں آئے کہ لوگوں سے برائی کرنے کی طاقت سلب کرلیں اور انہیں ایسا بنادیں کہ برائی کرہی نہ سکیں۔ وہ تو پیام حق پہنچانے والے ہیں جن کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف اور روشن طریقہ پر پیام پہنچادیں۔ اب اسے ماننا نہ ماننا یہ سننے والوں کا کام ہے۔ پیام پہنچانے والا اس کا ذمہ دار نہیں۔

انسان کو کسی بات میں مجبور نہیں کیا گیا:.......... اور جب اللہ کی مشیت بھی یہ ہے کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کردیا جائے۔ بلکہ ہر طرح کی حالت اختیار کرنے کی قدرت دی جائے تو اللہ کے رسولوں سے کیوں اس کی توقع کی جائے کہ لوگوں سے یہ قدرت سلب کرلیں؟ پھر فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی امت نہیں۔ جس میں اللہ کا رسول نہ آیا ہو۔ اور اس نے توحید وخدا پرستی کی تعلیم نہ دی ہو پھر کسی نے مانا اور اللہ کی فلاح وسعادت کی راہ اس پر کھول دی، کسی نے نہیں مانا اور گمراہی کی بات ثابت ہوگئی اور گمراہی کا نتیجہ پیش آگیا۔ پس اللہ کا قانون ہدایت وشقاوت ایسا ہی چلا آیا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنادیا گیا ہو۔ **ولقد بعثنا الخ** کے ظاہر عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی پرانے زمانہ میں یقیناً کچھ پیغمبر آئے ہوں گے۔ خواہ وہ ہندی ہوں یا غیر ہندی، اصل ہوں یا نائب۔ البتہ اگر آیت **لتنذر قوما ما اتاهم من قبلك الخ** کے مضمون سے اس آیت کے مضمون میں تعارض معلوم ہوتا ہو تو اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس آیت میں ''**کل امة**'' کے لفظ کل سے مراد اکثر امتیں ہوں تو آنحضرتﷺ کی قوم اس اکثریت سے مستثنیٰ ہوجائے گی۔ کیونکہ آپؐ سے پہلے ان میں کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ پس اس طرح **لتنذر قوما ما** کا مضمون بھی صحیح ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے ہر قوم اور امت میں بالکل ابتدائی زمانہ میں پیغمبر آگئے ہوں اور لوگ ان کی شریعت کے سلسلہ کو اگر باقی رکھنا چاہتے تو ایسا ہو سکتا اور ضرورت کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ اخیر تک پیغمبر آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ شروع والوں کی کوتاہی سے بعد والوں تک وہ سلسلہ نہ پہنچا ہو۔ پس اس طرح **ولقد بعثنا فی کل امة** کا حکم تو ہر قوم کے لئے شروع کے اعتبار سے صحیح ہوا اور آیت **ما اتاهم من نذير الخ** کا حکم ہر قوم کے آخری دور کے لحاظ سے درست ہوگیا اور دونوں آیاتِ کا تعارض دور ہوگیا البتہ اس صورت میں یہ ممکن ہوگا کہ زمین اور پہاڑ کے بعض غیر آباد اور کوردہ حصوں میں

پیغمبروں کی تبلیغ نہ پہنچی ہو۔

آخرت کا عقیدہ کوئی انوکھا خیال نہیں تھا:............آخرت کی زندگی اور سزاء وجزاء کے صحیح ہونے کا اعتقاد تمام مذاہب عالم کا عالمگیر اعتقاد ہے۔ مگر مشرکین عرب اس سے بے خبر تھے۔ قرآن نے جب آخرت کی زندگی کا اعلان کیا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی اور تعجب سے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنے لگے حالانکہ نہیں جانتے کہ اللہ کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ دنیوی زندگی کی ہر بات کہہ رہی ہے کہ اسے ایسا کرنا ہے اور وہ ضرور کرے گا۔ تاکہ جن حقیقتوں کا انسان دنیوی زندگی میں فیصلہ نہیں کرسکتا اور اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا فیصلہ ہو جائے اور حقیقت سب کے سامنے آجائے اور اس لئے کہ گمراہ اور بدعمل، اپنی گمراہی و بدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یعنی دنیوی زندگی میں پردوں کا نہ اٹھنا اور مشاہدۂ حقیقت کا نہ ہونا بتلا رہا ہے کہ کوئی اور زندگی ضرور ہے۔ جہاں بالآخر پردے اٹھیں گے۔ پس یہ صورت حال، گویا خالق ہستی کی طرف سے ایک وعدہ ہوئی کہ اب نہیں لیکن آئندہ ایسا ہونے والا ہے اور ضروری ہے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے۔ آیت انما قولنا الخ کا حاصل یہ ہے کہ تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لئے تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں۔ تم اسی ترازو سے اس کے کام بھی تولنا چاہتے ہو جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو وہ کسی کام کے لئے نہ تو کسی سروسامان کا محتاج ہے نہ کسی دوسری ہستی کی موجودگی کا صرف اس کا ارادہ ہی ہر طرح کافی ہے ہر طرح کا سامان ہے، ہر طرح کا مواد اور علت ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تو بس اس کا چاہنا ہی سب کچھ ہے جونہی اس کی مشیت کا فیصلہ ہوا ہر چیز ظہور میں آگئی۔

خدا کا ارادہ کن فیکونی:............لفظ کن کا یہ مطلب نہیں کہ کاف اور نون سے بنا ہوا لفظ اللہ کو بولنا پڑتا ہے تب چیزیں وجود میں آتی ہیں بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو وجود بخشنے کے لئے صرف اس کا ارادہ کافی ہے۔ اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ جس بات کا حکم دیتا ہے وہ فوراً ہو جاتی ہے وہ اپنے ارادہ اور حکم کے نافذ کرنے میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی فلسفیانہ بحث کا خلاصہ پارہ اول کی آیت بدیع السموٰت میں گزر چکا ہے۔

لطائف آیات:............آیت للذین احسنوا الخ کے ذیل میں صاحب روح المعانی نے امام کا قول نقل کیا ہے یہ سنہ سے مراد مکاشفات ومشاہدات اور الطاف الٰہی کا دروازہ کھلنا ہے۔ لیکن اس سے "حیات طیبہ" بھی مراد ہوسکتی ہے۔ آیہ۔ الذین تتوفھم الخ سے معلوم ہوا کہ دنیا میں غیر نبی کے ساتھ بھی فرشتے کلام کرسکتے ہیں اور یہ کہ اطاعت کے بعض ثمرات دنیا میں بھی حاصل ہوسکتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ لِاِقَامَةِ دِیْنِهٖ **مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا** بِالْاَذٰی مِنْ اَهْلِ مَکَّةَ وَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ **لَنُبَوِّئَنَّهُمْ** نُنَزِّلَنَّهُمْ **فِی الدُّنْیَا** دَارًا **حَسَنَةً** هِیَ الْمَدِیْنَةُ **وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ** اَیِ الْجَنَّةُ **اَکْبَرُ** اَعْظَمُ **لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾** اَیِ الْکُفَّارُ اَوِ الْمُتَخَلِّفُوْنَ عَنِ الْهِجْرَةِ مَا لِلْمُهَاجِرِیْنَ مِنَ الْکَرَامَةِ لَوَافَقُوْهُمْ هُمُ **الَّذِیْنَ صَبَرُوْا** عَلٰی اَذَی الْمُشْرِکِیْنَ وَالْهِجْرَةُ لِاِظْهَارِ الدِّیْنِ **وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾** فَیَرْزُقُهُمْ

مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُوْنَ **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ** لَا مَلَائِكَةً **فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ** الْعُلَمَاءَ بِالتَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ **اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾** ذٰلِكَ فَاِنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَهٗ وَاَنْتُمْ اِلٰى تَصْدِيْقِهِمْ اَقْرَبُ مِنْ تَصْدِيْقِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **بِالْبَيِّنٰتِ** مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوْفٍ اَیْ اَرْسَلْنَاهُمْ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَةِ **وَالزُّبُرِ** الْكُتُبِ **وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ** الْقُرْاٰنَ **لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ** فِيْهِ مِنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ **وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾** فِیْ ذٰلِكَ فَيَعْتَبِرُوْنَ **اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا** الْمَكَرَاتِ **السَّيِّاٰتِ** بِالنَّبِيِّ فِیْ دَارِ النَّدْوَةِ مِنْ تَقْيِيْدِهٖ اَوْ قَتْلِهٖ اَوْ اِخْرَاجِهٖ كَمَا ذُكِرَ فِی الْاَنْفَالِ **اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ** كَقَارُوْنَ **اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾** اَیْ مِنْ جِهَةٍ لَا تَخْطُرُ بِبَالِهِمْ وَقَدْ اُهْلِكُوْا بِبَدْرٍ وَلَمْ يَكُوْنُوْا يَقْدِرُوْا ذٰلِكَ **اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ** فِیْ اَسْفَارِهِمْ لِلتِّجَارَةِ **فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾** بِفَائِتِيْنَ الْعَذَابَ **اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ** تَنَقُّصٍ شَيْئًا فَشَيْئًا حَتّٰى يُهْلِكَ الْجَمِيْعَ حَالٌ مِنَ الْفَاعِلِ اَوِ الْمَفْعُوْلِ **فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾** حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلْهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ **اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ** لَهٗ ظِلٌّ كَشَجَرٍ وَجَبَلٍ **يَتَفَيَّؤُا** يَمِيْلُ **ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ** جَمْعُ شِمَالٍ اَیْ عَنْ جَانِبَيْهَا اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَهٗ **سُجَّدًا لِّلّٰهِ** حَالٌ اَیْ خَاضِعِيْنَ بِمَا يُرَادُ مِنْهُمْ **وَهُمْ** اَیِ الظِّلَالُ **دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾** صَاغِرُوْنَ نُزِّلُوْا مَنْزِلَةَ الْعُقَلَاءِ **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ** اَیْ نَسَمَةٍ تَدِبُّ عَلَيْهَا اَیْ يَخْضَعُ لَهٗ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ وَغُلِّبَ فِی الْاِتْيَانِ بِمَا لَا يَعْقِلُ لِكَثْرَتِهٖ **وَالْمَلٰٓئِكَةُ** خَصَّهُمْ بِالذِّكْرِ تَفْضِيْلًا **وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾** يَتَكَبَّرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ **يَخَافُوْنَ** اَیِ الْمَلٰٓئِكَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ يَسْتَكْبِرُوْنَ **رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ** حَالٌ مِنْ هُمْ اَیْ عَالِيًا عَلَيْهِمْ بِالْقَهْرِ **وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾** السجدۃ ۳ بِهٖ

ع ۱۲

ترجمہ: ....اور جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں (اس کا دین قائم کرنے کی خاطر) اپنا وطن چھوڑا۔ ان پر ظلم وستم ہو چکنے کے بعد (مکہ والوں کی طرف سے جنہیں ستایا گیا ہے یعنی نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہؓ) انہیں ہم دنیا (مدینہ) میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا بدلہ (جنت) تو کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش یہ لوگ جان لیتے (یعنی کافر یا ہجرت سے رہ جانے والے اگر مہاجرین کے مرتبہ سے واقف ہو جاتے تو یہ لوگ بھی ہجرت والوں کا ساتھ دیتے) یہ لوگ ایسے ہیں جو ثابت قدم رہے (دین کے غلبہ کی خاطر مشرکوں کی طرف سے اور ہجرت کی تکالیف گوارا کی) اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اس لئے اللہ انہیں ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں ان کا وہم وگمان بھی نہیں جا سکتا) اور ہم نے آپؐ سے پہلے جتنے رسولوں کو بھیجا تو وہ آدمی ہی تھے۔ جن کے پاس ہم نے وحی بھیجی (فرشتے نہیں تھے) پس اہل علم (علماء تورات وانجیل) سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں (کیونکہ اہل کتاب ان باتوں سے واقف ہیں اور تمہیں ان کی تصدیق پر زیادہ اطمینان ہوگا۔ یہ نسبت مسلمانوں کی تصدیق کے، آنحضرتؐ کے متعلق) اور ہم نے ان پیغمبروں کو

روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا (لفظ بالبینٰت کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے ای ارسلنا هم بالحجج الواضحة) اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تا کہ جو مضامین ان لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں (قرآن کریم نے حلال وحرام سے متعلق) اور اس لئے کہ وہ غور وفکر کریں (ان باتوں میں اور پھر عبرت بھی حاصل کریں) پھر جن لوگوں نے بری بری تدبیریں کیں (نبی ﷺ کے متعلق، دارالندوہ میں جمع ہو کر کسی نے قید کرنے کا مشورہ دیا، کسی نے قتل کر دینے کا اور کسی نے جلاوطن کرنے کا، جیسا کہ سورۂ انفال میں گذر چکا ہے) کیا وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں (قارون کی طرح) دھنسا دے؟ یا ایک ایسے راستہ سے ان پر عذاب آ پڑے۔ جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو؟ (یعنی ایسی طرف سے عذاب آ جائے جس کی طرف دھیان بھی نہ جا سکے، چنانچہ بدر میں یہ مشرکین تباہ ہوئے اور حالانکہ انہیں اس کا خیال تک نہیں تھا) یا (تجارتی سفروں میں) آتے جاتے عذاب الٰہی انہیں آ پکڑے۔ سو یہ لوگ اللہ کو ہرا نہیں سکے (عذاب سے بچ نہیں سکے) یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے (آہستہ آہستہ یہاں تک کہ سب ہلاک ہو جائیں۔ یہ فاعل یا مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا، بڑا ہی رحمت والا ہے (کہ جلد سزا نہیں دیتا) کیا ان لوگوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں (درختوں، پہاڑوں) کو نہیں دیکھا، جن کے سائے کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف ڈھلتے رہتے ہیں (شمائل شمال کی جمع ہے یعنی صبح ایک طرف اور شام دوسری طرف سائے جھکتے رہتے ہیں) کہ اللہ کے آگے سجدے کرتے رہتے ہیں (یہ حال ہے یعنی اللہ کے حکم کے تابعدار ہیں) اور یہ (سائے) سب کے سب اس کے آگے مطیع ہیں (ان سایوں کو بمنزلہ عقلاء کے مان لیا گیا ہے) اور آسمان میں جتنی چیزیں ہیں اور زمین میں جتنے جانور ہیں (یعنی زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں، وہ اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں جس کے لئے انہیں پیدا کیا گیا ہے اور یہاں غیر عاقل چیزوں کی کثرت کی وجہ سے ما کے ساتھ تعبیر کرنے میں انہی کی رعایت کی گئی ہے) اور فرشتے سب سربسجود رہتے ہیں (فرشتوں کے ذکر کرنے میں تخصیص ان کی فضیلت کے پیش نظر ہے) اور وہ سرکشی نہیں کرتے (اللہ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے) وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں (یعنی فرشتے، یہ ضمیر یستکبرون سے حال واقع ہو رہا ہے) جو ان کے اوپر موجود ہے (یہ ضمیر هم سے حال ہے۔ یعنی ان پر بالادست ہے) اور جو کچھ حکم انہیں دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... لو کانوا جلال محقق نے لو افقوهم سے جواب لو کی طرف اشارہ کیا ہے اور هم سے اس طرف اشارہ ہے کہ الذین مرفوع علی المدح ہے۔ فاسئلوا اس سے معلوم ہوا کہ جو بات معلوم نہ ہو جاننے والے سے معلوم کر لینا ضروری ہے۔ بالبینٰت یہ محذوف سے متعلق ہو کر رجالا کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔ ای رجالا متلبسین بالبینٰت نیز اس کا تعلق ارسلنا سے بھی ہو سکتا ہے۔ ای وما ارسلنا الا رجالا بالبینات نیز حرف استثناء سے پہلے مانتے ہوئے بھی اس کا تعلق ارسلنا سے ہو سکتا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ وما ارسلنا من قبلك بالبينات والزبر الا رجالا نیز اس کا تعلق یوحی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح لاتعلمون کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ شرط کو تبکیت کے معنی میں لیتے ہوئے اور چھٹا احتمال یہ ہے کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہوتے ہوئے سوال مقدر کا جواب ہو جائے۔ گویا ''بم ارسلوا'' کے جواب میں ''ارسلوا بالبینات'' کہا گیا ہے۔ علی تخوف اس کے معنی آہستہ آہستہ گھٹانے کے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک روز منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگو! اس لفظ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سب خاموش رہے۔ البتہ قبیلہ ہذیل کا ایک بوڑھا کہنے لگا کہ ہمارے محاورہ میں تخوف کے معنی تنقص کے ہیں۔ آپ نے کسی شاعر کی سند طلب کی تو ایک بوڑھا کہنے لگا کہ ہاں ابوبکر شاعر ایک موقعہ پر اپنی اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے یہ لفظ استعمال کرتا ہے۔

الیمین والشمائل اس سے خاص مشرق ومغرب کی سمتیں مرادنہیں ہیں بلکہ مطلقاً دو جانبوں سے استعارہ اور مجاز ہے یا بلحاظ مکہ کے یمین بلد اور شمال بلد مراد ہے اور چونکہ وہاں داہنی جانب کم سایہ ہوتا ہے اور بائیں جانب زیادہ۔ اس لئے لفظ یمین مفرد اور شمائل جمع لایا گیا ہے یا کہا جائے کہ یمین کا تعلق لفظ ما خلق سے ہے اور لفظ شمال کا تعلق معنی سے ہے۔

ربطِ آیات:............جس طرح پچھلی آیات میں کفار کی ایذا رسانی پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی تھی۔ اسی طرح آیت والذین هاجروا الخ میں مسلمانوں کو بیوطن کردینے کی تکالیف پر تسلی دی جارہی ہے۔ البتہ یہاں ہجرت مدینہ مرادنہیں ہے بلکہ ہجرت حبشہ مراد ہے۔ کیونکہ سورت کے مکی ہونے کی وجہ سے یہ آیت ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوچکی ہے اور لنبوئنهم الخ میں مدینہ کا ٹھکانا مراد ہے۔ اس کے بعد آیت وما ارسلنا من قبلك سے رسالت کے متعلق ایک کفریہ شبہ کا جواب ہے اور آیت افامن الذين سے دنیوی سزا سے ڈرایا جارہا ہے آیت اولم یروا الخ میں توحید کا مضمون دہرایا جارہا ہے۔

﴿ تشریح ﴾:............**اسلام میں سب سے پہلی ہجرت:**............ظلم وتشدد جب اس حد تک پہنچ گیا کہ مسلمانوں پر زندہ رہنا دشوار ہوگیا تو پیغمبر اسلام نے اجازت دے دی کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ پہلے بارہ مرد اور چار عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا۔ جس کے رئیس حضرت عثمان بن عفانؓ تھے۔ اس کے بعد اور لوگ نکلے جن کی تعداد ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی اسلام میں یہ پہلی ہجرت تھی۔ دوسری ہجرت مدینہ کی طرف ہوئی اس آیت میں ہجرت حبشہ کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے اللہ کی سچائی کی راہ میں اپنا گھربار چھوڑا ہے اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ تو ضرور ہے کہ اللہ ان کا مددگار ہو اور ان کے لئے دنیا میں اچھا ٹھکانا پیدا کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حبشہ کا غربت کدہ ان کے لئے امن وامان کا مہمان سرا بن گیا۔ یہ وہی حبشہ ہے جس کے ایک سپہ سالار ابرہہ نے پچاس برس پہلے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن اب اس مکہ کے مظلوموں کا اخلاص ومحبت کے ساتھ استقبال کررہا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مظلومیت کی یہ ہجرت تبلیغ حق کی کامرانیوں کا ایک عجیب وغریب وسیلہ بن گئی۔ یعنی حبشہ کے بادشاہ کا دل، قبولیت حق کے لئے کھل گیا اور دعوت اسلام پر ایمان لے آیا۔ جس عمدہ ٹھکانہ کا اس آیت میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سے مدینہ طیبہ کی سرزمین اقدس مراد ہے۔ پس بعض مسلمانوں کا استقبال اگرچہ حبشہ میں ہوچکا تھا۔ لیکن اکثر مسلمان مدینہ میں قیام پذیر ہوئے۔ نیز اصل مقصد تو اطمینان وسکون کا حاصل ہونا۔ پریشانی سے نجات پانا ہے اور وہ وفات پانے والے مسلمانوں پر ہی صادق آتا ہے۔ اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اس مسئلہ میں مشرکین اگرچہ اہل کتاب کے بھی خلاف تھے لیکن ان کی مذہبی حیثیت سے قطع نظر صرف نقل اور تواتر کے لحاظ سے ان کی بات کو حجت کہا جارہا ہے اور تواتر میں چونکہ نقل کرنے والے کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ اس لئے اہل کتاب کا غیر عادل ہونا احتجاج کے لئے مضر نہیں ہے۔

سائے بھی قدرت الٰہی کے عجائبات میں سے ہیں:............قوانین الٰہی کی عجائب آفرینیوں میں سے ایک عجیب وغریب منظر جسموں کے سائے کا ہے۔ نظام شمسی کے تمام کرشمے اس سایہ میں ہم دیکھ سکتے ہیں یہ ہمارے جسم کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور ساتھ ساتھ چلتا ہے لیکن لاکھوں میل کی خبر دے دیتا ہے۔ سورج کا طلوع، عروج، زوال، غروب، ساری حالتیں، ہم اس آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے، کبھی ابھرتا ہے، کبھی غائب ہوجاتا ہے، کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی جھکتا ہے، کبھی داہنے ہوتا ہے، کبھی بائیں، اس کی تمام حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی اس درجہ یکساں، اس درجہ منظم ہے کہ اس میں فتور پڑنے کا ہمیں وہم

وگمان بھی نہیں ہوسکتا۔ جس وقت تک گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ یہی سایہ گھڑی کا کام دیتا تھا اور اس سے دھوپ گھڑی بنی تھی۔ آج کل بھی میدانوں اور دیہاتوں میں جہاں گھڑیاں نہیں ہوتیں۔ دہقان سایہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ کتنا دن چڑھ چکا ہے۔ کتنا ڈھل چکا ہے۔ سایہ جب برابر ہو جاتا ئے تو دوپہر کا وقت ہے۔ جب گھٹنے بڑھنے لگے تو اس کی ہر مقدار گھڑی کی سوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن قوانین الٰہی کے پھیلاؤ کا ذکر کرتے ہوئے سایہ کی طرف توجہ دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تم سے دور نہیں ہر وقت تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے ہمیشہ اس پر تمہاری نگاہیں رہتی ہیں کیونکہ اسی سے وقت کا اندازہ لگایا کرتے ہو۔ پس غور کرو اس کی حقیقت کیا ہے؟ کس طرح یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کی ہر چیز کسی مدبر وحکیم ہستی کے احکام کے آگے سربسجود ہے اور اس نے جس چیز کے لئے جو حکم نافذ کر دیا ہے ممکن نہیں کہ اس کی تعمیل میں بال برابر بھی انحراف ہو۔ یہاں بھی آیت اولم یروا الخ میں اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

مختلف قسم کی آفتیں:............ آفتیں مختلف طرح کی ہوتی ہیں۔ لیکن آیت یاتیھم العذاب میں ان آفتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو انسان کے واسطہ سے پیش آتی ہیں اور یخسف اللہ الخ میں ان آفتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو غیبی اور کبھی کبھی ہوں اور آیت یاخذھم میں وہ آفتیں مراد ہیں جو معمولی اور غیبی ہوں اور خاص شخص کے اعتبار سے ہوں اور آیت یاخذھم علی تخوف میں وہ آفتیں مراد ہیں جو غیبی معمولی عام ہوں۔

لطائف آیات:............ آیت والذین ھاجروا الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ پر دنیا میں بھی ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ آیت فاسئلوا اھل الذکر الخ میں شیخ کامل کی تقلید بھی داخل ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ تَاكِيْدٌ **اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** اَتٰى بِهٖ لِاِثْبَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ وَالْوَحْدَانِيَّةِ **فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ**﴿۵۱﴾ خَافُوْنِ دُوْنَ غَيْرِيْ وَفِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا **وَلَهُ الدِّيْنُ** الطَّاعَةُ **وَاصِبًا** دَائِمًا حَالٌ مِنَ الدِّيْنِ وَالْعَامِلُ فِيْهِ مَعْنَى الظَّرْفِ **اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ**﴿۵۲﴾ وَهُوَ الْاِلٰهُ الْحَقُّ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ وَالْاِسْتِفْهَامُ لِلْاِنْكَارِ اَوِ التَّوْبِيْخِ **وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ** اَيْ لَا يَاْتِيْ بِهَا غَيْرُهٗ وَمَا شَرْطِيَّةٌ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ **ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ** اَصَابَكُمُ **الضُّرُّ** الْفَقْرُ وَالْمَرَضُ **فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ**﴿۵۳﴾ تَرْفَعُوْنَ اَصْوَاتَكُمْ بِالْاِسْتِغَاثَةِ وَالدُّعَاءِ وَلَا تَدْعُوْنَ غَيْرَهٗ **ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ**﴿۵۴﴾ **لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ** مِنَ النِّعْمَةِ **فَتَمَتَّعُوْا** بِاجْتِمَاعِكُمْ عَلٰى عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ اَمْرُ تَهْدِيْدٍ **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ**﴿۵۵﴾ عَاقِبَةَ ذٰلِكَ **وَيَجْعَلُوْنَ** اَيِ الْمُشْرِكُوْنَ **لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ** اَنَّهَا لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَهِيَ الْاَصْنَامُ **نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ** مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ بِقَوْلِهِمْ هٰذَا لِلّٰهِ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا **تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ** سُوَالَ تَوْبِيْخٍ وَفِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ **عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ**﴿۵۶﴾ عَلَى اللّٰهِ مِنْ اَنَّهٗ اَمَرَكُمْ بِذٰلِكَ

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ بِقَوْلِهِمُ الْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِيْهًا لَهٗ عَمَّا زَعَمُوْا **وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ﴿۵۷﴾** اَيِ الْبَنُوْنَ وَالْجُمْلَةُ فِيْ مَحَلِّ رَفْعٍ اَوْنَصْبٍ بِيَجْعَلُ الْمَعْنٰى يَجْعَلُوْنَ لَهُ الْبَنَاتِ الَّتِيْ يَكْرَهُوْنَهَا وَهُوَ مُنَزَّهٌ عَنِ الْوَلَدِ وَيَجْعَلُوْنَ لَهُمُ الْاَبْنَاءَ الَّذِيْنَ يَخْتَارُوْنَهَا فَيَخْتَصُّوْنَ بِالْاَبْنَاءِ لِقَوْلِهٖ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ **وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى** تُوْلَدُ لَهٗ **ظَلَّ** صَارَ **وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا** مُتَغَيِّرًا تَغَيُّرَ مُغْتَمٍّ **وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴿۵۸﴾** مُمْتَلِئٌ غَمًّا فَكَيْفَ تُنْسَبُ الْبَنَاتُ اِلَيْهِ تَعَالٰى **يَتَوَارٰى** يَخْتَفِيْ **مِنَ الْقَوْمِ** اَيْ قَوْمِهٖ **مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ** خَوْفًا مِنَ التَّعْيِيْرِ مُتَرَدِّدًا فِيْمَا يَفْعَلُ بِهٖ **اَيُمْسِكُهٗ** يَتْرُكُهٗ بِلَا قَتْلٍ **عَلٰى هُوْنٍ** هَوَانٍ وَذُلٍّ **اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ** بِاَنْ يَئِدَهٗ **اَلَا سَآءَ** بِئْسَ **مَا يَحْكُمُوْنَ﴿۵۹﴾** حُكْمُهُمْ هٰذَا حَيْثُ نَسَبُوْا لِخَالِقِهِمُ الْبَنَاتِ اللَّاتِيْ هُنَّ عِنْدَ هُمْ بِهٰذَا الْمَحَلِّ **لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ** اَيِ الْكُفَّارِ **مَثَلُ السَّوْءِ** اَيِ الصِّفَةُ السُّوْءٰى بِمَعْنَى الْقَبِيْحَةِ وَهِيَ وَأْدُهُمُ الْبَنَاتِ مَعَ اِحْتِيَاجِهِمْ اِلَيْهِنَّ لِلنِّكَاحِ **وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى** الصِّفَةُ الْعُلْيَا وَهُوَ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** فِيْ مُلْكِهٖ **الْحَكِيْمُ﴿۶۰﴾** فِيْ خَلْقِهٖ **وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ** بِالْمَعَاصِيْ **مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا** اَيِ الْاَرْضِ **مِنْ دَآبَّةٍ** نَسَمَةٍ تَدِبُّ عَلَيْهَا **وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ** عَنْهُ **سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴿۶۱﴾** عَلَيْهِ **وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ** لِاَنْفُسِهِمْ مِنَ الْبَنَاتِ وَالشَّرِيْكِ فِي الرِّيَاسَةِ وَاِهَانَةِ الرُّسُلِ **وَتَصِفُ** تَقُوْلُ **اَلْسِنَتُهُمُ** مَعَ ذٰلِكَ **الْكَذِبَ** وَهُوَ **اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى** عِنْدَ اللّٰهِ اَيِ الْجَنَّةَ كَقَوْلِهٖ وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى قَالَ تَعَالٰى **لَا جَرَمَ** حَقًّا **اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ﴿۶۲﴾** مَتْرُوْكُوْنَ فِيْهَا اَوْ مُقَدَّمُوْنَ اِلَيْهَا وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِكَسْرِ الرَّاءِ مُتَجَاوِزُوْنَ الْحَدَّ **تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ** رُسُلًا **فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ** السَّيِّئَةَ فَرَاَوْهَا حَسَنَةً فَكَذَّبُوا الرُّسُلَ **فَهُوَ وَلِيُّهُمُ** مُتَوَلِّيْ اُمُوْرِهِمُ **الْيَوْمَ** اَيْ فِي الدُّنْيَا **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۶۳﴾** مُؤْلِمٌ فِي الْاٰخِرَةِ وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِالْيَوْمِ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ عَلٰى حِكَايَةِ الْحَالِ الْاٰتِيَةِ اَيْ لَا وَلِيَّ لَهُمْ غَيْرُهٗ وَهُوَ عَاجِزٌ عَنْ نَصْرِ نَفْسِهٖ فَكَيْفَ يَنْصُرُهُمْ **وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ** يَا مُحَمَّدُ **الْكِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ** لِلنَّاسِ **الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ** مِنْ اَمْرِ الدِّيْنِ **وَهُدًى** عَطْفٌ عَلٰى لِتُبَيِّنَ **وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۶۴﴾** بِهٖ **وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ** بِالنَّبَاتِ **بَعْدَ مَوْتِهَا** يُبْسِهَا **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيَةً** دَالَّةً عَلَى الْبَعْثِ **لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴿۶۵﴾** سِمَاعَ تَدَبُّرٍ

ترجمہ: .... اور اللہ نے فرمایا کہ دو دو معبود (لفظ اثنین، تاکید ہے الٰہین کی) اپنے لئے مت بناؤ۔ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں

ہے، کہ وہی ایک معبود ہے (اس سے مقصود، الوہیت اور وحدانیت ثابت کرنا ہے) پس صرف مجھ ہی سے ڈرو (میرے سوا کسی سے مت ڈرو، اس میں غائب کے صیغہ سے التفات پایا جاتا ہے) اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمان وزمین میں ہے (وہی مالک وخالق ہے۔ سب اسی کے بندے ہیں) اور اسی کے لئے دائمی اطاعت ہے (واصباً حال ہے دین سے اور اس میں معنی ظرف عامل ہیں) پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، استفہام انکاریا توبیخ کے لئے ہے) اور تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے (اس کے سوا کوئی بھی اسے نہیں دیتا اور ما شرطیہ یا موصولہ ہے) پھر جب تمہیں کوئی دکھ پہنچتا ہے (افلاس یا بیماری پیش آتی ہے) تو اسی کے آگے فریاد وزاری کرتے ہو (دہائی دیتے ہوئے یا دعائیں چیختے چلاتے ہوئے اور کسی دوسرے کو نہیں پکارتے) پھر جب تم سے دکھ درد، دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ معاً اپنے پروردگار کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک بنانے لگتا ہے تاکہ جو (نعمت) ہم نے اسے دی تھی اس کی ناشکری کرے، اچھا خیر چندروز عیش اڑالو (سب مل کر بت پرستی کرلو، یہ امر تہدید کے لئے ہے) اب جلد ہی تمہیں پتہ چل جاتا ہے۔ (اس کے انجام کا) پھر یہ لوگ (مشرکین) ان چیزوں کے لئے جن کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں (کہ وہ نفع بخش ہیں یا نقصان رساں یعنی بت) ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے حصہ لگاتے ہیں (یعنی کھیتی باڑی اور جانوروں میں سے یہ کہہ کر کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ان بتوں کی ڈھیری ہے) بخدا تم سے ضرور باز پرس ہوگی (سوال توبیخی ہے اور اس میں غائب سے التفات پایا جاتا ہے) جو تم نے افتراء پردازیاں کی ہیں (کہ اللہ نے تمہیں اس کا اس بارے میں حکم دیا ہے) اور یہ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے رہتے ہیں (فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے رہتے ہیں) اس کے لئے پاکی ہو (جن باتوں کا اللہ کے لئے یہ لوگ گمان کرتے ہیں) اور اپنے لئے جی چاہتی چیز پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے، اور جملہ محل رفع میں ہے یا یجعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے تو بیٹیوں کا انتخاب کر رکھا ہے جو خود اپنے لئے پسند نہیں۔ حالانکہ اللہ بالکل اولاد سے پاک ہے اور اپنے لئے بیٹے تجویز کر رکھے ہیں جو من پسند چیز ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ فاستفتهم الربك الخ جب ان لوگوں میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو سارا دن اس کا چہرہ پیلا رہتا ہے (مارے غم کے بے رونق) اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے (غم میں ڈوبا رہتا ہے) پھر بیٹیوں کی نسبت (آخر اللہ کی طرف کیسے کرتا ہے) لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے، اس خبر سے شرم کے مارے جو اسے دی گئی تھی (عار کے ڈر سے اس تردد کے ساتھ کہ نہ معلوم اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا) آیا اس لئے رہے (بلاقتل کے چھوڑے رکھے) ذلت (رسوائی) کے ساتھ یا مٹی کے تلے اسے گاڑ دے (زندہ درگور کر دے) خوب سن لو کہ ان کی یہ تجویز (فیصلہ) بہت ہی بری ہے (کہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف تو ایسی بیٹیوں کی نسبت کر رہے ہیں جن کی وقعت ان کے نزدیک اتنی ہے) حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے (یعنی کافر) ان کی بری حالت ہے (یعنی ان کی یہ عادت بدترین ہے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نکاح اور شادی بیاہ کے لئے ان کے ضرورتمند ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو بڑے اعلیٰ درجہ کی صفات ثابت ہیں (اس کی شان تو بڑی ہے یعنی یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) اور وہ (اپنے ملک میں) بڑے زبردست (اپنی مخلوق میں) بڑی حکمت والے ہیں اور اگر اللہ، لوگوں کو ان کے ظلم (گناہوں) پر پکڑ لیا کرتا تو ممکن نہیں تھا کہ زمین کی سطح پر کوئی جاندار چیز باقی رہ جاتی (جو زمین پر رینگنے والی ہوتی) لیکن وہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دے رہا ہے۔ پھر جب وہ مقررہ وقت آپہنچے گا تو نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے، اور یہ اللہ کے لئے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں جنہیں خود پسند نہیں کرتے (یعنی لڑکیوں کا ہونا اور شریک کی موجودگی۔ اور پیغمبروں کی توہین) اور اپنی زبانوں سے جھوٹے دعوے کرتے جاتے ہیں (یعنی یہ) کہ ان کے لئے اچھائی ہی اچھائی ہے (اللہ کے یہاں، یعنی جنت جیسا کہ

دوسری آیت میں نقل فرمایا گیا ہے۔ ولئن رجعت الی ربی الخ حق تعالیٰ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) لازمی (یقینی) بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے۔ بلاشبہ وہ اس میں سب سے پہلے پہنچنے والے ہیں (جہنم رسید ہونے والے ہیں یا سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور ایک قرأت میں راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یعنی حدود سے آگے بڑھنے والے) بخدا آپ سے پہلے جتنی امتیں ہوگزری ہیں ان کے پاس بھی ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا۔ لیکن شیطان نے لوگوں کو بدعملیاں خوشنما کر کے دکھلائیں (برے کاموں کو لوگ اچھے کام سمجھنے لگے اور پیغمبروں کو جھٹلانے لگے) پس شیطان ان کا رفیق (کارساز) بن بیٹھا۔ آج کے دن (یعنی دنیا میں) اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی (آخرت میں اور بعض کی رائے ہے کہ الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے آنے والے حال کی حکایت کرتے ہوئے، یعنی بجز شیطان کے ان کا کوئی ہمدرد نہیں ہوگا جو خود بھی اپنی مدد نہیں کر سکے گا۔ جو دوسروں کی مدد تو خیر کیا کرے گا) اور ہم نے آپ پر (اے محمدؐ) یہ کتاب (قرآن) صرف اس لئے اتاری ہے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں (دینی معاملات میں) ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے اور ایمان والوں کی ہدایت اور رحمت کی غرض سے (ھدی کا عطف تبین پر ہے) اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے (سبزی اگا کر) زمین کو زندگی بخشی جو مردہ ہو چکی تھی۔ بلاشبہ اس صورت میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے (قیامت کے ہونے کو بتلانے والی) جو (جی لگا کر) سنتے ہیں۔

تحقیق وترکیب:.......... الٰھین اثنین ،الٰھین جب کہ خود تثنیہ ہے۔ پھر اثنین کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی؟ جواب یہ ہے کہ عبارت میں تقدیم تاخیر ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ لا تتخذوا اثنین الھین اور یا کہا جائے کہ شرک کی برائی میں مبالغہ کرنے کے لئے اثنین کہا گیا ہے۔ من سوء ما بشر غم ورنج کی طرح خوشی بھی چونکہ چہرہ میں تغیر پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے بشارت سے مراد مطلق تغیر کنندہ ہے اور یا بشارت کے معنی مطلق خبر کے لئے جائیں۔

ربط آیات:.......... پچھلی آیات میں توحید کا بیان تھا۔ اب آیت وقال اللہ الخ سے شرک کا رد کیا جا رہا ہے۔

آیت ولو یواخذ الخ میں یہ بتلانا ہے کہ شرک کے اثر سے اگرچہ عذاب جلد آنا چاہئے تھا۔ لیکن حکمت کے تقاضہ سے سزا میں دیر کی گئی ہے، اور آیت ویجعلون الخ سے یہ بتلانا ہے کہ شرک کے باوجود مشرکین اپنی نجات کے دعویدار ہیں۔ آگے آیت تاللہ الخ سے آنحضرت ﷺ کی تسلی اور رسالت کا اثبات اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾:.......... فرشتے دیوتا اور دیویاں ہیں یا خدا تعالیٰ کی بیٹیاں:.......... انسان میں جس طرح مرد عورت کا امتیاز ہے، لوگوں نے خیال کیا کہ اسی طرح روحانی قوتوں میں بھی دو جنسیں ہونی چاہئیں۔ مرد دیوتا ہیں اور عورتیں دیویاں ہیں۔ چنانچہ دنیا کی تمام اصنام پرست اقوام کی دیو بانیوں میں یہ خیال عام طور پر نمایاں رہا ہے۔ مشرکین عرب میں بھی یہ تخیل پیدا ہو گیا تھا۔ قبیلہ خزاعہ اور کنانہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کا تصور دیبیوں کی شکل میں کرتے تھے اور انہیں خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

عورتوں کی نسبت مشرکین کا متضاد خیال:.......... قرآن نے جا بجا یہ خیال نقل کیا ہے اور اس کی برائی پر توجہ دلائی ہے کہ وہ فرشتوں کو تو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے لیکن خود عورتوں کی نسبت ان کے خیالات کیا تھے؟ زیادہ سے زیادہ اسے ذلیل مخلوق سمجھتے تھے۔ جب کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے بڑی غمگینی اور بدنصیبی کی بات سمجھتا بعض قبیلے جنہیں اپنے نسلی شرف کا بڑا گھمنڈ تھا بیٹی کے باپ ہونے میں ایسی ذلت سمجھتے کہ اکثر حالتوں میں اسے خود اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ دیتے، جب کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تو

مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہ آتا اور سوچنے لگتا ہے کہ ذلت گوارا کر کے بیٹی والا بن جائے یا ایک باعزت آدمی کی طرح اسے زمین میں زندہ دفن کردے یہاں ایک طرف تو ان کے عقیدہ کی برائی دکھلائی کہ جس بات کو خود اپنے لئے ذلت کی بات سمجھتے ہیں اسے خدا کے لئے تجویز کرنے میں انہیں باک نہیں۔ دوسری طرف خود اس برائی کو رد کرنا ہے کہ عورت ذات کو جو مرد ہی کی طرح انسان کی ایک جنس ہے ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں حتی کہ اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں قتل کرتے ہیں۔ کیا ہی برا فیصلہ ہے جو انہوں نے اس معاملہ میں کر رکھا ہے۔

دُختر کشی کی رسم:............مردوں کا عورتوں کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنا ایک مسلسل سرگذشت ہے اور اس سرگذشت کا ایک سب سے زیادہ وحشیانہ معاملہ دختر کشی کی رسم ہے، اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے اکثر قبیلوں میں یہ رسم اسی طرح جاری تھی جس طرح ہندوستان کی مختلف قوموں میں پچھلی صدی تک جاری رہ چکی ہے لوگ اس پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے ہمارے قبیلے کے لوگ بیٹی کے باپ ہونے کی عار کو گوارا نہیں کر سکتے۔ لیکن اسلام نے نہ صرف یہ رسم مٹادی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹادی جو ان تمام وحشیانہ مظالم کے اندر کام کر رہی تھی اس نے اعلان کیا کہ مرد وعورت کا یہ جنسی اختلاف، کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں ہوسکتا۔ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے بحیثیت انسان ہونے کے ایک درجہ میں رکھا ہے اور دونوں کے لئے یکساں طریقہ پر ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھولدی ہے ہاں دونوں نوعیت کا فرق اپنی جگہ پر صحیح ہے۔

خدا تعالیٰ انسانی تصور کی گرفت سے باہر ہے:............انسان کے لئے اللہ خالق و پروردگار کی ہستی کے تصور سے بڑھ کر کوئی قدرتی اور حقیقی تصور نہیں ہوسکتا لیکن وہ ہستی کیسی؟ اس کی صفتوں کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ صفتیں کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہوجاتی ہیں اور پھر کوئی گمراہی ایسی نہیں جس میں وہ گم ہوجانے کے لئے تیار نہ ہوجاتا ہو۔ حتی کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجہ پر خود کھڑا ہے اس سے بھی خدا کا تصور نیچے گرادیتا ہے۔

قانون امہال:............آیت **ولو یؤاخذ اللہ الخ** میں قانون امہال کا ذکر کیا جارہا ہے اور اس شرط وجزاء میں لزوم اس طرح ہے کہ ظالم تو اپنے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوتے اور جو ظالم نہ ہوتے وہ یوں ہلاک ہوجاتے کہ اس دنیا میں مصلحت خداوندی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی آبادی اچھے اور برے سب طرح کے لوگوں سے ہو۔ ورنہ صرف نیکوں کی آبادی تو ایسی ہوگی جیسے آسمانوں پر فرشتوں کی آبادی پس جب اس دنیا میں ظالم تباہ کردیئے جاتے تو مصلحت الٰہی باقی نہ رہنے کی وجہ سے اچھوں کے باقی رہنے کی بھی ضرورت نہ رہتی۔ اس لئے انہیں بھی ہلاک کردیا جاتا۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ **لو لم تذنبوا لذھب اللہ بکم الخ** یعنی اگر سب نیک ہوجائیں اور گنہگار نہ رہے تو اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو پیدا فرمائے گا اور جانوروں وغیرہ دوسری مخلوقات انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ جب انسان ہی نہ رہتا تو دوسری چیزیں کیا ہوتیں۔

آیت **یجعلون للہ مایکرھون** اور آیت **یجعلون للہ البنات الخ** میں بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو **مایکرھون** بہ نسبت **بنات** کے عام ہے۔ کیونکہ اپنی ریاست میں کسی کا شرکت کا ناپسند ہونا بھی اس میں داخل ہے۔ دوسرے **مایکرھون** میں زیادہ تر اس بات پر زور دینا ہے کہ ایسی غلط باتیں کر کے یہ لوگ قیامت میں اپنے لئے بھلائی کی امید رکھتے ہیں اور قیامت کے یہ لوگ اگرچہ منکر تھے لیکن بہ طور فرض کے یہ آس بھی لگائے رکھتے تھے۔

عقل کی درماندگی اور وحی کی وسعت:............قرآن نے جابجا کہا ہے کہ جن باتوں کو انسان اپنی عقل وادراک سے نہیں

پاسکتا اور اس لئے طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ، وحی الٰہی نمودار ہوتی ہے۔ تاکہ ان اختلافات کو دور کردے اور بتلادے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ باتیں کون سی ہیں۔ جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اور جن کا اختلاف اس کے بغیر دور نہیں ہوسکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھادے؟ وہ تمام باتیں جو انسان کی عقل وادراک کی سرحد سے پرے ہیں۔ اللہ کی صفات، مرنے کے بعد کی زندگی، برزخ اور قیامت کے احوال اور واقعات، جزائے عمل کا قانون، عالم غیب کے حقائق، یعنی وہ ساری باتیں جن کے اعتقاد وعمل کی درستگی سے روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہوسکتی ہے انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہوکر قدم اٹھاتا ہے۔ اختلافات کی تاریکیوں میں گم ہوجاتا ہے لیکن جوں ہی اس روشنی میں آجاتا ہے حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور ہر طرح کے اختلافات وشکوک ختم ہوجاتے ہیں۔ کتاب ہدایت کا اترنا ایسا ہی ہے جیسے باران رحمت کا نزول، وہ مردہ زمین کو زندہ کردیتی ہے۔ یہ مردہ دلوں کو زندہ کردیتا ہے۔

لطائف آیات:........... آیت **وما بکم من نعمة الخ** سے اشارہ ہے کہ سب نعمتوں کے واسطے منعم حقیقی کے مظاہر ہیں۔ یہی حقیقت مسئلہ مظہریت کی ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً اِعْتِبَارًا **نُسْقِيْكُمْ** بَيَانٌ لِّلْعِبْرَةِ **مِّمَّافِىْ بُطُوْنِهٖ** اَىِ الْاَنْعَامِ **مِنْ** لِلْاِبْتِدَاءِ مُتَعَلِّقَةٌ بِنُسْقِيْكُمْ **بَيْنِ فَرْثٍ** ثِفْلُ الْكَرِشِ **وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا** لَايَشُوْبُهٗ شَىْءٌ مِّنَ الْفَرْثِ وَالدَّمِ مِنْ طَعْمٍ اَوْ لَوْنٍ اَوْ رِيْحٍ وَهُوَ بَيْنَهُمَا **سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ** ﴿۶۶﴾ سَهْلُ الْمُرُوْرِ فِىْ حَلْقِهِمْ لَايَغُصُّ بِهٖ **وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ** ثَمَرٌ **تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا** خَمْرًا تُسْكِرُ سُمِّيَتْ بِالْمَصْدَرِ وَهٰذَا قَبْلَ تَحْرِيْمِهَا **وَّرِزْقًا حَسَنًا** كَالتَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالْخَلِّ وَالدِّبْسِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرِ **لَاٰيَةً** عَلٰى قُدْرَتِهٖ تَعَالٰى **لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** ﴿۶۷﴾ يَتَدَبَّرُوْنَ **وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ** وَحْىَ اِلْهَامٍ **اَنِ** مُفَسِّرَةٌ اَوْمَصْدَرِيَّةٌ **اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا** تَاْوِىْ اِلَيْهَا **وَّمِنَ الشَّجَرِ** بُيُوْتًا **وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ** ﴿۶۸﴾ اَىِ النَّاسُ يَبْنُوْنَ لَكِ مِنَ الْاَمَاكِنِ وَاِلَّالَمْ تَاْوِ اِلَيْهَا **ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ** اُدْخُلِىْ **سُبُلَ رَبِّكِ** طُرُقَهٗ فِىْ طَلَبِ الْمَرْعٰى **ذُلُلًا** جَمْعُ ذَلُوْلٍ حَالٌ مِنَ السُّبُلِ اَىْ مُسَخَّرَةٌ لَكِ فَلَا تَعْسُرُ عَلَيْكِ وَاِنْ تَوَعَّرَتْ وَلَا تَضِلِّىْ عَنِ الْعَوْدِ مِنْهَا وَاِنْ بَعُدَتْ وَقِيْلَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيْرِ فِىْ اُسْلُكِىْ اَىْ مُنْقَادَةً لِمَا يُرَادُ مِنْكِ **يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ** هُوَ الْعَسَلُ **مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ** مِنَ الْاَوْجَاعِ قِيْلَ لِبَعْضِهَا كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ تَنْكِيْرُ شِفَاءٍ اَوْ لِكُلِّهَا بِضَمِيْمَةٍ اِلٰى غَيْرِهٖ اَقُوْلُ وَبِدُوْنِهَا بِنِيَّةٍ وَقَدْ اَمَرَ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطْلَقَ بَطْنَهٗ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** ﴿۶۹﴾ فِىْ صُنْعِهٖ تَعَالٰى **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ** وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا **ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ** عِنْدَ اِنْقِضَاءِ اٰجَالِكُمْ **وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ** اَىْ اَخَسِّهٖ مِنَ الْهَرَمِ وَالْخَرَفِ **لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا** قَالَ

عِكْرَمَةُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ لَمْ يَصِرْ بِهٰذِهِ الْحَالَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِتَدْبِيْرِ خَلْقِهٖ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ عَلٰى مَا يُرِيْدُهٗ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمِنْكُمْ غَنِيٌّ وَفَقِيْرٌ وَمَالِكٌ وَمَمْلُوْكٌ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا اَيِ الْمَوَالِىْ بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ اَىْ بِجَاعِلِىْ مَا رَزَقْنَاهُمْ مِنَ الْاَمْوَالِ وَغَيْرِهَا شِرْكَةً بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَمَالِيْكِهِمْ فَهُمْ اَيِ الْمَمَالِيْكُ وَالْمَوَالِىْ فِيْهِ سَوَآءٌ شُرَكَاءُ الْمَعْنٰى لَيْسَ لَهُمْ شُرَكَاءُ مِنْ مَمَالِيْكِهِمْ فِىْ اَمْوَالِهِمْ فَكَيْفَ يَجْعَلُوْنَ بَعْضَ مَمَالِيْكِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ لَهٗ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ يَكْفُرُوْنَ حَيْثُ يَجْعَلُوْنَ لَهٗ شُرَكَاءَ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا فَخَلَقَ حَوَّاءَ مِنْ ضِلْعِ اٰدَمَ وَسَائِرَ النَّاسِ مِنْ نُطَفِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً اَوْلَادَ الْاَوْلَادِ وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ مِنْ اَنْوَاعِ الثِّمَارِ وَالْحُبُوْبِ وَالْحَيَوَانِ اَفَبِالْبَاطِلِ الصَّنَمِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ بِاِشْرَاكِهِمْ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَىْ غَيْرَهٗ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ بِالْمَطَرِ وَالْاَرْضِ بِالنَّبَاتِ شَيْئًا بَدَلٌ مِنْ رِزْقًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ وَهُوَ الْاَصْنَامُ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ لَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَشْبَاهًا تُشْرِكُوْنَهُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ اَنْ لَّا مِثْلَ لَهٗ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا وَيُبْدَلُ مِنْهُ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا صِفَةٌ تُمَيِّزُهٗ مِنَ الْحُرِّ فَاِنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ لِعَدَمِ مِلْكِهٖ وَّمَنْ نَّكِرَةٌ مَوْصُوْفَةٌ اَىْ حُرًّا رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ اَىْ يَتَصَرَّفُ فِيْهِ كَيْفَ يَشَاءُ وَالْاَوَّلُ مَثَلُ الْاَصْنَامِ وَالثَّانِىْ مَثَلُهٗ تَعَالٰى هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَيِ الْعَبِيْدُ الْعَجَزَةُ وَالْحُرُّ الْمُتَصَرِّفُ لَا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ مَا يَصِيْرُوْنَ اِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُوْنَ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا وَيُبْدَلُ مِنْهُ رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ وُلِدَ اَخْرَسَ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ لِاَنَّهٗ لَا يَفْهَمُ وَلَا يُفْهِمُ وَّهُوَ كَلٌّ ثَقِيْلٌ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ وَلِيِّ اَمْرِهٖ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ يُصَرِّفْهُ لَا يَاْتِ مِنْهُ بِخَيْرٍ ۭ بِنُجْحٍ وَهٰذَا مَثَلُ الْكَافِرِ هَلْ يَسْتَوِىْ هُوَ ۙ اَيِ الْاَبْكَمُ الْمَذْكُوْرُ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ اَىْ وَمَنْ هُوَ نَاطِقٌ نَافِعٌ لِّلنَّاسِ حَيْثُ يَاْمُرُ بِهٖ وَيَحُثُّ عَلَيْهِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ وَهُوَ الثَّانِى الْمُؤْمِنُ لَا وَقِيْلَ هٰذَا مَثَلُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْاَبْكَمُ لِلْاَصْنَامِ وَالَّذِىْ قَبْلَهٗ فِى الْكَافِرِ وَالْمُؤْمِنِ

ترجمہ: .... اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں سوچنے سمجھنے کے لئے بڑا سامان عبرت ہے۔ ہم ان کے پیٹ میں (یہاں سے عبرت کا بیان ہو رہا ہے) جو گوبر (گندگی) ہے (من ابتداء کے لئے ہے اور نسقیکم سے اس کا تعلق ہے) اور خون ہے، اس کے درمیان سے صاف دودھ پیدا کر دیتے ہیں (جس میں نہ گوبر کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ خون کے اثرات شامل ہوتے ہیں۔ یعنی ذائقہ، رنگت، بو، حالانکہ دودھ کا مادہ گوبر اور خون کے مادوں کا درمیانی حصہ ہوتا ہے) جو گلے میں آسانی سے اترنے والا ہوتا ہے (حلق سے

نیچے اترنے میں کچھ دشواری نہیں ہوتی اور نہ گلے میں اچھوتا لگتا ہے) اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ آور عرق کشید کرتے ہو (نشہ آور شراب بناتے ہو، سکر مصدر ہے، جس کے معنی شراب کے ہوگئے، یہ آیت شراب حرام ہونے سے پہلے کی ہے) اور اچھی غذا (جیسے کھجور، کشمش، منقہ، سرکہ، شیرۂ کھجور) دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہو بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت پر) ایک نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں (تدبر کرتے ہیں) آپؐ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈال دی (وحی بمعنی الہام ہے) کہ (ان مفسرہ ہے یا مصدریہ) پہاڑوں میں اپنا چھتہ بنالے (ٹھکانا کرنے کے لئے) اور درختوں میں اور ان ٹیٹوں میں جو اس غرض سے بلندی میں بنائی جاتی ہیں (یعنی لوگ مکھیوں کے لئے چھتے بناتے ہیں، ورنہ شہد کی مکھیاں الہام الٰہی کے بغیر ان جگہوں میں خود اپنے لئے چھتے نہیں بناسکتی ہیں) پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوستی ہیں، پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقہ پر (اپنی غذا کی تلاش میں) چل جو تیرے لئے آسان کردیئے گئے ہیں (ذلل جمع ہے ذلیل کی ہے، سبل سے حال ہے یعنی وہ راستے تیرے لئے سہل کردیئے گئے ہیں۔ ان میں کوئی دشواری نہیں رہتی خواہ وہ کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں اور وہاں سے واپسی میں ہرگز بھٹک نہیں سکتی۔ خواہ وہ راستے دور دراز ہی کیوں نہ ہوں اور بعض کی رائے میں اسلکی کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی جس کام کے لئے تجھے پیدا کیا گیا ہے تو اسے بجالاتی ہے) اس کے پیٹ سے عرق (شہد) نکلتا ہے مختلف رنگتوں کا جس میں انسان کے لئے شفا ہے (تکالیف سے بعض کے نزدیک کچھ بیماریاں مراد ہیں۔ جیسا کہ شفاء کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کررہا ہے اور بعض کے نزدیک ہر مرض کی دواء ہے۔ بشرطیکہ دوسرا بدرقہ اس کے ساتھ شامل کرلیا جائے۔ لیکن جلال محققؒ کے نزدیک بلا بدرقہ کے بھی شہد ہر بیماری کی دوا بن سکتی ہے۔ بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ چنانچہ ایک صحابیؓ کو دستوں کی شکایت میں آنحضرتؐ نے شہد تجویز فرمایا۔ جس کی تفصیل شیخینؒ نے روایت کی ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔ جو غور وفکر کرنے والے ہیں (اللہ تعالیٰ کی کاری گری میں) اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا (حالانکہ تم بالکل کچھ نہیں تھے) پھر وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے (تمہاری زندگی پوری ہونے پر) اور بعضوں کو تم میں ناکارہ عمر تک پہنچاتا ہے (بڑھاپے اور پیرانہ سالی کی بدترین عمر تک) جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک چیز جان لینے کے بعد پھر انجان بن جاتا ہے (حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تلاوت قرآن پاک کرتا رہے تو وہ اس آفت سے محفوظ رہے گا) بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات کو جاننے والا ہے (اپنی مخلوق کی تدبیر کے سلسلہ میں) اور (جو ارادہ کرتا ہے اس پر) قدرت رکھنے والا ہے اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی کے لحاظ سے فضیلت دی (کوئی امیر ہے کوئی فقیر، کوئی آقا ہے کوئی غلام) پھر ایسا نہیں کہ جس کسی کو روزی دی گئی) یعنی آقا) وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو لٹا ڈالے (یعنی کچھ مال ودولت وغیرہ ہم نے ان آقاؤں کو دیا وہ اس میں اپنے ساتھ اپنے غلاموں کو بھی شریک کرلیں) حالانکہ وہ سب (آقا وغلام) اس میں برابر کے حقدار ہیں (شریک ہیں یعنی جب یہ لوگ اپنے غلاموں کے مال میں شرکت گوارا نہیں کرتے تو پھر اللہ کے ساتھ اس کی مخلوق کی شرکت کیسے گوارا کر رہے ہیں) پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے مکر رہے ہیں (اس کے لئے شریک ٹھہرا کر کفر رہے ہیں) اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کردیئے (چنانچہ حواء کو آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کردیا اور باقی انسانوں کو مرد وعورت کی منی سے پیدا کردیا) اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کردیئے (یعنی اولاد کی اولاد) اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں (طرح طرح کے پھل پھول، جانور) پھر کیا یہ لوگ بے بنیاد جھوٹی باتیں (بت) تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں (اللہ کے ساتھ شرک کرکے) یہ اللہ کو چھوڑ کر (اس کے سوا) ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ آسمان سے (بارش کے ذریعہ) روزی دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (گھاس پھوس کے ذریعہ) زمین میں سے کچھ رزق دے سکتے ہیں (لفظ شیئا، رزقا سے بدل واقع ہو رہا ہے) اور نہ

کسی بات کا مقدور ہے (کسی چیز پر بھی انہیں قدرت حاصل نہیں۔ مراد بت ہیں) پس تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو (اس کے لئے کوئی شریک تجویز نہ کرو) اللہ تعالیٰ جانتا ہے (کہ اس کے مثل کوئی چیز نہیں) اور تم کچھ نہیں جانتے (یہ بات) اللہ تعالیٰ ایک مثال میں بیان فرماتے ہیں (آگے اس سے بدل ہے) ایک غلام ہے کسی دوسرے کی ملک (لفظ عبد کے ساتھ مملوکا کی قید، آزاد آدمی کو الگ کرنے کے لئے ہے، کیونکہ اللہ کا بندہ تو وہ بھی ہوتا ہے) وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا۔ (مالکانہ اختیار نہ ہونے کی وجہ سے) اور ایک دوسرا آدمی ہے (یہ نکرہ موصوفہ ہے یعنی آزاد آدمی) کہ ہم نے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ اسے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے (یعنی جو چاہتا ہے اس روزی میں تصرف کرتا ہے، پہلی مثال تو بتوں کی ہے اور دوسری مثال اللہ میاں کی ہے) اب بتلاؤ کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ (یعنی غلام عاجز، اور آزاد قادر؟) ہرگز (دونوں برابر نہیں ہو سکتے) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں (تنہا) مگر (مکہ والوں میں سے) اکثر آدمی جانتے ہی نہیں (کہ انہیں کیا عذاب ہوگا اس لئے وہ شرک کرتے رہتے ہیں) اور اللہ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں (آگے بدل ہے) دو آدمی ہیں، ایک (پیدائشی طور پر) گونگا ہے۔ کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا ہے (نہ خود سمجھ سکتا ہے اور نہ دوسرے کو سمجھا سکتا ہے) اپنے آقا پر ایک بوجھ (وبال جان) ہے اسے جہاں کہیں، بھیجے کوئی کام ٹھیک کر کے نہیں لاتا (پورا نہیں کر سکتا۔ یہ مثال تو کافر کی ہوئی) کیا یہ شخص (گونگا پتھر) اور ایسا آدمی باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کو تعلیم کرتا ہے (یعنی جب کسی بات کو کہتا ہے یا دوسروں کو ابھارتا ہو تو بولتا بھی ہے اور لوگوں کو فائدہ بھی پہنچاتا ہے) اور خود بھی سیدھے راستہ پر ہے (یہ دوسری مثال مؤمن کی ہے، پس یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اور بعض کی رائے میں یہ مثال تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور گونگے سے مراد بت ہیں اور پہلی مثال میں کافر و مومن مراد تھے)

تحقیق وترکیب:......... واوحی وحی سے مراد اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں کہ جن باتوں کی تبلیغ مقصود ہوتی ہے۔ ان کی وحی تو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے لیکن مطلق الہام کے معنی میں وحی غیر انبیاء کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ تکوینی وحی کا سلسلہ تو کائنات کے ذرہ ذرہ کی طرف جاری ہے شہد کی مکھی پر کاری تو اس کے چھتہ کے چھ گوشہ خانوں سے ظاہر ہے جن میں سر مو فرق نہیں ہوتا اگر یہ خانے گول یا تکونے یا چوکور یا کسی اور شکل کے ہوتے تو جگہ بے کار اور خالی ہو جاتی۔ نیز یعسوب نامی ایک بڑی مکھی ان کی بادشاہ ہوتی ہے۔ جس کی سب یکساں اطاعت کرتی ہیں ایک مکھی رانی ہوتی ہے جس کا کام صرف انڈے سینا ہوتا ہے ایک جماعت محافظین کی ہوتی ہے جو شہد اور چھتہ اور موم کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر کوئی مکھی نافرمانی کرتی ہے یا کوئی زہریلا مادہ کہیں سے لے آتی ہے جس سے شہد زہر آلود ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے تو ایسی مکھی کو محافظ دستہ مار گرا دیتا ہے۔ اسی طرح ایک جماعت مختلف پھلوں پھولوں کا رس چوس کر لاتی ہے۔ پھر زائد شہد کو اسٹاک رکھا جاتا ہے ضرورت کے موقعہ پر مکھیاں اسے غذا کے کام میں لاتی ہیں پھر اس مکھی کا حافظہ اس قدر زبردست ہوتا ہے کہ پھلوں کا رس چوسنے کے لئے کتنی ہی دور نکل جائے لیکن کیا مجال ہے کہ اپنے راستہ اور چھتہ کو بھول جائے۔ غرضیکہ اس ذرا سے جانور میں قدرت کی کرشمہ سازیوں کے کتنے پہلو موجود ہیں اسی خصوصیت کے لحاظ سے پوری سورت کو اس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ومن ثمرات النخیل اس آیت میں دو رائے ہیں اگر یہ آیت تحریم خمر سے پہلے کی ہے تب تو اس کو منسوخ مانا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو منسوخ نہ مانا جائے۔ بلکہ عتاب واحسان کا جامع مانا جائے منسوخ ماننے کی صورت یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور شراب کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے۔ آیت ومن ثمرات النخیل الخ منسوخ ہے یا عتاب واحسان کی جامع ہے۔ سکر نبیذ کو کہتے ہیں جو انگور یا منقی اور کھجور کے شیرہ کو پکا کر بنایا جاتا ہے شیخینؒ کے نزدیک اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اس کا پینا حلال ہے بشرطیکہ نشہ کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ حدیث الخمر حرام لعینها والسکر من کل شراب اور اجماع وغیرہ سے بھی اس کی

تائید ہوتی ہے۔ اور صاحب وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سکر تر چھواروں کے پانی کو کہتے ہیں جو ہمارے نزدیک حرام ہے لیکن شریک بن عبداللہؒ کے نزدیک حلال اور مباح ہے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کیونکہ حق تعالیٰ احسان کے طور پر ذکر کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ حرام چیز کا احسان نہیں ہوا کرتا۔ بعض حنفیہ کی دلیل حرمت اجماع صحابہؓ ہے اور یہ آیت ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔ جب سب شرابیں حلال تھیں یا اس آیت کو زجر وتوبیخ پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ ان چیزوں سے تم شراب بھی بناتے ہو اور پھر عمدہ رزق سمجھتے ہو۔ **مختلف الوانه** مثلاً: سرخ، سفیدی مائل رنگ کے شہد ہوتے ہیں اور رنگوں کا یہ اختلاف یا غذا کے اختلاف کی وجہ سے ہوگا اور یا خود مکھیوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہوگا۔ مثلاً: چھوٹی مکھی کا شہد سفید اور جوان مکھی کا سرخ اور بوڑھی مکھی کا شہد زرد رنگ کا ہوتا ہو۔ **شفاء** اس میں تین رائے پیش کی ہیں (۱) بعض بیماریوں کے لئے شہد مفید ہوتا ہے جیسے بلغم اور برودت اور امراض باردہ (۲) تمام بیماریوں کے لئے مفید ہوتا ہے امراض باردہ کے لئے تو بنفسہ مفید ہے لیکن امراض حارہ کے لئے خاص خاص بدرقوں کے ساتھ مفید ہے (۳) سب بیماریوں کے لئے مفید ہے، بشرطیکہ اعتقاد اور نیت درست ہو۔ تیسری رائے جلال محققؒ کی ہے جس کی تائید میں شیخینؒ کی روایت بھی پیش کی ہے۔

ارذل العمر۔ انسانی عمر کے چار دور ہوتے ہیں (۱) نشو ونما کا زمانہ جو ۳۳ سال تک رہتا ہے جو بھری جوانی اور اشد بلوغ کا وقت کہلاتا ہے۔ (۲) چالیس سال تک سن وقوف کہلاتا ہے جو کمال عقل وقوت کا زمانہ ہوتا ہے۔ (۳) پھر ساٹھ سال تک زمانہ کہولت کہلاتا ہے۔ یہ دور انحطاط مانا گیا ہے لیکن آہستہ آہستہ کمی ہوتی ہے۔ (۴) ساٹھ سال کے بعد سن شیخوخت وہرم کہلاتا ہے جس میں نقصان عقل کے ساتھ حواس معطل ہونے کی نوبت آجاتی ہے لیکن بقول عکرمہؒ علم قرآن کی دولت سے جو مالا مال ہوتے ہیں وہ اس فساد عقل سے محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ ان کے ملکات علمیہ روز افزوں ترقی اور مدارج روحانیہ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ **ازواجا** اس سے مراد صرف حواء ہیں۔ جیسا کہ بعض مفسرینؒ کی رائے میں البتہ صیغہ جمع تعظیم کے لئے ہوگا۔ یا لفظ بعض مقدر مان لیا جائے گا اور یا اولاد آدم بھی اس میں داخل ہو جس کی طرف "**وسائر الناس**" سے مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔ **حفدة** ابن عباسؓ کے نزدیک اس کے معنی اولاد الاولاد کے ہیں، اور ابن مسعودؓ کے نزدیک اس کے معنی **اختیین** کے ہیں اور ابن عباسؓ کے نزدیک بیوی کی اولاد کو یا ہر اعانت کرنے والے کو بھی حفیدہ کہا جاتا ہے۔ **ضرب الله** غلط مثالوں کی ممانعت کے بعد صحیح مثالوں کو بیان کیا جا رہا ہے۔ **لا یقدر علی شیء** اس سے مکاتب اور وہ غلام جسے تجارت کی اجازت ہو دونوں نکل گئے۔ کیونکہ ان دونوں کو کچھ نہ کچھ قدرت ہوتی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کامل غلام وہی ہے جو ہر طرح کے تصرفات سے محروم ہو اور لفظ عبد کے ساتھ مملوک کی قید لگا کر آزاد آدمی سے احتراز ہے کیونکہ عبد کا لفظ آزاد پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کو عبداللہ (اللہ کا بندہ) کہا جا سکتا ہے اور فقہاء نے مکاتب اور کافروں اور مدبروں اور ام ولد وغیرہ قسموں کے احکام اور جس غلام کا کچھ حصہ یا پورا آزاد کر دیا جائے۔ اس کے مفصل احکام بیان کر دیئے ہیں۔ **وقیل** ایک رائے یہ بھی ہے کہ دونوں مثالیں کافر ومومن کی ہیں اور دوسری رائے یہ ہے کہ **ومن یامر بالعدل الخ** سے مراد آنحضرتؐ ہیں اور **ابکم** سے مراد ابوجہل ہے اور بعض کے نزدیک **ومن یامر الخ** سے مراد حضرت عثمانؓ ہیں جو اپنے غلام کو ایمان لانے کی تلقین کرتے تھے اور **ابکم** سے مراد ان کا غلام ہے جو انہیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے روکتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ **ابکم** سے مراد ابی بن خلف ہے اور **ومن یامر الخ** سے مراد حمزہؓ اور عثمان بن مظعونؓ ہیں۔

ربطِ آیات:............سورۃ کے شروع میں انعامات کے پیرایہ میں توحید کا بیان ہوا تھا اب پھر بالترتیب چند انعامات سے توحید پر استدلال کیا جا رہا ہے۔ مثلاً پانی، گھاس پھوس، جانوروں کے منافع، شہد کے فوائد انسان کے مختلف حالات، زندگی، موت، شخصی اور نوعی

بقاء، حواس وعقل اور سامان معیشت کا عطا کرنا بیان کیا گیا ہے۔ درمیان میں شرک کا رد بھی کیا گیا ہے اور کمال علم وقدرت کی صفات توحید پر استدلال کیا گیا ہے۔ غرضیکہ شروع سورت سے ان آیات کے ختم تک، سورت کا دوثلث حصہ ایسی ہی چیزوں پر مشتمل ہے جن میں اگر ایک طرف قدرت کا بیان ہے تو دوسری طرف نعمت کا بیان بھی ہے اسی لئے اس سورت کا نام سورۂ نعم بھی ہے۔

﴿تشریح﴾:............ **دودھ ایک بہترین نعمت ہے:**............ آیت وان لکم فی الانعام سے لے کر یتفکرون تک ربوبیت الٰہی کی بخشائشوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ساتھ ہی اللہ کی صنعت وحکمت کی کرشمہ سازیوں پر بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ غرضیکہ ان آیات میں بحیثیت مجموعی، ربوبیت، رحمت اور حکمت سے استدلال کیا گیا ہے۔ فرمایا جاتا ہے کہ غذاؤں میں تین چیزیں سب سے زیادہ مفید اور لذیذ ہیں۔ دودھ، پھلوں کا عرق اور شہد۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو ان تین نعمتوں سے واقف نہ ہو۔ لیکن یہ دودھ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہوتی ہے۔ کس طرح اور کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تم نے کبھی یہ غور کیا ہے؟ اگر غور کرتے تو تمہارے فہم وعبرت کے لئے صرف یہی ایک بات کافی تھی یہ اسی جسم میں بنتا ہے جس جسم میں غلاظت بنتی ہے، جو طرح طرح کی آلائشوں اور گندگیوں سے بھرا پڑا ہے۔ جس میں اگر بہنے والی چیز ہے تو خون ہے جسے کبھی تم ہونٹوں سے لگانا بھی پسند نہیں کرو گے پھر دیکھو جانوروں میں دودھ اترنے کی جگہ کہاں ہے؟ وہیں جس کے قریب پیشاب پاخانہ کی جگہ ہے یعنی ایک ہی کارخانہ میں ایک ہی مادہ سے اور ایک ہی طرح کے حصہ بدن میں، ایک طرف تو غلاظت بنتی اور نکلتی رہتی ہے جسے تم دیکھنا بھی پسند نہ کرو۔ دوسری طرف ایک ایسا جوہر غذا جو پر لذت بھی بنتا اور نکلتا ہے جسے تم دیکھتے ہی بے غل وغش ایک ایک قطرہ پی جاؤ۔ کون ہے جس کی حکمت نے یہ عجیب وغریب کارخانہ بنادیا؟ کون ہے جو ایسے عجیب طریقوں سے زندگی کے بہترین وسائل بخش رہا ہے اور پھر کیا ممکن ہے کہ قدرت کی یہ کارفرمائی، حکمت کی یہ صنعت طرازی، ربوبیت کی یہ چارہ سازی، بغیر کسی قدیر، حکیم، رب العالمین ہستی کے ظہور میں آگئی ہو؟

غلاظت اور خون کے بیچ میں سے دودھ کی نہر نکلتی ہے:............ غرضیکہ غلاظت اور خون کے درمیان سے دودھ کی نہر جاری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے اور دوسری طرف خون اور پھر ان دونوں کے بیچ میں دودھ رہتا ہے بلکہ منشاء یہ ہے کہ پیٹ میں جو غذا رہتی ہے اس میں وہ اجزاء جو آگے چل کر دودھ بنیں گے اور وہ اجزاء جو گوبر بن جائیں گے۔ سب رلے ملے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس ابتدائی حالت سے پھر انہیں الگ الگ کرتا رہتا ہے فضلات خارج ہوتے رہتے ہیں اور عمدہ حصہ باقی رہ جاتا ہے مثلاً: ہضم معدہ کے بعد فضلہ کی شکل میں گوبر بن جاتا ہے اور عمدہ حصہ جگر میں کیلوس کی شکل میں چلا جاتا ہے پھر ہضم جگر کے نتیجہ میں فضلہ پیشاب گردہ اور مثانہ کے حوالہ ہو جاتا ہے اور عمدہ حصہ کیموس کہلاتا ہے جس سے خون، صفرا، سودا، بلغم، خلطیں تیار ہوتی ہیں. پھر اس خون میں وہ حصہ بھی شامل ہوتا ہے جو آگے چل کر دودھ بننے والا ہے فی الحال یہ دونوں مخلوط ہوتے ہیں. اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک حصہ کو الگ کر کے پستان تک پہنچا دیتا ہے اور وہاں دودھ بن جاتا ہے جس طرح خون سے بننے والا ایک مادہ انثیین میں پہنچ کر منی کی شکل اختیار کر لیتا ہے غرضیکہ غذاؤں ہی میں یہ سب اجزاء ملے ہوئے ہوتے ہیں جو درجہ بدرجہ اپنی مخصوص ہیئتیں اور شکلیں اختیار کرتے رہتے ہیں یہ باہمی امتیاز دینا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے امتیاز کا پہلا درجہ تو خیر پیٹ میں ہوتا ہی ہے لیکن دوسرے درجہ کا محل پیٹ کو کہنا یا مافی داخل البدن ہونے کے اعتبار سے ہوگا اور یا اس لحاظ سے گویا کہ یہ اجزاء متمیزہ بھی تو آخر کسی وقت بدن ہی میں تھے۔

پھلوں کی پیداواری:............ پھلوں میں طرح طرح کے خوش ذائقہ عرق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے تم کام

میں لاتے ہو مثلاً: کھجور اور انگور کے درخت ہیں. ان کے عرق سے نشہ کی چیز بنا لیتے ہو اور اچھی اور جائز غذائیں بھی اس سے بنتی ہیں لیکن یہ پھل پیدا کس طرح ہوئے؟ کھجور اور انگور کا ہر دانہ شیرینی اور غذائیت کی ایک سربمہر شیشی ہے جو درختوں سے ٹپکنے لگتی ہے اور تم ہاتھ بڑھا کر لے لیتے ہو لیکن یہ بنتی کس کارخانہ میں ہے زمین اور مٹی میں یعنی اس مٹی میں جس کا ایک ذرہ بھی تمہارے منہ میں پڑ جاتا ہے تو بے اختیار ہو کر تھوکنے لگتے ہو تم خشک گٹھلیاں مٹی میں پھینک دیتے ہو مٹی وہی گٹھلی ان نعمتوں کی شکل میں تمہیں واپس دے دیتی ہے کون ہے جس کی حکمت و ربوبیت مٹی کے ذروں سے یہ خزانے اگلوا لیتی ہے خوشبو، ذائقہ اور غذائیت کے خزانے؟

دو (۲) رائیں: .... آیت تتخذون منه میں مفسرین کی دو رائیں ہیں ایک یہ کہ یہ آیت چونکہ مکی ہے اور اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اس لئے بطور احسان کے یہ فرمایا جا رہا ہے مگر ساتھ ہی چونکہ شراب حرام ہونے والی تھی اس لئے ''رزقاً حسناً'' کی طرح شراب کو ''حسناً'' نہیں فرمایا دوسری رائے یہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت یہ سمجھتے ہوئے کہ ممکن ہے یہ آیت مدنی ہو شراب اگر چہ حرام ہو چکی تھی لیکن یہاں حسی احسان جتلانا مقصود نہیں جو شراب کے حلال ہونے پر موقوف ہو بلکہ معنوی احسان مقصود ہے یعنی توحید پر استدلال کیا جا رہا ہے اور وہ شراب کے حرام ہونے کی صورت میں بھی درست ہے یعنی یہ قدرت الٰہی کی دلیل ہے کہ تازہ شیرہ میں نشہ نہیں تھا لیکن پھر ایک نئی کیفیت اس میں پیدا ہو گئی. جس سے شراب حرام کر دی گئی اور ہر حادث اور نئی چیز کے لئے محدث کی ضرورت ہے اور وہ اللہ ہے پس اس طرح یہ حالت کی تبدیلی، اللہ کے وجود کی دلیل ہو گئی اور بعض کی رائے میں یہاں احسان جتلانا مقصود نہیں. بلکہ نشہ بنانے پر تو عتاب مقصود ہے اور ''رزقاً حسناً'' میں احسان جتلانا ہے یعنی ہم نے تو تمہارے لئے یہ پھل پیدا کئے اور تم اسے نشہ میں استعمال کرتے ہو. پس اس طرح اس آیت میں عتاب واحسان دونوں باتوں کو جمع کر دیا گیا ہے کہ دیکھو ہماری طرف سے یہ احسان اور تمہاری طرف سے یہ حرکت بے جا؟ اور شہد کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا یہ مکھی کے منہ کی رطوبت ہوتی ہے یا معدہ کی؟

شہد بیماریوں کے لئے شفا ہے: .... اور شہد کو اگر بعض بیماریوں کی شفا کا سبب مان لیا جائے تو پھر وجہ تخصیص کیا ہوگی جب کہ دوسری دوائیں بھی بیماریوں کے لئے شفا بخش ہوتی ہے؟ سو تخصیص کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شہد کی مکھی ایک زہریلا جانور ہے جس کے کاٹنے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن اسی میں اللہ نے اپنی قدرت سے شفا کا مادہ، شہد بھی پیدا فرما دیا ہے پس معدن زہر سے تریاق وشفا پیدا کرنا قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے اور شہد کی مختلف رنگتیں بلحاظ غذا کے بھی ہو سکتی ہیں اور موسم اور وقت اور جگہ کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہیں

شہد کی مکھی قدرت الٰہی کا نمونہ ہے: .... شہد کے چھتوں کے یہ کارخانے جن میں تمہارے لئے رات دن شہد تیار ہوتا رہتا ہے تم دنیا کے سارے پھل اور پھول جمع کر کے چاہو کہ شہد کا ایک قطرہ بنا لو تو کبھی نہ بنا سکو گے۔ لیکن ایک چھوٹی سی مکھی بناتی رہتی ہے اور اس نظم وضبط کے ساتھ اور محنت واستقلال ترتیب وتناسب یکسانیت وہم آہنگی کے ساتھ بناتی رہتی ہے کہ اس کی ہر بات ہماری عقلوں کو درماندہ کر دینے والی اور ہماری فکروں کی ساری توجیہوں اور تعلیلوں پر دروازہ بند کر دینے والی ہے چونکہ شہد کی مکھی کی یہ صنعت گری جد وجہد نظم وضبط سرگرمی وباقاعدگی کا ایک پورا سلسلہ ہے جو عرصہ تک جاری رہتا ہے اور یکے بعد دیگرے بہت سی منزلوں سے گزر کر مکمل ہوتا ہے اس لئے اس کے کاموں کو عمل کی راہوں سے تعبیر کیا ہے یعنی اس کے لئے جو راہ عمل ٹھہرا دی گئی ہے اس پر ٹھیک چلتی رہتی ہے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ذرا بھی ادھر ادھر ہو اس کا ہر فرد اس طرح حکم الٰہی کے آگے جھک گیا ہے کہ ممکن نہیں کسی کو راہ عمل

سے پٹتا ہوا پاؤ۔

مٹھائی کی تاریخ:.......... ہندوستان کا گنا جس وقت تک دوسرے ملکوں میں نہیں پہنچا تھا میٹھی غذاؤں کے بنانے کا تمام تر دارومدار شہد ہی پر تھا یا پھر ایسے پھلوں پر تھا جو بہت زیادہ میٹھے ہوتے ہیں جیسے کھجور سکندر اعظم جب ہندوستان آیا اور یونانیوں نے یہاں کی قند کھائی تو خیال کیا کہ یہ بلور کی طرح کی کوئی معدنی چیز ہے جس کا مزہ شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے غالباً سب سے پہلے عربوں نے ہندوستانی گنے کی کاشت مصر میں کی اور پھر مصر سے ''مصری'' یورپ پہنچی۔ پس اس آیت میں شہد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیئے کیا گیا ہے کہ دنیا کے اکثر حصوں میں مٹھاس کا مادہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا نیز شہد محض لذیذ غذا ہی نہیں ہے بلکہ کتنی بیماریوں کے لیئے نسخہ شفاء بھی۔

سب روزی کے یکساں مستحق ہیں:.......... آیت واللہ فضل بعضکم. سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ سروسامان معیشت سب کے لئے یکساں نہیں ہے اور یہ اختلاف حال قدرتی ہے اسی لیئے اسے اللہ نے براہ راست اپنی طرف منسوب کیا دوسری یہ کہ رزق کے حقدار ہونے میں سب برابر ہوئے خواہ کوئی آقا ہو کوئی طاقت ور ہو کوئی زبردست ہو۔ آیت واللہ جعل لکم. میں ربوبیت الٰہی کی نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے ایک یہ کہ ان سے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد وعورت میں تقسیم کردی اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنا دیا یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کردیا دوسرے یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہوگئی اولاد پیدا ہوتی ہے پھر ان کی اولاد ہوتی ہے اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داری کا بن جاتا ہے جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی وابستگی سے اجتماعی زندگی کی ساری برکتیں اور راحتیں حاصل ہوتی ہیں تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لیئے اچھی چیزیں پیدا کر دیں جو نہ صرف مفید ہیں بلکہ خوشگوار ہیں خوش رنگ ہیں خوشبودار ہیں۔

اللہ تعالیٰ تصور کی گرفت سے باہر ہے:.......... لاتضربوا للہ الامثال. اپنے جی سے اللہ کے لیئے مثالیں نہ گھڑو اس آیت میں اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ انسان کی ساری درماندگی یہ ہے کہ وہ اپنے معیار خیال سے اللہ کا تصور تراشنے کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیئے مثالیں تراشتا ہے حالانکہ اس کے سارے تصور، اس کے سارے قیاسات اس کی ساری تمثیلیں اسکے لیئے ٹھوکروں پر ٹھوکریں اور گمراہیوں پر گمراہیاں ہوجاتی ہیں وہ اپنی سوچی ہوئی تمثیلوں میں جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ جتنی بھی تمثیلیں بناتا ہے اپنے ادراک واحساسات کے اندر رہ کر بناتا ہے اور اللہ کی ذات اس دائرہ سے باہر ہے جہاں تک تصور الٰہی کی تنزیہہ کا تعلق ہے قرآن کی دو چھوٹی آیتوں میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے (۱) لیس کمثلہ شیء (۲) وللہ المثل الاعلیٰ.

اللہ ہی اپنی صحیح تمثیل بیان کرسکتا ہے:.......... اس کے بعد آیت ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً اور ضرب اللہ مثلارجلین احدھماابکم. سے دو مثالیں بیان کی جارہی ہیں پہلی مثال میں فرمایا گیا کہ اگر تمہیں حاجت اور ضرورت ہو تو تم کس کے پاس جاؤ گے؟ ایک غلام کے پاس جو کسی دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا یا اس کے پاس جو مالک ومختار ہے اور جس طرح چاہے اپنا مال خرچ کرسکتا ہے؟ کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ ایک بے بس غلام اور ایک مالک ومختار آقا؟ اگر نہیں ہوسکتے تو اس سے بڑھ کر عقل کی ہلاکت اور کیا ہوسکتی ہے کہ تم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں ان کے آگے جھکتے ہو جو خود اللہ کے بندے ہیں اور

اپنی ساری حاجتوں میں اس کی بخشائش کے محتاج اور اس کی طرف سے گردن موڑ لیتے ہو جس کے اختیار میں سب کچھ ہے اور کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو؟ دوسری مثال ایمان وکفر کی ہے کہ فرض کرو دو آدمی ہوں ایک گونگا بہرا اپنے ساتھیوں کے لئے بوجھ کوئی کام بھی اس سے بن نہ پڑے دوسرا بولنے والا راہنما، فلاح وکامیابی کا راستہ چلنے والا تو کیا ان دونوں کی حالت میں تمہیں کوئی فرق دکھائی نہیں دے گا تمہاری نگاہ میں دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا اور تم بے اختیار بول اٹھو گے کہ کہاں ایک گونگا بہرا اور کہاں ایک گویا اور کارگزار تو پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ ایمان کی زندگی کیا ہے؟ عقل وبصیرت کی زندگی جو خدا کی دی ہوئی حسوں سے کام لیتی ہے خود بھی سیدھی راہ چلتی ہے اور دوسرں کی بھی راہنمائی کرتی ہے اور کفر کی زندگی کیا ہے بہری گونگی زندگی عقل وحواس تاراج کردینے والی جس راہ میں قدم اٹھائے کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کرسکے قرآن کریم ہرجگہ ایمان کو عقل وبصیرت اور ہدایت وراہنمائی کی راہ قرار دیتا ہے اور کفر کو جہل اندھے پن اور بے کاری سے تعبیر کرتا ہے۔

لطائف آیات: .... آیت یخرج من بطونها. میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعض دفعہ کسی معمولی اور حقیر چیز میں حق تعالیٰ کوئی بہترین چیز رکھ دیتے ہیں چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ بہت سے میلے کچیلے لوگ اللہ کے ایسے مقبول بندے ہوتے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اسے پوری کر دکھاتا ہے اس لیئے کسی چیز کی صورت اور ظاہر ہی پر انسان کو نظر نہیں کرنی چاہیئے۔ آیت **فلاتضربوا.** سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات اور صفات میں محض ذاتی رائے سے کلام نہیں کرنا چاہیئے اس سے اسماء الٰہیہ کا توقیفی ہونا بھی معلوم ہوا۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَیْ عِلْمِ مَاغَابَ فِيْهِمَا **وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ** مِنْهُ لِاَنَّهٗ بِلَفْظِ كُنْ فَيَكُوْنُ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا** اَلْجُمْلَةُ حَالٌ **وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ** بِمَعْنَى الْاَسْمَاعِ **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ** اَلْقُلُوْبَ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾** عَلٰى ذٰلِكَ فَتُؤْمِنُوْنَ **اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ** مُذَلَّلَاتٍ لِلطَّيَرَانِ **فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ** اَیِ الْهَوَاءِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ **مَا يُمْسِكُهُنَّ** عِنْدَ قَبْضِ اَجْنِحَتِهِنَّ وَبَسْطِهَا اَنْ يَّقَعْنَ **اِلَّا اللّٰهُ** بِقُدْرَتِهٖ **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾** هِیَ خَلْقُهَا بِحَيْثُ يُمَكِّنُهَا الطَّيَرَانَ وَخَلْقُ الْجَوِّ بِحَيْثُ يُمْكِنُ الطَّيَرَانُ فِيْهِ وَاِمْسَاكُهَا **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا** مَوْضِعًا تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا** كَالْخِيَامِ وَالْقُبَابِ **تَسْتَخِفُّوْنَهَا** لِلْحَمْلِ **يَوْمَ ظَعْنِكُمْ** سَفَرِكُمْ **وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا** اَیِ الْغَنَمِ **وَاَوْبَارِهَا** اَیِ الْاِبِلِ **وَاَشْعَارِهَآ** اَیِ الْمَعْزِ **اَثَاثًا** مَتَاعًا لِبُيُوْتِكُمْ كَبُسُطٍ وَاَكْسِيَةٍ **وَّمَتَاعًا** تَتَمَتَّعُوْنَ بِهٖ **اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾** تُبْلٰى فِيْهِ **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ** مِنَ الْبُيُوْتِ وَالشَّجَرِ وَالْغَمَامِ **ظِلٰلًا** جَمْعُ ظِلٍّ تَقِيْكُمْ حَرَّ الشَّمْسِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا** جَمْعُ كِنٍّ وَهُوَ مَا يُسْتَكَنُّ فِيْهِ كَالْغَارِ وَالسِّرْدَابِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ** قُمُصًا **تَقِيْكُمُ الْحَرَّ** اَیْ وَالْبَرْدَ **وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ**

حَرْبِکُمْ اَیِ الطَّعْنَ وَالضَّرْبَ فِیْھَا کَالدُّرُوْعِ وَالْجَوَاشِنِ **کَذٰلِکَ** کَمَا خَلَقَ ھٰذِہِ الْاَشْیَاءَ **یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ** فِی الدُّنْیَا **عَلَیْکُمْ** بِخَلْقِ مَا تَحْتَاجُوْنَ اِلَیْهِ **لَعَلَّکُمْ** یَا اَھْلَ مَکَّةَ **تُسْلِمُوْنَ**﴿۸۱﴾ تُوَحِّدُوْنَهٗ **فَاِنْ تَوَلَّوْا** اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِسْلَامِ **فَاِنَّمَا عَلَیْکَ** یَامُحَمَّدُ **الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ**﴿۸۲﴾ اَلْاِبْلَاغُ الْبَیِّنُ وَھٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ** اَیْ یُقِرُّوْنَ بِاَنَّھَا مِنْ عِنْدِہٖ **ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا** بِاِشْرَاکِھِمْ **وَاَکْثَرُھُمُ الْکٰفِرُوْنَ**﴿۸۳﴾ وَاذْکُرْ **یَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا** هُوَ نَبِیُّھَا یَشْهَدُ لَھَا وَعَلَیْھَا وَھُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ **ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا** فِی الْاِعْتِذَارِ **وَلَا ھُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ**﴿۸۴﴾ لَاتُطْلَبُ مِنْھُمُ الْعُتْبٰی اَیِ الرُّجُوْعُ اِلٰی مَالَا یَرْضَی اللّٰهُ **وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا** کَفَرُوْا **الْعَذَابَ** النَّارَ **فَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ**﴿۸۵﴾ یُمْھَلُوْنَ عَنْهُ اِذَا رَاَوْہُ **وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا شُرَکَآءَھُمْ** مِنَ الشَّیَاطِیْنِ وَغَیْرِھَا **قَالُوْا رَبَّنَا ھٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا الَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا** نَعْبُدُھُمْ **مِنْ دُوْنِکَ فَاَلْقَوْا اِلَیْھِمُ الْقَوْلَ** اَیْ قَالُوْا لَھُمْ **اِنَّکُمْ لَکٰذِبُوْنَ**﴿۸۶﴾ فِیْ قَوْلِکُمْ اِنَّکُمْ عَبَدْتُمُوْنَا کَمَا فِیْ اٰیَةٍ اُخْرٰی مَاکَانُوْا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ سَیَکْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِھِمْ **وَاَلْقَوْا اِلَی اللّٰهِ یَوْمَئِذِ نِ السَّلَمَ** اَیْ اِسْتَسْلَمُوْا لِحُکْمِهٖ **وَضَلَّ** غَابَ **عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ**﴿۸۷﴾ مِنْ اَنَّ اٰلِهَتَھُمْ تَشْفَعُ لَھُمْ **اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا** النَّاسَ **عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** دِیْنِهٖ **زِدْنٰھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ** الَّذِی اسْتَحَقُّوْہُ بِکُفْرِھِمْ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَقَارِبُ اَنْیَابُھَا کَالنَّخْلِ الطِّوَالِ **بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ**﴿۸۸﴾ بِصَدِّھِمُ النَّاسَ عَنِ الْاِیْمَانِ **وَ**اذْکُرْ **یَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْھِمْ مِّنْ اَنْفُسِھِمْ** ھُوَ نَبِیُّھُمْ **وَجِئْنَا بِکَ** یَامُحَمَّدُ **شَهِیْدًا عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ** اَیْ قَوْمِکَ **وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ** الْقُرْاٰنَ **تِبْیَانًا** بَیَانًا **لِّکُلِّ شَیْءٍ** یَحْتَاجُ النَّاسُ اِلَیْهِ مِنْ اَمْرِ الشَّرِیْعَةِ **وَّھُدًی** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی** بِالْجَنَّةِ **لِلْمُسْلِمِیْنَ**﴿۸۹﴾ اَلْمُوَحِّدِیْنَ

ترجمہ: .... اور آسمانوں اور زمین میں جتنی مخفی باتیں ہیں سب کا علم اللہ ہی کے پاس ہے (یعنی زمین و آسمان کی پوشیدہ باتوں کا علم اللہ ہی کے پاس ہے) قیامت کا معاملہ بس ایسا ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی بہت جلد (کیونکہ کن کہتے ہی قیامت ہو جائے گی) بے شک اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ہے اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے (یہ جملہ حال ہے) پھر اس نے تمہیں کان دیئے (سمع بمعنی اسماع ہے) اور آنکھ اور دل دیئے تاکہ تم (ان نعمتوں پر) شکر گزار ہوسکو (اور ایمان لے آو) کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو فضائے آسمانی (آسمان و زمین کے درمیان جو) میں مسخر ہو رہے ہیں (اڑنے کی استعداد لیئے ہوئے ہیں) اللہ کے سوا کون ہے جو انہیں تھامے ہوئے ہے؟ (بازوؤں کے پھیلانے اور سکوڑنے کے وقت انہیں گرجانے سے) بلاشبہ اس بات میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیئے (کہ اللہ نے ان پرندوں کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ ان کا اڑنا ممکن ہے اور جو فضاء آسمانی کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں اڑنا اور ٹھہرنا ممکن ہوسکا) اور اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا

(جس میں تم سکونت اختیار کر سکتے ہو) اور تمہارے لیئے چوپاؤں کی کھال کے گھر بنا دیئے (جیسے خیمے اور قبے) جو سبک ہیں (اٹھانے میں ہلکے پھلکے) کوچ کرو (سفر کی حالت میں) یا اقامت کی حالت ہو اور (بھیڑوں کے) اون سے اور (اونٹ کے) رؤوں سے اور (بکریوں کے) بالوں سے کتنے ہی سامان (جیسے گھروں کے بستر اور فرش فروش) اور مفید چیزیں بنا دیں جن سے لوگ نفع حاصل کریں جو ایک خاص وقت تک کام دیتی ہیں (پھر پھٹ پھٹا جاتی ہیں) اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی بعض چیزوں کے (جیسے گھر درخت بادل) سائے تمہارے لیئے پیدا کر دیئے ظلال جمع ہے ظل کی جن سے لوگ سورج کی گرمی سے بچتے ہیں اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنا دیں (اکنان جمع ہے کن کی چھپنے کی جگہ جیسے غار اور تہہ خانہ) اور تمہارے لیئے لباس (کرتے) بنا دیئے جو گرمی اور (سردی) سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں نیز آہنی لباس بنایا جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتا ہے (تلوار اور نیزہ کے وقت کام آتا ہے جیسے زرہ اور جوشن) اللہ تعالیٰ اسی طرح (جیسے ان چیزوں کو پیدا کیا) اپنی نعمتیں پوری کر رہا ہے (دنیا میں) تم پر تمہاری ضروریات پوری کر کے تاکہ تم (اے مکہ والو!) اس کے آگے جھک جاؤ (توحید بجالاؤ) پھر اگر اس پر بھی یہ لوگ اعتراض کریں (اسلام سے روگردانی کریں) تو آپ کے ذمہ صاف صاف پیغام حق پہنچا دینا ہے (یہ حکم جہادی حکم سے منسوخ ہو چکا ہے) یہ لوگ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں یعنی اللہ کی نعمتیں ہونے کا اقرار کرتے ہیں پھر بھی اس سے انکار کرتے ہیں (شرک کر کے) اور اکثر ان میں ناسپاس ہیں اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جس دن ہر امت میں سے ایک ایک گواہی دینے والا اٹھا کر کھڑا کریں گے (یعنی نبی جو اپنی اپنی امت کے موافق یا خلاف گواہی دیں گے قیامت کے دن) پھر کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی (عذر و معذرت کرنے کی) اور نہ ہی ان سے کہا جائے گا کہ توبہ کر لیں ان سے اللہ کو راضی کرنے والی بات کی طرف رجوع کرنے کی فرمائش نہیں کی جائے گی جن لوگوں نے ظلم (کفر) کیا جب وہ عذاب (جہنم) دیکھیں گے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان پر عذاب ہلکا کر دیا جائے نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی (کہ عذاب سامنے آنے کے بعد کچھ مہلت مل جائے) اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ (شیاطین وغیرہ) کو شریک ٹھہرایا ہے جب اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے اے پروردگار یہ ہیں ہمارے شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے (بندگی کیا کرتے تھے) اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب بھیجیں گے (یہ کہیں گے) کہ نہیں تم سراسر جھوٹے ہو کہ تم نے ہماری بندگی کی چنانچہ دوسری آیت میں بھی ارشاد ہے (ماکانوا ایانا یعبدون اور **سیکفرون بعبادتھم**) اور اس دن یہ لوگ اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیں گے (یعنی اس کے آگے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے اور وہ سب افتراء پردازیاں کہ ان کے معبود ان کے سفارشی ہوں گے) ان سے کھوئی جائیں گی جو وہ کیا کرتے تھے جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ (دین) سے روکا تو ہم نے ان کے عذاب پر ایک اور عذاب بڑھا دیا (کہ جس عذاب کے یہ لوگ کفر کی وجہ سے مستحق ہوئے تھے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ بچھوا تنے بڑے بڑے ہوں گے کہ کھجور کے بڑے درخت کے برابر تو ان کے ڈنگ ہوں گے) ان کی شرارتوں کی پاداش میں (لوگوں کو ایمان سے روکنے کی وجہ سے) اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم ہر ایک امت میں ایک ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو انہیں میں سے ہوگا (یعنی اس امت کا نبی ہوگا) اور ان لوگوں (آپ کی قوم) کے مقابلہ میں آپ کو (اے محمد ﷺ) گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے تمام (شریعت کی ضروری) باتیں بیان کرنے کے لیئے اور اس لیئے (کہ گمراہی سے) راہنمائی ہو اور رحمت (جنت کی) خوشخبری ہو مسلمانوں (توحید کے پرستاروں) کے لئے۔

تحقیق وترکیب:............ **وجعل لکم السمع**:...... کان وغیرہ آلات ادراک چونکہ پیدائش کے بعد ہی ہو سکتے ہیں اس لیئے اول پیدائش کا ذکر کیا پھر کان آنکھ کا اور چونکہ وحی کا ادراک کان سے ہوتا ہے اس لیئے کان کو آنکھ سے پہلے ذکر کیا دوسری وجہ تقدیم یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کان کا ادراک آنکھ کے ادراک سے پہلے ہوتا ہے **جو السماء** کعبؓ احبار کی رائے یہ ہے کہ پرندہ زیادہ سے زیادہ بارہ میل

بلندی پر اڑ سکتا ہے ما یمسکھن مفسرؒ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرندہ اڑنے کے وقت بازو سکوڑ لیتا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں پس مراد یہ ہے کہ جانور کا ثقل طبعی گرنے کو چاہتا ہے حالانکہ بغیر حکم الٰہی کے نہ اوپر کوئی روک ہے اور نہ نیچے کوئی روک ہے جلود الانعام سوڈانی لوگ چمڑے کے خیمے استعمال کرتے تھے قبہ خیمہ سے چھوٹا ہوتا ہے اثاث اور متاع میں یہ فرق ہے کہ اول عام ہے گھر وغیرہ کے جملہ سامان پر اثاث بولا جاتا ہے اور متاع صرف خانگی ضروریات کو کہتے ہیں سکنا یہ مصدر بھی ہوسکتا ہے لیکن جلال محققؒ اس کو بمعنی مفعول مان رہے ہیں جیسے قبض بمعنی مقبوض اور نقض بمعنی منقوض

اکنانا کن پوشیدہ جگہ استکنان چھپانا وما تکن صدورھم فرمایا گیا ہے الحر. اس کے ساتھ برد کو یا تو ایک ضد پر اکتفا کرتے ہوئے بیان نہیں کیا اور یا عرب کے نزدیک گرم ملک ہونے کی وجہ سے گرمی کی اہمیت زیادہ ہے بہ نسبت سردی کے جوشن کے معنی بھی ذرع کے ہیں پس گویا عطف تفسیری ہے اس آیت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر ہو رہا ہے لیکن ان چیزوں کا پاک ہونا اور ان سے نفع کا جائز ہونا بھی معلوم ہوتا ہے یعنی اون رواں اور بال پاک ہیں کیونکہ نہ ان میں زندگی ہے اور نہ موت اس لیئے ان چیزوں کا بیچنا بھی جائز ہے اور جس پانی میں یہ پڑ جائے اس سے وضو وغیرہ جائز ہے لایوذن اس میں چار معانی کا احتمال ہے ای لا یوذن لھم فی الاعتذار اوفی کثرۃ الکلام اوفی الرجوع الی دار الدنیا فی حالۃشھا دۃ الشھود بل یسکت کلھم لیشھد الشھود یستعتبون. بغویؒ کہتے ہیں کہ اللہ کو راضی کرنے کی ان سے خواہش نہیں کی جائے گی کیونکہ آخرت دار التکلیف نہیں ہوگی اور زمخشریؒ کے نزدیک اس کے معنی لا یسترضون کے ہیں اور قانون ادب میں ہے کہ استعتاب کے معنی اعتاب طلب کرنے کے ہیں اور اعتاب کے معنی ازالہ عتاب کے ہیں لیکن یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ استفعال ثلاثی سے بنتا ہے نہ کہ مزید سے قال ابن مسعودؓ یعنی عذاب کی زیادتی کی تفسیر ابن مسعودؓ نے یہ فرمائی ہے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ المراد بتلک الزیادۃ خمسۃ انھار من نار تسیل من تحت العرش یعذبون بھا ثلثۃ باللیل والنان بالنھار تبیانا لکل شی. یہ مبالغہ بلحاظ کمیت ہے کیفیت کے اعتبار سے نہیں ہے اس لیئے بعض چیزوں کا مخفی ہونا باعث اشکال نہیں ہونا چاہیئے. رہا یہ شبہ کہ قرآن سے ہر بات کے معلوم ہونے کا دعویٰ کیسے صحیح ہے جواب یہ ہے کہ ہر چیز سے مراد دینی امور ہیں کہ بعض تو قرآن میں منصوص ہیں اور بعض کو سنت کے حوالہ کر دیا گیا ہے ما اتا کم الرسول فخذوہ وما ینطق عن الھوی اور بعض کو ویتبع غیر سبیل المؤمنین کہہ کر اجماع کے حوالہ کیا گیا ہے اور بعض کو فاعتبروا یا اولی الابصار کہہ کر قیاس کے حوالہ کیا گیا گویا معنی یہ سب چیزیں بھی قرآن سے باہر نہیں ہیں اس لیئے قرآن کو تبیانا لکل شیء فرمانا صحیح ہے۔

ربط آیات:............ آیت وللّٰہ غیب السموٰت سے صفات کمالیہ اور قدرت کا بیان ہے جس سے توحید پر استدلال کرنا ہے اس کے بعد آیت ویوم نبعث سے کفار کے لیئے قیامت کی وعید کا ذکر ہے۔

﴿تشریح﴾:............ علم وعقل کی روشنی:............ آیت واللہ اخرجکم میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کون ہے جس نے عقل وحواس کا چراغ تمہارے نہا نخانہ دماغ میں روشن کر دیا ہے جب تم پیدا ہوتے ہو تو تمہاری تمام ذہنی قوتیں بظاہر معدوم ہوتی ہیں لیکن پھر جوں جوں بڑھتے جاتے ہو حواس کی قوتیں ابھرنے لگتی ہیں ادراک کا جوہر ابلنے لگتا ہے اور عقل کا چراغ روشن ہو جاتا ہے اس قسم کی آیات میں ربوبیت الٰہی کی معنوی پروردگاریوں سے توحید پر استدلال مقصود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیئے عقلی ہدایت کا سروسامان کر دیا اور یہی ہدایت ہے جس نے اسے تمام مخلوقات میں سے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے لاتعلمون میں

جو عقل ہیولانی کے مرتبہ میں مطلقاً علم کی نفی کی گئی ہے تو فلاسفہ کے اس دعویٰ کو کہ عقل ہیولانی کے مرتبہ میں نفس کو اپنا علم حضوری ہوتا ہے اور اس کے تمام مقدمات کو اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تو لفظ شیئاً سے عقلی قرینہ کی وجہ سے اس مرتبہ کی تخصیص کرلی جائے گی یعنی اس سے پہلے نفس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا البتہ اس مرتبہ میں پہنچ کر خود اپنی حالت پیش نظر ہو جاتی ہے جس سے علم حضوری ہو جاتا ہے لیکن اگر سرے سے حکماء کی اس رائے ہی کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر آیت میں کسی توجیہ کی ضرورت نہیں ہوگی اور حکم اپنے عموم پر رہے گا۔

بخشائش الٰہی : ....اس کے بعد کی آیت میں بھی ربوبیت کی بخشائشوں پر توجہ دلائی گئی ہے کہ کسی طرح زمینی کرہ کی ہر پیداوار میں تمہارے لیئے فائدہ اور فیضان کی صورت پیدا ہوگئی ہے اور کوئی چیز نہیں جو تمہاری کسی نہ کسی کار برآری کا ذریعہ نہ ہو آیت سرابیل تقیکم الحر میں کرتوں کے سلسلہ میں گرمی سے بچاؤ کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس سورت کے شروع میں آیت لکم فیھا دفء میں سردی سے بچاؤ کا ذکر ہو چکا ہے اور اکثر ملکوں میں سردیوں سے بچاؤ کیلئے پوستین اور اونی کپڑوں کا استعمال اور گرمیوں میں روئی کے کپڑوں کا استعمال بھی اس کا قرینہ ہے کہ شروع میں سردی سے بچاؤ کا اور یہاں گرمی سے بچاؤ کا ذکر ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ التَّوحِيدَ وَالْاِنْصَافَ **وَالْاِحْسَانِ** اَدَاءَ الْفَرَائِضِ اَوْ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ كَمَا فِي الْحَدِيثِ **وَاِيْتَآئِ** اِعْطَاءِ **ذِي الْقُرْبٰى** الْقَرَابَةِ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ اِهْتِمَامًا بِهِ **وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ** الزِّنَا **وَالْمُنْكَرِ** شَرْعًا مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي **وَالْبَغْيِ** الظُّلْمِ لِلنَّاسِ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ اِهْتِمَامًا كَمَا بَدَأَ بِالْفَحْشَاءِ لِذٰلِكَ **يَعِظُكُمْ** بِالْاَمْرِ وَالنَّهْيِ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ**﴿۹۰﴾ تَتَّعِظُوْنَ وَفِيْهِ اِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الذَّالِ وَفِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ هٰذِهِ اَجْمَعُ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ لِلْخَيْرِ وَالشَّرِّ **وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ** مِنَ الْبَيْعَةِ وَالْاِيْمَانِ وَغَيْرِهِمَا **اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا** تَوْثِيْقِهَا **وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا** بِالْوَفَاءِ حَيْثُ حَلَفْتُمْ بِهِ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ**﴿۹۱﴾ تَهْدِيْدٌ لَهُمْ **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ** اَفْسَدَتْ **غَزْلَهَا** مَا غَزَلَتْهُ **مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ** اِحْكَامٍ لَهُ وَبَرْمٍ **اَنْكَاثًا** حَالٌ جَمْعُ نِكْثٍ وَهُوَ مَا يُنْكَثُ اَيْ يُحَلُّ اِحْكَامُهُ وَهِيَ اِمْرَاَةٌ حَمْقَاءُ مِنْ مَكَّةَ كَانَتْ تَغْزِلُ طُوْلَ يَوْمِهَا ثُمَّ تَنْقُضُهُ **تَتَّخِذُوْنَ** حَالٌ مِنْ ضَمِيْرِ تَكُوْنُوْا اَيْ لَا تَكُوْنُوْا مِثْلَهَا فِي اِتِّخَاذِكُمْ **اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا** هُوَ مَا يُدْخَلُ فِي الشَّيْءِ وَلَيْسَ مِنْهُ اَيْ فَسَادًا اَوْ خَدِيْعَةً **بَيْنَكُمْ** بِاَنْ تَنْقُضُوْهَا **اَنْ** اَيْ لِاَنْ **تَكُوْنَ اُمَّةٌ** جَمَاعَةٌ **هِيَ اَرْبٰى** اَكْثَرُ **مِنْ اُمَّةٍ** وَكَانُوْا يُحَالِفُوْنَ الْحُلَفَاءَ فَاِذَا وَجَدُوْا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَعَزَّ نَقَضُوْا حِلْفَ اُولٰئِكَ وَحَالَفُوْهُمْ **اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ** يَخْتَبِرُكُمُ **اللّٰهُ بِهٖ** اَيْ بِمَا اَمَرَ بِهٖ مِنَ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ لِيَنْظُرَ الْمُطِيْعَ مِنْكُمْ وَالْعَاصِيَ اَوْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ اَرْبٰى لِيَنْظُرَ اَتَفُوْنَ اَمْ لَا **وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ**﴿۹۲﴾ فِي الدُّنْيَا مِنْ اَمْرِ الْعَهْدِ وَغَيْرِهٖ بِاَنْ يُعَذِّبَ النَّاكِثَ وَيُثِيْبَ الْوَافِيَ **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً** اَهْلَ دِيْنٍ وَاحِدٍ **وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ**

وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْــَٔـلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سَوَالُ تَبْكِيْتٍ **عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾** لِتُجَازُوْا عَلَيْهِ **وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ** كَرَّرَهٗ تَاكِيْدًا **فَتَزِلَّ قَدَمٌ** اَیْ اَقْدَامُكُمْ عَنْ مُحَجَّةِ الْاِسْلَامِ **بَعْدَ ثُبُوْتِهَا** اِسْتِقَامَتِهَا عَلَيْهَا **وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ** اَلْعَذَابَ **بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ** اَیْ بِصَدِّكُمْ عَنِ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ اَوْ بِصَدِّكُمْ غَيْرَكُمْ عَنْهُ لِاَنَّهٗ يَسْتَنُّ بِكُمْ **وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾** فِی الْاٰخِرَةِ **وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ** مِنَ الدُّنْيَا بِاَنْ تَنْقُضُوْهُ لِاَجْلِهٖ **اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ** مِنَ الثَّوَابِ **هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** مِمَّا فِی الدُّنْيَا **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾** ذٰلِكَ فَلَا تَنْقُضُوْا **مَا عِنْدَكُمْ** مِنَ الدُّنْيَا **يَنْفَدُ** يَفْنٰى **وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ** دَائِمٌ **وَلَنَجْزِيَنَّ** بِالْيَاءِ وَالنُّوْنِ **الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا** عَلَى الْوَفَاءِ بِالْعُهُوْدِ **اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾** اَحْسَنُ بِمَعْنٰى حَسَنٍ **مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ** قِيْلَ هِیَ حَيَاةُ الْجَنَّةِ وَقِيْلَ فِی الدُّنْيَا بِالْقَنَاعَةِ وَالرِّزْقِ الْحَلَالِ **وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ** اَیْ اَرَدْتَ قِرَاءَتَهٗ **فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾** اَیْ قُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ **اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ** تَسَلُّطٌ **عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ** بِطَاعَتِهٖ **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ** اَیِ اللّٰهِ تَعَالٰى **مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ** بِنَسْخِهَا وَاِنْزَالِ غَيْرِهَا لِمَصْلَحَةِ الْعِبَادِ **وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا** اَیِ الْكُفَّارُ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ** كَذَّابٌ تَقُوْلُهٗ مِنْ عِنْدِكَ **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾** حَقِيْقَةَ الْقُرْاٰنِ وَفَائِدَةَ النَّسْخِ **قُلْ** لَهُمْ **نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ** جِبْرَئِيْلُ **مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ** مُتَعَلِّقٌ بِنَزَّلَ **لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بِاِيْمَانِهِمْ بِهٖ **وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ** لِلتَّحْقِيْقِ **نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ** اَلْقُرْاٰنَ **بَشَرٌ ۭ** وَهُوَ قَيْنٌ نَصْرَانِیٌّ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ قَالَ تَعَالٰى **لِسَانُ** لُغَةُ **الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ** يَمِيْلُوْنَ **اِلَيْهِ** اَنَّهٗ يُعَلِّمُهٗ **اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا** اَلْقُرْاٰنُ **لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾** ذُوْ بَيَانٍ وَفَصَاحَةٍ فَكَيْفَ يُعَلِّمُهٗ اَعْجَمِیٌّ **اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾** مُؤْلِمٌ **اِنَّمَا يَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ** اَلْقُرْاٰنِ بِقَوْلِهِمْ هٰذَا مِنْ قَوْلِ الْبَشَرِ **وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾** وَالتَّاكِيْدُ بِالتَّكْرَارِ وَاِنَّ وَغَيْرِهِمَا رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ **مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ** عَلَى التَّلَفُّظِ بِالْكُفْرِ فَتَلَفَّظَ بِهٖ **وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ** وَمَنْ مُبْتَدَاٌ اَوْ شَرْطِيَّةٌ وَالْخَبَرُ اَوِ الْجَوَابُ لَهُمْ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ دَلَّ عَلَيْهِ هٰذَا **وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا** لَهٗ اَیْ فَتَحَهٗ وَوَسَّعَهٗ بِمَعْنٰى

طَابَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ **فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ** الْوَعِيْدُ لَهُمْ **بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** اخْتَارُوْهَا **عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾** عَمَّا يُرَادُ بِهِمْ **لَا جَرَمَ** حَقًّا **اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾** لِمَصِيْرِهِمْ اِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ **ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا** اِلَى الْمَدِيْنَةِ **مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا** عُذِّبُوْا وَتَلَفَّظُوْا بِالْكُفْرِ وَفِىْ قِرَاءَةٍ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ اَىْ كَفَرُوْا اَوْ فَتَنُوا النَّاسَ عَنِ الْاِيْمَانِ **ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ** عَلَى الطَّاعَةِ **اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا** اَىِ الْفِتْنَةِ **لَغَفُوْرٌ** لَهُمْ **رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾** بِهِمْ وَخَبَرُ اِنَّ الْاُوْلٰى دَلَّ عَلَيْهِ خَبَرُ الثَّانِيَةِ ع

ترجمہ:.......... بلاشبہ اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل کرو (توحید بجالاؤ یا انصاف کرو) بھلائی کرو (فرائض بجالاؤ یا اس طرح عبادت کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو جیسا کہ حدیث میں ہے) اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو (رشتہ داروں کی تخصیص اہتمام کی وجہ سے کی گئی ہے) اور تمہیں روکتا ہے بے حیائی کی باتوں (زنا) سے اور ہر طرح کی برائی سے (جو شرعاً برائی ہو جیسے کفر اور گناہ) اور ظلم سے (لوگوں پر زیادتی کرنے سے خصوصیت سے ظلم کو اہتمام کے لیئے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ شروع میں فحش کا ذکر کرنا بھی اس وجہ سے ہوا ہے) وہ تمہیں (اس حکم اور ممانعت کے ذریعہ) نصیحت کرتا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو (سبق حاصل کرو دراصل اس میں تا تھی جس کو ذال بنا کر ذال میں ادغام کر دیا گیا ہے اور مستدرک میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ یہ آیت قرآن کریم میں خیر وشر کی سب سے جامع آیت ہے)

اور جب تم آپس میں قول واقرار کرو تو چاہیئے کہ اللہ کا عہد پورا کرو (بیعت کرنے، ایمان لانے وغیرہ کے متعلق) اور ایسا نہ کرو کہ قسمیں پکی کر کے انہیں توڑ دو حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو (عہد پورا کرنے کے سلسلہ میں اللہ کی قسمیں کھا کر یہ جملہ حالیہ ہے) یقین کرو تم جو کچھ کرتے ہو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں (یہ ان کے لیئے دھمکی ہے) اور دیکھو تمہاری مثال اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے بڑی محنت سے (مضبوطی اور کوشش) سے سوت کاتا پھر توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (یہ حال ہے انکاثا جمع نکث کی ہے یعنی کسی مضبوط کو ڈھیلا کر دینا اور کھول دینا یہ مکہ کی ایک بیوقوف عورت کے قصہ کی طرف اشارہ ہے جو سارے دن سوت کات کر پھر خود ہی اسے خراب کر ڈالتی تھی تم مت بناؤ تکونوا کی خبر سے یہ حال ہے یعنی اس کارروائی میں تم اس عورت کی طرح مت بن جاؤ اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ (دخل ایسی چیز کو کہتے ہیں جو داخلی نہ ہو اور پھر اسے کسی چیز میں داخل کر دیا جائے یعنی فساد اور دھوکہ کا ذریعہ مت بناؤ) آپس میں کہ ان قسموں کو توڑ بیٹھو محض اس وجہ سے کہ ایک جماعت (گروہ) دوسری جماعت سے بڑھ جائے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں لوگ آپس میں قسما قسمی کر لیا کرتے تھے پھر جب طاقت میں دوسروں پر بڑھ چڑھ جاتے تو پھر ان قسموں کو توڑ بیٹھتے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے لگتے اللہ اس معاملہ میں تمہاری آزمائش (امتحان) کرتا ہے (یعنی جس عہد کے پورا کرنے کا حکم دیا تھا تا کہ فرماں بردار اور نافرماں کی جانچ ہو سکے یا اگر غالب گروہ ہے تو دیکھیں وفائے عہد کرتا ہے یا نہیں اور جن جن باتوں میں تمہارے اختلافات رہے ہیں قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے آشکارا کر دے گا (یعنی دنیا میں جو عہد وغیرہ کی باتیں ہوئی ہیں تو عہد توڑنے والوں کو عذاب اور وفائے عہد کرنے والوں کو ثواب مرحمت فرمائے گا) اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تم سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے بے راہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ پر ڈال دیتا ہے اور تم سے ضرور باز پرس ہوگی قیامت کے دن (یہ پوچھنا مواخذہ کے طور پر

ہوگا) تمہارے سب اعمال کی (تاکہ تمہیں ان کاموں کا بدلہ دیا جاسکے) اور تم آپس کے معاملات میں اپنی قسموں کو مکروفریب کا ذریعہ نہ بناؤ (تاکید کے لئے دوبارہ یہ حکم بیان کیا گیا ہے) کبھی لوگوں کے پاؤں اکھڑ نہ جائیں (یعنی تمہارے قدم اسلام کی میانہ روی سے ڈگمگا نہ جائیں) جمنے کے بعد (یعنی اسلام پر قدم مضبوط ہونے کے بعد) اور تمہیں اس کی پاداش میں تکلیف (عذاب) کا مزہ چکھنا پڑے کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو تم نے روکا (یعنی تمہیں وفاء عہد سے روکا گیا یا تم نے دوسروں کو وفاء عہد سے روکا رکاوٹ کا ذریعہ بن کر) اور تم ایک بڑے عذاب کے سزاوار ہو (آخرت میں) اور اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچو (یعنی دنیا کے فائدوں کی خاطر عہد توڑ ڈالو) جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے حق میں بہتر ہے (اس سے جو دنیا میں ہے) بشرطیکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو (تو ان عہدوں کو نہ توڑنا) جو تمہارے پاس (دنیا) ہے وہ ختم ہوجائے گی اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ختم ہونے والا نہیں (دائمی ہے) جن لوگوں نے (وفائے عہد پر) صبر کیا ہم ضرور انہیں (یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہے) ان کا اجر دیں گے انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا (لفظ احسن بمعنی حسن ہے) جس کسی نے اچھا کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو ہم ضرور اسے بالطف زندگی دیں گے (بعض نے اس سے مراد جنت لی ہے اور بعض نے دنیاوی زندگی میں قناعت اور حلال کمائی مراد لی ہے) انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا پس جب تم قرآن پڑھنے لگو (یعنی قرآن پڑھنا چاہو) تو چاہئے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہو (یعنی **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** پڑھ لیا کرو) اس کا زور کبھی نہیں چل سکتا ان لوگوں پر جو ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اس کا قابو تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے اپنا تعلق رکھتے ہیں (اس کی اطاعت کرتے ہیں) اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں (بندوں کی مصلحت کی خاطر اسے منسوخ کرکے دوسری آیت اتارتے ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ جو حکم اتارتا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے تو یہ لوگ (کفار نبی کریم ﷺ سے) کہتے ہیں تم تو بس اپنے جی سے گھڑ لیا کرتے ہو (جھوٹے ہو اپنی طرف سے بات بنا لیتے ہو) حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں (قرآن کی اور نسخ کی حقیقت سے بے خبر ہیں) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ اسے روح القدس (جبریل) تمہارے پروردگار کی طرف سے حکمت کے موافق لائے ہیں (**بالحق** کا تعلق نزل کے ساتھ ہے) اور اس لئے لائے ہیں تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے (قرآن پر ان کے ایمان کو) اور مسلمانوں کے لیئے رہنمائی اور خوشخبری ہو اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان کو تو (یہ قرآن) ایک آدمی سکھلا جاتا ہے (یعنی ایک نصرانی لوہار جس کے پاس کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جایا کرتے تھے حق تعالیٰ فرماتا ہے) حالانکہ اس کی زبان جس کی طرف اسے منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف اور آشکارا عربی زبان ہے (کلام فصیح اور واضح بھلا ایک عجمی شخص کیسے اس کو سکھلا سکتا ہے) اصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں رکھتے اللہ انہیں کبھی کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا اور ان کے لیئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوتا ہے پس جھوٹ گھڑنا تو انہیں لوگوں کا کام ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے (قرآن پر بقول ان کے یہ کلام بشر ہے) یہی لوگ ہیں کہ سرتاسر جھوٹے ہیں (تکرار کرکے اور ان وغیرہ کے ذریعے سے تاکید لا کر ان کے قول "**انما انت مفتر**" کا رد کردیا جو کوئی ایمان لانے کے بعد اللہ سے پھرا اگر ہاں جو کوئی کفر پر مجبور کیا جائے (زبردستی کفر پر کلمات کہلائے جائیں) بشرطیکہ اس کا دل اس ایمان پر مطمئن ہوگیا (اور **من** مبتدا ہے یا شرطیہ ہے اور خبر یا جواب **لھم وعید شدید** ہے جس پر اگلا جملہ دلالت کررہا ہے) لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے (یعنی اس انکار پر دل رضامند اور مطمئن ہوجائے گویا کہ یہ اس پر رچ بس گیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو سخت سزا ہوگی (یہ ان کے لیئے دھمکی) اس لیئے ہے کہ انہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی کو عزیز رکھا نیز اس وجہ سے کہ

اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کردی ہے اور یہی ہیں کہ غفلت میں ڈوب گئے (اپنے مقصد سے) لامحالہ (لازمی بات ہے کہ) یہی لوگ آخرت میں تباہ حال ہوں گے (کیونکہ ان کا ٹھکانہ دائمی آگ میں ہوگا) پھر جن لوگوں کا یہ حال ہوا کہ انہوں نے (مدینہ کی طرف) ہجرت کی آزمائشوں میں پڑنے کے بعد (کہ انہیں ستایا گیا جس پر انہوں نے کلمہ ادا کردیا اور ایک قرآت میں معروف ہے یعنی کفر اختیار کر بیٹھے یا لوگوں کو ایمان سے روک دیا) اور پھر جہاد بھی کیا اور (اطاعت پر) جمے رہے تو بلاشبہ تمہارا پروردگار اس آزمائش کے بعد (انہیں) ضرور (ان پر) رحمت فرمانے والا ہے (پہلے ان کی خبر پر دوسرے ان کی خبر دلالت کررہی ہے)

تحقیق وترکیب:..........**بالعدل**. توحید بھی تشریک وتعطیل کے درمیان میں ہوتی ہے اس لئے اس کو عدل سے تعبیر کیا گیا ہے یا انصاف مراد ہے۔ **الاحسان** اللہ کے ساتھ احسان تو یہ ہے کہ مکمل طریقہ سے اس کے فرائض بجالائے جائیں اور بندوں کے ساتھ احسان یہ ہے کہ **ان تعفوا عمن ظلمک وتعطی من حرمک وتصل من قطعک فی الحدیث**. صحاح کی روایت ہے **ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک**. یہ حال جب درجہ رسوخ پر پہنچ جاتا ہے تو اسے مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کو بعض عرفاء نے ان الفاظ میں تعبیر کیا ہے۔ **خیالک فی عینی وذکرک فی فمی و حبک فی قلبی فایں تغیب من البیعۃ**. بیعت رضوان کی طرف اشارہ ہے۔ جو آیت **ان الذین یبایعونک**. میں مراد ہے۔ **وھی امراۃ**. بقول بغوی ریطہ بنت عمرو بن سعد بن کعب بن زید بن تمیم اس عورت کا نام ہے اور بلاذریؒ کے نزدیک یہ عورت اسد بن العزی بن قصی کی ماں اور سعد بن تمیم کی بیٹی تھی جو دن بھر سوت کات کر شام کو برباد کرڈالتی تھی۔ بعض نے ریطہ کے بجائے رائطہ اور بعض نے خرقا نام بتلایا ہے بمعنی احمق **محجۃ الاسلام** میانہ روی اور طریق واضح **احسن** بمعنی **حسن** یعنی اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے کہ واجبات جو **احسن** ہیں صرف انہی پر جزاء ہو بلکہ واجبات ومندوبات دونوں پر جزاء ملے گی۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ **احسن** موصوف محذوف کی صفت ہو ای **بثواب احسن من عملھم** جیسا کہ حدیث میں ہے۔ **الحسنۃ بعشر امثالھا حیاۃ طیبۃ** مؤمن اگر مالدار ہے تب تو اس کی زندگی کا عمدہ ہونا ظاہر ہے لیکن اگر تنگدست ہے تب بھی قناعت اور صبر اور رضا بالقضاء کی وجہ سے اس کی زندگی پرسکون ہوتی ہے برخلاف فاجر شخص کے کہ تنگ دستی کی صورت میں تو اس کی بے چینی ظاہر ہے۔ لیکن خوش حالی کی صورت میں بھی وہ حریص وطمع کی قیود میں جکڑا رہتا ہے۔ لیکن مؤمن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اللھم قنعنی بما رزقتنی اور سعید بن جبیرؓ اور عطاؒ کے نزدیک حیات طیبہ سے مراد حلال رزق ہے۔ اور ابوبکر دراقؒ کے نزدیک حلاوت طاعات مراد ہے۔ **فاذا قرأت** یعنی قرأت قرآن چونکہ افضل الاعمال ہے اس لئے استعاذہ سے اس کی ابتداء ہونی چاہیئے۔ لیکن صحابہؓ اور تابعینؒ اور امام مالکؒ کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ قرأت کے بعد استعاذہ ہونا چاہیئے ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہوئے اور اس امر کو استحباب استعاذہ پر محمول کرتے ہیں اور عطاءؒ کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے کے وقت **اعوذ باللہ** پڑھنا ضروری ہے۔ خواہ نماز میں ہو یا نماز کے باہر۔ افضل اور سنت طریقہ **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** کے الفاظ سے ہے۔ چنانچہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتﷺ کے سامنے **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھا تو آپﷺ نے فرمایا کہ **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھا کرو۔ جبرئیل نے مجھے یہ بتلایا ہے کہ لوح محفوظ میں اس طرح لکھا ہے۔ قین نصرانی یہ رومی لوہار تھا اور بعض نسخوں میں قین کے بجائے قن کا لفظ ہے بمعنی غلام اس کا نام جبر تھا عامر بن حضرمی کا یہ غلام تھا اور بعض کی رائے میں حویطب بن اسد غری کا غلام عائش نامی تھا جو پچھلی کتابوں سے واقف تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا اور بعض سلمان فارسی مراد لیتے ہیں۔ **اعجمی** یعنی غیر فصیح اگرچہ عربی بولنے والا ہو عجمی منصوب الی العجم کو کہتے ہیں۔

اگرچہ فصیح ہو اور بقول خطیب عجمی کے معنی ہیں۔ جو عربی زبان نہ جانتا ہو۔ ثم ان ربك لفظ ان کی خبر میں تین احتمال ہیں۔ نمبر ۱: لغفور رحیم خبر بنائی جائے۔ اس صورت میں للذین کا تعلق بطور تنازع دونوں خبروں سے ہو یا محذوف سے ہو۔ ای الغفران ورحمة للذین هاجروا. نمبر ۲: للذین هاجروا کو خبر کہا جائے ان زیدا لك کی طرح ای هو لك لا علیك۔ نمبر ۳: خبر محذوف ہو بعد کے قرینہ کی وجہ سے۔

ربط آیات:............ آیت ان الله یامر الخ سے پہلے ونزلنا علیك الکتب الخ میں قرآن کی فضیلت بیان کی گئی تھی۔ اب اس آیت میں یہ بتلانا ہے کہ جس کتاب میں اتنی عمدہ تعلیم ہو وہ اسی تعریف اور توصیف کی مستحق ہے غرضیکہ ساری شریعت کا عطر اس آیت میں کھینچ کر رکھ دیا۔ آگے آیت واوفوا بعهد الله الخ سے ایک خاص حکم یعنی وفائے عہد کے متعلق زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ اول تو فی نفسہ یہ حکم مہتم بالشان ہے دوسرے آغاز اسلام میں عہد کی پابندی کرنے نہ کرنے کا اسلام پر بڑا اثر پڑتا تھا۔ اس لئے اس کی پوری اہمیت کو محسوس کرایا گیا کہ ایک طرف عہد کی پابندی کو سراہا گیا اور دوسری طرف اس کو توڑنے کی برائی کی گئی اس کے بعد آیت من عمل صالحا الخ میں عام طور پر نیک کام کی برتری بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی عہد کو توڑنا اور دوسرے برے کام شیطانی اغوا کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اس لئے آیت فاذا قرأت سے شیطانی شر سے بچنے کا گر بتلاتے ہیں۔ اس کے بعد آیت واذا بدلنا الخ سے اسلام کی دوسری اصل عظیم رسالت سے متعلق شبہات کا ازالہ کیا جارہا ہے۔ اور آیت ان الذین الخ سے منکرین توحید ورسالت کی وعید کا بیان ہے۔ آگے آیت من کفر بالله الخ سے مرتد کی سزا اور اس سزا سے جس شخص پر زبردستی کی گئی ہو اس کی استثنیٰ کے بیان ہے پھر اس اصلی کفر وارتداد کی سزا کے بعد آیت ثم ان ربک الخ میں دوبارہ ایمان لانے والوں کے لئے بشارت مذکور ہے۔

شان نزول وفضائل:............ عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مجھے بار بار اسلام کی دعوت دیتے تھے لیکن میں اسلام سے محروم تھا اور مجھے آپ کے سامنے جاتے ہوئے شرم بھی آتی تھی یہاں تک کہ آیت ان الله یامر بالعدل الخ نازل ہوئی تو میرے دل میں ایمان اتر گیا اور میں نے ولید بن مغیرہ کے سامنے یہ آیت پڑھتے ہوئے کہا و الله ان له لحلاوة وان علیه لطلاوة وان اعلاه لمثمر وان اسفله لمعذق وما هو قول البشر حق کے ابوجہل بھی بول اٹھا کہ ان اله لیامر بمکارم اخلاق ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے تلاوت فرمائی عرض کیا اعدها یا محمد آپ ﷺ نے جب دوبارہ پڑھی تو کہنے لگا ان له حلاوة وان علیه طلاوة وان اعلاه لمثمر وان اسفله لمعذق وماهو بقول البشر بہر حال یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے۔ اسی لئے خطبات کے آخر میں اس کو رکھا گیا ہے۔ آیت اذا بدلنا اية الخ کا سبب نزول یہ ہے کہ کفار مکہ آنحضرتؐ پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مذاق کرتا ہے کہ ایک بات کا حکم دیتا ہے پھر اس کے خلاف دوسرا حکم دے دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدائی احکام نہیں ہوتے بلکہ اپنے جی سے گھڑ کر کہتا ہے؟ آیت میں اسی کا جواب دیا جارہا ہے۔ آیت من کفر بالله الخ کے متعلق خازنؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت عمار بن یاسرؓ اور ان کی والدہ سمیہؓ اور بلال حبشیؓ اور صہیبؓ رومی اور خبابؓ بن ارت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جن کو اسلام کی خاطر طرح طرح کی اذیتیں اٹھانی پڑیں، سمیہ کو دو انٹوں کے درمیان باندھ کر مارا جاتا تھا یہاں تک کہ ابوجہل نے ان کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر انہیں مار ہی ڈالا اور ان کے شوہر یاسرؓ کو بھی شہید کر دیا گیا اسلام میں سب سے پہلے یہ دو قتل ہوئے۔ عمارؓ سے زبردستی کلمات کفر کہلائے گئے جس کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو ہوئی کہ ان عمارا کفر آپ ﷺ نے فرمایا کلا ان عمارا ملئی ایمانا من قرنه الی قدمه واختلط الایمان بدمه ولحمه یعنی عمار ہرگز

کافر نہیں ہوئے وہ سرتاپا ایمان سے لبریز ہیں ان کے گوشت پوست تک ایمان رچ چکا ہے چنانچہ اس کے بعد جب حضرت عمارؓ روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو ہچکی بندھی ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ اپنے دست مبارک سے ان کے آنسوں پونچھتے جاتے تھے اور فرمایا مالك ان عادوا لك فعد لهم ما قلت گھبرانے کی کوئی بات نہیں بلکہ اگر پھر بھی تمہیں مجبور کریں تو اس بات کے دہرانے کی اجازت ہے۔ آیت ثم ان ربک الخ کا شان نزول یہ ہے کہ ابوجہل کے رضاعی بھائی عیاش بن ربیعہ اور ابوجندل بن سہل بن عمرو اور ولید بن مغیرہ اور سلمہ بن ہشام اور عبداللہ بن اسد ثقفی کو جب مشرکین نے زیادہ ستایا تو انہوں نے کچھ دے دلا کر اپنی جان بچائی اور پھر ہجرت اور جہاد سے مشرف ہوئے رضی اللہ عنہم۔

﴿تشریح﴾:...... **آیت کی جامعیت**:............ فرمان الٰہی ان اللہ یامر الخ کا حاصل یہ ہے کہ تم عدل وانصاف کو اپنا شیوہ بناؤ۔ نیک کرداری میں سرگرم رہو، قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو، فحش کاموں سے بچو، ہر طرح کی برائیوں سے پرہیز رکھو، ظلم وزیادتی سے کبھی آلودہ نہ ہو، جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کے لئے اب تو آزمائش عقائد میں نہ تھی، اعمال میں تھی، اس لئے اس آیت میں عملی زندگی کی تمام مہمات بیان کردیں۔ یہ گویا قرآن کے اس وصف کی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں بیان کیا گیا ہے "تبیانا لکل شیء" اسی لئے مفسرینؒ نے اسے جامع ترین آیت شمار کیا ہے۔

عدل وانصاف:............ عدل تمام محاسن اعمال کی اصل ہے جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگئی کہ جو بات کرنی چاہئے انصاف کے ساتھ کرسکے اس نے سب کچھ پالیا، قوت علمیہ وعملیہ دونوں میں اعتدال پیش نظر رکھنے سے اس میں تمام عقائد اور ظاہری وباطنی اعمال داخل ہوجائیں گے۔ احسان سے یہاں مقصود حسن عمل ہے، جو بات کرو حسن وخوبی کی کرو نیکی اور بھلائی کی کرو، یعنی عمل کی بنیاد بھی بھلائی ہونی چاہئے برائی نہیں۔ جس نے یہ بات پالی اس کے لئے اور کیا باقی رہا۔ پھر جو ہم سے قریب کا رشتہ رکھتے ہیں وہ ہمارے حسن سلوک کے زیادہ حقدار ہیں۔ غرضیکہ عدل عام کے بعد احسان کا حکم دیا گیا۔ جس کا نفع دوررس ہوتا ہے پھر خصوصیت سے اس کے مستحق قرابت دار پائے اسی طرح پہلے عام برائیوں کو روکا۔ پھر ان میں بھی فواحش کی خصوصیت سے ممانعت کی۔ اس طرح تمام منکرات سے روکنے کے مقاصد پورے کردیئے فحش سے مقصود وہ برائیاں ہیں جو حد درجہ کی برائیاں تسلیم کرلی گئی ہیں۔ جیسے زنا، کنجوسی، افتراء پردازی اور منکر میں ہر قسم اور ہر درجہ کی برائیاں آگئیں اور بغاوت میں ہر طرح کی زیادتی آگئی خواہ کسی طرف اور کسی شکل میں کی گئی ہو۔

محاسنِ اخلاق:............ پس جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو جس سے ایسے اعمال ڈھلتے ہوں اور جو ایسی زندگیاں بناتی ہو اگر وہ ہدایت رحمت اور بشارت نہیں ہے تو اور کس نام سے اسے پکارا جاسکتا ہے اس لحاظ سے تبیانا لکل شئ کہنا بالکل صحیح ہوگیا۔ کیونکہ دنیاوی باتیں تو مراد ہی نہیں کہ ان کا معلوم نہ ہونا قابل اعتراض ہو البتہ دینی باتیں ساری آگئیں، کیونکہ جن باتوں کا ثبوت حدیث یا اجماع یا قیاس سے ہے ان تینوں کا حجت ہونا بھی قرآن ہی سے ثابت ہے پس سب باتیں بالواسطہ یا بلاواسطہ گویا قرآن ہی سے معلوم ہوگئیں۔

عہد کی پابندی یا عہد شکنی:............ اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ ایک خاص معاملہ پر زور دیا جو عموماً طرح طرح کی لغزشوں کا باعث ہوتا ہے اور مسلمانوں کو ایک جماعت کی حیثیت سے سب سے زیادہ اس میں سرگرم واستوار ہونے کی ضرورت تھی۔

یعنی ایفائے عہد جب تم نے کسی فرد یا جماعت سے کوئی قول وقرار لیا تو اب یہ قرآن کے نزدیک ''اللہ کا عہد'' ہوگیا۔ ایسا عہد جس کے لئے تم اللہ کے آگے ذمہ دار ہوگئے اگر تم نے اسے پورا نہیں کیا تو اللہ کے آگے جواب دہ ہوگے۔ عہد و میثاق کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ نازک معاملہ، جماعتوں کے معاہدوں کا ہے اور اسی میں اس کی اصلی آزمائش ہے۔ افراد بحیثیت افراد کے بہت کم عہد شکنی کرتے ہیں اور کریں تو ان کی برائیاں شخصی دائرہ سے باہر نہیں جاتی لیکن جماعتیں بہ حیثیت جماعت کے اکثر عہد شکن ہوتی ہیں اور اس کے نتائج سینکڑوں ہزاروں افراد کے حصہ میں آتے ہیں۔ بسا اوقات ایک جماعت کے افراد کبھی گوارا نہیں کرتے کہ اپنی انفرادی زندگی میں عہد شکنی گوارا کریں۔ لیکن اگر انہی لوگوں کو بہ حیثیت ایک جماعت، قوم اور حکومت کے بدعہدی کرنی پڑے تو ایک لحہ کے لئے بھی اس میں تامل نہیں کریں گے اور ایسے جماعتی کام جوئیوں اور فتحمندی کی ایک ہشیاری اور دانش مندی سمجھیں گے۔ خصوصاً اگر بدعہدی کسی ایسی جماعت کے ساتھ کرنی پڑے جس سے دشمنی اور لڑائی ہو۔ آج بیسویں صدی میں دنیا کے متمدن اقوام کا سیاسی اخلاق ہمارے سامنے ہے ان کے جو افراد چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ وہ وعدہ خلاف ثابت ہوں، قومی اور سیاسی معاملات میں ہر طرح کی بدعہدیاں اور خلاف ورزیاں جائز سمجھتے ہیں اور تاریخ کے اوراق کو آج تک اس کی مہلت نہیں ملی ہے کہ سیاسی معاہدوں کی شکست کی افسانہ سرائی سے فارغ ہو جائے۔

زمانۂ جاہلیت اور وفائے عہد:............ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ وفائے عہد کی اخلاقی قیمت سے بے خبر نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے اور اپنے قبیلہ کے مفاخر میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ وفائے عہد ہی کو دیتے تھے لیکن جہاں تک جماعتی معاہدوں کا تعلق ہے وفائے عہد کا عقیدہ کوئی عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا۔ آج اگر ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے معاہدہ کرتا تو کل دیکھتا تھا کہ اگر اس کے مخالف زیادہ طاقت ور ہو گئے ہیں تو بے دریغ ان سے جا ملتا تھا اور اپنے حلیف پر بے تامل حملہ کر دیتا تھا۔ اگر کسی دشمن سے امن کا معاہدہ کرتے اور پھر دیکھتے کہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ہو گیا ہے تو ایک لحہ کے لئے بھی معاہدہ کا احترام انہیں حملہ کر دینے سے نہیں روکتا تھا اور بے خبر دشمن پر جا گرتے۔ لیکن قرآن کریم راست بازی کی جو روح پھونکنا چاہتا تھا وہ ایک لحہ کے لئے بھی یہ بداخلاقی گوارا نہیں کر سکتی۔ اس نے وفائے عہد اور وعدہ کی پابندی کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس درجہ بلند، قطعی بے لچک اور عالمگیر ہے کہ انسانی اعمال کا کوئی گوشہ بھی اس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ قرآن کہتا ہے فرد ہو یا جماعت، ذاتی معاملات ہوں یا سیاسی، عزیز ہو یا اجنبی، ہم مذہب اور ہم قوم ہو یا غیر قوم و مذہب، دوست ہو یا دشمن، امن کی حالت ہو یا جنگ کی، کسی حال میں بھی عہد شکنی جائز نہیں، وہ ہر حال میں جرم ہے۔ اللہ کے ساتھ ایک بات کر کے اسے توڑ دینا ہے اور خود کو عذاب عظیم کا مستحق کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا وفائے عہد پر زور دیا ہے احادیث میں منافق کی یہی پہچان بتلائی گئی ہے کہ اذا وعد اخلف یعنی جب وہ وعدہ کرے گا پورا نہیں کرے گا۔ یہاں خصوصیت سے آیت تتخذون ایمانکم دخلاً بینکم میں جماعتی عہد و قرار کے برقرار رکھنے پر زور دیا ہے۔ پھر آیت کالتی نقضت غزلها الخ میں بدعہدی کی برائی کی مثال دے کر سمجھائی گئی ہے۔ اس کے بعد آیت ولا تشتروا الخ میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی قسموں کو لوگوں کے لئے ٹھوکر نہ بناؤ کیونکہ تم نے اگر بدعہدی کی تو لوگوں کا یقین تم سے اٹھ جائے گا وہ کہیں گے ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں۔ اس طرح نہ صرف بدعہدی کے مجرم ہوگے بلکہ راہ حق سے لوگوں کو روکنے کا باعث بنو گے۔

پاکیزہ زندگی:............ حیات طیبہ سے مراد یہ نہیں کہ اس کو بیماری یا مفلسی کبھی نہیں ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اطاعت کی برکت

سے اس کے دل میں ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ہر حال میں صابر وشاکر تسلیم ورضا کا پیکر بنا رہے گا اور ساری دل جمعی کی اصل یہی رضا ہے اور استعاذہ میں قرآن کی تخصیص کا نکتہ یہ ہے کہ تمام اعمال کی نسبت قرآن کریم میں شیطانی تصرف اور وسوسہ اندازی کا سب سے کم احتمال ہے، جیسا کہ ارشاد ہے "**لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ**" بلکہ بعض آیتوں اور سورتوں میں شیطان کے بھاگ جانے کی خصوصی تاثیرات منقول ہیں پس یہ بتلانا ہے کہ جب ایسے بہترین عمل میں بھی استعاذہ کا حکم ہے تو دوسرے اعمال میں بدرجہ اولیٰ استعاذہ ضروری ہوگا اور استعاذہ سے جو مقصود اصلی توکل ہے اس کے اعتبار سے یہ حکم اپنے حقیقی معنی وجوب پر ہے اور قابو میں آنے نہ آنے کا ماحصل گناہ کراسکنا یا نہ کراسکنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے کے لئے **اعوذباللہ** پڑھنا ضروری ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ جمہورؒ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور بعض کے نزدیک وجوبی ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر فرض ہے اور امت کے لئے مستحب ہے۔ اس سلسلہ میں اگرچہ مختلف صیغے مروی ہیں۔ ابن مسعودؓ کی روایت میں **اعوذباللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** منقول ہے اور بعض روایتوں میں **اعوذباللہ السمیع العلیم وبوجہہ الکریم من الشیطان الرجیم** کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن مشہور اور آیت کے زیادہ قریب **اعوذباللہ من الشیطان الرجیم** ہے اور نماز کی حالت میں **اعوذباللہ** آہستہ پڑھنی چاہئے۔ لیکن نماز کے علاوہ اگر قرآن زور سے پڑھا جارہا ہے تو **اعوذباللہ** بھی زور سے پڑھنا چاہئے ورنہ آہستہ پڑھنی چاہئے۔ اور صاحب ہدایہؒ آیت **فاذا قرأت الخ** سے استدلال کر رہے ہیں کہ **اعوذباللہ**، **سبحانک اللّٰھم** کے بعد پڑھنی چاہیے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک صرف پہلی رکعت میں اور شوافع کے نزدیک ہر رکعت میں **اعوذباللہ** پڑھنی چاہئے اور بظاہر آیت سے شوافع کی تائید نکل رہی ہے۔ اس لئے قاضی بیضاویؒ یہ کہتے ہیں۔ کہ شرط کا بار بار ہونا قیاساً حکم کے بار بار ہونے کو چاہتا ہے۔ اس لئے آیت کی رو سے ہر رکعت میں **اعوذباللہ** پڑھنی چاہئے۔ لیکن حنفیہ کی طرف سے کہا جاسکتا ہے کہ **اذا قرأت الخ** میں لفظ اذا مہملہ ہے جو حکم میں جزئیہ کے ہوتا ہے۔ پس حکم کا کلی ہونا ثابت نہ ہوا۔

اعجمی کے معنی جس طرح غیر عربی کے آتے ہیں اسی طرح غیر واضح اور سمجھ میں نہ آنے والے کلام پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اگرچہ عربی ہو اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اس شخص کی تقریر خود کافی اور روانی نہیں ہے۔ بہر حال اس آیت **ومن کفر** سے معلوم ہوا کہ جبریہ حالت میں زبان سے کلمات کفر کہنے کی اگرچہ اجازت ورخصت ہے بشرطیکہ دل میں ایمان کی اطمینانی کیفیت ہو۔ لیکن عزیمت اور فضیلت کی بات یہ ہے کہ جان پر کھیل جائے مگر کفریہ کلمہ نہ کہے۔ ایسی موت شہادت کی موت کہلائی گی۔ چنانچہ روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دو صحابیوں کو پکڑا اور ایک سے پوچھا کہ محمد کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ رسول اللہ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ میرے متعلق کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو بھی یہ سن کر مسیلمہ نے انہیں چھوڑ دیا۔ دوسرے صحابیؓ سے جب پوچھا کہ محمد کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ کہا کہ رسول اللہ ہیں اس نے پوچھا کہ میرے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہنے لگے میں اونچا سنتا ہوں اس لئے میں نے سنا نہیں۔ اس نے تین دفعہ پوچھا۔ انہوں نے تینوں دفعہ یہی جواب دیا جس پر جل کر مسیلمہ نے انہیں قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ پہلے نے تو رخصت پر عمل کیا ہے لیکن دوسرے نے حق پر جان فدا کر دی ہے۔ "**فھنیئا لہ**" صاحب ہدایہؒ کتاب الاکراہ میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو جان جانے کا خطرہ ہو یا کسی عضو کے تلف کر دیئے جانے کا اندیشہ ہو تو اسے ایمان اپنے دل میں رکھ کر کلمات کفر زبان سے ادا کرنا جائز ہے۔ حدیث عمارؓ کی وجہ سے اور اس آیت اکراہ کی وجہ سے۔ لیکن اگر صبر کر کے شہید ہو جائے تو مستحق ثواب ہوگا۔ چنانچہ حضرت خبیبؓ کو آنحضرت نے سید الشہداء فرمایا تھا جب کہ انہیں سولی دی گئی تھی اور "**ھو رفیقی فی الجنۃ**" فرمایا۔ اسی لئے اصولیوں نے رخصت کی اس قسم کو کامل طور پر

حقیقی قرار دیا ہے۔ کیونکہ محرم اپنے حکم سمیت باقی ہے اور پھر بھی کلمہ کفر کہنے کی رخصت ہے۔ پس جب عزیمت بھی مکمل ہے تو رخصت بھی اسی درجہ کی ہونی چاہیئے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دل میں ایمان نہیں ہوگا تو کلمہ کفر ادا کرنے سے کافر ہو جائے گا خواہ زبردستی یا ویسے ہی نادانی اور مذاق سے کہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کے لئے اقرار زبانی اور تصدیق جنانی (قلبی) دونوں ضروری ہیں۔ البتہ مجبوری کی حالت میں زبانی اقرار معاف بھی ہوسکتا ہے۔ مگر قلبی تصدیق کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوسکتی۔ گویا ایمان کی رکنیت کا اول درجہ قلبی تصدیق ہے اور زبانی اقرار دوسرے نمبر پر ہے کہ ظاہری ایمان کے لئے۔ بشرطیکہ اکراہ کی حالت نہ ہو ضروری ہے مگر باطنی ایمان کے لئے ضروری نہیں اور اعمال صالحہ فی نفسہ تو ضروری ہیں۔ مگر جز ایمان نہیں ہیں کہ ان کے بغیر نجات ہی نہ ہوسکے۔ ہاں کمال نجات یقیناً ان کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو حضرات ایمان کے لئے صرف قلبی تصدیق کو کافی سمجھتے ہیں یا صرف اقرار زبانی کو کافی سمجھتے ہیں یا اقرار زبانی اور تصدیق جنانی اور عمل ارکانی تینوں ایمان کے لئے ضروری کہتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ آیت **ان ربك من بعدها لغفور رحیم** سے اہلسنت کے مسلک پر معتزلہ کی طرف سے کوئی شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ بقول اہل سنت نفس نجات اور رحمت اگر چہ صرف ایمان لانے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن کامل رحمت کے عالی درجات کے لئے عادۃً اور اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ پس اگر اس آیت میں نفس رحمت بھی مراد ہو تب بھی نجات ومغفرت کے لئے مجموعی طور پر ایمان واعمال کے سبب ہونے سے یہ لازم آتا کہ یہ مجموعہ شرط نجات بھی ہو جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے۔

لطائفِ آیات:............آیت **ان اللہ یامر بالعدل الخ** اصول اخلاق کی جامع ہے۔ آیت **ما عندکم ینفد الخ** میں آخرت کا دنیا کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہونا ظاہر ہے۔ **فلنحیینہ حیاۃ طیبۃ الخ** کے ذیل میں بعض اہل دل کا قول ہے کہ محبوب کے ساتھ جو زندگی ہو وہ حیاتِ طیبہ ہے اور اولیاء اللہ کو دنیا میں بھی یہ دولت میسر ہوتی ہے۔ آیت **انہ لیس لہ سلطان الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگر غالب آنا چاہے تو اس پر شیطان کا ذرا بھی زور نہیں چل سکتا۔ آیت **ولکن من شرح الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ میں بھی شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ وسوسہ اختیاری ہوتا ہے بلکہ اکراہ کی بے بسی سے بھی اس کی بے اختیاری بڑھی ہوئی ہے۔ اس لئے وساوس قطعاً قابل التفات اور مذموم نہیں ہیں۔ آیت **ذلك بانھم الخ** سے حب دنیا کا مذموم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب کہ دنیا کی محبت آخرت کی محبت پر راجح ہو ورنہ دنیا کی محبت طبعی قابل ملامت نہیں ہے۔

اُذْکُرْ یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ تُحَاجُّ **عَنْ نَّفْسِہَا** لَا یُھِمُّھَا غَیْرُھَا وَھُوَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ **وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ** جَزَاءَ **مَّا عَمِلَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾** شَیْئًا **وَضَرَبَ اللہُ مَثَلًا** وَیُبْدَلُ مِنْہُ **قَرْیَۃً** ھِیَ مَکَّۃُ وَالْمُرَادُ اَھْلُھَا **کَانَتْ اٰمِنَۃً** مِنَ الْغَارَاتِ لَا تَھَاجُ **مُّطْمَئِنَّۃً** لَاتَحْتَاجُ اِلَی الْاِنْتِقَالِ عَنْھَا لِضِیْقٍ اَوْ خَوْفٍ **یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا** وَاسِعًا **مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللہِ** بِتَکْذِیْبِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **فَاَذَاقَھَا اللہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ** فَقُحِطُوْا سَبْعَ سِنِیْنَ **وَالْخَوْفِ** بِسَرَایَا النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْھُمْ** مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ **فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَھُمُ**

الْعَذَابُ الْجُوْعِ وَالْخَوْفُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا
وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ
وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا
تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ اَیْ لِوَصْفِ اَلْسِنَتِكُمْ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِمَا لَمْ يُحِلَّهُ اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهُ لِّتَفْتَرُوْا
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بِنِسْبَتِهٖ ذٰلِكَ اِلَيْهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ لَهُمْ مَتَاعٌ
قَلِيْلٌ فِي الدُّنْيَا وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ مُؤْلِمٌ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا اَيِ الْيَهُوْدُ حَرَّمْنَا مَا
قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ فِيْ اٰيَةِ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ اِلٰى اٰخِرِهَا وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
بِتَحْرِيْمِ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ بِارْتِكَابِ الْمَعَاصِي الْمُوْجِبَةِ لِذٰلِكَ ثُمَّ اِنَّ
رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ الشِّرْكَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا رَجَعُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا عَمَلَهُمْ اِنَّ
رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا اَيِ الْجَهَالَةِ اَوِ التَّوْبَةِ لَغَفُوْرٌ لَهُمْ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ بِهِمْ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً اِمَامًا قُدْوَةً
جَامِعًا لِخِصَالِ الْخَيْرِ قَانِتًا مُطِيْعًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا مَائِلًا اِلَى الدِّيْنِ الْقَيِّمِ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾
شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اِجْتَبٰهُ اِصْطَفَاهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِيْهِ اِلْتِفَاتٌ عَنِ الْغَيْبَةِ فِي
الدُّنْيَا حَسَنَةً هِيَ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ فِيْ كُلِّ اَهْلِ الْاَدْيَانِ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ اَلَّذِيْنَ
لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰى ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ دِيْنَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ كَرَّرَ رَدًّا عَلٰى زَعْمِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اَنَّهُمْ عَلٰى دِيْنِهٖ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ فُرِضَ
تَعْظِيْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ عَلٰى نَبِيِّهِمْ وَهُمُ الْيَهُوْدُ اُمِرُوْا اَنْ يَّتَفَرَّغُوْا لِلْعِبَادَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالُوْا لَا
نُرِيْدُهٗ وَاخْتَارُوا السَّبْتَ فَشُدِّدَ عَلَيْهِمْ فِيْهِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ مِنْ اَمْرِهٖ بِاَنْ يُّثِيْبَ الطَّائِعَ وَيُعَذِّبَ الْعَاصِيَ بِاِنْتِهَاكِ حُرْمَتِهٖ اُدْعُ النَّاسَ يَا مُحَمَّدُ اِلٰى
سَبِيْلِ رَبِّكَ دِيْنِهٖ بِالْحِكْمَةِ بِالْقُرْاٰنِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ مَوَاعِظِهٖ اَوِ الْقَوْلِ الرَّفِيْقِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ
اَيْ بِالْمُجَادَلَةِ الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ كَالدُّعَاءِ اِلَى اللّٰهِ بِاٰيَاتِهٖ وَالدُّعَاءِ اِلٰى حُجَجِهٖ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ اَيْ
عَالِمٌ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ فَيُجَازِيْهِمْ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ وَنَزَلَ لَمَّا
قُتِلَ حَمْزَةُ وَمُثِّلَ بِهٖ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَاٰهُ لَاُمَثِّلَنَّ بِسَبْعِيْنَ مِنْهُمْ مَكَانَكَ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُم بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ عَنِ الْاِنْتِقَامِ لَهُوَ اَیِ الصَّبْرُ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ﴿۱۲۶﴾ فَكَفَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَّرَ عَنْ یَمِیْنِهٖ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ بِتَوْفِیْقِهٖ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ اَیِ الْكُفَّارِ اِنْ لَمْ یُؤْمِنُوْا لِحِرْصِكَ عَلٰی اِیْمَانِهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ﴿۱۲۷﴾ اَیْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ فَاَنَا نَاصِرُكَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِیَ وَالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴿۱۲۸﴾ بِالطَّاعَةِ وَالصَّبْرِ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ

۱۶ ع ۲۲

ترجمہ:............ (اور وہ وقت یاد کیجئے) جس دن ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو (حجت بازی) کرتا ہوا آئے گا (اسے کسی دوسرے کی پرواہ نہیں ہوگی، یہ قیامت کا دن ہوگا) اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر (کسی درجہ میں بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ یہ عجیب حالت بیان فرماتے ہیں (آگے بدل ہے) ایک بستی تھی (یعنی مکہ، مراد اہل مکہ ہیں) جہاں ہر طرح کا امن چین تھا (لوٹ مار نہیں ہوتی تھی) اطمینان تھا (کسی تنگی یا خوف کی وجہ سے کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی) ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں لیکن پھر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی (نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا) اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط میں گھیر کر مزہ چکھادیا (سات سال قحط میں مبتلا رہے) اور ان پر خوف چھا گیا (نبی کریم ﷺ کی طرف سے لشکر کشی کا خطرہ رہنے لگا) ان کی حرکتوں کی پاداش میں اور پھر خود انہی میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) بھی ان کے پاس آگیا مگر انہوں نے اسے جھٹلایا۔ تب انہیں (بھوک اور خوف کے) عذاب میں پکڑا۔ جب کہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھنے لگے۔ پس چاہیئے کہ اللہ نے جو رزق (اے مسلمانوں!) تمہیں عطا کیا فرمایا ہے اسے شوق سے کھاؤ۔ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں اور اللہ کی نعمت کا شکر بھی بجالاؤ اگر فی الحقیقت تم صرف اسی کے پجاری ہو تم پر تو صرف مردار جانور، لہو، سور کا گوشت اور وہ جانور جسے خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے نامزد کر دیا گیا ہو، حرام کئے گئے ہیں۔ پھر جو شخص بالکل بیقرار ناچار ہو جائے بشرطیکہ لذت کا طلبگار نہ ہو اور نہ حد سے گزر جانے والا ہو تو اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے اور جن چیزوں کے بارہ میں محض تمہارا جھوٹا دعویٰ ہو (تمہاری زبان پر جھوٹی بات ہو) ان کی نسبت بے دھڑک یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے (حالانکہ اللہ نے نہ اسے حلال قرار دیا ہے اور نہ حرام) جس کا حاصل اللہ پر جھوٹی تہمت لگانا ہے (جھوٹ کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) بلاشبہ جو لوگ اللہ پر افتراء پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں ہیں۔ یہ چندروزہ عیش ہے (دنیا میں رہتے ہوئے) لیکن (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور صرف یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کردی تھیں۔ جن کا بیان ہم اس سے پہلے آپ سے کر چکے ہیں (آیت وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر الخ میں) اور ہم نے ان پر کچھ زیادتی نہیں کی (یہ چیزیں حرام کر کے) بلکہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرتے رہے (ایسی برائیاں کیں جو اس کو حرام کرنے کا سبب بنیں) ہاں! جو لوگ نادانی سے برائیوں (شرک) میں پڑ گئے۔ لیکن اس کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کے بعد اپنی (عملی) حالت سنوار لی تو بلاشبہ آپ کا پروردگار اس صورت حال کے بعد ضرور بخشنے والا، رحمت فرمانے والا ہے۔ بے شک ابراہیمؑ بڑے مقتداء تھے (امام، پیشوا، بہترین خوبیوں کے مالک) اللہ تعالیٰ کے پورے فرمانبردار، بالکل اللہ کی طرف کے ہو رہے تھے (دین قیم کی طرف جھک گئے تھے) اور شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ تھے وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والے تھے۔ اللہ نے انہیں برگزیدہ (منتخب) کر کے چن لیا تھا اور سیدھے راستے پر لگا دیا تھا اور ہم نے (اس میں صیغہ غائب سے التفات پایا گیا ہے) دنیا میں بھی انہیں خوبیاں دیں تھیں (ہر

مذہب میں ان کی عزت ہوئی) اور آخرت میں بھی وہ بہترین لوگوں میں شمار ہوں گے (جن کے لئے بلند مراتب تجویز ہوں گے) پھر ہم نے (اے محمد :) آپ کے پاس وحی بھیجی کہ ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کیجئے جو بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے (یہ بات یہود و نصاریٰ کے اس خیال کو رد کرنے کے لئے دہرائی گئی ہے کہ وہ ابراہیم کو اپنے اپنے مذہب پر بتلاتے تھے) پس ہفتہ کے دن کی تعظیم تو صرف ان لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنہوں نے اس بارہ میں خلاف ورزی کی تھی (اپنے پیغمبر کی یعنی یہودی جنہیں جمعہ کے دن عبادت کے لئے فارغ رکھنے کا حکم ملا تھا۔ لیکن انہوں نے جمعہ کی بجائے ہفتہ کا دن پسند کیا۔ تو اس وجہ سے ان پر سختی کی گئی) اور بلاشبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے (یعنی اللہ کے حکم کے مطابق، چنانچہ فرمانبرداروں کو ثواب اور گنہگاروں کو عذاب ملے گا) آپ (اے محمد ! لوگوں کو) اپنے پروردگار (کے دین) کی طرف بلائیے، حکمت (قرآن) اور اچھی نصیحتوں (وعظ یا نرم باتوں) کے ذریعہ اور اچھے طریقہ سے بحث کیجئے (جیسے اللہ کی نشانیوں اور دلائل کی طرف لوگوں کو بلانا) تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک رہا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون راہ راست پر ہے (چنانچہ وہی لوگوں کو بدلہ دے گا۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔ حضرت حمزہؓ کو قتل کر کے جب مثلہ کیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ ہم بھی ستر (۷۰) کفار کا مثلہ کر کے تمہارا بدلہ لیں گے۔ (تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) اور مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو تو ویسی ہی اور اتنی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے اور اگر تم نے (انتقام لینے سے) صبر کیا تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لئے یہ (صبر) ہی بہتر ہے (چنانچہ نبی کریم ﷺ اپنے ارادہ سے باز رہ گئے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا، جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے) آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کھائیے (کفار اگر ایمان نہ لائیں تو ان کے ایمان کی طمع میں غم نہ کیجئے) اور نہ ان کی مخالفانہ کارروائیوں سے دل تنگ ہو جیئے (یعنی ان کی تدبیروں کی پرواہ مت کیجئے کیونکہ ہم آپ کے پشت پناہ ہیں) یقیناً اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (کفر و گناہ سے) پرہیز کرتے ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں (نیکی اور صبر میں اور اللہ کا ساتھ ہونا بلحاظ مدد کے ہے)۔

تحقیق وترکیب:......... **تجادل عن نفسها** تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ قیامت میں ہر شخص حتی کہ انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکارتے ہوں گے۔ صرف آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر امتی امتی ہوگا۔ اس آیت میں پہلے نفس سے مراد انسان ہے جو جسم وروح اور حقیقت سے مرکب ہے۔ لیکن دوسرے نفس سے مراد صرف جسم وروح سے مرکب مجموعہ ہے۔ پس دونوں میں اعتباری فرق رہے گا۔ **قریة** مشہور یہ ہے کہ اس سے مکہ معظمہ مراد ہے کیونکہ آیت میں جو چھ خصلتیں ذکر کی گئی ہیں وہ اہل مکہ میں پائی جاتی ہیں اس صورت میں آیت کو مدنی کہا جائے گا۔ لیکن حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ فرماتی ہیں مدینہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک عام بستی مراد ہے اور یہی صحیح ہے تعیین غیر ضروری ہے۔ **لباس الجوع** بھوک اور خوف کو بطور استعارہ لباس سے تعبیر کیا گیا ہے مبالغہ کے لئے۔ **امة** حضرت ابراہیم کو جامع کمالات ہونے کے اعتبار سے امة کہا گیا ہے گویا کہ وہ تنہا اپنی ذات سے پوری انجمن تھے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ چونکہ تنہا وہی مومن تھے اور باقی سب لوگ کافر تھے اس لئے انہیں امة کہا گیا ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ فعلة بمعنی مفعول ہے۔ جیسے **رحلة وبغية** پس امت کے معنی مبتداء کے ہوئے۔ شریعت وملت فاضل خیالی کے نزدیک دونوں متحد بالذات اور مختلف بالاعتبار ہیں۔ کیونکہ شریعت بلحاظ اطاعت کے ہے اور ملت بلحاظ کتابت کے کہلاتی ہے۔ **بالحکمة** زمخشریؒ قاضی بیضاویؒ وغیرہ اس کے معنی دلیل واضح اور محکم کے کرتے ہیں۔ **مجادلة** بجائے اظہار حق کے اگر مخالف کو صرف الزام دینا ہو تو اسے مجادلہ کہتے ہیں لیکن یہاں مجادلہ حسنہ سے مراد ایسی دلیل ہے جو مشہور اور مسلم مقدمات سے مرکب ہو۔ **وان عاقبتم** اس میں قصاص کی برابری سمجھ میں آتی ہے لیکن بعض کی

رائے ہے کہ لاقود الا بالسیف بالعون والنصر اس کا تعلق مع الذین سے ہے۔

ربط آیات: ....آیت یوم تاتی الخ میں کفر کی اخروی سزا کا بیان ہے اور آیت وضرب اللہ الخ میں کفر پر دنیاوی سزا کا بیان ہے آگے آیت فکلوا مما رزقکم اللہ الخ میں بطور تفریع کے کفر وشرک کی بعض رسوم کو بیان کیا جا رہا ہے یعنی بغیر حکم الٰہی کے اپنی طرف سے کفار کسی چیز کو حلال حرام کر دیتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ خدا پر غلط بہتان طرازی ہے۔ اس کے بعد آیت ثم ان ربک میں یہ بتلانا ہے کہ ایمان وتوبہ سے کفر معاف ہوسکتا ہے آگے آیت ان ابراھیم الخ سے حضرت ابراہیمؑ کا مسلک اور مشرب واضح کرنا ہے جو ان کفار اور یہود ونصاریٰ سب کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ سب کے مسلمہ بزرگ ہیں البتہ آنحضرتؐ اپنے جد امجد کے ہم مسلک وہم مشرب ہیں، گویا ان میں سے کسی ایک کا اقرار یا انکار دوسرے کے انکار اقرار کے ہم معنی ہے غرضیکہ دوسروں سے آپ کی رسالت کے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ ہے۔ آگے آیت ادع الی سبیل الخ میں خود آنحضرتؐ کو رسالت کے حقوق وآداب کی تعلیم ہے بالخصوص مقابل سے عدل وانصاف قائم رکھنے کا حکم جس میں آپؐ کی امت بھی اس خطاب میں شریک ہے کیونکہ انتقام کے وقت عادۃً دوسروں کی شرکت ضروری ہوتی ہے برخلاف تبلیغ ودعوت وغیرہ احکام مذکورہ کے وہ تنہا پیغمبر ہی انجام دے سکتا ہے۔

﴿تشریح﴾: ....**بہترین بستی بدترین بستی بن گئی:** ....آیت وضرب اللہ میں جس بستی کا ذکر ہے اس کی تفسیر میں مفسرینؒ کی دو رائیں ہیں یا تو یہ مضمون، مکہ والوں کو سنانا ہے اور کسی خاص بستی کی کوئی تعیین نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی باتیں بہت سے کافروں کی بستیوں میں پیش آچکی تھیں۔ چنانچہ جب مکہ والوں نے اس سے سبق حاصل نہ کیا اور برابر کفر پر جمے رہے تو قحط سالی میں مبتلا ہوئے اور مسلمانوں کی طرف سے ہر وقت کے خطرہ میں الگ پھنسے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اہل مدینہ کو سنانا ہے کہ مکہ والوں کی حالت سے سبق حاصل کرو، اس صورت میں بستی سے مراد مکہ ہوگا اور آیت مدنی ماننی پڑے گی۔ تاہم گناہ اور کفر پر دنیاوی سزا کا ہونا لازم اور ضروری نہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ دنیا میں صریح سزا نہیں ہوتی اور یوں تو خدا کا قہر اور ناراضگی خود بہت بڑی سزا ہے، مگر مخفی سزا ہے، بہرحال دوام سزا کا دعویٰ نہیں اس لئے کوئی شبہ نہیں، مقصود صرف ڈرانا ہے جس میں احتمالی ضرر بھی کافی ہے۔ البتہ اخروی سزا یقینی اور لازم ہے۔ امن کی حقیقت تو یہ ہے کہ دشمن وغیرہ کا خطرہ ٹل جائے اور اطمینان اس امن کا اثر ہوتا ہے یعنی جب خوف نہیں رہے گا تو سکون قلب ہو جائے گا۔ یہی فرق ہے امن اور اطمینان میں۔

حرام وحلال کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے: ....آیت ولا تقولوا لما تصف الخ میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنی زبانوں کو جھوٹ کے لئے بے لگام نہ چھوڑ دو کہ جس چیز کو چاہا اپنی رائے اور قیاس سے حرام ٹھہرا دیا۔ جس چیز کو چاہا حلال کہہ دیا۔ حلال وحرام ٹھہرانے کا حق تو صرف وحی الٰہی کو ہے اور تمہارے پاس اپنے اوہام وآراء کے سوا کوئی وحی کی روشنی نہیں جو قرآن کے خلاف پیش کرسکو۔ پس یہ آیت ان لوگوں کے خلاف قطعی حجت ہے جو محض اپنے گھڑے ہوئے قیاسوں کی بناء پر بغیر شرعی استناد کے جس چیز کو چاہتے ہیں حرام ٹھہرا دیتے ہیں اگرچہ نص صریح اس کے خلاف موجود ہو۔ کفار اگرچہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے کے دو جرموں میں مبتلا تھے۔ لیکن آیت انما جعل السبت الخ میں صرف حلال کو حرام کرنے کے جرم کی طرف اشارہ کیا ہے ممکن ہے اس

تخصیص کی وجہ یہ ہو کہ اس حرام کرنے میں شرک کا شائبہ پایا جاتا تھا کیونکہ بتوں کی تعظیم اس حرام کرنے کا باعث تھی۔ برخلاف حرام کو حلال کرنے کے کہ وہاں ایک مستقل غلطی تھی بتوں کی تعظیم کو اس میں کچھ دخل نہیں تھا۔

خلیل اللہ کی راہ:............مشرکین عرب اپنے اوہام وخرافات کو حضرت ابراہیم علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ آیت وان ابراھیم الخ میں اس کی تردید وتغلیط کرنی ہے کہ حضرت ابراہیم کی راہ تو وہی راہ تھی جس کی طرف پیغمبر اسلام دعوت دے رہے ہیں۔ ایک اور شبہ جو حلت اور حرمت کے بارہ میں کیا گیا تھا۔ یہ تھا کہ ہفتہ کے دن کا شکار یہودیوں پر حرام کر دیا گیا تھا پھر کیوں قرآن اس سے نہیں روکتا؟ فرمایا کہ یہودیوں کو جو اس سے روکا گیا تھا تو اس لئے نہیں کہ ہفتہ کے دن حلال جانور شکار کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے بلکہ یہ ان کے اختلاف اور نافرمانی کی ایک سزا تھی۔ یعنی جب انہوں نے ہفتہ کے احکام کی تعمیل نہ کی اور حیلے بہانے نکال کر شکار کرنے لگے تو سرے سے شکار کا گوشت اور شکار ہی حرام قرار دے دیا گیا ہے۔

دعوتِ حق کا طریقہ:............آیت ادع الی سبیل الخ میں دعوت حق کا طریقہ واضح کیا جا رہا ہے۔ فرمایا وہ سرتا سر حکمت اور موعظتِ حسنہ ہے۔ حکمت یعنی دانائی کی باتیں موعظت حسنہ یعنی پند ونصیحت کی باتیں جو حسن وخوبی کے ساتھ کی جائیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر بحث ونزاع کرنی پڑے تو کر سکتے ہو لیکن ایسی ہی بحث ونزاع جو نہایت اچھے طریقہ پر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کا طریقہ حکمت اور موعظت کا ہے اور بحث ونزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو۔ پس جو بحث ونزاع احسن طریقہ پر نہ ہو۔ وہ دعوت حق نہیں۔ احسن طریقہ یہ ہے کہ مقصود طلب حق ہو اپنی بات کی پچ نہ ہو مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو، اسے باتوں سے ہرانا نہ ہو، اگر وہ چپ ہو گیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا تو بحث سے کیا فائدہ ہوا؟ ایسا انداز، ایسا طریق گفتگو، ایسا لب ولہجہ، اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کئے جائیں، جو مخالف کے دل کو دکھ پہنچانے والے ہوں یا اسے سننے والوں کی نظروں میں ذلیل ورسوا کرنے والے ہوں، کیونکہ اگر بحث سے مقصود دعوت حق نہیں تو مخاطب کے دل کو نرمی ومحبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہئے نہ یہ کہ صدمہ پہنچانا، ضد میں لانا اور جوش نفرت سے بھر دینا۔

دینی راہ دنیوی راہ کی طرح جھگڑے اور دنگے کی راہ نہیں ہے:............بدقسمتی سے دنیا میں طلب حق کی راہ بھی جھگڑے اور دنگے کی راہ بن گئی ہے۔ ہم اپنے دنیوی اغراض ومقاصد کے لئے لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا پیش آجاتا ہے تو صرف اپنی جیت ہی کے لئے لڑتے ہیں۔ اس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق وانصاف کیا ہے؟ اکثر اوقات خود ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہم برسر حق نہیں ہیں اور انصاف مخالف کے ساتھ ہے۔ لیکن چونکہ اپنا مطلب کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہوتا ہے اس لئے کبھی اعتراف حقیقت کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ حق وانصاف ہم سے جس قدر الگ ہوتا جاتا ہے بحث ونزاع کی سرگرمی اتنی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ اگر ہمارا مقدمہ سب سے زیادہ کمزور ہوگا تو ہم خیال کریں گے کہ ہماری بحث ونزاع کی سرگرمی سب سے زیادہ ہونی چاہئے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ کم از کم دین کے معاملہ میں ہم ایسا نہ کرتے۔ دنیوی معاملات میں کچھ نہ کچھ لینا دینا ہوتا ہے اس لئے غرض پرست آدمی اپنی بات کی پچ کرتا ہی رہے گا۔ لیکن دین کی راہ لین دین کی راہ نہیں، سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے اور جوں ہی ہم نے کسی بات کو سچ نہ سمجھ کر بھی سچ ثابت کرنا چاہا دین کی راہ نہ رہی بلکہ اس کی ضد ہو گئی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی

جھوٹ کا کاروبار بنادیا ہے ہم دین کے بارے میں بھی ٹھیک اسی طرح جھگڑتے ہیں جس طرح دنیا کے معاملات میں۔ ہم جب کبھی کسی سے بحث کرتے ہیں تو ہمارے وہم وگمان میں بھی یہ خیال نہیں گزرے گا کہ اس راہ میں اصل مقصود طلب حق ہے اور جوں ہی حق سامنے آجائے ہمارا فرض ہے کہ اعتراف کرلیں بلکہ بحث کریں گے ہی اس لئے کہ اپنی اور اپنے فریق کی بات منوانی ہے اور خواہ کچھ ہو فریق مخالف کو ہرانا ہے اگر دیکھیں گے کہ حق اور معقولیت ہمارے ساتھ نہیں ہے تو غیر متعلق باتوں پر زور دینے لگیں گے بدزبانی پر اتر آئیں گے مارنے مرنے کے لئے تیار ہوجائیں گے اور پھر کہیں گے کہ ہم جیت گئے۔

کٹ حجتی قرآن کا طریقہ نہیں ہے:......... قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ جدل کا طریقہ ہے دعوت کا طریقہ نہیں ہے اور دین کی راہ دعوت کی راہ ہے جدل کی راہ نہیں ہے اگر جدل کرنا ہی پڑے تو صرف اسی حالت میں کیا جاسکتا ہے کہ احسن طریقہ پر ہو یعنی راست بازی، دیانت داری، شیریں زبانی، اور شائستگی کے ساتھ کیا جائے اس کے بعد فرمایا **وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم الخ** یعنی اگر مخالف، ناحق کوشی میں سرگرم ہے اور سختی اور زیادتی پر اتر آیا ہے تو ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ تم بھی آپے سے باہر ہوجاؤ ایسا کرنا راستبازی کا طریقہ نہ ہوگا بلکہ ایک برائی کے جواب میں دوسری برائی کا ارتکاب ہوگا جو ممکن ہے پہلی سے بھی زیادہ سخت برائی ہوجائے بہتری تو اس میں ہے کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو، جھیل جاؤ، پرواہ نہ کرو، بخش دو، اسی میں تمہاری اصل جیت ہے۔ لیکن اگر طبیعت پر قابو نہیں پاتے اور سختی کا جواب سختی سے دینا چاہتے ہو تو پھر انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے، جتنی اور جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہے ویسی ہی اور اتنی ہی تم بھی کرلو، اس سے آگے نہ بڑھو، ذرا بھی بڑھے تو یہ ظلم ہوگا اور ظلم راستی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، غور کرو، قرآن کا محض ایک لفظ یا ایک ترکیب کس طرح مقاصد اور وسائل کے فیصلے کردیا کرتی ہے؟

بدلہ لینے کی اجازت اور اس کی حد:......... **وان عاقبتم الخ** میں **ادع الی سبیل ربك** کی طرح بدلہ لینے اور سختی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو تو تمہیں حد سے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے، محض اجازت ہے۔ یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کرسکتا جو اس بارہ میں بہتری اور خوبی کا اصلی مقام ہے جھیل جانا اور بخش دینا تو پھر اسے بدلہ کی اجازت دے دی گئی ہے۔ لیکن اس اجازت کو مماثلت کے ساتھ مقید کردیا ہے تاکہ زیادتی کا دروازہ بالکلیہ بند ہوجائے۔ اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں بہتری تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور معاف کردو۔ رخصت واجازت اس کی بھی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے اتنی ہی تم بھی کرلو، اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔

قرآنی اصطلاح معقولی اصطلاح سے بدلی ہوئی ہے:......... حکمت اور موعظت حسنہ اور جدال کی جو تقریر کی گئی یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے بہ نسبت اس کے ان الفاظ کو اصطلاحی طور پر برہان اور جدل وخطابیہ قرار دیا جائے، جیسا کہ کبیر میں کہا گیا ہے کیونکہ اول تو اس میں تکلف کرنا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ پھر ان تینوں لفظوں حکمت، موعظت، جدال کے مخاطب الگ الگ قسم کے لوگ ماننے پڑیں گے۔ حالانکہ سیاق سے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے۔ اصل حکمت میں قطعی دلائل ہیں جنہیں برہان کہا جاتا ہے ظاہراً قرآن میں خطابی عادی اور ظنی دلائل استعمال کئے گئے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ کسی ایسے دعویٰ پر ظنی استدلال نہیں کیا گیا جس پر برہانی دلیل قائم نہ ہو بلکہ سب ہی دعوے برہانی ہیں البتہ سننے والوں کی سہولت اور رعایت سے ایسے عنوانات اختیار کئے گئے ہیں جن سے طبائع مانوس

ہوں اس لئے اب کسی کو یہ شبہ نہیں کرنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے استقراء وغیرہ کو حجت سمجھا ہے اور اسی وجہ سے اہل قرآن، مخالف کے ایسے استدلالات پر بے تکلف کلام کرنے کا حق رکھتے ہیں جب تک کہ وہ کوئی برہانی دلیل پیش نہ کریں۔ اور **وما صبرك الا باللہ** کا مطلب یہ ہے کہ بغیر خاص توفیق الٰہی کے اگر چہ کوئی شخص بھی صبر اور کوئی نیک کام بھی نہیں کرسکتا لیکن آنحضرت ﷺ کی تخصیص، مراتب توفیق کے اعتبار سے ہے۔ یعنی نفس توفیق تو سب میں مشترک ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص قسم کی اور سب سے زائد عنایت وتوفیق شامل ہوتی ہے اور وہی ان کے کاموں میں مؤثر ہوتی ہے۔

لطائف آیات:............آیت **فکفرت بانعم اللہ الخ** کے قریب بلاء میں بہت سے مدعیان زہد مبتلا ہیں جو اللہ کی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم لذتوں کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ ذات حق کو چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی نظر **وما بکم من نعمة فمن اللہ** اور **وکلوا مما رزقکم اللہ** پر نہیں ہوتی۔

آیت **ولا تقولوا لما تصف الخ** سے معلوم ہوا کہ شریعت وطریقت کے احکام ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہوتے کہ ایک حکم ایک جگہ حرام ہو اور دوسری جگہ حلال۔

آیت **واٰتیناہ فی الدنیا الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں نعمتوں کا مل جانا عقبٰی کے مقامات ودرجات میں کمی کا باعث نہیں ہوتا اور یہ کہنا کہ مشہور ولی کا مقام غیر مشہور ولی کے مقام سے کم ہوتا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جس میں شہرت کی آفتیں پیدا ہوگئی ہوں۔

آیت **ادع الی سبیل ربك الخ** سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کے تمام طرق تصوف، دعوت حق ہی کی تفصیلات ہیں۔ نیز دعوت حق کی تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل طریق کا مذاق یہی ہے اور حکمت سے مراد یہ ہے کہ تربیت کے لئے شیخ کا دانش مند ہونا ضروری ہے کہ وہ مریدوں کے حسب حال وظائف ومجاہدات تجویز کرے۔ سب کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکے اور موعظت حسنہ میں شیخ کی شفقت وخیر خواہی اور نرمی بھی داخل ہے۔ جس سے یہ واضح ہوجائے کہ بجز مرید کی مصلحت کے شیخ کے پیش نظر دوسری کوئی مصلحت نہیں ہے اور **وجادلهم بالتی هی احسن** میں مشائخ صوفیہ بھی داخل ہیں وہ بھی اسی اصول کے پابند ہونے چاہئیں۔

آیت **ولئن صبرتم الخ** سے معلوم ہوا کہ صبر بھی اہل اللہ کی خصلت ہوتی ہے۔ آیت **واصبر الخ** سے معلوم ہوا کہ صبر کے بہت سے مراتب ودرجات ہوتے ہیں۔ صبر للہ، صبر فی اللہ، صبر مع اللہ، صبر عن اللہ، صبر باللہ۔ ان سب میں صبر باللہ سب سے افضل ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کے لئے اس کو ثابت کیا گیا ہے۔

الحمد للہ چودھویں پارہ کی تفسیر ختم ہوئی

﴿پارہ نمبر ۱۵﴾

سُوْرَةُالْاِسْرَآءِ

سُوْرَةُالْاِسْرَآءِ مَكِّيَّةٌ اِلَّا وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ اَلْاٰيٰتَ الثَّمَانُ مِائَةٌ وَّعَشْرَ اٰيَاتٍ اَوْ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ تَنْزِيْهٌ **الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ** مُحَمَّدٍ **لَيْلًا** نَصَبٌ عَلَى الظَّرْفِ وَالْاِسْرَاءُ سَيْرُ اللَّيْلِ وَفَائِدَةُ ذِكْرِهِ الْاِشَارَةُ بِتَنْكِيْرِهٖ اِلٰى تَقْلِيْلِ مُدَّتِهٖ **مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** اَيْ مَكَّةَ **اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا** بَيْتِ الْمَقْدِسِ لِبُعْدِهٖ مِنْهُ **الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ** بِالثِّمَارِ وَالْاَنْهَارِ **لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا** عَجَائِبِ قُدْرَتِنَا **اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ** اَيِ الْعَالِمُ بِاَقْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْعَالِهٖ فَاَنْعَمَ عَلَيْهِ بِالْاِسْرَاءِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى اِجْتِمَاعِهٖ بِالْاَنْبِيَاءِ وَعُرُوْجِهٖ اِلَى السَّمَاءِ وَرُؤْيَتِهٖ عَجَائِبَ الْمَلَكُوْتِ وَمُنَاجَاتِهٖ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُوْتِيْتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ اَبْيَضُ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَغْلِ يَضَعُ حَافِرَهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهٖ فَرَكِبْتُهٗ فَسَارَبِيْ حَتّٰى اُتِيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَرَبَطْتُّ الدَّابَّةَ بِالْحَلْقَةِ الَّتِيْ يَرْبِطُ فِيْهَا الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ دَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَ نِيْ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّاِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ اَصَبْتَ الْفِطْرَةَ قَالَ ثُمَّ عَرَجَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ لَهٗ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَابِاٰدَمَ فَرَحَّبَ بِيْ وَدَعَالِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرَئِيْلُ قِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيْلَ وَقَدْبُعِثَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَابِابْنَيِ الْخَالَةِ يَحْيٰى وَعِيْسٰى فَرَحَّبَابِيْ وَدَعَوَ الِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ فَقِيْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِيُوْسُفَ وَاِذَا هُوَقَدْ اُعْطِيَ شَطْرُ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ بِيْ

وَدَعَالِیْ بِخَیْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاِدْرِیْسَ فَرَحَّبَ بِیْ وَدَعَالِیْ بِخَیْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرَئِیْلُ فَقِیْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِهَارُوْنَ فَرَحَّبَ بِیْ وَدَعَالِیْ بِخَیْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِیْلُ فَقِیْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرَئِیْلُ قِیْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِمُوْسٰی فَرَحَّبَ بِیْ وَدَعَالِیْ بِخَیْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِیْلُ فَقِیْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرِیْلُ فَقِیْلَ وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِیْلَ وَقَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ اِلَیْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِاِبْرَاهِیْمَ فَاِذَا هُوَ مُسْتَنِدٌ اِلَی الْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ وَاِذَا هُوَ یَدْخُلُهٗ كُلَّ یَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ ثُمَّ لَا یَعُوْدُوْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِیْ اِلٰی سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی فَاِذَا وَرَقُهَا كَاٰذَانِ الْفِیَلَةِ وَاِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ فَلَمَّا غَشّٰهَا مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ مَاغَشّٰهَا تَغَیَّرَتْ فَمَا اَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّصِفَهَا مِنْ حُسْنِهَا قَالَ فَاَوْحٰی اِلَیَّ مَا اَوْحٰی وَفَرَضَ عَلَیَّ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ خَمْسِیْنَ صَلَاةً فَنَزَلْتُ حَتّٰی اِنْتَهَیْتُ اِلٰی مُوْسٰی فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰی اُمَّتِكَ قُلْتُ خَمْسِیْنَ صَلَاةً كُلَّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ قَالَ اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِیْفَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِكَ وَاِنِّیْ قَدْ بَلَوْتُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَخَبَّرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ اِلٰی رَبِّیْ فَقُلْتُ اَیْ رَبِّ خَفِّفْ عَنْ اُمَّتِیْ فَحَطَّ عَنِّیْ خَمْسًا فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی قَالَ مَا فَعَلْتَ قُلْتُ قَدْ حَطَّ عَنِّیْ خَمْسًا قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِكَ فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِیْفَ لِاُمَّتِكَ قَالَ فَلَمْ اَزَلْ اَرْجِعُ بَیْنَ رَبِّیْ وَبَیْنَ مُوْسٰی وَیَحُطُّ عَنِّیْ خَمْسًا خَمْسًا حَتّٰی قَالَ یَا مُحَمَّدُ هِیَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ بِكُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ فَتِلْكَ خَمْسُوْنَ صَلَاةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ یَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ حَسنَةٌ فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ بِسَیِّئَةٍ وَلَمْ یَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَیِّئَةً وَاحِدَةً فَنَزَلْتُ حَتّٰی اِنْتَهَیْتُ اِلٰی مُوْسٰی فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَاسْاَلْهُ التَّخْفِیْفَ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِكَ فَقُلْتُ قَدْرَجَعْتُ اِلٰی رَبِّیْ حَتّٰی اِسْتَحْیَیْتُ رَوَاهُ الشَّیْخَانِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ وَرَوَی الْحَاكِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ قَالَ تَعَالٰی **وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ** التَّوْرٰةَ **وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ** لِ **اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا﴿۲﴾** یُفَوِّضُوْنَ اِلَیْهِ اَمْرَهُمْ وَفِیْ قِرَاءَةٍ تَتَّخِذُوْا بِالْفَوْقَانِیَّةِ اِلْتِفَاتًا فَاَنْ زَائِدَةٌ

وَالْقَوْلُ مُضْمَرٌ يَا **ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ** فِي السَّفِينَةِ **إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿۳﴾** كَثِيرُ الشُّكْرِ لَنَا حَامِدًا فِي جَمِيعِ اَحْوَالِهِ **وَقَضَيْنَا** اَوْحَيْنَا **إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ** التَّوْرٰةِ **لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ** اَرْضِ الشَّامِ بِالْمَعَاصِي **مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۴﴾** تَبْغُوْنَ بَغْيًا عَظِيْمًا **فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا** اُوْلٰى مَرَّتَيِ الْفَسَادِ **بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ** اَصْحَابِ قُوَّةٍ فِي الْحَرْبِ وَالْبَطْشِ **فَجَاسُوا** تَرَدَّدُوْا لِطَلَبِكُمْ **خِلَالَ الدِّيَارِ** وَسْطَ دِيَارِكُمْ لِيَقْتُلُوْكُمْ وَيَسْبُوْكُمْ **وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا ﴿۵﴾** وَقَدْ اَفْسَدُوْا الْاُوْلٰى بِقَتْلِ زَكَرِيَّا فَبَعَثَ عَلَيْهِمْ جَالُوْتَ وَجُنُوْدَهٗ فَقَتَلُوْهُمْ وَسَبُوْا اَوْلَادَهُمْ وَخَرَّبُوْا بَيْتَ الْمَقْدِسِ **ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ** الدَّوْلَةَ وَالْغَلَبَةَ **عَلَيْهِمْ** بَعْدَ مِائَةِ سَنَةٍ بِقَتْلِ جَالُوْتَ **وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿۶﴾** عَشِيْرَةً وَقُلْنَا **إِنْ أَحْسَنْتُمْ** بِالطَّاعَةِ **أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ** لِاَنَّ ثَوَابَهٗ لَهَا **وَإِنْ أَسَأْتُمْ** بِالْفَسَادِ **فَلَهَا** اَسَاءَتُكُمْ **فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ** الْمَرَّةِ **الْآخِرَةِ** بَعَثْنَاهُمْ **لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ** يُحْزِنُوْكُمْ بِالْقَتْلِ وَالسَّبْيِ حُزْنًا يَظْهَرُ فِي وُجُوْهِكُمْ **وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ** بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَيُخَرِّبُوْهُ **كَمَا دَخَلُوهُ** وَخَرَّبُوْهُ **أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا** يُهْلِكُوْا **مَا عَلَوْا** غَلَبُوْا عَلَيْهِ **تَتْبِيرًا ﴿۷﴾** اِهْلَاكًا وَقَدْ اَفْسَدُوْا ثَانِيًا بِقَتْلِ يَحْيٰى فَبَعَثَ عَلَيْهِمْ بُخْتَ نَصَّرَ فَقَتَلَ مِنْهُمُ الُوْفًا وَسَبٰى ذُرِّيَّتَهُمْ وَخَرَّبَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ وَقُلْنَا فِي الْكِتٰبِ **عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ** بَعْدَ الْمَرَّةِ الثَّانِيَةِ اِنْ تُبْتُمْ **وَإِنْ عُدْتُمْ** اِلَى الْفَسَادِ **عُدْنَا** اِلَى الْعُقُوْبَةِ وَقَدْ عَادُوْا بِتَكْذِيْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ بِقَتْلِ قُرَيْظَةَ وَنَفْيِ النَّضِيْرِ وَضَرْبِ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ **وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿۸﴾** مَحْبَسًا وَسِجْنًا **إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي** اَيْ لِلطَّرِيْقَةِ الَّتِيْ **هِيَ أَقْوَمُ** اَعْدَلُ وَاَصْوَبُ **وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿۹﴾ وَ** يُخْبِرُ **أَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا** اَعْدَدْنَا **لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۰﴾** مُؤْلِمًا هُوَ النَّارُ

ع

ترجمہ: سورہ اسراء مکی ہے۔ بجزوان کادو الیفتنونک آٹھ آیتوں کے۔ اس میں کل ۱۱۰ یا ۱۱۱ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ (محمدؐ) کو راتوں رات (لفظ لیلاً ظرف کی وجہ سے منصوب ہے اور اسراء کہتے ہیں رات کے چلنے کو، اور اس کے ذکر کرنے کا فائدہ، اس کے نکرہ ہونے سے مدت کی کمی کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ مسجد حرام (مکہ معظمہ) سے مسجد اقصیٰ تک (مراد بیت المقدس ہے کیونکہ وہ مسجد حرام سے بہت دور ہے) سیر کرائی جس کے گرداگرد ہم نے بڑی ہی برکتیں دے رکھی ہیں (پھلوں اور نہروں کے ذریعہ) تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں (عجائبات قدرت) دکھلا دیں۔ بلاشبہ وہی ذات ہے جو بڑی سننے والی بڑی دیکھنے والی ہے (یعنی نبی کریم ﷺ کے افعال واقوال کو جاننے والی ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ پر واقعہ اسراء کا انعام فرمایا ہے جس میں انبیاء

علیہم السلام کی اجتماعی ملاقات بھی ہوئی اور آنحضرتؐ کا آسمانوں پرتشریف لے جانا بھی ہوا اور عالم ملکوت کے عجائبات بھی دیکھے اور حق تعالیٰ سے مناجات بھی ہوئی ارشاد نبویؐ ہے کہ میرے پاس ایک سفید براق لایا گیا جو کہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ جس کا ایک قدم حد نگاہ تک جاتا تھا۔ چنانچہ مجھے اس پرسوار کیا گیا اور مجھے بیت المقدس لے جایا گیا وہاں میں نے اپنی سواری کو اس حلقہ سے باندھ دیا۔ جس پر انبیاءؑ اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے اس کے بعد میں بیت المقدس میں داخل ہوا اور دوگانہ ادا کیا، پھر باہر آیا تو جبریلؑ نے دو برتنوں میں شراب اور دودھ پیش کیئے۔ میں نے دودھ پسند کیا تو جبریلؑ کہنے لگے، تم نے صحیح فطرت اختیار کی۔ فرمایا کہ مجھے پھر آسمان دنیا پر لے گئے اور جبریل نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا تو ان سے پوچھا گیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا جبریل پوچھا گیا تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا کہ محمدؐ ہیں۔ دریافت کیا کہ تمھیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب ملا، ہاں! بھیجا گیا تھا۔ دروازہ کھولا گیا تو حضرت آدمؑ سے نیاز حاصل ہوا انہوں نے مرحبا کہا اور مجھے دعائے خیر دی۔ پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں بھی جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو اسی طرح پوچھا گیا تم کون ہو؟ کہا کہ جبریلؑ۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہے پوچھا گیا کہ تمھیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا کہا ہاں! چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ تو دونوں خالہ زاد بھائی عیسیٰؑ اور یحییٰ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور مجھے دعائے خیر دی۔ پھر مجھے تیسرے آسمان پر لے جایا گیا چنانچہ وہاں بھی جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا گیا کہ جبریلؑ۔ دریافت ہوا کہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا گیا کہ محمدؐ ہیں۔ پوچھا گیا کہ تم ان کے پاس بھیجے گئے تھے؟ بتلایا کہ ہاں! بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ دروازہ کھلا تو یوسفؑ سے ملاقات ہوئی۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انہیں تو ساری دنیا کے حسن کا ایک حصہ ملا ہے۔ انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور دعائے خیر دی۔ پھر چوتھے آسمان پر مجھے لے جایا گیا اور جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ کہا کہ میں جبریلؑ ہوں سوال کیا گیا کہ تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہیں۔ پوچھا گیا کہ تمھیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ کہا ہاں! چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا تو ادریسؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں بھی خوش آمدید کہی اور دعائے خیر دی۔ اس کے بعد پانچویں آسمان پر لے جایا گیا۔ جبرئیلؑ نے دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کہ کون ہے؟ جواب ملا کہ میں جبریلؑ ہوں۔ پھر پوچھا گیا کہ تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ محمدؐ ہیں۔ سوال ہوا کہ تمھیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ کہا ہاں! چنانچہ دروازہ کھلا تو ہارونؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خوش آمدید کے ساتھ دعائے خیر دی۔ اس کے بعد مجھے چھٹے آسمان پر پہنچایا گیا اور جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا کہ میں جبریلؑ ہوں۔ پھر پوچھا گیا کہ تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ کہا گیا کہ محمدؐ ہیں۔ دریافت کیا گیا کہ تم ان کے پاس بھیجے گئے تھے؟ کہا ہاں! غرضیکہ دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ یہاں تک کہ پھر ساتویں آسمان پر پہنچا۔ جبریلؑ نے دروازہ کھلوانا چاہا تو دریافت کیا گیا کہ کون ہو؟ جواب دیا گیا کہ جبریلؑ ہوں۔ پھر سوال کیا گیا، کہ آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ بتلایا گیا کہ محمدؐ ہیں۔ پھر دریافت ہوا کہ کیا تمھیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں! چنانچہ دروازہ کھلا اور ابراہیمؑ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ وہ بیت المعمور پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں جنہیں دوبارہ حاضری دینے کی نوبت نہیں آتی ہے۔ زاں بعد مجھے سدرۃ المنتھیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح اور اس کے پھل مٹکوں کے برابر تھے۔ پیغامات الٰہی جب اس مقام پر چھا گئے تو جو کیفیت اس کی خوبصورتی کی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ پھر جو کچھ بھی وحی آنی تھی وہ مجھ پر آئی اور روزانہ کیلئے پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ غرضیکہ واپسی پر جب موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے پوچھا پروردگار نے تمھاری امت کے لئے کیا حکم دیا ہے؟ میں نے کہا روزانہ پچاس نمازیں فرض ہوئی ہیں۔ بولے کے اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس میں کمی کی درخواست کرو کہ تمھاری امت یہ حکم بجا نہیں لاسکتی کیونکہ میں نے بنی اسرائیل کو خوب آزمالیا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ حق تعالیٰ کی دربار میں پھر حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا کہ اے پروردگار میری امت پر کچھ تخفیف فرما؟ چنانچہ پانچ نمازیں کم کردی گئیں لیکن جب موسیٰؑ کے پاس آیا، انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ پانچ نمازیں کم ہوگئیں انہوں نے مشورہ دیا کہ تمھاری امت اس پر بھی عمل نہیں کرسکتی جاؤ اور جا کر اس

میں کمی کراؤ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ میں اسی طرح برابر موسیٰ اور اپنے رب کے پاس آتا جاتا رہا اور پانچ نمازیں کم کراتا رہا۔ حتیٰ کہ حکم الٰہی ہوگیا کہ اے محمدؐ! روزانہ کی یہ پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہوگا اور اس طرح پچاس نمازیں ہو جائیں گی نیز جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے گا مگر اس کام کو کسی وجہ سے کر نہیں سکے گا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھوں گا اگر اس کام کو کرلے گا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھ لی جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی کسی برے کام کا ارادہ کرے مگر اس برے کام کو نہ کر سکا تو کچھ نہیں لکھا جائے گا البتہ جب وہ برا کام کرلیگا تو صرف ایک برائی لکھی جائے گی۔ غرض یہ کہ اس کے بعد میں موسیٰ کے پاس آیا اور صورت حال کی اطلاع دی۔ انہوں نے پھر کہا جاؤ اپنی امت کے لئے مزید تخفیف کی درخواست کرو کیونکہ تمھاری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کے پاس جا چکا ہوں اب مجھے حیاء آتی ہے۔ یہ روایت بخاری و مسلم کی ہے۔ البتہ اس کے الفاظ مسلم کے ہیں اور حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کی تجلی دیکھی تھی۔ ارشاد ربانی ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا (تاکہ) تم میرے سوا اور کسی کو اپنا کارساز نہ بنالو (جس کی طرف اپنے کام سپرد کردو اور ایک قرأت میں لفظ تتخذ تا کے ساتھ ہے۔ صفت التفات ہوگی اور ان زائد ہوگا اور لفظ قول مقدر مانا جائے گا،) ان لوگوں کی نسل جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ بلاشبہ نوح ایک شکر گزار بندہ تھا (ہمارا بڑا شکر گزار ہر حال میں ہماری حمد کرنے والا) اور ہم نے خبر دی تھی (یہ بات بتلادی تھی) بنی اسرائیل کو ان کی کتاب (تورات) میں کہ تم ضرور سرزمین میں (شام میں گناہ کر کے) دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے اور حد درجہ کی سرکشی کرو گے (بڑا زور باندھو گے) پھر جب ان دنوں میں پہلی بار آئے گی (پہلا فساد آئے گا) ہم تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیں گے، جو بڑے جنگجو ہوں گے (لڑنے اور پکڑنے دھکڑنے میں بڑے طاقتور ہوں گے) پھر وہ (قتل و قید کرنے کے لئے) گھس پڑیں گے (تمھیں ڈھونڈھتے پھریں گے) تمھارے گھروں میں، اور اللہ کا وعدہ تو اسی لئے تھا کہ پورا ہو کر رہے۔ (چنانچہ پہلا فساد تو حضرت زکریاؑ کے قتل کرنے پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جالوت بادشاہ اور اس کے لشکر کو مسلط کر دیا، انہوں نے سب کو تہ تیغ کر کے ان کی اولاد کو قید کر دیا اور بیت المقدس کو برباد کر ڈالا) پھر ہم ان پر تمھارا غلبہ کر دیں گے (جالوت کے واقعہ قتال کے سو سال بعد) اور مال و دولت اور اولاد کی کثرت سے ہم تمھاری امداد کریں گے اور تمھیں بڑے جتھے والا (گروہ بند) بنادیں گے (اور ہم نے یہ بھی کہہ دیا تھا۔ کہ) اگر تم اچھے کام (اطاعت) کرتے رہے تو اپنے ہی نفع کے لئے کرو گے (کیونکہ اس کا ثواب تمھیں ہی ملے گا) اور اگر برے کام (فساد) کرو گے تو بھی اپنے لئے کرو گے (اس کا تمھیں ہی نقصان ہوگا) پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئے گا (تو ہم پھر انہیں مسلط کر دیں گے کہ) وہ تمھارے منہ بگاڑ دیں گے (قتل اور گرفتار کر کے تمھیں اس درجہ غمگین کر دیں گے کہ غم کا اثر تمھارے چہروں پر نمایاں ہو جائے گا) اور اسی طرح یہ لوگ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو کر (اسے برباد کر ڈالیں گے) جس طرح پہلی مرتبہ یہ حملہ آور گھسے (اور اسے خراب کر چکے) اور جس چیز پر ان کا زور (بس) چلا اسے توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالا (چنانچہ دوسری دفعہ حضرت یحییٰؑ کو شہید کر کے فساد برپا کر دیا۔ اللہ نے ان پر بخت نصر کو مسلط فرمادیا۔ جس نے ہزاروں آدمی مار ڈالے اور ان کی نسل کو قید کر ڈالا اور بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہم نے کتاب تورات میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ) عجب نہیں تمھارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اس دوسری دفعہ کے بعد بشرطیکہ تم توبہ کرلو) لیکن اگر پھر تم (سرکشی اور فساد) کی طرف لوٹے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے (یعنی سزا دہی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو جھٹلانے کا انہوں نے پھر ارتکاب کیا تو اللہ نے بھی ان پر قریظہ کی جنگ اور بنو نضیر کی جلاوطنی اور جزیہ کی وبا مسلط کر دی) اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم کا قید خانہ (جیل خانہ) تیار کر رکھا ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن (اس راستہ کی طرف) راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا (درمیانہ اور ٹھیک) راستہ ہے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے اور (قرآن بھی یہ کہتا ہے کہ) جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (جو تکلیف دہ ہے یعنی جہنم کی آگ)

تحقیق وترکیب: ....سُبۡحٰن یہ اسم مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے سبحت اللہ تسبیحا و سبحانا. اس میں تسبیح مصدر ہے اور سبحان اسم مصدر ہے کفران کی طرح۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غفران کے وزن پر مصدر ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عثمان کے وزن پر علم مصدر ہو۔ اخیر کی دونوں صورتوں پر کچھ نہ کچھ اشکال رہے گا۔ تو اس کا ازالہ اس طرح ہوسکتا ہے۔ کہ مصدر لینے کی صورت میں سبح اللہ سبحانا کہا جائے یا سبحت اللہ سبحانا کہا جائے۔ کیونکہ معمول اور عامل کا ایک باب سے ہونا ضروری نہیں ہے اور علم مصدر لینے کی صورت میں بھی کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ علم وصفی ہے اور لا علم لا یضاف کا قاعدہ علم ذاتی کے لئے ہے نہ کہ علم وصفی کے لئے۔ چونکہ آنحضرتؐ کو آسمانوں پر لے جانا عجیب وغریب تھا اور یہ جانا جس براق پر ہوا اس کی برق رفتاری عجیب تھی اس لئے لفظ سبحان سے شروع کرنا مناسب ہوا۔ اسریٰ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے کو اسراء کہتے ہیں اور آگے آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں۔ لیکن کبھی یہ دونوں لفظ مجموعی سفر پر بھی بول دیئے جاتے ہیں اور اسراء اگرچہ رات کے چلنے کو کہتے ہیں لیکن لیلا بڑھانے سے رات کا بعض حصہ مراد ہوگیا۔ جس سے اللہ کی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ اتنے ذرا سے وقت میں اتنا بڑا دور دراز کا سفر طے کرادیا۔ جرجانیؒ، سیبویہؒ اور ابن مالکؒ نے تصریح کی ہے کہ لیل ونہار اگر معرفہ ذکر کئے جائیں تو عموم کے ساتھ ظرفیت کے معنی ہوں گے۔ لیکن اگر یہ دونوں نکرہ ہوں تو پھر عموم واستغراق نہیں ہوگا۔ پس یہاں لیلا نکرہ آنے سے معلوم ہوا کہ ساری رات مراد نہیں بلکہ بعض حصہ مراد ہے۔ بعبدہ ایہام الوہیت سے بچانے کے لئے عبد کا لفظ استعمال کیا ہے تاکہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح لوگ رسالت سے الوہیت پر نہ پہنچادیں۔ اس سے مقام عبدیت کا شرف ظاہر ہوتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عبدیت، رسالت سے افضل ہوتی ہے۔ کیونکہ عبدیت میں مخلوق سے حق کی طرف پھرنا ہوتا ہے پس یہ مقام جمع ہے اور رسالت میں حق سے خلق کی طرف آنا ہوتا ہے اور یہ مقام فرق ہے۔ نیز بندگی میں اپنے سب کام اللہ کے حوالے کرنے ہوتے ہیں اور رسالت میں امت کے کاموں کا تکفل کرنا ہوتا ہے اور دونوں میں جو کچھ فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کو چونتیس مرتبہ معراج ہوئی ہے لیکن صرف ایک دفعہ جسمانی معراج ہوئی اور باقی سب معراجیں روحانی ہوئی ہیں اور اس میں اختلاف ہے کہ جسمانی معراج کا واقعہ کب پیش آیا۔ بعض کے نزدیک ربیع الاول اور بعض کے نزدیک ربیع الثانی میں اور بعض کے نزدیک رمضان یا شوال میں پیش آیا مگر صحیح یہ ہے کہ ستائیس رجب کو ہجرت سے کچھ پہلے یہ واقعہ پیش آیا۔ غرض یہ کہ یہاں لفظ عبد لانے میں کئی فائدے مدنظر ہیں۔ ایک تو آنحضرتؐ کے تقرب اور مقبولیت کو ظاہر کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ کہیں اس عجیب وغریب معجزہ کو دیکھ کر آپؐ کی الوہیت کا کوئی شبہ نہ کرنے لگے۔ تیسرے یہ کہ اس لفظ سے ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ آنحضرتؐ کو روح وجسم کے ساتھ معراج ہوئی ہے۔ چنانچہ جاءنی عبدفلان کے معنی یہ نہیں کہ فلاں شخص کی صرف روح آئی۔ بلکہ جسمانی آنا مراد ہوتا ہے۔ من المسجد الحرام۔ بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی معراج کی ابتداء حطیم سے ہوئی تھی۔ اور بعض میں ہے کہ ام ہانیؓ کے گھر سے شروع ہوئی تھی اور یہاں آیت میں مسجد حرام سے شروع ہونا معلوم ہورہا ہے پس بظاہر یہ تعارض ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ مسجد حرام جس طرح متعارف معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح مطلق حرم پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ پس اس صورت میں سب باتوں میں تطبیق ہوجائے گی۔ کیونکہ ام ہانیؓ بنت ابی طالب کا مکان حرم ہی میں تھا پس آپؐ اول وہاں سے حطیم میں تشریف لائے ہوں گے اور پھر وہاں سے روانگی ہوئی ہوگی۔ جلالؒ محقق نے (ای مکۃ) کہہ کر اس تطبیق کی طرف اشارہ کیا ہے المسجد الاقصیٰ۔ مسجد حرام کے بعد سب سے پہلے زمین میں مسجد اقصیٰ ہی بنائی گئی ہے اقصیٰ کے معنی دور کے ہیں یہ مسجد بھی بیت اللہ اور مکہ سے بہت دور تھی۔ اس لئے مسجد اقصیٰ نام ہوا لیکن مسجد اقصیٰ سے مراد اس کی عمارت نہیں بلکہ اس کی سرزمین مراد ہے کہ اصل مسجد زمین ہی ہوتی ہے نہ کہ عمارت۔ پس اب یہ تاریخی شبہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کے درمیانی زمانہ میں

مسجد اقصیٰ پامال رہی اور عمارت منہدم ہوگئی تھی پھر کیسے کہا گیا کہ آپ کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ مسجد اقصیٰ کی سرزمین مراد ہے اور وہ باقی تھی البتہ یہ شبہ کہ روایتوں میں آتا ہے کہ کفار نے امتحاناً آپ سے وہاں کی عمارتوں کے بارے میں کچھ سوالات کئے۔ جس کی وجہ سے آپ کو کچھ فکر وتردد ہوا۔ لیکن کشفی طور پر جب آپ کو وہ حصہ دکھلا دیا گیا تو آپ نے دیکھ دیکھ کر جوابات دیئے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عمارتیں موجود تھیں ورنہ محض زمین کی کیفیت کے متعلق کوئی کیا پوچھتا؟ اور آپ کو جواب میں فکر کی کیا ضرورت تھی؟ تو جواب دیا جائے گا کہ اول تو منہدم اور شکستہ عمارت اور محض زمین کے حدود اربعہ اور محل وقوع کے اعتبار سے بھی سوال ممکن ہے۔ دوسرے اس زمین کے آس پاس جو لوگوں نے بیت المقدس کے لئے نام نہاد طریقہ پر کچھ عمارتیں بنا ڈالی تھیں ان سے بھی سوال ممکن ہے باقی مسجد اقصیٰ میں لے جانا اس لئے ہوگا کہ آپ کا شرف تمام انبیاء پر ظاہر ہو جائے کہ آپ کی اقتداء میں سب نے دوگانہ ادا کیا۔ جیسا کہ رات کو معراج کرانے میں آپ کے تخصص کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ وہ وقت خلوت اور یکسوئی اور تقرب کا ہوتا ہے اور عالم بالا کے عجائبات کا مشاہدہ بغیر لیجائے ہوئے نہیں ہو سکتا تھا اس لئے رات کو لے جایا گیا اور وہ بھی سوار کر کے جس سے مقصود اکرام اور اظہار شان تھا **الذی بٰرکنا حولہ** دونوں قسم کی برکتیں مراد ہیں دنیوی بھی کہ درخت، سبزی، پھل پھول، پانی کی نہریں وغیرہ وہاں بکثرت ہیں اور دینی برکتیں جیسے تمام انبیاء کا قبلہ ہونا اور بہت سے انبیاء کا رہنا اور دفن ہونا کہ یہ سب سے بڑی برکتیں ہیں۔ بعض اکابر کی تو یہاں تک رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کا وہ اندرونی حصہ جس میں آپ کا جسم اطہر ہے وہ عرش سے بھی بڑھ کر افضل ہے۔ گو فضیلت جزئی ہی سہی، پس معلوم ہوا کہ جب مسجد اقصیٰ کے آس پاس کی برکت کا حال یہ ہے تو خود مسجد اقصیٰ کی برکت کا کیا ٹھکانہ ہوگا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر اور بیت اللہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ **لنریه من اٰیٰتنا** اس میں واقعہ معراج کی غرض وغایت کی طرف اشارہ ہے۔ آسمانی عجائبات چونکہ زمین کے عجائبات سے بڑھے ہوئے ہیں اس لئے ان کو آیات کہا اور اس لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ مسجد اقصیٰ سے اوپر بھی تشریف لے گئے اور بالاجمال ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ زیادہ عجیب وغریب ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کوئی جلدی سے اس کا انکار کر دے اور نص قطعی کا انکار کرنا کفر ہے۔ اس لئے گویا تصریح نہ کرنے میں ضعیف الایمان لوگوں کی رعایت پیش نظر ہوئی اور **مِن** تبعیضیہ لانے میں اشارہ ہے کہ قدرت الٰہی کی تمام نشانیوں کا آپ مشاہدہ نہ فرما سکے بلکہ بعض نشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔ چنانچہ صحاح کی روایت میں ہے **اسمع صریف الاقلام** جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے لوح محفوظ پر قلم چلنے کی آواز تو سُنی مگر اس قلم کو دیکھا نہیں۔ رہا یہ شبہ کہ حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں تو فرمایا گیا **وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض** اور آنحضرتؐ کے بارے میں **لنریه من اٰیٰتنا** فرمایا جا رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آنحضرتؐ سے زیادہ نشانیاں دکھلائی گئیں تھیں؟ جواب یہ ہے کہ آسمان وزمین کی نشانیاں بھی تو اللہ کی کل نشانیاں نہیں تھیں پس جب دونوں کو بعض نشانیاں دکھلائیں تو ممکن ہے آنحضرت کو بمقابلہ حضرت ابراہیمؑ کے بڑی بڑی نشانیاں دکھلائی گئی ہوں۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا بڑھنا لازم نہیں آیا۔ **انه هو السمیع البصیر** لفظ اسریٰ اور انه میں اول وآخر غائب کی ضمیریں استعمال کیں اور درمیان میں بطور التفات کے ضمیر متکلم استعمال کی اس میں کلام میں تجدید ونشاط مقصود ہے اور آیات وبرکات کے معائنہ کی عظمت پیش نظر ہے اور اسراء کے بعد قرب خداوندی کے زیادہ ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ کیونکہ قرب کے وقت اصل متکلم کا صیغہ ہوتا ہے اور اللہ کی ان دونوں صفتوں یا تخصیص ذکر کرنے کا منشاء آنحضرت کی تسلی وتشفی ہے کہ ہم آپ کے حال قال سے بھی واقف ہیں اور مخالفین کی طرف سے بھی بے خبر نہیں ہیں۔ اس لئے فکر کی کوئی بات نہیں ہے نیز یہ بھی بتلانا ہے کہ گو آنحضرتؐ نے عجائب وغرائب کا مشاہدہ فرما لیا ہے مگر پھر بھی علم میں ہمارے برابر نہیں

ہونگے۔ کیونکہ ذاتی طور پر **سمیع وبصیر** ہم ہیں۔ ہم نے جتنی چیزیں آپ کو سنوادیں وہ آپؐ نے سن لیں اور جتنی باتیں آپ کو دکھلانی چاہیں وہ آپؐ نے دیکھ لیں۔ نیز آپ کا سننا اور دیکھنا محدود ہے۔ اور ہم مطلقاً سمیع وبصیر ہیں **علی اجتماعه. الله** تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مع اجسام وارواح کے جمع فرما کر آپ کی اقتداء میں نماز پڑھوائی، تا کہ آپ کی مقتدائیت نمایاں ہوجائے۔ **البراق**۔ برق سے ماخوذ ہے۔ برق رفتاری کے اعتبار سے یا بریق سے ہے چمک دمک کے معنیٰ میں۔ ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ اس کا چہرہ انسان کا ساتھا اور پاؤں اونٹ کی طرح تھے اور بدن گھوڑے کی طرح تھا۔ **بالحلقة**۔ زیارت وعبادت کے موقع پر جب انبیاء تشریف لاتے ہونگے تو اپنی سواریاں اسی حلقہ میں باندھتے ہونگے اور ممکن ہے اس سے دوسرے انبیاء کے براق کی طرف بھی اشارہ ہو **فصلیت** یعنی اول آپؐ نے اور جبرئیلؑ نے دوگانہ الگ الگ ادا کیا اور دوسرے انبیاءؑ نے بھی نمازیں پڑھیں۔ اس کے بعد باقاعدہ اذان کہی گئی اور نماز باجماعت ہوئی۔ آپؐ امام الانبیاءؑ بنے اس میں اگرچہ اختلاف ہے کہ یہ نماز فرض تھی یا نفل تھی لیکن صحیح یہی ہے کہ نفل تھی کیونکہ اس وقت تک نماز کی فرضیت کہاں ہوئی تھی۔ **الفطرة** یعنی دودھ اسلام کی صورت مثالیہ تھی۔ سہل اور طیب وطاہر ہونے کے اعتبار سے۔ **قیل من انت**۔ ہر آسمان پر مستقل تین تین سوال وجواب کا اعادہ خدائی نظام کے استحکام اور فرشتوں کے کمال تیقظ وبے داری پر دلالت کرتا ہے اور ہر ہر دروازہ پر باقاعدہ مکمل پوچھ گچھ نگران جماعت کی پوری چستی جس درجہ واضح ہوئی ہے وہ پہلے سے دروازے کھلے رکھنے اور آمد کی انتظار کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ گویا یہ ظاہر کرنا ہے کہ کتنے ہی بڑے سے بڑا واقعہ بھی ہوجائے اور کیسا ہی بڑا آدمی کیوں نہ آجائے مقررہ نظام اور معمول میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس میں مخلوق کو تعلیم بھی دینی ہے۔ **فاذا انا بادمؑ** بیت المقدس میں اجتماعی ملاقات کے بعد پھر مختلف انبیاء سے اپنے اپنے موقعہ پر ملاقات ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجتماعی جلسہ کے بعد پھر بعجلت تمام انبیاءؑ کو آپؐ سے پہلے عالم بالا میں پہنچادیا گیا اور وہاں انہوں نے آپ کا استقبال کیا اور اس میں کچھ بعد نہیں اس کے نظائر دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں کسی ادارہ میں کوئی معزز مہمان آتا ہے تو استقبالیہ اجتماعی ملاقات کے بعد سب اپنی اپنی ڈیوٹیوں میں پہلے سے پہنچ جاتے ہیں اور پھر وہاں معائنہ کے وقت خوش آمدید کہی جاتی ہے۔ حضرت آدمؑ کے ترحیبی الفاظ یہ تھے **مرحبا به واهلاحياه الله من اخ ومن خليفة فنعم الاخ ونعم الخليفة نعم المجیء جاء**. ایک روایت میں ہے کہ حضرت آدمؑ کے دائیں ایک مخلوق تھی اور ایک ایسا دروازہ تھا جس سے خوشبو مہک رہی تھی اور بائیں جانب بھی مخلوق تھی اور ایک دروازہ تھا جس سے نہایت بدبو آرہی تھی۔ داہنی طرف دیکھ کر حضرت آدمؑ ہنستے اور خوش ہوتے لیکن بائیں طرف دیکھ کر روپڑتے اور غمگین ہوتے آنحضرتؐ نے جبریلؑ سے صورت حال پوچھی تو انہوں نے بتلایا کہ داہنی طرف نیک اولاد ہے اور جنتی دروازہ میں اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ لیکن بائیں طرف بُری اولاد ہے اور جہنمی دروازہ میں اسے دیکھ کر غمگین ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ حضرت آدمؑ وابراہیمؑ کی ترحیب تو ان الفاظ سے تھی۔ **مرحبالابن الصالح ونبی الصالح**۔ لیکن اور تمام انبیاءؑ کی ترحیب ان الفاظ کے ساتھ تھی۔ **مرحبالاخ الصالح والنبی الصالح. یانبی الخالة**۔ لیکن صاحب جملؒ کے نزدیک حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو خالہ زاد بھائی کہنے میں مسامحت ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت حضرت عیسیٰؑ، حضرت یحیٰؑ کی خالہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے کیونکہ حضرت مریم کی والدہ حنہ تھی اور ان کی بہن اشاع تھیں اور اشاع کے صاحبزادہ یحیٰ علیہ السلام تھے۔ **اعطی شطر الحسن**۔ کے معنیٰ بعض کے ہیں اور نصف کے بھی ہیں۔ اب یا اپنے زمانہ کے حسن کا نصف مراد ہو یا مطلق جنس حسن کا نصف مراد ہو۔ ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت تو اس لئے بعید ہے کہ تعریف کے موقعہ پر یہ معنیٰ مناسب نہیں۔ البتہ پہلی اور دوسری دونوں صورتوں میں یہ اشکال نہیں رہتا۔ کہ حضرت یوسفؑ کا حسن تو آنحضرتؐ سے بڑھ جاتا ہے ہاں! تیسری صورت میں یہ اشکال رہتا ہے اس کے تین جواب ہیں۔ یا تو اسے حضرت یوسفؑ کی جزئی فضیلت شمار کی جائے۔ کلی فضیلت

آنحضرتؐ ہی کو حاصل ہے۔ دوسری توجیہ اس سے اچھی یہ ہے کہ حسن دوطرح کا ہوتا ہے۔ ایک حسن صباحت کہ اس میں حضرت یوسف بڑے ہوئے تھے۔ دوسرے حسنِ ملاحت کہ اس میں آنحضرتؐ بڑھے ہوئے تھے۔ تیسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت یوسفؑ کو آدھا حسن دیا گیا اور آدھا ساری دنیا کو لیکن آنحضرتؐ کو اس کے علاوہ غیر منقسم حسن عطا فرمایا گیا ہے۔ حضرت یوسفؑ کی دادی بھی نہایت حسین تھیں۔ ان کے بارے میں کہا گیا و کانت قد اعطیت سدس الحسن اسی لئے بعض نے کہا ہے۔ ذهب یوسف و امه یعنی جدته بثلثی الحسن ۔

مستند الی البیت المعمور ۔ بیت المعمور مثل کعبہ کے قبلہ ملائکہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے اس طرح بیٹھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنے کے وقت استدبار قبلہ جائز ہے۔ یعنی ٹیک لگا کر بیٹھنا۔

سدرة المنتھیٰ۔ ساتویں آسمان پر بیری کا یہ درخت ہے۔ جس کی شاخیں جنت اور کرسی تک پھیلی ہوئی ہیں اور جڑ چھٹے آسمان میں ہے نیچے کے سب فرشتے نیک کام وہاں جا کر رک جاتے ہیں۔ اسی طرح اوپر سے احکام الٰہی اول وہیں اترتے ہیں۔ غرض یہ کہ اس کی مثال ایک مرکزی ڈاک خانہ کی طرح ہے، بجز آنحضرتؐ کے اس سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغ تجلّی بسوزد پرم

فلما غشٰھا ۔ بخاریؒ کے یہ الفاظ ہیں۔ فغشاها الوان لا ادری ماهی. اور مسلمؒ کی روایت فغشها فراش من ذهب اور ایک روایت میں جراد من ذهب اور ایک روایت میں علی کل ورقة منها ملک ۔ بہرحال انوار الٰہی سدرۃ المنتھیٰ پر چھائے ہوئے تھے۔ **فاوحی**۔ بہتر یہ ہے کہ اسے مبہم ومجمل ہی تسلیم کرنا چاہئے۔ تاہم تین باتیں صحیح ثابت ہیں (۱) فرائض پنجگانہ (۲) سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں (۳) شرک کے علاوہ امت کے تمام گناہوں کی معافی۔ **ارجع الی ربک** ۔ بعض عرفاء نے اس موقعہ پر یہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے تجلی الٰہی کی درخواست کی تو منظور نہ ہوئی۔ لیکن آنحضرتؐ کو بلا طلب ہی یہ دولت حاصل ہوگئی۔ اس پر حضرت موسیٰؑ کو کچھ تکدر آمیز خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے تو محمدؐ ہی بڑھ گئے۔ یہ بات چونکہ ان کے شایان شان نہیں تھی اور امت محمدیہ کو بھی جب یہ معلوم ہوتا تو حضرت موسیٰؑ کی نسبت سوء ظنی میں لوگ مبتلا ہوتے۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ نے امتِ محمدیہ کے حق میں نمازوں کی تخفیف کا مشورہ دے کر اس کی مکافات کرنی چاہی۔ تاکہ امت اس احسان کو سن کر خوش ہو جائے۔ نیز خود تو تجلی الٰہی کا دیدار نہ کر سکے لیکن آنحضرتؐ کو تجلی الٰہی کی دولت حاصل ہوئی۔ تو کم از کم دیکھنے والے ہی کو دیکھ کر کچھ سیری حاصل کرلیں۔ اس لئے بار بار آنحضرتؐ کی آمد ورفت کو پسند کیا۔ **وخبرتھم**۔ چنانچہ صبح، دوپہر، شام دو دو رکعتیں حضرت موسیٰؑ کی امت پر فرض تھیں مگر وہ بھی اسے پوری طرح نبھا نہ سکے۔ **قد حط عنی خمسا** ۔ اس طرح دس مرتبہ گویا حق تعالیٰ کا آنحضرتؐ کو دیدار نصیب ہوا۔ **من هم** ۔ یہ حدیث قدسی ہے۔ یہاں هم سے مراد پختہ ارادہ ہے۔ مطلق ارادہ کے پانچ درجے ہوتے ہیں۔ مراتب القصد خمس ،هاجسٌ ذکروا. فخاطر فحدیث النفس فاستمعا. یلیه هم فعزم کلها رفعت .سوی الخیر ففیه الاخذ قد وقعا ۔ ان میں باہمی ترتیب یہ ہے کہ سب سے کم درجہ خاطر ہے۔ اس سے اوپر ہاجس۲، پھر حدیث النفس۳، پھر ہم۴، ان چاروں پر کوئی مواخذہ نہیں، خواہ اچھے خیالات ہوں یا برے۔ مگر۵ عزم مصمم جو پانچواں آخری درجہ ہے۔ اس پر مواخذہ ہوگا۔ یہاں هم سے وہی مراد ہے۔ **ان لا تتخذوا** ۔ جلال مفسرؒ نے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے لا زائد مان لیا ہے۔ حالانکہ یہاں مفسرہ ماننا مناسب تھا کیونکہ زائد ہونے کے مواقع میں سے نہیں ہے۔ اس لئے قول مقدر ماننا جائے گا۔

ربطِ آیات: ....سورۃ بنی اسرائیل میں اکثر مضامین توحید اور انعامات باری اور رسالت سے متعلق ہیں۔ چنانچہ معراج کے

واقعہ سے اسے شروع کیا گیا ہے۔ جس سے ایک طرف اگر اللہ کی عظمت وتنزیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف رسالت بھی ثابت ہوتی ہے۔ پھر آگے چل کر آیت واتینا موسیٰ ۔ سے رسالت کی تقویت کے لئے حضرت موسیٰ اور نوح علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر ترغیب وترہیب کے لئے طوفان نوحؑ سے نجات کا واقعہ اور بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی بیان کی جارہی ہے آگے ان ھذا القران سے قرآن کی تعریف کی جارہی ہے جس سے توحید ورسالت ثابت ہوتی ہے۔

﴿تشریح﴾:...... **واقعہ معراج کی تفصیل**:............ واقعہ معراج سے متعلق کچھ تحقیقات اور اشکالات وتنبیہات تو عنوان تحقیق میں گزر چکی ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں:

ہجرت مدینہ سے تقریباً ایک سال پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اسریٰ اور معراج کا اہم واقعہ ۲۷ رجب کو پیش آیا۔ اس سورۃ کی ابتداء اس واقعہ کے ذکر سے کی گئی ہے ان آیات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آنحضرتؐ کا جانا تو ذکر کیا گیا ہے جسے اسراء کہتے ہیں۔ لیکن مسجد اقصیٰ کے اندر داخل ہو کر دوگانہ ادا کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو جماعت سے نماز پڑھانا احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سفر کی دوسری منزل یعنی مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر جانا اس آیت سے صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا اشارہ اس طرف ضرور نکلتا ہے۔ البتہ سورۃ نجم کی آیت ولقد راٰہ نزلۃ اخرٰی عند سدرۃ المنتھیٰ میں اس سے زیادہ صاف روشنی واقعہ معراج پر رہی ہے۔ یعنی آپؐ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ پھر اس سلسلے میں احادیث اتنی کثرت سے ہیں جن کا انکار ممکن نہیں خود جلال مفسرؒ مفصل روایت پیش کر رہے ہیں۔

معراج اور اسراء کا حکم:............ چونکہ بیت المقدس تک آنحضرتؐ کا تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے۔ اس لئے اس کا انکار کرنا کفر ہے اور اس میں تاویل کرنا بدعت اور تاویل کرنے والا مبتدع سمجھا جائے گا۔ البتہ آسمانوں پر جانے کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا کفر تو نہیں ہوگا مگر ایسا شخص مبتدع سمجھا جائے گا کیونکہ سورۃ نجم کے الفاظ عند سدرۃ المنتھیٰ ۔ آنحضرتؐ کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے میں نص نہیں ہیں بلکہ دونوں معنی کا احتمال ہے۔ اگر آنحضرتؐ کا سدرہ کے پاس ہونا مراد ہو، تب تو جسمانی معراج کا ثبوت نص قرآنی سے ہو جائے گا۔ لیکن اگر جبرئیلؑ کا سدرہ کے پاس ہونا مراد ہوا تو پھر مدعا ثابت نہیں ہوگا۔ غرضیکہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ تک جانے کا انکار کرنا تو کفر ہوگا لیکن مسجد اقصیٰ سے آسمان تک جانے کا انکار بدعت اور وہاں سے اوپر جنت ودوزخ کی سیر کا انکار فسق ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کو جسمانی معراج ہوئی ہے یا خوابی اور روحانی؟:............ تمام اہلسنت والجماعت یہ مانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو بیداری کی حالت میں جسمانی معراج ہوئی ہے۔ اجماع امت اس کی دلیل ہے۔ اور اجماع کی بنیاد یہ ہے کہ اول تو قرآن کریم نے جس اہتمام واہمیت کے ساتھ اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ جسمانی معراج مراد ہو۔ اگر صرف روحانی یا منامی معراج مراد ہوتی تو نہ وہ اس درجہ تعجب آمیز اور حیرت انگیز ہوتی کہ مخالفین کی اس درجہ ہلچل مچ گئی اور نہ ہی اس میں آپؐ کی کوئی خصوصیت تھی۔ ایسی معراج تو آپؐ کے خدام کو بھی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ الصلوٰۃ معراج المؤمنین. میں اس دولت کا دوسروں کے لئے حاصل ہونا بیان فرمایا گیا ہے نیز لفظ بعبدہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ روح وجسم سمیت تشریف لے گئے۔ کیونکہ صرف خواب میں یا روحانی طور پر آنے جانے کو جاء او ذھب عبدفلان ۔ نہیں کہا جاتا نیز اگر صرف خواب ہی کی حد تک معاملہ ہوتا یا روحانی سیر کا دعویٰ ہوتا تو نہ کفار اور مخالفین میں اتنی ہل چل اور ہنگامہ ہوتا اور نہ آپؐ کو جواب دینے میں الجھن اور فکر ہوتی۔ بے تامل آپؐ فرما سکتے تھے کہ میں نے ظاہری طور پر جانے کا دعویٰ کب کیا جو تم اس درجہ ردوقدح کر رہے ہو۔

جسمانی معراج پر نقلی اشکالات: .... تاہم جسمانی معراج کے مسئلہ پر بعض نقلی اور عقلی اشکالات بھی کئے گئے ہیں۔ جواب کے ساتھ ان کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ا۔ نقلی طور پر بعض حضرات کو آیت **وما جعلنا الرؤیا** سے شبہ ہوا ہے۔ کہ اس میں منامی معراج کا ذکر ہے جس سے جسمانی معراج کی نفی ہوتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ اول تو ممکن ہے اس میں واقعہ بدر مراد ہو یا واقعہ حدیبیہ سے پہلے جو آنحضرتؐ نے خواب دیکھا جس کی طرف دوسری آیت **اذیریکھم اللّٰہ فی منامک** اور آیت **ولقد صدق اللّٰہ رسولہ الرؤیا** میں اجمالاً اشارات کئے گئے ہیں۔ وہی خواب یہاں بھی مراد ہو۔ جیسا کہ بعض مفسرینؒ اس طرف گئے ہیں۔ دوسرے اگر معراج ہی مراد ہو، تب بھی لفظ رؤیا بمعنی رؤیت ہوسکتا ہے۔ جیسے قربی بمعنی قرابت نیز رات کے وقت دیکھنے کو بھی رؤیا کہا جاسکتا ہے خواہ بیداری میں ہو۔ تیسرے ۳ تشبیہاً معراج کے واقعات دیکھنے کو رؤیا سے تعبیر کردیا گیا ہو۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ واقعات ایسے عجیب وغریب تھے جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ چوتھے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بقول شیخ اکبرؒ چونتیس مرتبہ معراج ہوئی۔ جن میں سے ایک دفعہ جسمانی اور باقی تینتیس مرتبہ روحانی یا منامی ہوئیں پس ممکن ہے اس آیت میں بھی منامی معراج مراد ہو مگر اس سے جسمانی معراج کی نفی نہیں ہوتی۔

(۲) حدیث شریف میں "**ثم استیقظت**" کے لفظ سے بعض حضرات کو شبہ ہوگیا ہے کہ واقعہ معراج خواب میں پیش آیا تھا؟ جواب یہ ہے کہ اول تو شُریک حافظ حدیث نہیں ہیں پھر دوسرے حفاظ حدیث بخلاف کہہ رہے ہیں اس لئے ان کی یہ زیادتی مقبول نہیں ہوگی۔ دوسرے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے آپ کو روحانی یا منامی معراج کرائی گئی اور بار بار کرائی گئی۔ تا کہ بتدریج جسمانی معراج کی استعداد اور قوت پیدا ہوجائے۔ پھر آخر میں معراج اعظم کرادی گئی۔ پس اس حدیث شُریک میں خوابی معراج بھی اگر مراد ہوتب بھی اس سے جسمانی معراج کی نفی لازم نہیں آتی۔

(۳) بعض حضرات کو حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے اقوال سے شبہ ہوگیا جو جسمانی معراج کے خلاف ہیں؟ جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ تو اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے، کہ ان کی بات یقینی سمجھی جائے۔ ممکن ہے کسی سے سُن سنا کر کہہ دیا ہو۔ یا ان کا اپنا اجتہاد ہو۔ یا ممکن ہے کسی دوسرے واقعہ کی نسبت کہا ہو۔ کیونکہ روحانی معراج آپ کو کئی دفعہ ہوئی۔ غرضیکہ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**. رہا حضرت عائشہؓ کا معاملہ، سو اول تو وہ کمسن تھیں چار پانچ سال کی عمر ہوگی اور اگر بقول حضرت زہریؒ اگر واقعہ معراج ۵ ؁ نبوی میں ہوا ہے، تو ایک سال کی بھی مشکل سے ہوں گی۔ دوسرے اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے بڑی اور سمجھدار ہونے کے بعد تحقیق کر کے کہا ہوگا جیسا کہ یہی احتمال حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی ہوسکتا ہے، کہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد تحقیق کر کے بات کہی ہوگی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں بلا تحقیق ایسی اہم بات کہہ دیں تو کہا جائیگا کہ ممکن ہے کسی دوسرے واقعہ کے متعلق ان دونوں کا یہ قول ہو۔ نیز حضرت عائشہ کے قول **واللّٰہ مافقد جسد محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی لیلۃ الاسراء**۔ میں فقدان کا لفظ آیا ہے اور جس طرح اس کے معنی گم ہونے کے ہیں اسی طرح تلاش کرنے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ یوسف کی آیت **ماذا تفقدون** اسی معنی میں مستعمل ہے۔ پس حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ آپ کا جسم مبارک وہیں رہا وہاں سے گم نہیں ہوا بلکہ مطلب یہ ہے آپؐ اتنی دیر غائب نہیں رہے کہ آپؐ کو تلاش کرنے کی نوبت اور ضرورت پیش آئے اور اگر فقدان کے متبادر پہلے ہی معنی لئے جائیں۔ تب بھی جسمانی معراج کی نفی لازم نہیں آتی، کیونکہ فقدان فعل لازمی نہیں۔ بلکہ متعدی ہے۔ یعنی اس کے معنی غیبت وانفعال کے نہیں، بلکہ گم ہونے کے ہیں اب بھی مطلب وہی ہوا کہ اس رات کسی گھر والے نے آپؐ کو گم اور غائب نہیں پایا کیونکہ سوتے وقت بھی آپؐ گھر میں تھے اور جاگنے کے وقت بھی آپؐ وہیں تشریف فرما تھے۔ اس کی نوبت ہی نہیں آئی کہ آپؐ دیر تک غائب رہتے

اور گھر والوں کو غیر موجودگی کا احساس ہوجاتا۔

جسمانی معراج پر عقلی اشکالات:......عقلی اشکالات یہ ہیں: (۱) سائنس جدید کی رو سے لوگ آسمانوں کا وجود ہی نہیں مانتے۔ پھر جسمانی معراج کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے کیونکہ انکارِ آسمان پر آج تک کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ رہا کسی چیز کا معلوم نہ ہونا اس کے ناموجود ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی البتہ فضا میں اس نیلگونی رنگ کو بخار ودخان ماننا یا نور وظلمت کو مجموعہ ماننا۔ سو اس سے آسمان کا انکار لازم نہیں آتا ممکن ہے آسمان اس سے اوپر ہو۔ اب خواہ اس کا رنگ بھی اس نظر آنے والے رنگ کے ہمرنگ ہوکر ممتزج ہوگیا ہو یا اس کے خلاف دوسرا کوئی رنگ ہو غرض کہ عقلاً آسمان کے انکار پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف آسمان کا وجود فی نفسہ ممکن ہے اور جس ممکن کے ہونے نہ ہونے کی اطلاع سچا شخص دے تو اس کو ماننا ضروری ہوتا ہے۔ پس قرآن وحدیث کی اطلاع کے بعد آسمانوں کا وجود ماننا ضروری ہوگا۔ (۲) سائنس جدید سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے نیچے ہوا نہیں اور ایسی سخت گرمی ہے کہ کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ پھر آنحضرتؐ کا معراج میں جانا کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ایسی جگہ سے جانا اور گزرنا محال نہیں البتہ مستبعد ضرور ہے۔ اس لئے معجزہ ہے۔ (۳) بعض کو شبہ ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک آسمانوں کا خرق والتیام (یعنی پھٹنا) اور ملنا محال ہے۔ پس آنحضرتؐ کا آسمانوں میں جانا آنا کیسے ہوا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ فلاسفہ کے اس دعویٰ کی دلیل کے تمام مقدمات غلط ہیں اس لئے یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ پس آسمانوں کا خرق التیام ممکن ہے۔ بلکہ واقع ہوا ہوگا ورنہ قیامت کا انکار لازم آئے گا نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آسمانوں کی وضع اور ساخت اور بناوٹ میں پہلے ہی سے آمدورفت کے لئے دروازے رکھ دیئے گئے ہوں گے۔ اس لئے آنحضرتؐ یا فرشتوں کی آمدورفت پر کوئی اشکال نہیں رہا۔ **وما لها من فروج** یا **هل ترى من فطور** اس سے آسمانوں میں دروازوں کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ اس سے تو آسمانوں کی شکستگی یا خستگی کا انکار کرنا ہے۔

(۴) اور یہ شبہ تو بہت ہی لچر ہے کہ اتنے دور دراز سفر کو آپؐ نے کیسے طے فرمالیا؟ کیونکہ آج کی سائنسی دنیا نے جب کہ میزائل اور راکٹ کے ذریعہ ساری دنیا کا چکر صرف ڈیڑھ گھنٹہ میں اور ۲۴ گھنٹہ میں ساری دنیا کے ۱۶ چکر کرنے کا ریکارڈ قائم کردیا ہے۔ حالانکہ ابھی تیز رفتاری کی کوئی آخری حد ختم نہیں ہوگئی۔ تو پھر اس اعتراض کی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کیا حقیقت رہ جاتی ہے چنانچہ خیال کی بلند پروازی سب کو معلوم ہے کہ ایک ہی لمحہ میں فرش سے عرش تک پہنچ جاتا ہے نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زمانہ نام ہے فلک الافلاک کی حرکت کا۔ پس ممکن ہے فلک الافلاک کی حرکت ہی روک دی گئی ہو کہ زمانہ میں ٹھہراؤ پیدا ہوگیا۔ چاند، سورج، زمین وغیرہ کی حرکت اتنی دیر کیلئے موقوف کردی گئی ہو۔ جو چیز جہاں تھی وہیں رہی آفتاب، ماہتاب، ستارے سب اپنی جگہ رہے اور جب آپؐ سیرِ فلک سے فارغ ہوئے تو وہیں سے حرکت شروع ہوگئی جہاں سے موقوف ہوئی تھی۔ اس لئے کسی کو بھی وقت گزرنا معلوم نہ ہوا۔ چاہے آپ کو سیر میں کتنا ہی وقت لگا ہو، مگر دنیا والوں کو سارا قصہ ایک رات سے بھی کم معلوم ہوا۔ اب اگر کوئی آسمان کے لئے یا سورج کے لئے دائمی حرکت کا دعویٰ کرے تو وہ اس کے لزوم کو ثابت کرتا رہے انشاء اللہ ایک دلیل بھی قائم نہیں کرسکے گا۔

(۵) ایک فلسفی اشکال یہ بھی ہے کہ طبقہ ہوا سے اوپر خلا میں کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی پھر آپؐ کا ان طبقات سے گزرنا کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ کسی جسم کے اس حصہ میں ٹھہرنے کی صورت میں تو اشکال ہوسکتا ہے لیکن اگر تیزی کے ساتھ کسی جسم کو گزار دیا جائے تو پھر مقامی اثرات بہت کم ہوتے ہیں جیسے آگ سے ہاتھ اگر نہایت تیزی کے ساتھ گزار دیا جائے تو ہاتھ پر آنچ تک نہیں آسکتی۔ یہی حال طبقہ زمہریریہ طبقہ ناریہ اور طبقہ ہوائیہ سے اوپر گزرنے کا ہے۔ واللہ اعلم۔

معراج میں تجلی الٰہی ہوئی یا نہیں:............ علماء کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج میں ان ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے یا نہیں؟ اس میں سلف سے لیکر خلف تک اختلاف ہے ادھر دونوں طرف کی روایتوں کی تاویل کی گنجائش ہے۔ مثلاً: جن روایات سے دیدار الٰہی کا ہونا معلوم ہوتا ہے ان میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے قلبی دیکھنا مراد ہو، یا جن روایات سے انکار معلوم ہوتا ہے ان میں کہا جاسکتا ہے کہ کسی خاص قسم کے دیکھنے کا انکار مقصود ہوگا۔ مثلاً: جنت میں جس قسم کا دیدار خداوندی ہوگا ویسی تجلی نہیں ہوئی۔ پس گویا تجلی ہوئی بھی اور نہیں بھی۔ جیسے کہ بلا چشمہ کے بھی دیکھنا ہوتا ہے۔ مگر چشمہ سے اور زیادہ نظر آتا ہے بہر حال اس بارہ میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس سلسلہ میں بحث کے اختتام پر عارف شیرازی اور مولانا نظامی گنجویؒ کا کچھ کلام نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست — ہمہ نورہا پر تو نور اوست
(۲) شبے برنشست از فلک برگذشت — بتمکین وجاہ از فلک درگذشت
(۳) چناں گرم در تیہ قربت براند — کہ درسدرہ جبریلؑ ازو باز ماند
(۴) بدو گفت سالار بیت الحرام — کہ اے حامل وحی برتر خرام
(۵) چودر دوستی مخلصم یافتی — عنانم زصحبت چرا تافتی
(۶) بگفتا، فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروئے بالم نماند
(۷) اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزو پرم

(۱) شبے کاسماں مجلس افروز کرد — شب از زر روشنی دعویٰ روز کرد
(۲) محمد کہ سلطان ایں مہد بود — زچندیں خلیفہ ولی عہد بود
(۳) سرنافہ در بیت اقصیٰ کشاد — زناف زمین سر باقصیٰ نہاد
(۴) زبند جہاں داد خودر اخلاص — بمعشوقئی عرشیاں گشتہ خاص
(۵) بنہ بست زیں کوی ہفتا دراہ — بہفتم فلک برزدہ بارگاہ
(۶) دل از کار نہ حجرہ پرداختہ — بنہ حجرہ آسماں تاختہ
(۷) براقے شتابندہ زیرش چو برق — شتابش چو خورشید در نور غرق
(۸) بریشم تنے بلکہ لولو سمے — روندہ چو لولو بر ابریشمے
(۹) ازاں خوش عناں ترکہ آید گماں — وزآں تیز رو ترکہ تیراز کماں
(۱۰) چناں شد کہ از تیزی گام او — سبق بروبر جنبش آرام او
(۱۱) قدم برقیاس نظر می کشاد — مگر خود قدم بر نظر می نہاد
(۱۲) ہم اوراہ داں ہم فرس راہوار — زہے شاہ مرکب زہے شہسوار
(۱۳) چوزیں خانقہ عزم دروازہ کرد — بدستش فلک خرقہ را تازہ کرد
(۱۴) بہاروئیش خضرؑ وموسیٰؑ دواں — مسیحا چہ گویم زموکب رواں

(۱۵) پر جبریلؑ از رہش ریختہ　　سرافیل ازاں صدمہ بگر یختہ
(۱۶) زر فرف گذشتہ بفرسنگہا　　دراں پردہ بنمودہ آہنگہا
(۱۷) ز دروازہ سدرہ تا ساقِ عرش　　قدم برقدم عصمت افگندہ فرش
(۱۸) ز دیوانگہ عرشیاں درگذشت　　بدرج آمدو درج رادر نوشت
(۱۹) جہت راولایت بپایاں رسید　　قطعیت پرکارِ دوراں رسید
(۲۰) زمین زادہ برآسماں تاختہ　　زمین وزماں راپس انداختہ

ترجمہ اشعار:............

(۱) ایسے کلام کرنے والے کہ چرخ فلک آپ کا طور ہے : تمام نور اُن ہی کے نور کا سایہ ہیں
(۲) ایک رات کو سوار ہوئے تو آسمان سے گزر گئے : عزت ومرتبہ میں فرشتے سے آگے نکل گئے
(۳) نزدیکی کے میدان میں ایسا تیز دوڑایا : کہ سدرۃ المنتہیٰ پر جبریلؑ آپؐ سے پیچھے رہ گئے
(۴) کعبہ کے سردار نے اس سے کہا : کہ اے وحی کے حامل آگے بڑھو
(۵) دوستی میں آپ نے جب مجھے مخلص پایا ہے: تو میری صحبت سے کیوں باگ موڑی
(۶) اس نے کہا آگے جانے کی مجھ میں ہمت نہیں رہی: میں عاجز ہوں اس لئے کہ میرے بازو میں طاقت نہیں رہی
(۷) اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں: تو تجلی کی روشنی میرے پر جلادے۔

(۱) ایک رات کہ آسمان نے مجلس آراستہ کی: رات نے روشنی سے دن کا دعویٰ کیا۔
(۲) محمد کہ اس گہوارہ کے بادشاہ تھے: چند خلیفوں کے ولی عہد تھے
(۳) نافہ کا سرا بیت المقدس میں کھولا: نافِ زمین یعنی مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے
(۴) دنیا کی قید سے اپنے آپ کو رہائی دی: فرشتوں کی معشوقی میں خاص ہو گئے
(۵) باندھا سامان اپنا اس ستر راستے کی گلی سے (دنیا سے): ساتویں آسمان پر اپنا ڈیرا لگایا
(۶) دل کو نو حجروں (ازواج مطہرات کے حجرے) کے کام سے خالی کیا: آسمان کے نو حجروں کی طرف دوڑے
(۷) ایک براق ان کی ران کے نیچے بجلی کی طرح تیز دوڑنے والا: سامان اس کا آفتاب کی طرح نور میں ڈوبا ہوا۔
(۸) جسم ریشم کی طرح اور کھر موتی کی طرح: تیز دوڑنے والا موتی کی طرح ریشم پر۔
(۹) اس سے زیادہ خوش عنان کہ گمان میں آئے: اس سے زیادہ تیز رفتار جیسا کہ تیر کمان سے
(۱۰) ایسا تیز چلا کہ اس کے قدم کی تیزی سے: اس کا سکون اس کی حرکت پر سبقت لے گیا
(۱۱) قدم حدِ نظر پر رکھتا تھا: شاید اپنا قدم نظر پر رکھتا تھا۔
(۱۲) گھوڑا راستے کا چلنے والا اور وہ راستہ کے جاننے والے: کیا ہی اچھا ہے گھوڑوں کا بادشاہ اور کیا ہی اچھا ہے چابک سوار
(۱۳) جب اس جگہ سے ارادہ آسمان کا کیا: ان کے ہاتھ سے آسمان نے نئی خلعت حاصل کی۔
(۱۴) ان کی نقیبی میں دوڑنے والے یعنی حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ ان کے نقیب تھے: عیسیٰؑ کو کیا بتلاؤں سواری کے پیچھے دوڑنیوالے تھے۔

(۱۵) حضرت جبریلؑ کے پر اس کی راہ سے گرے یعنی تھک گئے اور حضرت اسرافیلؑ بھی وہاں تک نہ پہنچ سکے۔
(۱۶) رفرف سے گزر گئے کوسوں دور: اس پردے میں آوازیں کیں (اللہ پاک سے کلام کیا)۔
(۱۷) سدرۃ المنتہیٰ کے دروازے سے عرش کے برابر تک: ہر قدم پر پا کی نے فرش بچھا دیا۔
(۱۸) فرشتوں کے مقام سے گزر گئے: مقام درج پر آئے اور اس کو بھی طے کیا۔
(۱۹) جہت کی ولایت کی انتہا کو پہنچا (جہت ختم ہوگئی): انتہا زمانے کی پرکار کو پہنچی۔
(۲۰) زمین پر پیدا ہو کہ آسمان پر پہنچے: زمین اور زمانے کو پیچھے ڈال دیا۔

بنی اسرائیل کی سرکوبی کے واقعات:.........آیت وقضینا الی بنی اسراء یل، میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تاریخی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ساتھ مندرجہ ذیل چھ حادثات پیش آئے۔

۱:.........حضرت سلیمانؑ کے انتقال سے کچھ دنوں بعد بیت المقدس کا حاکم بے دین ہوگیا۔ تو اس پر ایک مصری بادشاہ حملہ آور ہوا بہت سا مال لوٹ لے گیا البتہ شہر اور بیت المقدس کو نہیں چھیڑا۔

۲:.........اس کے چار سو سال بعد پھر بعضوں کی بے دینی اور آپس کی پھوٹ نے ایک اور مصری بادشاہ حملہ آور ہوا اور اس دفعہ شہر اور مسجد کو بھی نقصان پہنچایا۔

۳:.........پھر اس کے چند سال بعد بخت نصر مشہور بادشاہ بابل نے چڑھائی کردی اور شہر کو فتح کر کے اپنے ساتھ بہت سے قیدی پکڑ لے گیا اور مال و دولت لوٹ لے گیا اور اپنی جگہ یہیں کے شاہی خاندان کے کسی شخص کو اپنا نائب بنا کر چلا گیا۔

۴:.........لیکن یہ نیا بادشاہ بت پرست اور بدکار تھا۔ حضرت یرمیاہ علیہ سلام کی نصائح پر نہیں چلتا تھا بلکہ خود بخت نصر سے بغاوت کر بیٹھا۔ جس کے نتیجے میں بخت نصر کو دوبارہ سخت حملہ کرنا پڑا جس سے سارا شہر مسمار ہوگیا اور مسجد اقصیٰ کو آگ لگا کر ویران کردیا۔ یہ حادثہ گویا بیت المقدس کی تعمیر سے چار سو پندرہ سال بعد پیش آیا اس کے بعد ستر سال تک یہودی بڑی ذلت کے ساتھ بابل میں جا کر رہ پڑے۔ مگر شاہ بابل کو شاہِ ایران نے مار ڈالا اور خود سلطنت پر قابض ہوگیا لیکن تاہم اس نے یہودیوں پر رحم کر کے پھر ان کے آبائی ملک شام میں پہنچا دیا اور ان کا سامان بھی واپس کردیا چنانچہ شاہِ ایران کی مدد سے پھر یہودیوں نے از سرِ نو شہر پناہ اور مسجد اقصیٰ کو بنالیا اور نیک چلنی پر قائم رہے۔

۵:.........لیکن پھر کچھ دنوں بعد پرانی شرارتوں پر اتر آئے جس کی وجہ سے ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ حضرت مسیحؑ سے قریباً ایک سو ستر سال پہلے کی بات ہے جب کہ شاہِ انطاکیہ نے بیت المقدس پر حملہ کر کے چالیس ہزار یہودیوں کو قتل اور چالیس ہزار یہودیوں کو قید کردیا اور مسجد کی بڑی بے حرمتی کی لیکن مسجد بچ رہی پھر اس کے بہت دنوں بعد اس بادشاہ کے کسی جانشین نے شہر اور مسجد کو ویران کر کے ڈال دیا۔ پھر اس کے کچھ دنوں بعد وہاں سلاطین روم کی عملداری ہوگئی اور انہوں نے پھر سے مسجد کی مرمت کی۔ جس کے آٹھ سال بعد حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔

۶:.........ان واقعات کے بعد پھر سلاطین روم نے بھی بغاوت کردی اور شہر و مسجد کی پھر وہی ویران حالت کردی۔ یہ زمانہ طیطس نامی رومی بادشاہ کا تھا، جو نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی۔ یہ حادثہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر تشریف لے جانے سے چالیس برس بعد پیش آیا۔ اس وقت سے لے کر عہد فاروقی تک یہ مسجد ویران ہی پڑی رہی حتی کہ آپ نے تعمیر کرائی تاہم ان چھ واقعات میں سے اس آیت میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ یقین کے ساتھ ان کی تعین دشوار ہے لیکن واقعات کی اہمیت وتباہی پر اگر نظر ڈالی جائے تو چوتھے

اور چھٹے واقعات پر انگلی رکھی جاسکتی ہے۔

آیت کی دوسری توجیہ: ....اسی کے ساتھ لفظ مرتین سے مراد موسوی اور عیسوی دونوں شریعتوں کی مخالفت بھی ہوسکتی ہے، اگرچہ ہر شریعت کی مخالفت بار بار ہوئی ہو۔ پس اس صورت میں تمام واقعات اور انقلابات اس میں داخل ہو جائیں گے کیونکہ بعض واقعات میں شریعت موسوی کی مخالفت کی سزا ہوئی اور بعض میں عیسوی شریعت کی خلاف ورزی کی سزا ہوئی تھی آگے ''ان عدتم'' میں اسلام کے ساتھ ان کی مخالفانہ سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح کلام پورے طور پر مربوط ہو جائے گا اور مقصود کے پیش نظر بہتر یہی ہے کہ واقعات کی تعیین نہ کی جائے اور مجمل رکھا جائے کہ جب بھی گناہوں کی کثرت ہو جاتی ہے شامت اعمال سے سزا ہوتی ہے۔ فی الکتاب میں صرف تورات کی اگر تعین نہ کی جائے بلکہ عام رکھا جائے۔ بنی اسرائیل کی دوسری الہامی کتابوں کو بھی اس میں داخل کرلیا جائے تو پھر یہ شبہ نہیں رہتا کہ یہ مضامین موجودہ تورات میں تو نہیں ہیں اور تورات بھی مراد لی جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اصلی تورات میں یہ مضامین ہوں گے۔ اب تو تحریف ہوگئی ہے۔ اس لئے قرآن کے بیان پر شبہ نہیں رہا، آیت عسیٰ ربکم، میں دولفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو جزائے عمل کے بارہ میں کہا جاسکتا ہے، یعنی اگر تم پھر انہی شرارتوں کی طرف لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔ اگر تم بدعملیوں کی طرف لوٹو گے تو اللہ کا قانون پاداش بھی سزا کی طرف پھر جائے گا۔ جوں ہی تم نے بُرائی کا رُخ کیا، نتائج عمل کا قانون بھی پاداش وعقوبت میں سرگرم ہوگیا ''عمل اور نتیجہ دو ایسی لازم وملزوم حقیقتیں ہیں، جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتیں۔ نتیجہ عمل کا سایہ ہے۔ جہاں عمل آیا اس کا سایہ بھی ساتھ آ گیا۔ تم نے اچھے عمل کی طرف رُخ کیا اور اچھے نتائج بھی تمہارے طرف تکنے لگے۔ تم نے بُرے عمل کی طرف قدم اٹھایا، برے نتائج کے بھی قدم اٹھ گئے۔ اس راہ میں جتنے بڑھتے جاؤ اور جس قدر بھی غور کرو، حقیقت ہر جگہ یہی نظر آئے گا۔ آیت ان ھٰذا القراٰن۔ میں یہ بتلانا ہے کہ دو مہلتیں ہوچکی ہیں، اب تمہیں تیسری مہلت مل رہی ہے۔ یعنی دعوت حق نے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اگر انکار وسرکشی سے باز آ جاؤ تو تمہارے لئے سعادت وکامرانی ہے۔ باز نہ آؤ گے تو پھر جس طرح دو مرتبہ نتائج عمل کا قانون اپنی عقوبتیں دکھلا چکا، تیسری مرتبہ دکھلائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں نے جس طرح اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے انہیں دی تھی۔ اسی طرح دعوت اسلام سے فائدہ نہ اٹھایا اور محرومی ونامرادی کی مہر ہمیشہ کے لئے ان کی قسمت پر لگ گئی۔ قرآن نے اپنے جس قدر اوصاف بیان کئے ہیں، ان سب میں جامع ترین وصف یہی ہے۔ زندگی اور سعادت کے ہر گوشہ میں اس کی راہنمائی سیدھی سے سیدھی بات کے لئے ہے۔ کسی طرح کی افراط وتفریط اس کی راہنمائی میں نہیں ہوسکتی۔ آیت ویبشر المومنین سے معتزلہ استدلال نہیں کرسکتے کیونکہ اجرا کبیرا سے مراد اگر جنت میں مطلق داخل ہونا لیا جائے تب تو کہا جائے گا کہ اعمال صالحہ جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں شرط نہیں ہیں جو معتزلہ کے لئے مفید ہو لیکن اگر ''اجرا کبیرا'' سے مراد جنت کے بلند درجات ہوں تو پھر اعمال صالحہ کا ان درجات عالیہ کے لئے شرط کہنا بھی صحیح ہے۔

لطائفِ آیات: ....آیت سبحان الذی سے مقام عبدیت کی جہاں ایک طرف بلندی معلوم ہوتی ہے وہاں دوسری طرف بندہ کی پستی بھی معلوم ہوتی ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جیسے آنحضرت ﷺ مگر رہتا وہ انسان ہی ہے معبود نہیں بن جاتا کہ عیسائیوں کی طرح اس کے لئے صفات الوہیت ثابت کردی جائیں۔ آیت لیلاً من المسجد الحرام آنحضرتؐ کا اتنے دور دراز کے سفر کو اتنی جلدی طے کرنا کئی صورتوں کو محتمل ہے۔

(۱) ایک تو زمانہ اور مکان اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے آپؐ کو اتنی جلدی سیر کرائی گئی ہو اور ظاہر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (۲) دوسرے

یہ کہ زمانہ اپنے حال پر رہے لیکن طے مکانی کرتے ہوئے آپ کو معراج کرائی گئی ہو اور صوفیاء اور بعض فقہاء بطور کرامت، طے مکانی کو اولیاء اللہ کے لئے بھی مانتے ہیں۔ (۳) تیسرے یہ کہ مکان تو اپنے حال پر رہے لیکن زمانہ میں پھیلاؤ کر کے اسے وسیع کر دیا گیا ہو اور صوفیاء کے نزدیک اولیاء اللہ کیلئے یہ کرامت بھی تسلیم کی ہے۔ غرض یہ کہ مکان اور زمان دونوں میں نشر و طے دونوں خوارق ممکن ہیں اور صوفیاء ان چاروں صورتوں کو مانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں "مسائل السلوک" مصنفہ حضرت تھانویؒ کا یہ مقام قابل ملاحظہ ہے۔ آیت ولیدخلوا المسجد۔ سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض تکوینی مصالح کی وجہ سے شرور اور برائیاں بھی ضروری ہوتی ہیں اور چونکہ کفار کے ذریعہ ان مصالح کو پورا کرایا گیا۔ اس لئے ان کفار کو "عبادالنا" فرمایا ہے یعنی وہ ہمارے بندے ہیں۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ عَلٰى نَفْسِهٖ وَاَهْلِهٖ اِذَا ضَجِرَ **دُعَآءَهٗ** اَیْ كَدُعَائِهٖ لَهٗ **بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ** الْجِنْسُ **عَجُوْلًا﴿۱۱﴾** بِالدُّعَاءِ عَلٰى نَفْسِهٖ وَعَدَمِ النَّظْرِ فِیْ عَاقِبَتِهٖ **وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ** دَالَّتَيْنِ عَلٰى قُدْرَتِنَا **فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ** طَمَسْنَا نُوْرَهَا بِالظَّلَامِ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالْإِضَافَةُ لِلْبَيَانِ **وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً** اَیْ مُبْصَرًا فِيْهَا بِالضَّوْءِ **لِتَبْتَغُوْا فِيْهِ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ** بِالْكَسْبِ **وَلِتَعْلَمُوْا** بِهِمَا **عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ** لِلْاَوْقَاتِ **وَكُلَّ شَیْءٍ** يُحْتَاجُ اِلَيْهِ **فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا﴿۱۲﴾** اَیْ بَيَّنَّاهُ تَبْيِيْنًا **وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ** عَمَلَهٗ يَحْمِلُهٗ **فِیْ عُنُقِهٖ** خُصَّ بِالذِّكْرِ لِاَنَّ اللُّزُوْمَ فِيْهِ اَشَدُّ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَامِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا وَفِیْ عُنُقِهٖ وَرَقَةٌ مَكْتُوْبٌ فِيْهَا شَقِیٌّ اَوْ سَعِيْدٌ **وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا** مَكْتُوْبًا فِيْهِ عَمَلُهٗ **يَلْقٰهُ مَنْشُوْرًا﴿۱۳﴾** صِفَتَانِ لِكِتَابًا وَيُقَالُ لَهٗ **اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴿۱۴﴾** مُحَاسِبًا **مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ** لِاَنَّ ثَوَابَ اِهْتِدَائِهٖ لَهٗ **وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا** لِاَنَّ اِثْمَهٗ عَلَيْهَا **وَلَا تَزِرُ** نَفْسٌ **وَازِرَةٌ** اٰثِمَةٌ اَیْ لَا تَحْمِلُ **وِّزْرَ** نَفْسٍ **اُخْرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ** اَحَدًا **حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴿۱۵﴾** يُبَيِّنُ لَهٗ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ **وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا** مُنَعَّمِيْهَا بِمَعْنٰى رُؤَسَائِهَا بِالطَّاعَةِ عَلٰى لِسَانِ رُسُلِنَا **فَفَسَقُوْا فِيْهَا** خَرَجُوْا عَنْ اَمْرِنَا **فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ** بِالْعَذَابِ **فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴿۱۶﴾** اَهْلَكْنَاهَا بِاِهْلَاكِ اَهْلِهَا وَتَخْرِيْبِهَا **وَكَمْ** اَیْ كَثِيْرًا **اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ** الْاُمَمِ **مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا﴿۱۷﴾** عَالِمًا بِبَوَاطِنِهَا وَظَوَاهِرِهَا وَبِهٖ يَتَعَلَّقُ بِذُنُوْبِ **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ** بِعَمَلِهٖ **الْعَاجِلَةَ** اَیِ الدُّنْيَا **عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ** التَّعْجِيْلَ لَهٗ بَدَلٌ مِنْ لَهٗ بِاِعَادَةِ الْجَارِ **ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ** فِی الْاٰخِرَةِ **جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا** يَدْخُلُهَا **مَذْمُوْمًا** مَلُوْمًا **مَّدْحُوْرًا﴿۱۸﴾** مَطْرُوْدًا عَنِ الرَّحْمَةِ **وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا** عَمَلَ عَمَلِهَا اللَّائِقِ بِهَا **وَهُوَ مُؤْمِنٌ** حَالٌ **فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴿۱۹﴾** عِنْدَ اللّٰهِ اَیْ مَقْبُوْلًا مُثَابًا عَلَيْهِ **كُلًّا** مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ **نُّمِدُّ** نُعْطِیْ **هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ** بَدَلٌ

مِنْ مُتَعَلِّقٌ بِنُمِدُّ **عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ** فِي الدُّنْيَا **وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ** فِيهَا **مَحْظُورًا** ﴿۲۰﴾ مَمْنُوعًا عَنْ اَحَدٍ
اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ فِي الرِّزْقِ وَالْجَاهِ **وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ** اَعْظَمُ **دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ**
تَفْضِيلًا ﴿۲۱﴾ مِنَ الدُّنْيَا فَيَنْبَغِي الْاِعْتِنَاءُ بِهَا دُوْنَهَا **لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا**
مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ لَا نَاصِرَ لَكَ **وَقَضٰى** اَمَرَ **رَبُّكَ** اَيْ بِاَنْ **لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ** اَنْ تُحْسِنُوْا **بِالْوَالِدَيْنِ** ع۲
اِحْسَانًا ۭ بِاَنْ تَبَرُّوْهُمَا **اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ** فَاعِلٌ **اَوْ كِلٰهُمَا** وَفِي قِرَاءَةٍ يَبْلُغَانِ
فَاَحَدُهُمَا بَدَلٌ مِنْ اَلِفِهِ **فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ** بِفَتْحِ الْفَاءِ وَكَسْرِهَا مُنَوَّنًا وَغَيْرَ مُنَوَّنٍ مَصْدَرٌ بِمَعْنٰى تَبًّا وَقُبْحًا
وَّلَا تَنْهَرْهُمَا تَزْجُرْهُمَا **وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا** ﴿۲۳﴾ جَمِيْلًا لَيِّنًا **وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ** اَلِنْ
لَهُمَا جَانِبَكَ الذَّلِيْلِ **مِنَ الرَّحْمَةِ** اَيْ لِرِقَّتِكَ عَلَيْهِمَا **وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا** رَحِمَانِيْ حِيْنَ **رَبَّيٰنِيْ**
صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ **رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ** مِنْ اِضْمَارِ الْبِرِّ وَالْعُقُوْقِ **اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ** طَائِعِيْنَ لِلّٰهِ
تَعَالٰى **فَاِنَّهُ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ** الرَّجَّاعِيْنَ اِلٰى طَاعَتِهِ **غَفُوْرًا** ﴿۲۵﴾ لِمَا صَدَرَ مِنْهُمْ فِيْ حَقِّ الْوَالِدَيْنِ مِنْ بَادِرَةٍ
وَهُمْ لَا يُضْمِرُوْنَ عُقُوْقًا **وَاٰتِ** اَعْطِ **ذَا الْقُرْبٰى** الْقَرَابَةِ **حَقَّهٗ** مِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ **وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ**
وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ بِالْاِنْفَاقِ فِيْ غَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى **اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ** اَيْ
عَلٰى طَرِيْقَتِهِمْ **وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا** ﴿۲۷﴾ شَدِيْدًا لِّكُفْرِ لِنِعَمِهٖ فَكَذٰلِكَ اَخُوْهُ الْمُبَذِّرُ **وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ**
عَنْهُمُ اَيِ الْمَذْكُوْرِيْنَ مِنْ ذِي الْقُرْبٰى وَمَا بَعْدَهٗ فَلَمْ تُعْطِهِمْ **ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا** اَيْ لِطَلَبِ
رِزْقٍ تَنْتَظِرُهٗ يَاْتِيْكَ فَتُعْطِيْهِمْ مِنْهُ **فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا** ﴿۲۸﴾ لَيِّنًا سَهْلًا بِاَنْ تَعِدَهُمْ بِالْاِعْطَاءِ عِنْدَ مَجِيْءِ
الرِّزْقِ **وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ** اَيْ لَا تُمْسِكْهَا عَنِ الْاِنْفَاقِ كُلَّ الْمَسْكِ **وَلَا تَبْسُطْهَا**
فِي الْاِنْفَاقِ **كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا** رَاجِعٌ لِلْاَوَّلِ **مَّحْسُوْرًا** ﴿۲۹﴾ مُنْقَطِعًا لَا شَيْءَ عِنْدَكَ رَاجِعٌ لِلثَّانِيْ
اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهٗ **لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ** يُضَيِّقُهٗ لِمَنْ يَّشَآءُ **اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ**
بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ عَالِمًا بِبَوَاطِنِهِمْ وَظَوَاهِرِهِمْ فَيَرْزُقُهُمْ عَلٰى حَسَبِ مَصَالِحِهِمْ ع۳

ترجمہ: .... اور اسی طرح انسان (اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے بے قراری کے وقت) برائی کی دعا مانگتا ہے (جیسے اس کی دعا) اپنی بھلائی کے لئے ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔ (بددعا کرنے اور انجام نہ سوچنے میں) اور ہم نے رات اور دن دونوں کو الگ نشانیاں بنایا ہے (جو ہماری قدرت پر دلالت کررہی ہے) سو، رات کی نشانی کو ہم نے دھندلا کردیا۔ (رات کی روشنی، اندھیرے کی وجہ سے ماند کردی، تمہارے آرام کی خاطر، اس میں اضافت بیانیہ ہے) اور دن کی نشانی کو روشن بنایا (یعنی روشنی کی وجہ سے دن میں نظر آجاتا ہے) تاکہ اپنے پروردگار کی روزی (کمائی کے ذریعہ) تلاش کرو، نیز (دن رات کے ذریعہ) برسوں کی گنتی

اور (وقتوں کا) حساب معلوم کرلو، اور ہم نے ہر (ضروری) چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ (الگ الگ کھول کھول کر) بیان کر دیا ہے اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر رکھا ہے (گلے کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ اس میں زیادہ پابندی ہوجاتی ہے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کا سعید یا شقی ہونا لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے) اور قیامت کے دن ہم اس کا نامۂ اعمال نکال کر اس کے سامنے پیش کر دیں گے (جس میں اس کا کیا ہوا سب کچھ لکھا ہوگا) جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا دیکھ لے گا۔ (یہ دونوں لفظ کتاب کی صفت ہیں، اس شخص سے کہا جائے گا) اپنا نامہ اعمال پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا آپ محاسب کافی ہے۔ جو شخص سیدھے رستہ پر چلا تو اپنے ہی لئے ہی چلا (کیونکہ راہ راست پر چلنے کا ثواب خود اسے ملے گا) اور جو شخص بھٹک گیا تو بھٹکنے کا خمیازہ بھی اسے ہی بھگتنا پڑے گا (کیونکہ گناہ کا وبال اس پر ہوگا) کوئی بوجھ اٹھانیوالا (گنہگار) کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ اور ہم کبھی (کسی کو) سزا نہیں دیتے، جب تک ہم کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے (جوان کو تمام ضروریات بتلا دیتا ہے) اور جب ہمیں کسی بستی کو برباد کرنا منظور ہوتا ہے تو ہم خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ (پیغمبروں کے ذریعہ رئیسوں اور امیروں کو دعوت دیتے ہیں) لیکن پھر وہ نافرمانی کرنے لگتے ہیں (ہماری حکم عدولی کرتے ہیں) تب ان پر (عذاب کی) حجت تمام ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ہم اس بستی کو تباہ اور غارت کر ڈالتے ہیں (بستی والے جب برباد ہوجاتے ہیں، تو بستی بھی اجاڑ ہوجاتی ہے) اور نوحؑ کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں۔ جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے اور اپنے بندوں کے گناہوں کے لئے آپ کے پروردگار کا باخبر اور واقف ہونا کافی ہے (یعنی چھپے اور کھلے سب گناہ وہ جانتا ہے اور بذنوب کا تعلق خبیرا کے ساتھ ہے) جو اپنے (عمل سے) فوری فائدہ (دنیا کا) چاہتا ہے تو جس کسی کو، جتنا ہم دینا چاہیں اسی دنیا میں دے ڈالتے ہیں (لمن نریہ) بدل ہے لہ سے حرف جر لوٹا کر) پھر آخر کار ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال (پھٹکار برستا ہوا) راندہ (رحمت سے دور) ہو کر داخل ہوگا۔ لیکن جو کوئی آخرت کا طالب اور اس کے لئے (جیسے کوشش کرنی چاہئے) ویسی کوشش کرے گا۔ بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہو (یہ حال ہے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کہ کوشش مقبول ہوگی (اللہ میاں کے یہاں قبولیت اور ثواب سے نوازے جائیں گے) ہم دونوں جماعتوں میں سے) ہر فریق کو (دنیا میں) اپنی پروردگار کی بخشائشوں میں سے مدد دیتے ہیں (من کا تعلق نمد سے ہیں) ان کو بھی اور اُن کو بھی اور آپ کے پروردگا کی بخشش عام کسی پر بند نہیں ہے۔ دیکھو ہم نے کس طرح بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر برتری دیدی ہے (رزق اور مرتبہ میں) اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے درجے بڑھ کر اور برتر ہیں (بہ نسبت دنیا کے اس لئے آخرت ہی کی طرف توجہ ہونی چاہئے نہ کہ دنیا کی طرف) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ، ورنہ بدحال بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہو گے (کہ کوئی تمہاری بات پوچھنے والا نہ ہوگا) اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو اور (یہ کہ احسان کرو) اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کے ساتھ پیش آؤ (اچھا سلوک کرو) اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک (یہ فاعل ہے) یا دونوں (ایک قرأت میں لفظ یبلغان ہے۔ پس لفظ احدھما الف سے بدل ہوجائے گا) تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں تو ان کی کسی بات پر اُف تک بھی نہ کرو (فا کے فتح اور کسرہ کے ساتھ تنوین اور بغیر تنوین کے سب طرح ہوسکتا ہے مصدر ہے یعنی کبھی تم انہیں ہاں سے ہوں بھی نہ کرو اور نہ انہیں جھڑکو (ڈانٹو) اور ان سے خوب ادب وآداب (خوش اسلوبی) کے بات کرو اور ان کے آگے عاجزی سے جھکے رہنا (ان کے سامنے سرنیاز جھکائے رہنا) مہربانی سے (یعنی ان سے محبت کا برتاؤ کرنا) اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھ پر رحم کھایا، کہ بچپن میں پالا پوسا اور بڑا کیا۔ اسی طرح آپ بھی ان دونوں پر رحم فرمائیے۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہوتا ہے (صلہ رحمی کرنا یا بدسلوکی کرنا) اگر تم نیک (اللہ کے فرمانبردار) ہوئے تو اللہ توبہ کرنیوالوں (اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں) کی خطا معاف فرما دیتا ہے (جو کچھ جلدی میں ماں باپ کی حق تلفی ہوجاتی ہے۔ حالانکہ دل میں کسی نافرمانی کا جذبہ نہیں تھا) اور قرابت دار کو اس کا حق (یعنی حسن سلوک اور صلہ رحمی کرکے) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور روپیہ پیسہ بے موقعہ مت اڑانا (کہ اللہ کی مرضی کیخلاف بے محل خرچ کر ڈالو) بلاشبہ بے موقع خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں (یعنی ان کے طریقہ پر ہیں) اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا

ناشکرا ہے (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کھلے بندوں انکار کرنے والا ہے۔ یہی حال ان فضول خرچ شیطان کے بھائی بندوں کا ہے) اور اگر آپ کو پہلوتہی کرنی پڑ جائے (ان رشتہ داروں سے اور محتاج اور مسافروں سے اور ان کو تم نہ دے سکو) اپنے پروردگار کی طرف سے رزق آنے کی امید میں۔ جس کی تم راہ دیکھ رہے ہو (یعنی اس انتظار میں ہو کہ تمہارے پاس کہیں سے کچھ آ جائے تو تم انہیں دے ڈالو) تو انہیں نرمی سے سمجھا دو (یعنی نرمی سے انہیں کہہ دو کہ جب آئے گا تو تمہیں ضرور دے دیا جائے گا) اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ لو کہ گردن ہی میں بندھ جائے (یعنی پوری بخیلی پر کمر باندھ لو) اور نہ بالکل ہی پھیلا دو، ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے گی (یہ تو پہلی صورت کی خرابی ہوگی) اور خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہو گے (بالکل تہی دست کہ ایک پھوٹی کوڑی بھی تمہارے پاس نہیں رہے گی۔ یہ دوسری صورت کا نتیجہ نکلے گا) تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے نپی تلی (تنگ) کر دیتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا، دیکھتا ہے۔ (ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے، جتنی مناسب سمجھتا ہے روزی دیتا ہے)۔

تحقیق وترکیب:............**فمحونا**۔ اس میں دو حکمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک تو دن اور رات کا اس طرح بنانا کہ مستقل طور پر قدرت الٰہی کی یہ دو نشانیاں ہیں۔ دوسرے رات کو سکون و راحت کے پیش نظر تاریک بنانا اور دن کو روزی کی جستجو کے لئے روشن بنانا اور رات کی نشانی کے محو کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ اول اسے روشن بنا کر پھر اسے ماند کیا جاتا ہے۔ بلکہ پیدائشی طور پر فی نفسہ دن کے مقابلہ میں، رات کو ماند پیدا کیا ہے اور بعض نے دن و رات کی نشانیوں سے مراد چاند سورج لئے ہیں، کہ اول دوسرے کے مقابلہ میں ماند ہوتا ہے۔ **طائره فی عنقه**۔ یعنی تقدیر الٰہی نے ہر شخص کے لئے جس قدر علم، عقل، رزق، عمر، سعادت، شقاوت مقدر کر دی ہے۔ انسان اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ بطور کنایہ کہا گیا ہے۔ ابن عباسؓ کی رائے بھی یہی ہے کہ اسباب خیر و شر کو طائر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت میں لوگ پرندوں سے نیک فالی اور بدفالی حاصل کرتے تھے جس کی ممانعت حدیث **لاطیرة ولا هامة** میں کی گئی ہے۔ **لاتزر**۔ بظاہر یہ آیت، حدیث **من سن سنة حسنة** کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ گمراہ ہونے کا ذمہ دار تو گمراہ ہونے والا ہوگا اور گمراہ کرنے کا ذمہ دار گمراہ کرنے والا ہوگا۔ غرض یہ کہ دونوں اپنے اپنے عمل کے لئے جواب دہ ہونگے۔ ایک دوسرے کے عمل میں نہیں پکڑا جائے گا۔ اس لئے آیت وحدیث میں تعارض نہیں۔ **رہا حتی نبعث** اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے بغیر کوئی حکم واجب نہیں لیکن جو اس کے قائل ہیں وہ اس کو دنیوی سزا پر محمول کرتے ہیں۔ **وقضی** یہاں سے قریباً ۲۵ اصلی اور فرعی احکام ذکر کئے جارہے ہیں۔ سب سے پہلے توحید سے شروع کیا گیا ہے۔ **فلاتقل لهما اف** مقصد یہ ہے کہ کوئی تکلیف دہ کلمہ ان کی شان میں نہ کہا جائے خواہ یہ ہو یا دوسرا کوئی لفظ لیکن اگر کسی زبان میں اف کے معنی اچھے ہوں تو پھر اس کی ممانعت نہیں ہوگی۔ امام غزالیؒ اکثر علماء کی رائے نقل کرتے ہیں کہ شبہات کے مواقع میں بھی والدین کی اطاعت ضروری ہے۔ البتہ حرام کاموں میں ان کی اطاعت نہیں کیونکہ شبہات سے بچنا ایک تقویٰ کی بات ہے لیکن والدین کو راضی رکھنا واجب ہے اس لئے اسی کو ترجیح ہوگی۔ البتہ اگر دونوں کی خوشنودی حاصل کرنا کسی وجہ سے دشوار ہو جائے تو پھر تعلیم اور احترام سے متعلق باتوں میں والد کی خوشنودی کو مقدم سمجھا جائے گا اور مالی اور بدنی خدمت کے لحاظ سے والدہ کو ترجیح دی جائے گی۔ چنانچہ اگر دونوں اولاد کے پاس آئیں تو والد کے لئے احتراماً کھڑا ہو جانا چاہئے۔ اور اگر دونوں کچھ مانگیں تو والدہ کو مقدم سمجھنا چاہئے۔ چنانچہ فقہاءؒ فرماتے ہیں کہ اولاد کے پاس اگر صرف اتنا ہو کہ وہ والدین میں سے ایک کی خدمت کر سکتا ہے تو چونکہ ماں نے زیادہ محنت وتعب اٹھایا ہے اور محبت وشفقت زیادہ کی ہے، اسی لئے اس کا زیادہ حق ہے۔ **واخفض** اس میں استعارہ مکنیہ یا مصرحہ اور ترشیحیہ ہو سکتا ہے۔ **وات ذا القربیٰ** امام اعظمؒ کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے۔ مالدار شخص پر اپنے بھائی بہن کی خبر گیری بھی واجب ہے لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے۔ یعنی صرف اصول وفروع کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے

اور دوسروں کے ساتھ مستحسن ہے۔ لاتبذر بے موقع خرچ کرنے کو تبذیر اور حد سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں۔ راجع للاول۔ یعنی بخل کا انجام ہر طرف ملامت ہوگی۔ اسی طرح راجع الی الثانی کا مطلب یہ ہے کہ اسراف کا نتیجہ تہی دست ہو جانا ہے۔

ربط آیات: .... پچھلی آیات میں توحید و رسالت اور قرآن کی حقانیت کا بیان تھا اور کفار کے لئے مستحق عذاب ہونا بتلایا تھا۔ لیکن کفار یہ کہتے تھے کہ اگر یہ باتیں حق ہیں تو ان کے انکار پر دنیا ہی میں ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ آیت ویدع الانسان میں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جس طرح دن رات اپنے اپنے وقت پر آتے جاتے ہیں اسی طرح عذاب بھی مقررہ وقت پر آ کر رہے گا۔ نیز وجعلنا الیل کا تعلق توحید سے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کل شیء فصلناہ سے قرآن کی تعریف مراد ہے اور اگر لوح محفوظ مراد ہو تو پھر یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح حساب کتاب لوح محفوظ میں درج ہے اسی طرح یہ ٹھیک اپنے مقررہ وقت پر واقع ہوں گے۔ اس کے بعد آیت واذا اردنا سے یہ بتلانا ہے کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد ان کی اطاعت نہ کرنے سے عذاب الٰہی آتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت کی اطاعت نہ کرنے سے تم بھی مستحق عذاب ہو گے، مقررہ وقت کا انتظار ہو رہا ہے۔ پس اس طرح اس آیت کا تعلق وما کنا معذبین سے بھی ہو گیا اور ویدع الانسان سے بھی آگے آیت من کان یرید سے کفار کے دوسرے شبہ کا جواب ہے کہ ان کے بعض کام اگر بقول مسلمانوں کے باعثِ عذاب بھی ہوں تب بھی ان کی مہمانداری، مظلوم کی حمایت و ہمدردی اور ضرورت مندوں کی امداد وغیرہ بھلے کاموں کی نجات ہو جائے گی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ ان کاموں سے یا دنیا مقصود ہوگی تب تو یہ کفار من کان یرید العاجلۃ میں داخل ہیں اور اگر بالفرض آخرت ہی مقصود ہو تو ایمان کی قید اور شرط ہے جو کفار میں نہیں پائی جاتی۔ پس بہر صورت کفار مستحق نجات ہونے کے بجائے مستوجب عذاب ہیں۔ اس کے بعد آیت وقضی ربك سے تقریباً ۱۲۵ حکام کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے لیکن چونکہ بلا ایمان و توحید کوئی عمل بھی معتبر و مقبول نہیں۔ اس لئے توحید کو پہلے ذکر کیا اور توحید ہی پر اس مضمون کو ختم کیا ہے۔ دوسرا حکم وبالوالدین میں والدین کے حقوق کی ادائیگی سے متعلق ہے۔ تیسرا حکم آیت ذی القربیٰ میں دوسرے قرابت داروں سے متعلق ہے اور چوتھا حکم لاتبذر میں فضول خرچی کی ممانعت کا ہے اور پانچواں حکم اماتعرضن میں مجبوری کے وقت معقول عذر کر دینے کا ہے اور چھٹا حکم ولاتجعل میں خرچ اخراجات کی میانہ روی سے متعلق ہے۔

﴿تشریح﴾: .... **انسان بھلائی برائی میں امتیاز نہیں کرتا:** .... آیت ویدع الانسان میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ وہ خیر وشر بھلائی برائی میں امتیاز نہیں کرتا اور بسااوقات برائی کا اس طرح خواہاں ہو جاتا ہے۔ جس طرح بہترائی کا خواستگار ہونا چاہئے۔ یہ حالت اسے اس لئے پیش آتی ہے کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے وہ اپنی خواہشوں کو فوراً پورا کرنا چاہتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے صبر و انتظار نہیں کرنا چاہتا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھائی کی طلب گاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلب گار ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی طلب گاری اُسے برائی کی طرف لے جا رہی ہے پس معلوم ہوا کہ اسے ایک راہنما کی ضرورت ہے جو خیر وشر میں امتیاز سکھلائے اور خواہشوں کی ٹھوکروں سے اس کی حفاظت کرے۔ یہی راہنمائی ہدایت وحی کی راہنمائی ہوئی اور اسی لئے انسان کسی ایسی راہنمائی کا بالطبع محتاج ہوا۔ اس کے بعد آیت وجعلنا میں اس طرف اشارہ ہے کہ دیکھو کس طرح ربوبیت الٰہی نے تمہاری ہدایت کا فطری سامان کر دیا ہے اور کس طرح کارخانہ ہستی کا ہر معاملہ تمہاری کار برآریوں کا ذریعہ ہے اور جب ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائیاں شب وروز دیکھ رہے ہو تو اس سے تمہیں کیوں انکار ہے۔ اگر وہ وحی و نبوت کے ذریعہ تمہاری ہدایت کا مزید سامان کر دے؟ اسی کے ساتھ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دن ورات کی حکمت، حساب ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ تلاش روزی بھی اس کی حکمت ہے اور

تشریح اس لئے فرمایا کہ عالم غیب میں نامۂ اعمال فرشتوں کے ہاتھوں میں محفوظ تھا۔ گویا ان کے پاس سے اعمال نامے برآمد کئے جائیں گے اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ بے پڑھے لکھے آدمی بھی قیامت میں اپنے اعمال نامے پڑھ لیں گے۔

بھلائی برائی نتیجۂ اعمال ہے:............ آیت وکل انسان سے یہ حقیقت واضح کرنی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے اور جو برائی بھی اسے پیش آتی ہے خود اسی کے اعمال کی پیداوار ہے اور آیت وما کنا معذبین سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ جن قوموں تک رسولوں کے آنے کی اطلاع نہیں پہنچی وہ گناہ اور کفر کی وجہ سے مبتلائے عذاب نہیں ہونگے اسی طرح اس آیت سے بعض لوگ یہ سمجھے ہیں کہ جن عقائد اور اعمال کی برائی عقل سے معلوم ہوسکتی ہے اور کسی سبب سے اسے جاننے کی تحریک بھی ہوگئی ہو۔ بلکہ جاننے اور غور کرنے کا موقع بھی مل گیا ہو اب خواہ غور و تامل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں نہ جانا ہو یا جان بوجھ کر پھر ایسے عقائد و اعمال کو اختیار کیا ہو ان کو عذاب ہوگا۔ کیونکہ یہ سب صورتیں نبی آنے کے قائم و مقام ہیں نبی کے آنے کا جو فائدہ ہوسکتا ہے وہ اس صورت میں بھی پورا ہو رہا ہے۔ پس گویا آیت کا حاصل یہ ہوگا۔ ما کنا معذبین حتی ننبهه بالنقل او بالعقل۔

امراء کی کثرت تباہی کا پیش خیمہ ہوتی ہے:............ بعض حضرات نے امرنا مترفیها کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کسی بستی کو جب ہم برباد کرنا چاہتے ہیں تو ہم وہاں کے امراء کو تعداد اور سامان میں بڑھا دیتے ہیں حتی کہ اس استدراجی حالت میں جب وہ پورے طور پر منہمک اور غافل ہو جاتے ہیں تو انہیں تباہی آگھیرتی ہے۔ غرض یہ کہ ان دونوں تفسیروں کا حاصل یہ نکلا کہ تباہی اور ہلاکت سے پہلے استدراجی صورت یا پیغمبر کی تشریف آوری ہوتی ہے اور دوسرے عام تکوینی واقعات کی طرح کسی قوم کے قابل ہلاکت ہونے کی حکمت کا متعین اور معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس لئے اب یہ شبہ نہیں رہا کہ انبیاءؑ کے آنے سے پہلے اگر وہ لوگ قابل عذاب نہیں تھے۔ تو گویا انہیں ہلاک کرنیکی خاطر یہ حیلہ نکالا جو بظاہر شان رحمت کے خلاف ہے اور اگر پہلے ہی سے ہلاکت کے قابل تھے تو پہلی تفسیر پر پیغمبر کے آئے بغیر ان کا ہلاک ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جواب دیا جائے گا کہ ہم دوسری شق اختیار کر کے کہتے ہیں۔ حکمت الٰہی سے ہی ان کی تباہی مناسب تھی۔ مگر ان کی تباہی کا واقع ہونا انبیاءؑ کے آنے پر موقوف رکھا گیا، کہ ان کی نافرمانی کرنے پر اس تباہی کا تحقق ہو جائے گا پس گویا ان کی تباہی کا باعث خود ان کی حرکتیں ہوئیں نہ کہ محض ارادہ الٰہی۔ اذا اردنا میں شرط و جزاء کے ظاہری ربط سے جو ہلاکت و تباہی کے مقصود بالذات ہونے کا شبہ ہوتا وہ بھی اس تقریر سے دور ہو گیا اور مالداروں کی تخصیص کی دو وجہ ہوسکتی ہیں۔ ایک تو ان کے ذی اثر ہونے کی وجہ سے ان کی اچھائی اور برائی دوسروں پر زیادہ اثر انداز ہوسکتی ہے۔ دوسرے غفلت کے پردے بھی انہیں کی نگاہوں پر زیادہ پڑے رہتے ہیں۔

انسان دو طرح کے ہیں:............ آیت من کان یرید میں بتلایا جا رہا ہے کہ نتائج عمل کے لحاظ سے انسان دو حصوں میں بٹ گیا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جس کی ساری طلب دنیا کی چندروزہ زندگی ہی کے لئے ہے۔ دوسرا وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس لئے اس دوسری زندگی کی سعادت کا بھی طالب ہے۔ جہاں تک دنیا کی زندگی کا تعلق ہے، ہمارا قانون یہ ہے کہ دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر دنیوی نتائج کا دروازہ کھول دیا جائے۔ چنانچہ سب ہی کو کارخانہ ربوبیت کا فیضان مل رہا ہے۔ انہیں بھی جو صرف دنیا کے ہو رہے اور انہیں بھی جو آخرت کے بھی طلب گار ہوئے لیکن جہاں تک اخروی سعادت کا تعلق ہے پہلے کے لئے محرومیاں ہوں گی، دوسرے کے لئے کامرانیاں۔ آیت ومن اراد الاخرة میں یہ حقیقت واضح کی جارہی ہے، کہ آخری سعادت کی شرائط کیا ہیں؟ فرمایا: دو شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ سعادت اخروی کے لئے کوشش کرے لیکن جو کوشش اس کے لئے صحیح ہوسکتی ہے یعنی جو اللہ

کی وحی نے بتلادی ہے۔دوسری یہ کہ اللہ پر اور اس کی صداقتوں پر ایمان ہو۔اس کے بغیر آخرت کی بہترین سعادت کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔آیت لاتجعل سے سلسلہ بیان اوامرونواہی کی طرف متوجہ ہوا ہے۔اور یہ واضح کرنا ہے کہ آخرت کے طلب گاروں کے اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔سب سے پہلے توحیدِ عبادت کی تلقین ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو کیونکہ توحیدِ خالقیت کا اعتقاد تو تمام پیروان مذاہب میں موجود تھا مگر توحیدِ عبادت کی حقیقت مفقود ہوگئی تھی۔

ماں باپ کے حقوق:......... پھر والدین کی حقوق پر توجہ دلائی کیونکہ والدین کی ربوبیت، ربوبیتِ الٰہی کا پرتو ہے۔اس لئے ربوبیتِ الٰہی کے بعد سب سے پہلے جو عمل قابل تعریف ہوسکتا ہے وہ یہی ہے کہ والدین کے حقوق خدمت سے غافل نہ ہو، والدین کی خدمت واطاعت کا اصلی وقت ان کے بڑھاپے کا وقت ہوتا ہے کیونکہ بڑھاپے کی کمزوریاں انہیں دوسروں کی خدمت واطاعت کا محتاج بنادیتی ہیں اور اولاد اپنی جوانی کی امنگوں اور عیش پرستیوں میں اس کی بہت کم مہلت پاتی ہے کہ اپنے محتاج اور معذور ماں باپ کی خبر گیری کرے۔پس یہاں سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا۔کیونکہ جو اولاد اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت واطاعت میں کوتاہی نہیں کرے گی وہ دوسرے وقتوں میں کب کوتاہی گوارا کرسکتی ہے۔انسان کی ضرورت اور محتاجی کے دو ہی وقت ہوتے ہیں۔بچپن اور پچپن کا وقت۔بچپن میں خود ماں باپ نے تمہاری خدمت کی تھی اب ان کے پچپن میں اولاد کو کرنی چاہئے۔

قرابتداروں کے حقوق:......... ماں باپ کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے قرابتداروں اور محتاجوں کی خبر گیری کا حکم دیا گیا ہے۔بعض حضرات نے آیت وات ذا القربیٰ کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو باغ فدک اس آیت کے نازل ہونے پر مرحمت فرمایا تھا۔جس سے معلوم ہو کہ فدک حضرت فاطمہؓ کا تھا۔اس روایت کو اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تو جواب یہ ہے کہ کیا آپؐ نے بطور عاریۃ مرحمت فرمایا تھا یا بر سبیل ہبہ؟ اگر پہلی صورت تھی تو پھر اہل سنت اور روافض کے درمیان جس مسئلہ میں کلام ہورہا ہے اس میں کیسے استدلال ہوسکتا ہے اور اگر دوسری صورت تھی تو پھر حضرت فاطمہؓ نے میراث کا دعویٰ کیوں کیا؟ استدلال میں اس روایت کو پیش کرنا چاہئے تھا۔پھر فرمایا جو لوگ تبذیر کرتے ہیں۔یعنی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی دولت بے موقعہ اور بے محل خرچ کرڈالتے ہیں۔مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اڑادیں تو وہ شیطان کے بھائی بندوں میں سے ہیں کیوں کہ شیطان کی راہ کفران کی راہ ہے اور انہوں نے بھی کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کی ہے۔مال ودولت کے بے جا استعمال کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ آدمی نہ تو اپنے اوپر خرچ کرے نہ دوسروں پر، محض جمع کرکے رکھے۔دوسری صورت یہ ہے کہ صرف اپنے اوپر خرچ کرے دوسروں پر خرچ نہ کرے۔پہلی صورت خزانہ جمع کرنے کی ہے۔جسے اکتناز کہنا چاہئے۔دوسری صورت اسراف اور تبذیر کی ہے۔قرآن نے دونوں صورتوں کو گناہ قرار دیا ہے اور دونوں سے روکا ہے۔

اسراف وتبذیر کا فرق:......... اسراف اور تبذیر کا حاصل ایک ہی ہے۔یعنی گناہ میں خرچ کرنا اب خواہ وہ اصلی گناہ ہو۔جیسے شراب اور جوا اور زنا وغیرہ۔یا بالواسطہ گناہ ہو، جیسے شہرت وفخر کی نیت سے خرچ کرنا کہ فی نفسہ تو خرچ کرنا جائز ہے مگر تفاخر کی نیت سے ناجائز ہوگیا اور بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ اسراف کہتے ہیں حد سے زیادہ خرچ کرنے کو۔مثلاً: ایک روپیہ کی بجائے دو روپے خرچ کرڈالنا اور تبذیر کہتے ہیں بے موقعہ وبے محل خرچ کرنے کو۔اور حق میں جس طرح حق مالی داخل ہے اسی طرح حسن معاشرت بھی داخل ہے۔یعنی قرابتداروں کی مالی اور غیر مالی ہر طرح کی مدد کرو اور ابلیس چونکہ ایک ہے اس لئے شیطان خود لایا گیا لیکن چونکہ شیاطین کے افراد بہت سے ہیں اس لئے جمع کے صیغہ سے بھی ذکر کیا ہے۔

میانہ روی: .... آیت ولا تجعل یدك نہایت جامع ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ مال و دولت خرچ کرنے میں اور ہر بات میں اعتدال کا راستہ اختیار کرو کسی ایک ہی طرف کو جھک نہ پڑو۔ مثلاً: خرچ کرنے پر آئے تو سب کچھ اڑا دیا۔ احتیاط کرنی چاہی تو اتنی کہ کنجوسی پر اتر آئے۔ دراصل تمام محاسن و فضائل کی بنیادی حقیقت میانہ روی اور اعتدال ہی ہے اور جتنی برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ افراط و تفریط سے پیدا ہوتی ہیں۔

لطائف آیات: .... آیت ویدع الانسان میں بعض آداب دعا کی طرف اشارہ ہے کہ مطلقاً دعا میں جلدی نہ کرے۔ بالخصوص بددعا کرنے میں خاص کر دوسروں کے لئے بددعا کرنے میں اور وہ بھی جب کہ انتقامی ارادہ سے ہو۔ آیت واذا اردنا میں اشارہ ہے کہ جب کسی سالک راہ کے قلب کو خراب کرنا منظور ہوتا ہے تو اس پر نفس و شیطان کے لشکر مسلّط کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ خواہشات کے اتباع سے خراب ہو جاتا ہے۔ آیت ومن اراد الاخرۃ سے معلوم ہوا کہ آخرت کے لائق وہی سعی معتبر ہو گی جس میں شریعت کی موافقت اور استقامت ہو۔ آیت کلا نمد سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی وسعت قبولیت کی علامت نہیں ہے۔ نیز اس میں اکابر کی اس عادت کی بھی اصل نکلتی ہے کہ وہ صرف مسلمانوں ہی کو نفع نہیں پہنچاتے بلکہ اخلاقِ الٰہی کی اتباع کرتے ہوئے عام انسانوں کی فلاح و بہبود کی کوشش کرتے ہیں۔ ہاں! ہدیہ وغیرہ میں البتہ تقویٰ کی رعایت مناسب ہے۔ آیت وقل رب ارحمهما سے اپنے مربی شیخ کے لئے دعائے خیر کرنے کا استحسان معلوم ہوتا ہے۔ آیت واما تعرضن سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر کسی وقت طالب حق کو فائدہ پہنچانے سے معذوری ہو تو اسے نرم جواب دینا چاہئے۔ ہاں! اصلاح کی مصلحت سختی کو چاہتی ہو تو دوسری بات ہے۔ آیت ولا تجعل یدك میں مشائخ کے لئے راہنمائی ہے کہ انہیں نہ تو اہل کے سامنے حقائق و معارف ظاہر کرنے میں بخل سے کام لینا چاہئے اور نا قابل تحمل اسرار و رموز بیان کر کے دوسروں کو تباہ کرنا چاہیے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بِالْوَادِ **خَشْيَةَ** مَخَافَةَ **اِمْلَاقٍ** فَقْرٍ **نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً** اِثْمًا **كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾** عَظِيْمًا **وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى** اَبْلَغُ مِنْ لَا تَأْتُوْهُ **اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ** قَبِيْحًا **وَسَاۗءَ** بِئْسَ **سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾** طَرِيْقًا هُوَ **وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ** لِوَارِثِهٖ **سُلْطٰنًا** تَسَلُّطًا عَلَى الْقَاتِلِ **فَلَا يُسْرِفْ** بِتَجَاوُزِ الْحَدِّ **فِّي الْقَتْلِ ۭ** بِاَنْ يَقْتُلَ غَيْرَ قَاتِلِهٖ اَوْ بِغَيْرِ مَا قَتَلَ بِهٖ **اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ** اِذَا عَاهَدْتُمُ اللّٰهَ اَوِ النَّاسَ **اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـــُٔوْلًا ﴿۳۴﴾** عَنْهُ **وَاَوْفُوا الْكَيْلَ** اَتِمُّوْهُ **اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ** اَلْمِيْزَانِ السَّوِيِّ **ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾** مَالًا **وَلَا تَقْفُ** تَتَّبِعُ **مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ** اَلْقَلْبَ **كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــــُٔوْلًا ﴿۳۶﴾** صَاحِبُهٗ مَاذَا فَعَلَ بِهٖ **وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ** اَيْ ذَا مَرَحٍ بِالْكِبْرِ وَالْخُيَلَاءِ **اِنَّكَ لَنْ**

تَخْرِقَ الْاَرْضَ تَشُقُّهَا حَتّٰی تَبْلُغَ اٰخِرَهَا بِكِبْرِكَ **وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾** اَلْمَعْنٰی اِنَّكَ لَا تَبْلُغُ هٰذَا
الْمَبْلَغَ فَكَیْفَ تَخْتَالُ **كُلُّ ذٰلِكَ** الْمَذْكُوْرُ **كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ**
اَوْحٰٓی اِلَیْكَ یَا مُحَمَّدُ **رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ** اَلْمَوْعِظَةِ **وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ**
جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ مَطْرُوْدًا عَنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ **اَفَاَصْفٰكُمْ** اَخْلَصَكُمْ یَا اَهْلَ مَكَّةَ **رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ**
وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا بَنَاتًا لِنَفْسِهٖ بِزَعْمِكُمْ **اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ** بِذٰلِكَ **قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا** ع
بَیَّنَّا **فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ** مِنَ الْاَمْثَالِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِیْدِ **لِیَذَّكَّرُوْا** یَتَّعِظُوْا **وَمَا یَزِیْدُهُمْ** ذٰلِكَ **اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾**
عَنِ الْحَقِّ **قُلْ** لَهُمْ **لَّوْ كَانَ مَعَهٗ** اَیِ اللّٰهِ **اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا** طَلَبُوْا **اِلٰی ذِی الْعَرْشِ** اَیِ اللّٰهِ
سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ طَرِیْقًا لِیُقَاتِلُوْهُ **سُبْحٰنَهٗ** تَنْزِیْهًا لَهٗ **وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ** مِنَ الشُّرَكَآءِ **عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾**
تُسَبِّحُ لَهُ تُنَزِّهُهٗ **السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَاِنْ** مَا **مِّنْ شَیْءٍ** مِنَ الْمَخْلُوْقَاتِ **اِلَّا**
یُسَبِّحُ مُتَلَبِّسًا **بِحَمْدِهٖ** اَیْ یَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ **وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ** تَفْهَمُوْنَ **تَسْبِیْحَهُمْ** لِاَنَّهٗ
لَیْسَ بِلُغَتِكُمْ **اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾** حَیْثُ لَمْ یُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوْبَةِ **وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا**
بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ اَیْ سَاتِرًا لَكَ عَنْهُمْ فَلَا یَرَوْنَكَ وَنَزَلَ
فِیْمَنْ اَرَادَ الْفَتْكَ بِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ **وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً** اَغْطِیَةً **اَنْ یَّفْقَهُوْهُ** مِنْ اَنْ یَّفْهَمُوا
الْقُرْاٰنَ اَیْ فَلَا یَفْهَمُوْنَهٗ **وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا** ثِقْلًا فَلَا یَسْمَعُوْنَهٗ **وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ**
وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ عَنْهُ **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ** بِسَبَبِهٖ مِنَ الْهُزْءِ **اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ**
اِلَیْكَ قِرَاءَ تِكَ **وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓی** یَتَنَاجَوْنَ بَیْنَهُمْ اَیْ یَتَحَدَّثُوْنَ **اِذْ** بَدَلٌ مِنْ اِذْ قَبْلَهٗ **یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ** فِیْ
تَنَاجِیْهِمْ **اِنْ** مَا **تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾** مَخْدُوْعًا مَغْلُوْبًا عَلٰی عَقْلِهٖ قَالَ تَعَالٰی **اُنْظُرْ كَیْفَ**
ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ بِالْمَسْحُوْرِ وَالْكَاهِنِ وَالشَّاعِرِ **فَضَلُّوْا** بِذٰلِكَ عَنِ الْهُدٰی **فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ**
سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ طَرِیْقًا اِلَیْهِ **وَقَالُوْا** مُنْكِرِیْنَ لِلْبَعْثِ **ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا**
جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ لَهُمْ **كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ** یَعْظُمُ عَنْ
قُبُوْلِ الْحَیٰوةِ فَضْلًا عَنِ الْعِظَامِ وَالرُّفَاتِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِیْجَادِ الرُّوْحِ فِیْكُمْ **فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا** اِلَی
الْحَیٰوةِ **قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ** خَلَقَكُمْ **اَوَّلَ مَرَّةٍ** وَلَمْ تَكُوْنُوْا شَیْئًا لِاَنَّ الْقَادِرَ عَلَی الْبَدْءِ قَادِرٌ عَلَی الْاِعَادَةِ بَلْ
هِیَ اَهْوَنُ **فَسَیُنْغِضُوْنَ** یُحَرِّكُوْنَ **اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ** تَعَجُّبًا **وَیَقُوْلُوْنَ** اِسْتِهْزَاءً **مَتٰی هُوَ** اَیِ الْبَعْثُ **قُلْ**

عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا﴿۵۱﴾ **یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ** یُنَادِیْکُمْ مِنَ الْقُبُوْرِ عَلٰی لِسَانِ اِسْرَافِیْلَ **فَتَسْتَجِیْبُوْنَ** فَتُجِیْبُوْنَ مِنَ الْقُبُوْرِ **بِحَمْدِہٖ** بِاَمْرِہٖ وَقِیْلَ وَلَہُ الْحَمْدُ **وَتَظُنُّوْنَ اِنْ** مَا **لَّبِثْتُمْ** فِی الدُّنْیَا **اِلَّا قَلِیْلًا**﴿۵۲﴾ لِھَوْلِ مَاتَرَوْنَ ع

ترجمہ:............ اوراپنی اولاد کو(زندہ درگور کرکے)ہلاک مت کروافلاس (ناداری) کے اندیشہ سے ہم ہی ہیں کہ انہیں بھی اورتمہیں بھی روزی دیتے ہیں۔ بلاشبہ انہیں قتل کرنا بڑے بھاری گناہ کی بات ہے!اورزنا کاری کے پاس بھی مت پھٹکو (یہ طرز زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کہنے کہ ''زنامت کرو'') یقین کروہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہےاور بڑی برائی کا چلن ہےاورکسی کاقتل ناحق نہ کرو ہاں مگرحق پراورجو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کواختیار دے دیا ہے۔پس چاہئے کہ اسے قتل کرنے میں حدود سے زیادہ تجاوز نہ کرے(اس طرح کہ قاتل کے علاوہ کسی اور کوقتل کردے، یا طریقہ بدل ڈالے)وہ شخص طرف داری کے قابل ہےاوریتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ۔مگرہاں ایسے طریقے سے جو بہتر ہو یہاں تک کہ یتیم جوان ہو جائیں اوراپنا عہد پورا کرو، (جوتم نے اللہ سے یا لوگوں سے کیا ہے) بے شک عہد کے بارے میں باز پرس کی جائے گی اور جب کوئی چیز ناپ کر دوتو پورا ناپو (پیمانہ بھرپور رکھو) اور جب تولو تو صحیح ترازو سے (جو برابر سرابر ہو) تو لو یہ اچھی بات ہے اوراس کاانجام (نتیجہ) اچھا ہے اوردیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑ و یاد رکھو کان، آنکھ، دل سب کے بارے میں باز پرس ہونیوالی ہے(کہ ان اعضاء سےلوگوں نے کیا کام لیا ہے)اورزمین پر اکڑ کر (اتراکر) نہ چلو، یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال سکتے (کہ اپنے تکبر کی وجہ سے اُسے پھاڑ کرآخر تک پہنچ جاؤ) اورنہ پہاڑوں کی لمبان تک پہنچ سکتے ہو(یعنی تم پہاڑ کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے۔پھر کیوں تکبر کرتے ہو) یہ(مذکورہ) سارے برے کام آپؐ کے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہیں۔یہ باتیں اس حکمت (دانائی) کی باتوں میں سے ہیں جو(اے محمدؐ!) آپؐ کے پروردگار نے وحی کے ذریعہ آپ پر بھیجی ہیں اوراللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ بالآخر ملامت کے مستوجب اورٹھکرائے ہوئے ہوکردوزخ میں جھونک دیئے جاؤ (اللہ کی رحمت سے راندہ ہوکر) کیاایسا ہوسکتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے تمہیں تواس برگزیدگی کے لئے چن لیا ہو(اے مکہ والو! خاص کرلیا ہو) کہ بیٹے والے ہو اورخودفرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہو(تمھارے خیال کے مطابق) بے شک (یہ) کیسی سخت بات ہے جوتم کہہ رہے ہواورہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے طریقوں سے (مثالیں اور وعدےاوروعیدیں) بیان کی ہیں تا کہ یہ لوگ نصیحت (سبق) حاصل کریں۔لیکن انہیں (حق سے) دوری اورنفرت بڑھتی جاتی ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے اگراس (اللہ) کیساتھ اوربہت سے معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تواس صورت میں ضروری تھا کہ وہ فوراًعرش کے مالک (اللہ) تک راستہ ڈھونڈ لیتے (اسے قتل کرنے کی کوئی راہ نکال لیتے) ان ساری باتوں سے (جو یہ مشرک) کہتے ہیں اس کی ذات پاک اور بلند ہے، بے حد بلند ہے۔ساتوں آسمان اورزمین اوران میں جو رہنے والے سب اس کی پاکیزگی بیان کر رہے ہیں اورکوئی چیز ایسی نہیں ہے(مخلوق میں سے) جوتعریف کے ساتھ اس کی حمدوثنا نہ کرتی ہو(یعنی سبحان اللہ وبحمدہ نہ کہتی ہو) لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو (کیونکہ وہ تمہاری زبان میں نہیں ہوتی) بلاشبہ وہ بڑا ہی بردبار، بڑا ہی بخشنے والا ہے (کہ سزادینے میں جلدی نہیں کرتا) جب آپؐ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپؐ کے اوران لوگوں کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ حائل کردیتے ہیں۔جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے (وہ آپؐ کوان کی نگاہوں سے اوجھل رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ آپؐ کو دیکھ نہیں سکتے اورآنحضرت ﷺ کوشہید کردینے کاارادہ رکھنے والوں کے بارے میں اگلی آیت نازل ہوئی ہے)اورہم نے ان کے دلوں پرحجاب (پردے) ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھیں (قرآن کو یعنی اب وہ قرآن سمجھ نہیں سکیں گے) اوران کے کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی ہے(بہراپن پیدا کردیا ہے تا کہ وہ قرآن نہ سن سکیں اور جب آپؐ قرآن میں صرف اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کردوڑنے لگتے ہیں۔ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں (یعنی جس استہزاء

کی وجہ سے یہ سنتے ہیں) جس وقت یہ لوگ آپ کی (قرأت کی) طرف کان لگاتے ہیں اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (باہم کانا پھوسی کرتے ہیں) جب کہ یہ ظالم (سرگوشیاں کرتے ہوئے) یوں کہتے ہیں کہ تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ محض جادو کا مارا ہوا ہے (دھوکہ میں آیا ہوا اور مغلوب العقل ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) غور کرو ان لوگوں نے آپ کی نسبت کیا کیا القاب تجویز کرر کھے ہیں (جادو ہوا ہوا، کاہن، شاعر) جس کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے (ہدایت سے ہٹ کر) اب راستہ نہیں پا سکتے اور یہ بھی کہتے ہیں (منکرین قیامت) کہ جب ہم محض چند ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے اور گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو گئے تو پھر کیا از سرِ نو کھڑے کئے جا سکتے ہیں؟ آپ (ان سے) کہہ دیجئے ہاں! تم کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ، پتھر ہو جاؤ، لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی سخت ہو (ہڈیوں اور بوسیدہ ہڈیوں سے بھی بڑھ کر اگر تمہارے نزدیک کوئی چیز ایسی ہو کہ زندگی کو قبول نہ کر سکے، تب بھی تم میں روح آ کر رہے گی) یہ سن کر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو دوبارہ ہمیں زندہ کر دے گا۔ آپ فرما دیجئے کہ وہ وہ ہے جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا؟ (حالانکہ تم اس وقت ناپید تھے کیونکہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگی۔ بلکہ بدرجہ اولیٰ) اس پر یہ لوگ آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر (مٹکا کر تعجباً) اور کہیں گے (بطور استہزاء کے) ایسا کب ہوگا؟ آپ کہئے! عجب نہیں کہ اس (قیامت) کا وقت قریب ہو، یہ اس روز ہوگا اللہ تمہیں بلائے گا (اسرافیل کی معرفت قبروں سے بلایا جائے گا) اور تم اس کی تعمیل کرو گے (قبروں سے جواب دیتے ہوئے اٹھو گے) اس کے حکم سے (اور کہا جائے گا کہ اللہ کے لئے تعریف ہے) اور (ہیبت ناک چیزوں کے دیکھنے سے) ایسا خیال کرو گے کہ تم نے جو وقت (دنیا میں) گزارا ہے وہ مدت کوئی بڑی نہ تھی۔

تحقیق وترکیب: .... **لاتقربوا**۔ اس میں مقدماتِ زنا کی بھی ممانعت ہے اس لئے یہ طرز زیادہ بلیغ ہے۔ **الا بالحق**۔ قتلِ حق کی تین صورتیں ہیں۔ مرتد ہو جانا، محصن کا زنا کرنا، دانستہ بے قصور مسلمان کو قتل کرنا۔ **سلطانا**۔ ولی مقتول کے لئے حقِ قصاص مراد ہے یا سلطان سے مراد حمیت وغلبہ ہے۔ بہر حال آیت میں اسی بات کی دلیل ہے کہ ولی کو قصاص لینے کا حق ہے۔ عصبات کی ترتیب سے اور جس کا کوئی ولی نہ ہو، اس کا ولی بادشاہ ہے۔ **فلا یسرف**۔ مثلاً: قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کو یا ایک کے بدلہ دو آدمیوں کو قتل کر ڈالنا اسراف فی القتل ہے۔ اسی طرح ابتداءً قتل کرنا اور کسی کو مثلہ کر دینا بھی اسراف قتل ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ولی مقتول اگر قصاص کو معاف کر دے یا دیت وصول کر لے تو پھر قصاص لینا نہیں چاہئے اور صاحب مدارک کی رائے یہ ہے کہ ظاہر آیت سے آزاد اور غلام اور مسلمان وذمی کے درمیان قصاص کا مشروع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ ذمی اور غلام بھی نفس محترم ہونے کی وجہ سے آیت میں داخل ہیں۔ **یبلغ اشدہ**۔ ابن عباسؓ کے نزدیک بلوغِ اشد کی حد اٹھارہ سال ہے۔ روایات سے مختلف مدتیں ثابت ہیں۔ مگر یہ کم از کم ہونے کی وجہ سے یقینی ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلوغ کی علامات نہ ہونے کی صورت میں بلوغ کی زیادہ سے زیادہ مدت اٹھارہ سال ہے اور چونکہ عورتیں جلدی بڑھتی ہیں۔ اس لئے ان کے لئے ایک سال کی کمی کر دی گئی ہے۔ یعنی سترہ سال زیادہ سے زیادہ مدت ہے۔ غرض یہ کہ اس مدت کے بعد یتیم کو مال میں تصرف ہو جائے گا۔ **ولا تقف** ای لا تتبع۔ قافیہ کو بھی قافیہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیچھے ہوتا ہے۔ **کل ذالک** آیت **ولا تجعل**۔ سے یہاں تک ۲۵ باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان سب کی طرف ذلک سے اشارہ ہے۔ **لو کان معہ** یہ قیاس استثنائی ہے۔ جس میں نقیض تالی کا استثناء کیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ نقیض مقدم ہوتا ہے۔ البتہ یہاں استثناء اور نتیجہ حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اصلی عبارت اس طرح تھی۔ **لکنھم لم یطلبوا طریقاً لقتالہ فلم یکن معہ الھۃ** حاصل یہ ہے کہ **لو فرض ان لہ شریکافی الملک لنازعہ وقاتلہ واستعلیٰ علیہ لکنہ لم یوجد من ھو بھذہ المثابۃ فبطل التعدد وثبت الوحدانیۃ**. **وان من شیء** بقول قتادہؓ تمام حیوانات اور نامیات کو بھی یہ حکم شامل ہے اور عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ درخت تسبیح کرتے ہیں۔ البتہ ستون نہیں کرتے اور مقدامؓ کہتے ہیں کہ مٹی جب تک خشک رہے اسی طرح پتے جب تک درختوں پر رہیں اور پانی جب تک جاری رہے اور کپڑا جب تک نیا اور اُجلا رہتا ہے اور وحوش وطیور اڑنے کی حالت میں تسبیح کرتے ہیں۔ لیکن ارباب عقل یہ کہتے ہیں کہ اس

کا منشاء یہ ہے کہ ان چیزوں سے قدرتِ الٰہی پر دلالت ہوتی ہے۔ جس سے دیکھنے والا تسبیح وتہلیل کرنے لگتا ہے۔ **واذقرأت** یا تو مطلقاً آیات قرآن کی برکت سے مشرکین کی نگاہوں سے پڑھنے والا مستور ہوجاتا ہے اور یا صرف تین آیات مراد ہیں۔ سورۂ نحل کی آیت **اولئك الذين طبع الله علىٰ قلوبهم وسمعهم** اور سورۂ کہف کی آیت **وجعلنا علىٰ قلوبهم اكنة**۔ اور سورۂ جاثیہ کی آیت **افرايت من اتخذ الٰهه هواه** اور قرطبیؒ سورۂ یٰسین کی آیت **فهم لايبصرون** کا اور اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ہجرت کے موقعہ پر آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور خود سورۂ یٰسین شروع سے **فهم لايبصرون** تک پڑھتے ہوئے کفار کے مجمع سے صاف بچ کر نکل گئے اور آپؐ کے مٹھی بھر مٹی پھینکنے سے سب گویا اندھے ہوگئے تھے۔ اسی طرح سعید ابن جبیرؒ کی روایت ہے کہ جب آیت **تبت يدا ابى لهب** نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ام جمیل ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکرؓ بیٹھے ہوئے تھے مگر آنحضرتؐ اس کو نظر نہیں آئے اور وہ حضرت ابوبکرؓ سے پوچھنے لگی کہ تمہارے دوست کہاں ہیں؟ میں نے سنا ہے کہ وہ میری ہجو کرتے ہیں حالانکہ آپؐ وہاں تشریف رکھے ہوئے تھے مگر اسے نظر نہیں آئے۔ یا آیت کا منشاء یہ ہے کہ آپؐ کے کمالاتِ نبوت کفار کو نظر نہیں آتے تھے۔ اس لئے وہ آپؐ کو پہچان نہیں سکے۔ یہی دونوں مطلب **وفی اٰذانهم وقرا** کے بھی ہوسکتے ہیں۔ **اذيستمعون**۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپؐ کے پڑھنے کے وقت قبیلہ عبدالدار کے دو آدمی آپؐ کے داہنے اور دو آدمی بائیں کھڑے ہوکر تالیاں پیٹتے، سیٹیاں بجاتے اور اشعار پڑھتے۔

ربط آیات:............ساتواں حکم آیت **ولاتقتلوا** میں اولاد کو قتل کی ممانعت کا دیا جارہا ہے۔ یعنی لڑکیوں کو زندہ دفن در گور کرنے سے منع کیا جارہا ہے اور آٹھواں حکم **لاتقربوا الزنا** میں زنا کاری کی ممانعت کا ہے اور نواں حکم **لاتقتلوا النفس** میں مطلقاً قتل کے ناجائز ہونے کا دیا جارہا ہے۔ دسواں حکم **لاتقربوا مال اليتيم** میں مال یتیم کے حرام ہونے کا اور گیارہواں حکم **اوفوابالعهد** میں وفائے عہد کا دیا جارہا ہے اور بارہواں اور تیرہواں حکم ناپ تول پورا کرنے کا دیا جارہا ہے اور چودہواں حکم **ولاتقف** میں بلا تحقیق عمل درآمد کرنے کو منع کیا جارہا ہے اور آیت **ولاتمش** میں پندرہواں حکم اکڑ کر چلنے اور اترانے سے منع کیا جارہا ہے۔ آگے آیت **كل ذٰلك** میں ان مذکورہ باتوں میں سے تمام بُرے پہلوؤں کو روکا جارہا ہے اور پھر **ذٰلك مما اوحى** میں توحید پر کلام ختم کیا جارہا ہے اور **افا صفٰكم** میں توحید کی تاکید کی جارہی ہے۔ اس کے بعد آیت **واذا قرأت** میں بتلایا جارہا ہے کہ توحید کی طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے بلکہ تمسخر واستہزاء سے پیش آتے ہیں۔ اس لئے قرآن اور رسول دونوں سے پھر رہے ہیں۔ اس کے بعد آیت **وقالوا ء اذا كنا** سے قیامت کے بارے میں کفار کے شبہ کا جواب دیا جارہا ہے۔

﴿تشریح﴾:............ **دُختر کشی اور عام انسانی قتل:**............ زمانہ جاہلیت میں دختر کشی کی غلط رسم کو جس کا رواج ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی رہا ہے۔ آیت **لاتقتلوا اولادكم** میں قتل اولاد کے عنوان سے روکا جارہا ہے۔ اس تعبیر میں تعلق کو اُبھار کر جوش ترحم پیدا کرنا مقصود ہے۔ قرآن میں انسانی کشت وخون اور قتل کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ شرک کے بعد اگر کوئی برائی ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے۔ اس بارے میں طبیعت انسانی کے لئے اصلی آزمائش کا وقت وہ ہوتا ہے جب انتقام کا جوش ابھر آتا ہے اور بسا اوقات ایک قتل کے بدلہ سینکڑوں جانوں کا خون بہادیا جاتا ہے۔ آیت **فلايسرف فى القتل** میں اسی فتنہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو شخص کسی ظلم سے مارا جائے، تو اس کے وارثوں کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا بے جا استعمال نہیں ہونا چاہئے کہ ایک خونریزی کے بدلے بہت سی خونریزیاں ہوجائیں اور ولی سے مراد وہ شخص ہے جسے حق قصاص حاصل ہو لیکن اگر وارث موجود نہ ہو، تو پھر بادشاہ حکمی وارث سمجھا جائے گا اور عہد کی پابندی میں تمام عہد آگئے۔ خواہ وہ احکام الٰہیہ کی صورت میں ہوں یا بندوں کے ساتھ معاہدے بلکہ خازن نے

تو عہد کی ایسی عام تفسیر کی ہے جس میں وعدے بھی آ گئے البتہ وعدہ پورا کرنا دیانۃً واجب ہوگا۔ قضاءً واجب نہیں ہوگا اور عہد سے صرف مشروع عہد مراد ہیں نامشروع عہد اس میں داخل نہیں اور وعدہ کا واجب ہونا بلاعذر کے ہے عذر کی حالت میں واجب نہیں رہتا۔

بلاتحقیق عمل درآمد نہیں کرنا چاہئے: .... آیت ولا تقف کا حاصل یہ ہے کہ بلاتحقیق وتفتیش کوئی حکم نہیں لگانا چاہئے باقی علم اصول وکلام میں ہر کام کی تحقیق کا الگ الگ درجہ ثابت ہو چکا ہے اسی کے مطابق ہر کام میں اسی درجہ کی تحقیق ضروری ہوگی جس کا وہ مستحق ہے اس کے بغیر عملدرآمد جائز نہیں ہے نہ قول کے اعتبار سے جیسے کسی چیز کی نقل وحکایت یا فتوی دینا اور نہ عمل کے لحاظ سے۔ الغرض قطعیات میں قطعی دلیل کی ضرورت ہوگی اور ظنیات میں ظنی دلیل درکار ہوگی پس اب شرعی قیاس کی نفی کا شبہ باقی نہیں رہا۔ آیت ولا تمش فی الارض' کا مطلب یہ ہے کہ اکڑ کر زور سے پاؤں رکھنے کے لئے کم از کم اتنی قوت تو ہونی چاہیئے کہ دہل کر زمین پھٹ جائے اور تن کر چلنے کے لئے کم از کم اتنی قدرت ہونی چاہئے کہ پہاڑوں سے سر مل جائے۔ لیکن یہ بات میسر نہیں تو پھر کیوں یہ چال اختیار کی جائے اور انسان جن چیزوں پر قادر سمجھا جاتا ہے ان پر بھی حقیقۃً انسان کو قدرت حاصل نہیں اس لئے تکبر ہر کام میں برا ہوا۔ اس تقریر پر یہ شبہ نہیں رہتا کہ اس سے اختیاری کاموں میں تکبر کا جائز ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ اور کل ذٰلک کان سیئہ کا مطلب یہ کہ جن باتوں کی ممانعت کی گئی ہے ان میں تو صراحۃً برائی ہے لیکن جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں صراحۃً تو برائی نہیں البتہ دلالۃً ان میں بھی برائی ہے یعنی ان کی خلاف جانب .... مثلاً وفائے عہد کی ضد بے وفائی بری ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنے کی ضد شرک کرنا برا ہے۔ والدین کے ساتھ احسان کرنے کی خلاف جانب یعنی بدسلوکی کرنا برا ہے۔

دلیل امتناعی سے اثبات توحید: .... آیت قل لو کان معہ اٰلھۃ میں لو کان فیھما اٰلھۃ کی طرح برہان تمانع بیان کیا جارہا ہے۔ یعنی ملازمت عادیہ کے طریقہ پر کلام ہو رہا ہے کہ ایسی دو بڑی عظیم طاقت وقدرت رکھنے والی دو ذاتوں میں ہمیشہ صلح عادۃً محال ہے اور چونکہ توحید باری برہانی دلیل سے ثابت ہے۔ جن کی تقریر سورہ بقرہ کی آیت ان فی خلق السمٰوٰت میں گزر چکی ہے اس لئے یہاں برہان تمانع کے اکتفا میں کوئی حرج نہیں۔ جب کہ قریب الی الفہم یہی ہوتی ہے۔

کائنات کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے: .... آیت تسبح میں فرمایا جارہا ہے کہ کائنات ہستی میں کوئی چیز نہیں جو اللہ کی حمد و تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم میں سمجھ نہیں کہ ان کی تسبیح تقدیس پر غور کرو۔ یہ تسبیح جو کائنات ہستی کی ہر چیز کر رہی ہے کیا محض آوازوں کی تسبیح ہے؟ نہیں وہ اپنی ہستی میں، اپنی بناوٹ میں، اپنی صورت میں، اپنے افعال وخواص میں مجسم تسبیح وتقدیس ہیں۔ ان کی ہستی ہی تسبیح کا ترانہ اور ان کی موجودگی ہی سرتا سر حمد وثنا ہے۔ وہ اپنی ہر بات میں کسی بنانے والے کی صنعت، کسی پرورش کرنے والے کی پرورش اور کسی سرچشمہ حسن وکمال کی حسن افروزیاں ہیں اور اس لئے زبان حال سے اس کی خالقیت وحکمت اور ربوبیت ورحمت کی حمد وتسبیح کر رہی ہیں۔ عربی میں مَنْ چونکہ ذوی العقول کے لئے آتا ہے اس لئے گویا پہلے تو فرمایا کہ آسمان زمین میں جتنی ذی عقل ہستیاں ہیں سب تسبیح الٰہی میں سرگرم ہیں اور پھر فرمایا کہ کائنات ہستی میں کوئی شئے نہیں جو اس تسبیح میں انکی شریک نہ ہو۔ کیونکہ عربی میں شئے کا لفظ جس طرح جسم وحجم رکھنے والی چیزوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح دوسری چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ حتی کہ دروازہ کھلنے کی آواز کو بھی شئے کہتے ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ کائنات ہستی کی ہر چیز ہر حالت، ہر وجود ہر حادثہ اپنے بنانے والے کی یکتائی اور صنعت گری کی تصویر ہے اور خود تصویر سے بڑھ کر اور کس کی زبان ہو سکتی ہے جو مصور کے ہنر اور کمال کا اعلان کرے؟ اگر ایک باکمال سنگتراش موجود ہے۔ تو اس کی صناعی اور کمال کی تعریف تم زبانوں سے نہیں کر سکتے اس کی مجسم تعریف وتوصیف خود اس کی بنائی ہوئی مورتی ہوتی ہے۔ اس مورتی کا حسن، اس کا

تناسب، اسکا انداز، اس کی ساری باتیں اپنے سنگتراش کی چابک دستی کی ابھرتی ہوئی تعریف اور ابلتی ہوئی ثنا خوانی ہوتی ہے۔

کائناتِ ہستی سرتاسر حُسن و جمال ہے:.......... اس آیت نے یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہے سرتاسر حسن وخوبی ہی ہے کیونکہ حمد کے معنی بہترین تعریف کے ہیں اور تمام چیزوں کا وقف ثنا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ بنانے والے نے جتنی چیزیں بنائی ہیں حسن وخوبی کی بنائی ہیں۔ اگرچہ ہماری کوتاہ نظری اسے نہ پاسکے لیکن کیا کائناتِ ہستی کی یہ تسبیح محض صدائے حال ہی کی تسبیح ہے، زبان قال کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ غرضیکہ آیت میں تسبیح کا لفظ عموم مجاز کے طریقہ پر حقیقی اور زبانی تسبیح کی طرح حکمی اور حالی تسبیح دونوں کو شامل ہے۔ پس ذی عقل اطاعت گزاروں کی زبانی تسبیح تو ظاہر ہے لیکن جو ذی عقل مخلوق نہیں ان کی تسبیح بھی احادیث سے ثابت ہے اور کشف سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ البتہ نافرمان مگر ذی عقل چیزوں کی تسبیح صرف حالی ہے کہ ان کا وجود اور اس سے متعلق تمام حالتیں وجود صانع پر دلالت کررہی ہیں اور اس طرح کی حالی تسبیح دوسری مخلوقات کو بھی شامل ہے۔ پس گویا زبانی یا حالی تسبیح کہنا بطور منع الخلو کے ہے اور نہ سمجھنے کا خطاب قرینہ مقام کی وجہ سے صرف مشرکین کو ہے۔ البتہ تسبیحھم کی خبر بطور تغلیب تمام مسبحین کی طرف لوٹ رہی ہے نر ہوں یا مادہ اور ان کا نہ سمجھنا ہر تسبیح کے اعتبار سے ہے اور اسی پر ملامت ہے۔ ورنہ تسبیح کی بعض قسموں کا نہ سمجھنا باعثِ ملامت نہیں برخلاف مؤمنین کے، وہ سب کی تسبیح کو سمجھتے ہیں۔ اہل کشف تو ہر تسبیح کرنے والے کی تسبیح کو سمجھتے ہیں اور جمادات کی طرح کی چیزوں میں صرف حالی تسبیح کو سمجھتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب:.......... اور بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ تسبیح کرنے کے لئے علم کی اور علم کے لئے زندگی کی ضرورت ہے حالانکہ جمادات جیسی چیزوں میں زندگی نہیں ہوتی؟ جواب یہ ہے کہ تسبیح کے لئے جتنے علم اور زندگی کی ضرورت ہے وہ اگر جمادات میں موجود ہو مگر محسوس نہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ آیت واذاقرأت میں منکرین کی حالت بیان کی جارہی ہے کہ وہ قرآن کی طرف رخ نہیں کرتے اسے سننا نہیں چاہتے اسے سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اللہ کا مقررہ قانون یہ ہے کہ اگر تم آنکھیں نہیں کھولو گے تو تمہارے آگے ایک سیاہ پردہ حائل کردیا جائے گا اگر تم سننا نہیں چاہو گے تو تمہارے کان بہروں کے کان ہوجائیں گے اگر تم سوچنے سے انکار کردو گے تو تمہاری عقل پر پردے پڑجائیں گے اس کی روشنی کام نہیں دے سکے گی منکروں کی یہ حالت خود انہی کی پسند کی ہوئی حالت تھی۔ یہ قانونِ اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے کہ نہ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر پردہ پڑجاتا ہے۔ لیکن اسی وقت پڑتا ہے جب دیکھنے والا دیکھنے سے انکار کردیتا ہے۔ یہاں تین باتیں بیان کی گئی ہیں۔ آنکھوں کے آگے حجاب، کانوں کے اندر ڈاٹ اور عقل پر غلافوں کا چڑھ جانا اور یہ وہی تین حالتیں ہیں جو خود منکروں نے اپنے لئے پسند کی تھیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اٰذاننا وقرومن بیننا وبینك حجاب**۔

آیت وحدیث میں تعارض کے شبہ کا جواب:.......... بعض حضرات نے آیت الا رجلا مسحورا سے اس حدیث کے انکار پر استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ ایک دفعہ آپؐ پر جادو چل گیا تھا کیونکہ آیت میں اس کو کفار کا قول کہہ کر رد کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہاں کفار کا مقصود بطور کنایہ آپ کو مسحور کہنے سے مجنوں کہنا تھا۔ جس کی باتیں اور خیالات ہذیانات اور توہمات ہوتے ہیں۔ پس کفار وحی کو بھی اسی طرح مجنونانہ پریشان خیالات اور دیوانگی قرار دیتے ہیں۔ جس کا رد اس آیت میں کیا جارہا ہے اس سے حدیث میں جادو کے جزئی واقعہ کا انکار لازم نہیں آیا۔ ہاں جادو کے اثر سے بعض دنیوی باتوں کا ذہول ہوجاتا تھا۔ لیکن اس سے دنیوی کاموں میں کسی طرح کا کوئی خلل نہیں آتا تھا۔ اور دینی کاموں میں تو ایسا ذہول بھی نہیں ہوا۔ ورنہ

خطائے اجتہادی کی طرح اس اثر کے ختم ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ متنبہ فرما دیتے غرض کہ اس آیت میں تو جادو کے ایک خاص اثر یعنی جنون کا انکار ہے اور حدیث میں مطلق جادو کا بیان ہے پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی لازم نہیں آتی۔

ابتدائی زندگی سے اُخروی زندگی پر استدلال:......... قرآن کریم نے جگہ جگہ نشأۃ اولیٰ سے نشأۃ ثانیہ پر استدلال کیا ہے۔ یعنی جس خالق وقدیر نے تمہیں پہلی مرتبہ زندگی دی، کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟ پھر اس پر اچنبھا کیوں ہو۔ یہاں بھی آیت **وقالوا اذا کنا** میں یہی استدلال ہے۔ پہلی زندگی سے مراد، فرد زندگی بھی ہو سکتی ہے اور نوع کی بھی۔ ہر شخص اپنی ہستی میں غور کر سکتا ہے کہ اس کا وجود نہ تھا مگر ظہور میں آ گیا اور کس طرح ظہور میں آیا؟ محض نطفہ کے ایک خوردبین کیڑہ سے جو جونک کی طرح ہوتا ہے۔ پھر اگر کیڑے کے ایک ذرّہ سے اسکا وجود بن سکتا ہے تو کیا اس کے پورے وجود کے ذرات سے دوبارہ وجود نہیں بن سکتا۔ **فتستجیبون بحمدہ** کی تفسیر میں علامہ آلوسیؒ نے ابن جبیرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ قبروں سے **سبحانک اللھم وبحمدک** کہتے ہوئے مسلمان اور کافر سب نکلیں گے یہ دوسری بات ہے کہ یہ کہنا کافروں کے لئے مفید نہ ہو اور بعض نے کنایۃً انقیاد وطاعت کے معنی لئے ہیں اور نغمۂ اسرافیلی میں یہی حکم ہوگا۔

لطائف آیات:......... آیت **فقد جعلنا لولیہ** میں قدرت کے وقت ضبطِ نفس کی تعلیم ہے۔ آیت **ولا تقف** میں الٰہیات ونبوت کے سلسلہ میں ظن وتخمین اور رائے سے کلام کرنے کی ممانعت ہے اور سالک کو بھی غلط دعووں سے بچنا چاہئے۔ آیت **وان من شیء** میں اور آثار کی تائید سے اس پر دلالت ہو رہی ہے کہ جمادات زبانی تسبیح بھی کرتے ہیں اور اس کے لئے شعور ضروری ہے اگرچہ ضعیف ہی سہی۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ الْمُؤْمِنِیْنَ **یَقُوْلُوا** لِلْکُفَّارِ الْکَلِمَةَ **الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ** یُفْسِدُ **بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾** بَیِّنُ الْعَدَاوَةِ وَالْکَلِمَةُ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ هِیَ **رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ** بِالتَّوْبَةِ وَالْاِیْمَانِ **اَوْ اِنْ یَّشَاْ** تَعْذِیْبَکُمْ **یُعَذِّبْکُمْ ؕ** بِالْمَوْتِ عَلَی الْکُفْرِ **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ وَکِیْلًا ﴿۵۴﴾** فَتُجْبِرُهُمْ عَلَی الْاِیْمَانِ وَهٰذَا قَبْلَ الْاَمْرِ بِالْقِتَالِ **وَرَبُّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ** فَیَخُصُّهُمْ بِمَا شَآءَ عَلٰی قَدْرِ اَحْوَالِهِمْ **وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ** بِتَخْصِیْصِ کُلٍّ مِّنْهُمْ بِفَضِیْلَةٍ کَمُوْسٰی بِالْکَلَامِ وَاِبْرَاهِیْمَ بِالْخُلَّةِ وَمُحَمَّدٍ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمَا السَّلَامُ بِالْاِسْرَاءِ **وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ** لَهُمْ **ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ** اَنَّهُمْ اٰلِهَةٌ **مِّنْ دُوْنِهٖ** کَالْمَلَائِکَةِ وَعِیْسٰی وَعُزَیْرٍ **فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾** لَهُ اِلٰی غَیْرِکُمْ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ** هُمْ اٰلِهَةٌ **یَبْتَغُوْنَ** یَطْلُبُوْنَ **اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ** الْقُرْبَةَ بِالطَّاعَةِ **اَیُّهُمْ** بَدَلٌ مِّنْ وَاوِ یَبْتَغُوْنَ اَیْ یَبْتَغِیْهَا الَّذِیْ هُوَ **اَقْرَبُ** اِلَیْهِ فَکَیْفَ بِغَیْرِهٖ **وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ** کَغَیْرِهِمْ فَکَیْفَ یَدْعُوْنَهُمْ اٰلِهَةً **اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ** مَا **مِّنْ قَرْیَةٍ** اُرِیْدَ اَهْلُهَا **اِلَّا نَحْنُ مُهْلِکُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ** بِالْمَوْتِ **اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ** بِالْقَتْلِ وَغَیْرِهٖ **کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ** اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ **مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾** مَکْتُوْبًا **وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ**

بِالْاٰیٰتِ الَّتِیْ اِقْتَرَحَھَا اَھْلُ مَکَّۃَ **اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِھَا الْاَوَّلُوْنَ** لِمَا اَرْسَلْنَاھَا فَاَھْلَکْنَاھُمْ وَلَوْ اَرْسَلْنَاھَا اِلٰی ھٰؤُلَاءِ لَکَذَّبُوْا بِھَا وَاسْتَحَقُّوا الْاِھْلَاکَ وَقَدْ حَکَمْنَا بِاِمْھَالِھِمْ لِاِتْمَامِ اَمْرِ مُحَمَّدٍ **وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَۃَ** اٰیَۃً **مُبْصِرَۃً** بَیِّنَۃً وَاضِحَۃً **فَظَلَمُوْا** کَفَرُوْا **بِھَا** فَاُھْلِکُوْا **وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ** الْمُعْجِزَاتِ **اِلَّا تَخْوِیْفًا**﴿۵۹﴾ لِلْعِبَادِ لِیُؤْمِنُوْا وَ اذْکُرْ **اِذْ قُلْنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ** عِلْمًا وَقُدْرَۃً فَھُمْ فِیْ قَبْضَتِہٖ فَبَلِّغْھُمْ وَلَا تَخَفْ اَحَدًا فَھُوَ یَعْصِمُکَ مِنْھُمْ **وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْ اَرَیْنٰکَ** عِیَانًا لَیْلَۃَ الْاِسْرَاءِ **اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ** اَھْلَ مَکَّۃَ اِذْ کَذَّبُوْا بِھَا وَارْتَدَّ بَعْضُھُمْ لَمَّا اَخْبَرَھُمْ بِھَا **وَالشَّجَرَۃَ الْمَلْعُوْنَۃَ فِی الْقُرْاٰنِ** وَھِیَ الزَّقُّوْمُ الَّتِیْ تَنْبُتُ فِیْ اَصْلِ الْجَحِیْمِ جَعَلْنَا فِتْنَۃً لَھُمْ اِذْ قَالُوْا النَّارُ تَحْرِقُ الشَّجَرَۃَ فَکَیْفَ تُنْبِتُہٗ **وَ نُخَوِّفُھُمْ** بِھَا **فَمَا یَزِیْدُھُمْ** تَخْوِیْفُنَا **اِلَّا طُغْیَانًا کَبِیْرًا**﴿۶۰﴾ وَاذْکُرْ **اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ** سُجُوْدَ تَحِیَّۃٍ بِالْاِنْحِنَاءِ **فَسَجَدُوْا اِلَّآ اِبْلِیْسَ قَالَ ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا**﴿۶۱﴾ نُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِضِ اَیْ مِنْ طِیْنٍ **قَالَ اَرَءَیْتَکَ** اَیْ اَخْبِرْنِیْ **ھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ** فَضَّلْتَ **عَلَیَّ** بِالْاَمْرِ بِالسُّجُوْدِ وَاَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ **لَئِنْ** لَامُ قَسَمٍ **اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَاَحْتَنِکَنَّ** لَاَسْتَاْصِلَنَّ **ذُرِّیَّتَہٗٓ** بِالْاِغْوَاءِ **اِلَّا قَلِیْلًا**﴿۶۲﴾ مِنْھُمْ مِمَّنْ عَصَمْتَہٗ **قَالَ** تَعَالٰی لَہٗ **اذْھَبْ** مُنْظَرًا اِلٰی وَقْتِ النَّفْخَۃِ الْاُوْلٰی **فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْھُمْ فَاِنَّ جَھَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ** اَنْتَ وَھُمْ **جَزَآءً مَّوْفُوْرًا**﴿۶۳﴾ وَافِرًا کَامِلًا **وَاسْتَفْزِزْ** اِسْتَخِفَّ **مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْھُمْ بِصَوْتِکَ** بِدُعَائِکَ بِالْغِنَاءِ وَالْمَزَامِیْرِ وَکُلِّ دَاعٍ اِلَی الْمَعْصِیَۃِ **وَاَجْلِبْ** صِحْ **عَلَیْھِمْ بِخَیْلِکَ وَرَجِلِکَ** وَھُمُ الرُّکَّابُ وَالْمُشَاۃُ فِی الْمَعَاصِیْ **وَشَارِکْھُمْ فِی الْاَمْوَالِ** الْمُحَرَّمَۃِ کَالرِّبٰوا وَالْغَصْبِ **وَالْاَوْلَادِ** مِنَ الزِّنَا **وَعِدْھُمْ** بِاَنْ لَا بَعْثَ وَلَا جَزَاءَ **وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ** بِذٰلِکَ **اِلَّا غُرُوْرًا**﴿۶۴﴾ بَاطِلًا **اِنَّ عِبَادِیْ** الْمُؤْمِنِیْنَ **لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ** تَسَلُّطٌ وَقُوَّۃٌ **وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا**﴿۶۵﴾ حَافِظًا لَھُمْ مِنْکَ **رَبُّکُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ** یُجْرِیْ **لَکُمُ الْفُلْکَ** السُّفُنَ **فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ** تَعَالٰی بِالتِّجَارَۃِ **اِنَّہٗ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا**﴿۶۶﴾ فِیْ تَسْخِیْرِھَا لَکُمْ **وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ** الشِّدَّۃُ **فِی الْبَحْرِ** خَوْفَ الْغَرَقِ **ضَلَّ** غَابَ عَنْکُمْ **مَنْ تَدْعُوْنَ** تَعْبُدُوْنَ مِنَ الْاٰلِھَۃِ فَلَا تَدْعُوْنَہٗ **اِلَّآ اِیَّاہُ** تَعَالٰی فَاِنَّکُمْ تَدْعُوْنَہٗ وَحْدَہٗ لِاَنَّکُمْ فِیْ شِدَّۃٍ لَا یَکْشِفُھَا اِلَّا ھُوَ **فَلَمَّا نَجّٰکُمْ** مِنَ الْغَرَقِ وَاَوْصَلَکُمْ **اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ** عَنِ التَّوْحِیْدِ **وَکَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا**﴿۶۷﴾ جُحُوْدَ النِّعَمِ **اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ** اَیِ الْاَرْضِ کَقَارُوْنَ **اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا** اَیْ یَرْمِیَکُمْ بِالْحُصْبَاءِ کَقَوْمِ لُوْطٍ **ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا**﴿۶۸﴾ حَافِظًا مِنْہُ **اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْہِ** اَیِ الْبَحْرِ **تَارَۃً** مَرَّۃً **اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ**

الرِّيحِ أَيْ رِيحًا شَدِيدَةً لَا تَمُرُّ بِشَيْءٍ إِلَّا قَصَفَتْهُ فَتَكْسِرُ فُلْكَكُمْ **فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ** بِكُفْرِكُمْ **ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿۶۹﴾** نَصِيرًا أَوْ تَابِعًا يُطَالِبُنَا بِمَا فَعَلْنَا بِكُمْ **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا** فَضَّلْنَا **بَنِيْ آدَمَ** بِالْعِلْمِ وَالنُّطْقِ وَاعْتِدَالِ الْخَلْقِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَمِنْهُ طَهَارَتُهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ **وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ** عَلَى الدَّوَابِّ **وَالْبَحْرِ** عَلَى السُّفُنِ **وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا** كَالْبَهَائِمِ وَالْوُحُوشِ **تَفْضِيلًا ﴿۷۰﴾** فَمَنْ بِمَعْنٰى مَا أَوْ عَلٰى بَابِهَا وَتَشْمَلُ الْمَلَائِكَةَ وَالْمُرَادُ تَفْضِيلُ الْجِنْسِ وَلَا يَلْزَمُ تَفْضِيلُ أَفْرَادِهِ إِذْهُمْ أَفْضَلُ مِنَ الْبَشَرِ غَيْرَ الْأَنْبِيَاءِ۔ ع

ترجمہ:......... اور (اے پیغمبرؐ) میرے (مومن) بندوں سے کہہ دیجئے کہ (کفار سے) جو بات کہو ایسی کہو کہ خوبی کی ہو، شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے، واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے (کھلا مخالف اور وہ بہتر بات یہ ہے کہ) تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے (توبہ اور ایمان کی بدولت) چاہے تو عذاب میں ڈالے (کفر کی حالت میں موت دے کر) اور ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور کریں، یہ حکم جہادی حکم سے پہلے کا ہے) اور آسمان وزمین میں جو کوئی بھی ہے، آپ کا پروردگار سب کا حال بہتر جاننے والا ہے (پس ان کے حالات کے مناسب جیسے چاہتا ہے۔ انہیں خاص کر دیتا ہے) ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر برتری دی ہے (ہر ایک کو مخصوص فضیلت بخش کر مثلاً: موسیٰ کو کلیم اللہ اور ابراہیم کو خلیل اللہ اور محمد علیہم السلام کو صاحب اسراء بنا کر) اور ہم نے داؤد کو زبور مرحمت فرمائی آپؐ (ان سے) فرما دیجئے تم نے جن ہستیوں کو اپنے خیال میں اللہ کے سوا (معبود) سمجھ کر رکھا ہے (مثلاً: فرشتے اور حضرت عیسیٰؑ وحضرت عزیرؑ) انہیں پکار دیکھو۔ نہ تو تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا یہ لوگ جن ہستیوں کو پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے حضور وسیلہ (اطاعت کے ذریعہ تقرب) ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ کہ کون ان میں سے (یبتغون کی ضمیر سے یہ بدل رہا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ یبتغیها الذی هو) اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے (پس دوسروں کا تو کیا پوچھنا) اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (دوسری مخلوق کی طرح، پھر انہیں معبود کیسے قرار دے رہے ہیں؟) فی الحقیقت تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے اور جتنی بستیاں ہیں (یعنی بستی والے ہیں) ہم انہیں ضرور ہلاک کریں گے۔ قیامت سے پہلے (موت دے کر) یا (قتل کے ذریعہ) سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ یہ بات تو نوشتہ الٰہی (لوح محفوظ) میں لکھی جا چکی ہے اور ہمیں خاص قسم کے معجزات (جن کی فرمائش یہ مکہ والے کر رہے ہیں) بھیجنے سے صرف یہی بات روک رہی ہے کہ پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں (چنانچہ اس وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، پس ان کے فرمائشی معجزات پورے کئے اور یہ جھٹلانے لگے تو پھر یہ بھی مستحق تباہی ہو جائیں گے، حالانکہ ہم نے محمدؐ کے کام کی تکمیل کے لئے انہیں ڈھیل دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے) اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ واضح (کھلی) نشانی تھی لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا (منکر ہو کر تباہی مول لی) اور ہم ایسی نشانیاں صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں (تاکہ بندے ایمان لے آئیں) اور (اے پیغمبرؐ وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپؐ سے کہا تھا کہ آپؐ کے پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے (علم اور قدرت کے لحاظ سے، سب لوگ اللہ کے قبضہ میں ہیں یہ بات لوگوں کو سنا دیجئے اور کسی سے نہ ڈریئے کیونکہ اللہ آپؐ کا حافظ ہے) اور ہم نے (معراج کی رات کھلم کھلا) جو نظارہ آپؐ کو دکھلایا تھا وہ ان لوگوں کے لئے فتنہ کا سبب بنا دیا (کیونکہ مکہ والوں نے آپؐ کو جھٹلایا اور جب آپؐ نے لوگوں کو اس کی اطلاع دی تو بعض کچے لوگ اسلام سے پھر گئے) اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (یعنی زقوم کا درخت جو جہنم کی تلی میں اگا ہوا ہے۔ اس درخت کو بھی ان کے

لئے فتنہ بنادیا۔ کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آگ تو درخت کو جلادیتی ہے پھر کیسے آگ میں درخت پیدا ہوسکتا ہے؟) اور ہم انہیں ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سرکشی حد سے زیادہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ اور (اے پیغمبر! وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ (جھک کر تعظیمی آداب بجالاؤ) اس پر سب جھک گئے مگر ایک ابلیس نہ جھکا، کہنے لگا کیا میں اس ہستی کے آگے جھکوں، جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے (یہ لفظ منصوب ہے حذف جار کے ساتھ، اصل عبارت من طین تھی) کہنے لگا کہ اس شخص کو جو مجھ پر برتری (فوقیت) دی ہے (سجدہ کا حکم دے کر حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں، آگ سے پیدا ہوا ہوں) تو بھلا بتلائیے تو، خیر اگر (لام قسمیہ ہے) آپ مجھے قیامت تک مہلت دے دی تو میں تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ (جنہیں تو نے معصوم بنایا ہوگا) ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے (ختم کر کے) رہوں گا (بہکا سکھا کر اپنے بس میں کرلوں گا) ارشاد (باری) ہوا جا (تجھے پہلی دفعہ صور پھونکنے تک مہلت دے دی) جو شخص ان میں سے تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی (تیری اور ان کی) سزا جہنم ہے، پوری پوری (بھرپور) سزا ہے اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ وپکار سے (گا بجا کر اور ہر گناہ کی بات کی طرف لبھا کر) اس کے قدم کو اکھاڑ دینا (بہکا لینا) اور ان پر اپنے لشکر کے سوار اور پیادے چڑھالانا (جو گناہوں میں سواروں اور پیدلوں کی طرح ہیں) اور ان کے (سود اور غصب جیسے حرام) مال اور اولاد (زنا) میں اپنا ساجھا کرلینا اور ان سے (قیامت اور سزا نہ ہونے کے بارہ میں) وعدے کرتے رہنا اور (اس بارہ میں) شیطان کے وعدے سراسر دھوکا ہوتے ہیں، میرے خاص بندوں (مسلمانوں) پر تیرا ذرا قابو (دباؤ) نہ چلے گا تمہارا پروردگار کارسازی کے لئے بس کرتا ہے (تیرے شر سے انکی حفاظت کرے گا) تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہارے کام سنوارنے کے لئے سمندر میں جہاز چلاتا ہے۔ تاکہ تم (تجارت کے ذریعہ) رزق تلاش کرو، بلاشبہ وہ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے (کہ جہاز وسمندر کو تمہارے بس میں کردیا ہے) اور جب تمہیں سمندر میں کوئی مصیبت (آفت) آگھیرتی ہے (ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے) تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھوئی جاتی ہے (غائب ہوجاتی ہیں) جنہیں تم پکارا کرتے تھے (جن کی تم بندگی کرتے ہو لہٰذا تمہیں ان کی پوجا نہیں کرنی چاہئے) صرف ایک اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔ (کیونکہ تم اس وقت صرف اسی کو پکارتے ہو، کیونکہ اس کے سوا مصیبت کو اور کوئی دور نہیں کرسکتا) پھر جب وہ تمہیں بچالے جاتا ہے (ڈوبنے سے اور تمہیں پہنچادیتا ہے) خشکی کی طرف تو پھر تم (توحید سے) پھر جاتے ہو حقیقت میں کہ انسان ہے بڑا ہی ناشکرا (کفران نعمت کرنے والا) پھر کیا تم اس بات سے بےفکر ہو بیٹھے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب لاکر زمین میں دھنسادے (قارون کی طرح زمین میں) یا تم پر کوئی ایسی ہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسانے لگے (یعنی قوم لوط کی طرح تم پر کنکریٹ برسادے) پھر کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ (جو تمہیں اس عذاب سے بچالے) یا تم اس بات سے بےفکر ہوگئے ہو کہ اللہ پھر تمہیں اس (سمندر) میں دوبارہ بھیج دے۔ پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے (ہوا کہ ایسے جھکڑ کہ جس پر گزریں اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں۔ وہ تمہارے جہاز کے ٹکڑے کرکے رکھ دیں) اور تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے غرق کردیا جائے، تم پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لئے ہم پر دعوٰی کرنے والا ہو؟ (مددگار اور اس کارروائی پر ہمارا پیچھا کرنے والا ہو جو تمہارے ساتھ کی ہے) البتہ ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی (علم اور گویائی اور پیدائش میں اعتدال وغیرہ کی وجہ سے۔ اسی لئے مرنے کے بعد انسان کو پاک کیا جاتا ہے) اور ہم نے انہیں خشکی میں (جانوروں پر) اور سمندر میں (جہازوں پر) سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں انہیں عطا کیں اور اپنی بہت سی مخلوق (جیسے چوپائے اور وحشی جانوروں) پر برتری بخشی (یہاں من بمعنی ما ہے یا اپنے معنی پر رہتے ہوئے فرشتوں کو بھی شامل ہو، اس سے مراد جب انسانی جنس کی برتری ہے جس کے لئے افراد کا برتر ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتے، علاوہ انبیاء کے انسانوں میں برتر ہوتے ہیں۔

تحقیق وترکیب: .... بمن فی السمٰوٰت یہ آیت ان مشرکین پر رد ہے جو آنحضرتؐ کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ ایک یتیم نبی کیسے ہوسکتا ہے اور بھوکے ننگے لوگ اس کے صحابی کیسے ہوسکتے ہیں اسی لئے بعض مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص تنقیص کی نیت سے یہ الفاظ آنحضرتؐ اور صحابہ کی شان میں یہ کہے اس کو قتل کردینا چاہئے۔ واتینا داؤد. یہود کا غلط خیال چونکہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کوئی

نبی نہیں آیا۔اس لئے حضرت داؤدؑ کا خصوصیت سے ذکر کیا کیونکہ حضرت داؤدؑ کی نبوت یہود مانتے تھے اور ان کی کتاب زبور کو بھی مانتے تھے ،جس میں ڈیڑھ سو آیات تھیں ۔اس کی سب سے بڑی سورت چوتھائی قرآن کے برابر اور چھوٹی سورت سورۃ اذاجاء کے برابر تھی۔ پوری زبور میں اللہ کی حمد وتعریف تھی۔کوئی حکم حلال حرام ،فرائض وحدود سے متعلق نہیں تھا۔دوسری وجہ تخصیص یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ نے زبور میں فرمایا تھا کہ محمدؐ خاتم النبین ہوں گے اور آپ کی امت بہترین امت ہوگی۔جیسا کہ آیت ولقد کتبنافی الزبور میں اس طرف اشارہ ہے۔وان من قریة یعنی قیامت سے پہلے مرنا ہر ایک کو ہے کسی کو اچھی موت ،کسی کو بری موت ۔وما جعلنا الرؤیا بقول ابن عباسؓ اور اکثر مفسرینؒ کے نزدیک اس رؤیا سے مراد دیکھنا ہے جو آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں ملاحظہ فرمایا بعض مفسرینؒ نے جو اس کو خواب پر محمول کیا ہے وہ ضعیف ہے۔کیونکہ لفظ رؤیا اور رؤیت میں لغوی حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے۔بولتے ہیں رأیته بعینی رؤیة ورؤیا ۔لیکن تفسیر کواشی میں ہے کہ رؤیا سونے کی حالت میں ہوتا ہے اور رؤیة جاگنے کی حالت میں۔ولقد کرمنا منجملہ انسان کی تکریم کے یہ ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کی طرح صرف منہ سے نہیں کھاتا بلکہ ہاتھ سے کھاتا ہے۔ نیز بہترین شکل اور اندازہ پر اس کو پیدا کیا گیا ہے۔اور کل عالم انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور فرشتوں کو انسان کی مختلف خدمتوں پر لگادیا گیا ہے۔

بقول ابوالسعودؒ اس سے تمام انسان مراد ہیں ،مومن ہو یا فاجر لیکن امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ صرف مومن مراد ہیں۔کیونکہ کفار کے بارے میں تو ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ۔فرمایا گیا ہے اور مومن کی ظاہری تکریم تو یہ ہے کہ انہیں مجاہدات کی توفیق بخشی گئی ہے اور باطنی یہ کہ انہیں مشاہدات سے نوازا گیا ہے اور محمد بن کعبؓ کہتے ہیں۔کہ انسان کی کرامت یہ ہے کہ حضرت محمدؐ کو انسانوں میں پیدا کیا گیا ہے۔طھارتھم بعدالموت ۔منجملہ انسان کے فضائل کے یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد غسل دیا جاتا ہے۔البتہ اگر کنویں میں کوئی مردہ انسان گرجائے تو ہمارے نزدیک کنواں ناپاک ہوجائے گا۔شہید جس کے بدن پر خون نہ لگ رہا ہو یا غسل دیا ہوا مسلمان مردہ اگر کنویں میں گرجائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔برخلاف کافر کے وہ زندہ ہو یا مردہ بقول درمختار کے پانی ناپاک ہوجائے گا۔اور ردالمختار میں ہے کہ مردہ ناپاک ہوتا ہے۔کیوں کہ جس جانور کے جسم میں خون ہوتا ہے وہ مرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔بہرحال مردہ کا غسل دینا امر تکریم ہے تو انسان سے مراد بقول قشیریؒ صرف مسلمان لیا جائے گا۔کیوں کہ غسل وکفن دینا تو شرعی احکام ہے جو مسلمان ہی کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔من الطیبات انسان کی خوراک نباتات ہوں یا حیوانات دونوں قسم کی غذائیں بغیر مکمل طریقہ پر پکائے بنائے نہیں کھائی جاتیں۔یہ بھی انسان کی خصوصیات میں سے ہیں۔وفضلناھم تکریم اور تفضیل میں فرق یہ ہے کہ انسان میں جو سمجھنے بولنے اور لکھنے اور حسن صورت کی جو خلقی اور طبعی خوبیاں ہیں۔وہ تکریم میں داخل ہیں اور انسانی سمجھ اور عقل کے ذریعہ جو صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق حاصل ہوں۔انہیں تفضیل کہا جائے گا اور فضیلت سے یہاں جنسی فضیلت مراد ہے۔یعنی انسان کی جنس فرشتوں کی جنس سے برتر ہے۔پس اب یہ شبہ نہیں رہا کہ تمام انسان کے افراد فرشتوں کے افراد سے کیسے بہتر ہوسکتے ہیں۔کیوں کہ جنسی فضیلت کی یہ صورت ہے کہ خواص انسان خاص فرشتوں سے اور خاص فرشتے عام انسانوں سے اور عام انسان عام فرشتوں سے برتر ہوں۔اس لئے یہ ممکن ہے خواص ملائکہ ،عام انسانوں سے افضل ہوں۔گویا اشخاص کے درجہ میں تو فرشتے ،انسانوں اور انسان فرشتوں سے بہتر ہوسکتے ہیں۔لیکن جنسی اور نوعی برتری انسان ہی کو حاصل ہے جیسا کہ اشاعرہ کی رائے ہے۔

ربطِ آیات:.......... چونکہ پچھلی آیات میں کفار کی جہالتوں کا بیان ہوا تھا پس ممکن تھا کہ مسلمانوں کو غصہ آجاتا۔اس لئے جواب میں نرمی برتنے کی تعلیم آیت وقل لعبادی ۔سے دی جارہی ہے۔اس کے بعد آیت ربکم اعلم ۔میں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا جارہا ہے کہ اول تو رسول انسان ہی نہیں ہونا چاہئے اور ہو بھی تو کسی رئیس امیر کو ہونا چاہئے۔اس کے بعد آیت قل ادعوا الذین میں

مشرکین کے جنات اور فرشتوں کی پرستش کرنے پر رد کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ فرشتے تو سارے ہی مومن ہیں اور بعض جنات بھی ایمان لا چکے تھے۔ آگے آیت وان من قریۃ میں کفار کو ہلاکت وعذاب سے ڈرایا جا رہا ہے کہ دنیا میں یا آخرت میں یہ عذاب ٹلے گا نہیں۔ اس کے بعد آیت ومامنعنا سے کفار کے بعض فرمائشی معجزات پورا نہ ہونے کی حکمت بتلائی جا رہی ہے۔ اور پھر آیت واذقلنا للملائکۃ سے حضرت آدمؑ کی پیدائش کا حال ذکر فرمادیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح مخالفتِ آدمؑ کا سبب شیطان کا حسد تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ سے عداوت کا باعث بھی یہود وکفار کا حسد ہے اور یہ کہ جس طرح آدمؑ شر شیطانی سے محفوظ رہے، آپؐ بھی اسی طرح تسلی رکھئے۔ بعدہ آیت ربکم الذی میں منعم حقیقی کے حقوق کی ادائیگی کی ترغیب ہے جس میں بڑا حق توحید ہے اور پیرایۂ بیان انعامات اختیار کیا گیا ہے، اسی طرح ذیل میں ولقد کرمنا سے خصوصی انعام کا ذکر کیا ہے۔

شانِ نزول:............ ابن اسحاقؒ کی تخریج ہے کہ معراج کی صبح جب آنحضرتؐ نے لوگوں سے رات کا واقعہ ذکر کیا تو لوگوں نے آپؐ کو جھٹلایا۔ اس پر آیت وماجعلنا نازل ہوئی اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مکہ والوں نے آپؐ سے فرمائش کی کہ آپؐ صفا پہاڑ سونے کا بنا دیجئے اور دوسرے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تا کہ مکہ میں کاشتکاری ہو سکے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو اختیار دیا گیا کہ چاہے آپؐ صبر وانتظار سے کام لے کر انہیں حالات کے حوالے کر دیں اور دیکھیں کہ حالات کیا رُخ کرتے ہیں لیکن اگر آپؐ کی خواہش نہ ہو تو ہم ان کی فرمائش پوری کئے دیتے ہیں لیکن یہ یاد رکھئے کہ پھر اگر باز نہ آئے تو عذاب الٰہی ان پر اترے گا۔ چنانچہ آپؐ نے پہلی شق کو اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں آیت ومامنعنا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾:............ **نرم کلامی مؤثر ہوتی ہے:**............ آیت وقل لعبادی میں حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان جب منکرین اسلام سے گفتگو کریں تو پسندیدہ طریقہ پر کرنی چاہئے اس طرح کی باتیں نہ کرو جس سے باہم فتنہ فساد پیدا ہو اور بجائے کھنچنے کے اور زیادہ متفرق ہو جائیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے بعض مشرکوں کو کہا تھا کہ "تم جہنمی ہو" اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اس بات سے روکا گیا کہ کسی جماعت یا فرد کو یقین کے ساتھ اس طرح کی بات نہ کہو کہ تم جہنمی ہو کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ کس آدمی کا خاتمہ کس حال پر ہونے والا ہے؟ بہت ممکن ہے جسے تم جہنمی کہہ رہے ہو اسے ہدایت کی توفیق ملنے والی ہو اور اس کی جگہ جنتیوں میں ہو۔ بلاشبہ تم کہہ سکتے ہو، یہ بات حق ہے اور یہ نہیں۔ لیکن کسی جماعت یا فرد کی نسبت حکم نہیں لگا سکتے ہو کہ یہ ضرور جہنمی ہے ایسا کہنے کا حق کسی کو نہیں۔ غور کرو قرآن کس طرح قدم قدم پر یہ بات یاد دلاتا رہتا ہے کہ فکر میں رواداری ہونی چاہئے۔ حکم میں احتیاط ہونی چاہئے جس بات کو حق سمجھتے ہو اس پر جم جاؤ اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو مگر نہ بھولو کہ انسان کی نجات وعدم نجات کی ٹھیکہ داری تمہیں نہیں دی گئی۔ کون نجات پانے والا ہے اور کس کے لئے بالآخر محرومی ہے؟ اس کا علم خدا ہی کو ہے تمہیں حق نہیں کہ اس طرح کے حکم لگاتے پھرو۔

سخت کلامی کا نقصان:............ علاوہ ازیں اگر ایک انسان غلط راہ پر چل رہا ہے تو تمہارے جہنمی کہہ دینے سے وہ جنتی نہیں بن جائے گا بلکہ بہت ممکن ہے اپنی غلطی میں اور ضدی ہو جائے۔ پس جو کچھ بھی زبان سے نکالو حسن وخوبی کی بات ہو، سختی وخشونت کی بات نہ ہو شیطان چاہتا ہے کہ لوگوں میں تفرقہ وفساد ڈالے۔ یعنی اس طرح کا طریق گفتگو تفرقہ وفساد پیدا کرتا ہے اور اصل مقصد رشد وہدایت گم ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ غیر ضروری سختی اور درشت کلامی سے روکا جا رہا ہے ورنہ ضرورت اور مصلحت کے موقعہ پر تو اس سے بھی زیادہ قتل وقتال تک اجازت ہے۔

مصلح صرف داعی ہوتا ہے نہ کہ ذمہ دار:.......... آیت وما ارسلنٰک میں فرمایا جارہا ہے کہ اے پیغمبرؐ! ہم نے آپؐ کو لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ لوگوں کی نجات وعدم نجات کے لئے ذمہ دار ہو اور جب خود پیغمبر کو یہ منصب حاصل نہیں تو اور کسی کے لئے کب جائز ہو سکتا ہے کہ اپنے کو جنت ودوزخ کا داروغہ سمجھ لے۔ آیت وان من قریۃ میں افراد کا ذکر نہیں جماعتوں، قوموں اور بستیوں کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہر بداعمال گروہ کو اس کے اعمال بد کی پاداش کا مل جانا ضروری ہے خواہ ہلاکت کی صورت میں ہو یا کسی دوسرے عذاب کی صورت میں اور ہلاکت ہونے سے طبعی موت مراد نہیں کہ وہ تو سب ہی کو پیش آنی ہے فرماں بردار ہو یا نافرمان بلکہ بطور آفت الٰہی کے تباہی مراد ہے۔

مشیت اور قانونِ الٰہی:.......... آیت وما منعنا نے قطعی طور پر یہ حقیقت واضح کردی کہ پیغمبروں نے جو نشانیاں دکھائی تھیں ان کی حقیقت کیا تھی فرمایا کہ نشانیاں اس لئے نہیں دی گئیں کہ سچائی کی دلیل تھیں یا ہدایت کا معاملہ ان پر موقوف ہوتا ہے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ وہ ظہور عذاب کا مقدمہ تھیں۔ یعنی جو قومیں سرکشی سے باز نہیں آئیں انہیں ظہور نتائج کی خبر دے دی گئی اور اس خبر کا ظہور ایک نشانی کی صورت میں ہوا چنانچہ قوم ثمود سرکشی سے باز نہ آئی تو اونٹنی کا معاملہ اس کے لئے ایک فیصلہ کن نشانی ہوگئی اور اس نشانی کے بعد وعدہ کے مطابق عذاب آکر رہا۔ اس آیت میں منکرین عرب سے خطاب ہے جو اپنی بات بنانے کے لئے نشانیوں کی فرمائشیں کرتے تھے۔ فرمایا کہ جو طالب حق ہیں ان کے لئے سچائی کی دعوت ہی سب سے بڑی نشانی ہے اور جو ماننے والے نہیں، ان کے لئے کوئی نشانی سودمند نہیں ہوتی۔ چنانچہ پچھلے عہدوں میں ہمیشہ ایسا ہی ہو چکا ہے کوئی نشانی بھی سرکشوں کے لئے سودمند نہ ہوسکی اور فرمایا کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ اس طرح کی نشانیاں ڈرانے دھمکانے ہی کے لئے نمودار ہوتی ہیں۔ پس اگر اب بھی اُن تک نوبت پہنچی تو منکروں کے لئے عذاب کا آنا ناگزیز ہوگا۔ حالانکہ مشیتِ الٰہی نہیں چاہتی کہ عذاب آئے۔

واقعۂ معراج اور زقوم درخت کے فتنہ ہونے کا مطلب:.......... بعض لوگوں نے آیت وما جعلنا الرؤیا سے معراج کے خوابی ہونے پر استدلال کیا ہے عنوان تحقیق میں اس کا حل گزر چکا ہے۔ واقعہ معراج جسمانی کے فتنہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ اتنے سے وقت میں اتنے دور دراز اور آسمانوں کا سفر کیسے ممکن ہے اور زقوم کے درخت کا جہنم میں ہونا اس لئے فتنہ کا باعث بنا کہ آگ سے تو درخت جل کر بھسم ہو جاتا ہے پھر جہنم میں یہ درخت کیسے اُگے گا۔ غرضیکہ منکرین ان دونوں باتوں کی ہنسی اُڑاتے تھے۔ اسراء کا معاملہ جب بیان کیا گیا تو کہنے لگے یہ جنون کی انتہا ہے اور جہنم کے اہوال وشدائد کی جب آیتیں سنائی گئیں تو کہنے لگے جہنم بھی عجیب ہوگی جہاں آگ کے شعلوں میں درخت پیدا ہوں گے۔ فرمایا ان دونوں باتوں میں ان لوگوں کے لئے آزمائش ہوئی اگر طالبِ حق ہوتے تو ہنسی اُڑانے کی جگہ عقل وبصیرت سے کام لیتے۔ آیت واذ قلنا میں ابلیس کی سرکشی کا تذکرہ کیا تاکہ واضح ہو جائے کہ حق کے مقابلہ میں سرکشی کی چال چلنا ابلیس کی چال ہے اور یہ پہلے سے چلی آتی ہے۔ پھر آیت ربکم الذی سے سلسلہ بیان انسان کی غفلت وگمراہی کی طرف پھر گیا۔

شرفِ انسانی:.......... انسان میں بعض خصوصیتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو دوسری کسی جاندار چیز میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً: حُسنِ صورت، راست قد ہونا اور عقل وفہم کا رکھنا مختلف ایجادات وکمالات پر قادر ہونا کہ یہ باتیں تمام نوع انسان میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے سب ہی انسان مراد ہیں اور چونکہ انسانی تکریم کے سلسلہ میں خشکی وتری کے سفر کی سہولتیں بہم پہنچانا بیان کیا گیا ہے اور یہ چیزیں کسی طرح مدارِ

فضیلت وشرافت نہیں ہوسکتیں اُدھر جن صفات کی وجہ سے انسان، فرشتوں سے افضل ہوسکتا ہے وہ سب انسانوں میں عام نہیں۔ اس لئے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فضلنا کا لفظ لایا گیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ تکریم سے مراد تمام مخلوق پر برتری بتلانا نہیں ہے۔ بلکہ بعض مخلوق پر برتری بیان کی ہے یعنی جانور یا ان سے کم درجہ جو مخلوق ہے ان سب سے انسان بڑھا ہوا ہے متکلمین کے درمیان، انسان اور فرشتوں کی فضیلت کا جو مشہور مسئلہ مختلف فیہ ہے اس آیت کو اس سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کسی فریق کے استدلال کے لئے بھی یہ آیت مفید نہیں ہے۔

لطائفِ آیات:.......... آیت وقل لعبادی سے معلوم ہوا کہ مخالفین کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہئے۔ آیت ربکم اعلم سے معلوم ہوا کہ اصلاحی سلسلہ میں کسی کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔ آیت وکفی بربک وکیلا سے معلوم ہوا کہ انسان بغیر حفاظتِ الٰہی کے خود گمراہی کے مواقع سے نہیں بچ سکتا۔ آیت ام امنتم میں اگرچہ پچھلی حالت یاد دلائی جارہی ہے اور اہل طریق، یاد ماضی کو حجاب کہتے ہیں اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل طریق کا مشورہ ان لوگوں کے بارہ میں ہے جو غفلت دور کر کے یادِ حق میں مشغول ہو گئے ہوں اور آیت میں اہل غفلت سے خطاب کیا جارہا ہے کہ وہ غفلت اور سرکشی دور کر دیں۔ غرضیکہ آیت اور اہل طریق کے کلام میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ دونوں میں قدر مشترک حق میں مشغول ہونا ہے۔

اُذْکُرْ **يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ** بِنَبِيِّهِمْ فَيُقَالُ يَا اُمَّةَ فُلَانٍ اَوْ بِكِتَابِ اَعْمَالِهِمْ فَيُقَالُ يَا صَاحِبَ الْخَيْرِ وَيَا صَاحِبَ الشَّرِّ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ **فَمَنْ اُوْتِيَ** مِنْهُمْ **كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ** وَهُمُ السُّعَدَاءُ اُولُوا الْبَصَائِرِ فِي الدُّنْيَا **فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ** يُنْقَصُوْنَ مِنْ اَعْمَالِهِمْ **فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾** قَدْرَ قِشْرَةِ النَّوَاةِ **وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ** اَيِ الدُّنْيَا **اَعْمٰى** عَنِ الْحَقِّ **فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى** عَنْ طَرِيْقِ النَّجَاةِ وَقِرَاءَةِ الْكِتَابِ **وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾** اَبْعَدُ طَرِيْقًا عَنْهُ وَنَزَلَ فِيْ ثَقِيْفٍ وَقَدْ سَأَلُوْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُحَرِّمَ وَادِيَهُمْ وَاَلَحُّوْا عَلَيْهِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ **كَادُوْا** قَارَبُوْا **لَيَفْتِنُوْنَكَ** يَسْتَزِلُّوْنَكَ **عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا** لَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ **لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ** عَلَى الْحَقِّ بِالْعِصْمَةِ **لَقَدْ كِدْتَّ** قَارَبْتَ **تَرْكَنُ** تَمِيْلُ **اِلَيْهِمْ شَيْئًا** رُكُوْنًا **قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾** لِشِدَّةِ اِحْتِيَالِهِمْ وَاِلْحَاحِهِمْ وَهُوَ صَرِيْحٌ فِيْ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْكَنْ وَلَا قَارَبَ **اِذًا** لَوْ رَكَنْتَ **لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ** عَذَابِ **الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ** عَذَابِ **الْمَمَاتِ** اَيْ مِثْلَيْ مَا يُعَذَّبُ غَيْرُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ **ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾** مَانِعًا مِنْهُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ لَهُ الْيَهُوْدُ اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَالْحَقْ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا اَرْضُ الْاَنْبِيَاءِ **وَاِنْ** مُخَفَّفَةٌ **كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ** اَرْضِ الْمَدِيْنَةِ **لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا** لَوْ اَخْرَجُوْكَ **لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ** فِيْهَا **اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾** ثُمَّ يُهْلَكُوْنَ **سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا** اَيْ كَسُنَّتِنَا فِيْهِمْ مِنْ اِهْلَاكِ مَنْ اَخْرَجَهُمْ **وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾** تَبْدِيْلًا **اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ** اَيْ مِنْ وَقْتِ زَوَالِهَا **اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ** اِقْبَالِ ظُلْمَتِهٖ

اَیِ الظُّهرِ وَالعَصرِ وَالمَغرِبِ وَالعِشَاءِ **وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ** صَلٰوةِ الصُّبحِ **اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾** تَشهَدُهُ مَلٰئِكَةُ اللَّيلِ وَمَلٰئِكَةُ النَّهَارِ **وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ** فَصَلِّ **بِهٖ** بِالقُرْاٰنِ **نَافِلَةً لَّكَ** فَرِيضَةً زَائِدَةً لَكَ دُونَ اُمَّتِكَ اَو فَضِيلَةً عَلَى الصَّلَوَاتِ المَفرُوضَةِ **عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ** يُقِيمَكَ **رَبُّكَ** فِى الاٰخِرَةِ **مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾** يَحمَدُكَ فِيهِ الاَوَّلُونَ وَالاٰخِرُونَ وَهُوَ مَقَامُ الشَّفَاعَةِ فِى فَصلِ القَضَاءِ وَنَزَلَ لَمَّا اُمِرَ بِالهِجرَةِ **وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ** المَدِينَةَ **مُدْخَلَ صِدْقٍ** اَى اِدخَالًا مَرضِيًّا لَا اَرٰى فِيهِ مَا اَكرَهُ **وَّاَخْرِجْنِىْ** مِن مَكَّةَ **مُخْرَجَ صِدْقٍ** اِخرَاجًا لَا اَلتَفِتُ بِقَلبِى اِلَيهَا **وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾** قُوَّةً تَنصُرُنِى بِهَا عَلٰى اَعدَائِكَ **وَقُلْ** عِندَ دُخُولِكَ مَكَّةَ **جَآءَ الْحَقُّ** الاِسلَامُ **وَزَهَقَ الْبَاطِلُ** بَطَلَ الكُفرُ **اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾** مُضمَحِلًا زَائِلًا وَقَد دَخَلَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَحَولَ البَيتِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَّسِتُّونَ صَنَمًا فَجَعَلَ يَطعَنُهَا بِعُودٍ فِى يَدِهٖ وَيَقُولُ جَاءَ الحَقُّ الخ حَتّٰى سَقَطَت رَوَاهُ الشَّيخَانِ **وَنُنَزِّلُ مِنَ** لِلبَيَانِ **الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ** مِنَ الضَّلَالَةِ **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** بِهٖ **وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ** الكَافِرِينَ **اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾** لِكُفرِهِم بِهٖ **وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ** الكَافِرِ **اَعْرَضَ** عَنِ الشُّكرِ **وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ** ثَنٰى عِطفَهُ مُتَبَختِرًا **وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ** الفَقرُ وَالشِّدَّةُ **كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾** قَنُوطًا مِن رَحمَةِ اللّٰهِ **قُلْ كُلٌّ** مِنَّا وَمِنكُم **يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ** طَرِيقَتِهٖ **فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾** طَرِيقًا فَيُثِيبُهٗ

ع ۹

ترجمہ: .... اس دن کو (یاد کیجئے) جب ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے (یعنی انبیاء سمیت) چنانچہ ''فلاں کی امت'' کہہ کر پکارا جائے گا یا اعمال نامے مراد ہیں۔ یعنی اس طرح پکارا جائے گا کہ اے اچھے کام کرنے والے! اے برے کام کرنے والے! اور وہ قیامت کا دن ہوگا) پھر جس کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا (اور یہ وہ نیک لوگ ہوں گے جو دنیا میں دانشمند شمار ہوتے تھے) تو ایسے لوگ اپنے اعمالنامے پڑھیں گے اور ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی (ان کے اعمال کم کر کے) رائی برابر (کھجور کی گٹھلی پر جھلی کے برابر) اور جو شخص اس دنیا میں (حق سے) اندھا بنا رہا تو یقین کرو آخرت میں بھی وہ اندھا ہی رہے گا (راہِ نجات اور اعمالنامے پڑھنے سے) اور یک قلم بھٹکا ہوا (بہت ہی گم کردہ راہ، اگلی آیت ثقیف کے لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے آنحضرتؐ سے درخواست کی تھی کہ آپؐ ان کی رہائش گاہ کو بھی حرم بنا دیں، اور اس پر انہوں نے اصرار سے کام لیا) ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی (ان مخففہ ہے اور کادوا بمعنی قاربوا ہے) کہ آپؐ کو اس کلام سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپؐ پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے تا کہ اس کلام کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر آپؐ ہماری طرف غلط بات کی نسبت کر دیں اور ایسی حالت میں (کہ آپؐ یہ کارروائی کر گزرتے) آپؐ کو یہ گاڑھا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپؐ کو جما دیا نہ ہوتا (حق پر معصوم بنا کر) تو آپ ضرور کچھ نہ کچھ ان کی طرف میلان کر بیٹھتے۔ (ان کی حیلہ گری اور سخن سازی کی وجہ سے، اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ نہ آپؐ انکی طرف جھکے اور نہ مائل ہوئے) اگر ایسا (کہ آپؐ کا کچھ بھی میلان) ہو جاتا تو ہم ضرور آپ کو زندگی میں بھی دوہرا عذاب چکھاتے اور موت کا بھی (یعنی دنیا و آخرت میں اوروں سے دگنے عذاب میں آپ کو مبتلا کر دیا جاتا) پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ ملتا (جو عذابِ الٰہی روک

لیتا، اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود کہنے لگے کہ آپ اگر نبی ہیں تو ملک شام چلے جائیے کہ وہی سرزمین انبیاء ہے) اور یہ لوگ اس سرزمین سے (مدینہ) آپ کے قدم اکھاڑنے لگے تھے تا کہ آپ کو وہاں سے نکال دیں۔ اور اگر ایسا ہو جاتا (کہ آپ کو یہ نکال باہر کرتے) تو یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے (کہ پھر برباد ہو کر رہتے) جیسا کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہم بھیج چکے ہیں۔ ان سب کے معاملہ میں ہمارا ایسا ہی قاعدہ رہا ہے (یعنی جیسا طریقہ ہمارا ان لوگوں کو برباد کرنے کا رہا ہے جنہوں نے پیغمبروں کو نکالا تھا) اور ہمارے ٹھہرائے ہوئے قاعدوں کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیے گا، نمازیں ادا کیجئے، سورج ڈھلنے کے بعد سے (یعنی زوال آفتاب کے بعد سے) رات کے اندھیرے تک (اندھیری شروع ہونے تک، یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں) اور صبح کا قرآن (صبح کی نماز) بے شک صبح کا قرآن حاضر ہونے کا وقت ہے (جس میں رات دن کے فرشتے حاضر رہتے ہیں) اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی (نماز پڑھئے) سو تہجد میں (قرآن) پڑھئے۔ یہ آپ کے لئے مزید ایک عمل ہے (آپ کی امت سے زائد یہ ایک فریضہ ہے جو آپ کے ذمہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس میں فرض نمازوں سے بڑھ کر فضیلت ہے) اُمید ہے کہ آپ کا پروردگار (آخرت میں) آپ کو مقام محمود میں جگہ عنایت کرے گا (جس کی تعریف اولین وآخرین سب کریں گے اور وہ مقدمات کے فیصلوں کے وقت، سفارش کا ایک مقام ہوگا اور آنحضرت کو جب ہجرت کا حکم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو خوبی کے ساتھ (مدینہ میں) پہنچائیو (یعنی ایسی راحت کے ساتھ جس میں ناگواری کا نام ونشان نہ ہو) اور (مکہ سے) خوبی کے ساتھ لے جائیو (ایسے طریقہ سے کہ مکہ کی طرف میری توجہ نہ رہے) اور مجھے اپنے حضور سے ایسی قوت عطا فرما، جس کے ساتھ مدد شامل ہو (جو تیرے دشمنوں کیخلاف میری امداد کر سکے) اور (مکہ میں داخلہ کے وقت) تمہارا اعلان یہ ہونا چاہئے کہ دیکھو حق (اسلام) ظاہر ہو گیا اور باطل (کفر) گیا گزرا ہوا۔ اور باطل چیز تو یوں ہی نیست و نابود ہو کر رہتی ہے (آتی جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے اردگرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اشارہ کرتے جاتے تھے۔ اور ''جاء الحق'' فرماتے جاتے تھے۔ اور بت تھے کہ گرتے جارہے تھے رواہ الشیخان) اور ہم نے جو قرآن میں نازل کیا ہے (مِنْ بیانیہ ہے) تو وہ ایمان لانے والوں کے حق میں (گمراہی سے) شفاء اور رحمت ہے اور نا انصافوں (کافروں) کو اور اُلٹا نقصان بڑھتا ہے (ان کے کفر کی وجہ سے) اور انسان (کافر) پر جب ہم انعام کرتے ہیں تو ہم سے (ہمارے شکر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے (اکڑتے ہوئے پہلو تہی کر لیتا ہے) اور جب اسے دکھ (تنگ دستی اور سختی) پہنچ جائے تو دیکھو بالکل مایوس (اللہ کی رحمت سے ناامید) ہو کر بیٹھ جاتا ہے آپ فرما دیجئے (ہم میں سے اور تم میں سے) ہر انسان اپنے طور (طریقہ کے مطابق عمل کر رہا ہے پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سب سے زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے (اس لئے وہ اسے ثواب دے گا)

تحقیق وترکیب:

............فتیلا۔ اس کی تشریح قدرہ قشر النواۃ گٹھلی کے اوپر کی جھلی سے کرنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ گھٹلی کے بیچ میں جو ایک باریک دھاگہ ہوتا ہے اسے فتیل کہتے ہیں اور جھلی کو قطمیر کہتے ہیں اور نقیر کہتے ہیں اس باریک سے دھاگہ کو جو کھجور کی گٹھلی کے کمر پر ہوتا ہے۔ پس گویا گٹھلی پر تین چیزیں ہوئیں فتیل، قطمیر، نقیر۔

دلوک۔ اس کے معنی اگر زوال آفتاب کے لئے جائیں تو یہ آیت پانچوں نمازوں کے لئے جامع ہے اور غروب کے معنی لئے جائیں تو صرف تین نمازیں مراد ہونگی اور ظہر وعصر نکل جائے گی۔ وقران الفجر۔ اگر اس کا عطف الصلوٰۃ۔ پر ہو تو مراد نماز فجر ہوگی اور منصوب علی الاغراء ہو تو تلاوت قرآن مطلوب ہوگی اور تیسری صورت یہ ہے کہ منصوب فعل مضمر سے ہو۔ ای اقم اوالزم قران الفجر اور قرآن سے مراد نماز اس لئے ہے کہ قرأت نماز کا جزو ہے۔ برخلاف یزیدؒ بن اجم کے وہ قرأت کو نماز کا جز نہیں مانتے اور نماز فجر کی تخصیص میں طول قرأت کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں طوال مفصل مسنون ہے۔ ومن الیل۔ اس کا تعلق تہجد کے ساتھ بھی

ہوسکتا ہے۔ای تھجدبالقران بعض اللیل اوراس کا تعلق محذوف کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔ای قم قومۃ من اللیل فتھجدنافلۃ لک۔اگر تہجد آنحضرتؐ پرواجب مانا جائے تو نافلۃ کے لغوی معنی مراد لئے جائیں گے۔ورنہ اصل اصطلاحی معنی پر رہے گا۔

ربط آیات:.........آیت وقالوا أاذا کنا عظاما ۔میں اثبات قیامت کا مضمون تھا۔آیت یوم ندع میں بعض واقعات قیامت کے ضمن میں مخالفت کرنے والوں کو وعید فرمائی جارہی ہے۔اس کے بعد آیت وان کادوا ۔سے آنحضرتؐ کی مخالفت کرنے والوں کا بیان ہے خواہ دینی اعتبار سے عداوت کریں یا دنیاوی لحاظ سے اور آخر سورت تک رسالت ہی سے متعلق مضمون چلا گیا ہے۔آگے آیت واقم الصلوٰۃ میں آنحضرتؐ کے عبادت میں مشغول رہنے اور قل رب ادخلنی میں اللہ کی طرف خود کو سپرد کرنے اور اس سے التجا کرنے کی تعلیم ہے اور عسی ان یبعثک میں بعض اخروی بشارتوں کا تو صراحۃً ذکر ہے اور جاء الحق میں بعض دنیاوی بشارتوں کا اشارۃً وعدہ ہے اور مقصود آپؐ کو تسلی دینا ہے کہ آپؐ ان کاموں میں مشغول رہنے کی وجہ سے ادھر دھیان نہ لے جائیں جس سے طبع مبارک پر ملال اور میل آئے یا رہے۔پھر آیت ننزل من القران میں نبوت پر استدلال کرتے ہوئے آیت ولا یزید میں کفار کی بداستعدادی بیان فرمادی۔تاکہ کفار سے مایوس ہونا زیادہ رنج کا باعث نہ ہو۔اس کے بعد آیت واذاانعمنا میں کفار کی مخالفت کا سبب بتلانا ہے کہ تکبر اور قلبی قساوت اور خدا سے بے تعلقی سے ایسا ہوا ہے۔اور آیت قل کل میں عام الفاظ سے مسلمان اور کفار دونوں کے اعمال اور اقوال اور جزاء اور سزا کے فرق کی طرف اجمالاً اشارہ ہے۔

شان نزول:.........قبیلۂ ثقیف کے لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ہم آپؐ کی بات اس وقت مانیں گے جب آپؐ ہمیں ایسی چیز عطا فرمادیں جس سے ہم سارے عرب پر فخر کریں۔لانعشرولانحشرولانجبی فی صلاتنا یعنی نہ ہم عشر ادا کریں گے اور نہ جہاد کریں گے اور نہ ہم نماز پڑھیں گے اور اگر عرب کے لوگ آپؐ سے پوچھیں کہ آپؐ نے ایسا کیوں کیا؟ آپؐ کہہ دینا کہ اللہ نے مجھے ایسا ہی کہا ہے۔آنحضرتؐ یہ باتیں سن کر خاموش ہوئے،وہ خوش ہوئے کہ ہماری مراد برآنے والی ہے۔اس پر آیت وان کادوا نازل ہوئی اس طرح آیت وان کادوا لیستفزونک کے شان نزول کی طرف جلال محقق اشارہ کررہے ہیں کہ یہود نے آنحضرتؐ کو یہ کہہ کر مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آپؐ کو ملک شام میں جاکر رہنا چاہئے جو تمام انبیاء کا وطن ومسکن رہا ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔اس صورت میں آیت کو مدنی ماننا پڑے گا لیکن اگر آیت کو مکی مانا جائے تو پھر آیت لیخرجوک سے مراد مکہ سے نکالنا ہوگا کہ اللہ نے کفار کو ان کے عزائم میں ناکام کیا۔یہ دوسری بات ہے کہ آپؐ کو ہجرت کا حکم ہوا اور آپؐ خود وطن کو چھوڑ آئے مگر دشمن نکالنے کی تدابیر میں ناکام رہے۔

﴿تشریح﴾:.........**اعمالنامے داہنے ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں ہوں گے:**.........سورۃ حاقہ کی آیت انہ کان لایؤمن باللہ العظیم اور سورۂ تکویر کی آیت انہ ظن ان لن یحور سے معلوم ہوا کہ کفار کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔پس تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا خواہ وہ گنہگار ہوں یا متقی اور ھاؤم اقرؤا کتابیہ میں نامۂ اعمال کو جس خوشی سے پڑھنے کا ذکر ہے وہ ایمان کی خوشی ہوگی جو بالآخر دائمی عذاب سے نجات کا باعث ہوگی اور لایظلمون فتیلا میں اعمالِ صالحہ مراد ہیں،اگرچہ بعض ہوں اور کفار کے پاس چونکہ قبولیت اعمال کی شرط ایمان نہیں ہوگی اس لئے انکے اعمال قبول ہی

نہیں ہوں گے اور قرآن میں اگر چہ یہ ذکر نہیں کہ اعمال نامے کس طرح ہاتھوں میں آئیں گے۔ لیکن حدیث عندتطاثر الکتب میں ان کی کیفیت بیان کی گئی ہے جسے حضرت عائشہؓ نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ سب اعمال نامے عرش کے نیچے جمع ہوجائیں گے۔ اس وقت ایک ہوا آئے گی جس سے نامۂ اعمال اُڑ کر کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں چلے جائیں گے۔

توفیق الٰہی کی بدولت آنحضرتؐ سازشوں کا شکار نہیں ہوسکے:......... آیت وان کادوالیفتنونک میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر وحی الٰہی کی روشنی آپ کی راہنمائی کے لئے موجود نہ ہوتی تو وقت کی تاریکی اتنی شدید تھی کہ ممکن نہ تھا اس بے لاگ ثبات واستقامت کے ساتھ آپؐ اپنی راہ چلتے رہتے۔ کام کی دشواریاں ضرور آپؐ کو مغلوب کرلیتیں لوگوں کی مقاومتیں ضرور تمہیں تھکا دیتیں طاقتور افراد کی منتیں اور التجائیں ضرور آپؐ کو متوجہ کرالیتیں طرح طرح کی مصلحتیں ضرور دامن گیر ہوجاتیں لغزشیں، ٹھوکریں قدم قدم پر نمودار ہوتیں۔ لیکن اب کوئی چیز بھی تیری راہ نہیں روک سکتی کوئی فتنہ بھی تجھے قابو میں نہیں لاسکتا۔ یہ وحی الٰہی کی راہنمائی ہے اور وحی الٰہی کی راہنمائی پر کوئی انسانی طاقت غالب نہیں آسکتی۔

آیت سے متعلق واقعات:......... دونوں آیتوں وان کادوالیفتنونک اور وان کادوالیستفزونک میں الگ الگ دوواقعوں کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن واقعات کی تعین میں اختلاف ہے اور اسی لئے ان کے مکی اور مدنی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ مثلاً: مکہ میں دوواقعے پیش آئے ان میں سے پہلا واقعہ یہ تھا کہ قریش نے آنحضرتؐ سے درخواست کی۔ کہ ہماری طرف اگر رسول ہوکر آئے ہیں تو ان غریب مسلمانوں اور عوام کو اپنے پاس سے بالکل ہٹادیجئے تب ہم آپ کا اتباع کرلیں گے۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مکہ والوں نے دارالندوہ میں جمع ہوکر آپ کو جلاوطن کرنے کا مشورہ کیا۔ اسی طرح مدینہ میں بھی دوواقعے پیش آئے۔ پہلا واقعہ قبیلہ ثقیف کا کہ انہوں نے آنحضرتؐ سے ایک سال کی مہلت چاہی کہ ذرا اس سال بتوں کے چڑھاوے کی آمدنی ہم وصول کرلیں پھر آئندہ مسلمان ہوجائیں گے۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ یہود نے براہ شرارت کہا کہ اگر آپؐ واقعی نبی ہیں تو ملک شام جاکر رہئے جو مسکن انبیاءؑ رہا ہے چنانچہ آپ کو وہاں جانے کا کچھ خیال بھی پیدا ہوگیا۔ بہر حال اگر یہ واقعات مدینہ کے ہیں تب تو چونکہ آپ کا مدینہ سے نکلنا نہیں ہوا۔ اس لئے یہود کے نکلنے نہ نکلنے کے متعلق کوئی اشکال نہیں۔ اگر چہ ان کا اخراج مستقل حکم کے ذریعہ سے کیا گیا اور مکہ کے قصہ میں تو چونکہ مکہ سے آپ کا نکلنا ہوا۔ اس لئے اس کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک توجیہ تو یہ ہے کہ یہ وعید آنحضرت کو جلاوطن کردینے پر تھی اور کفار اس میں کامیاب نہیں ہوئے بلکہ آنحضرتؐ نے حکم الٰہی سے خود ہجرت فرمائی۔ اس لئے وعید پورا کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسری توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ آنحضرتؐ کی جلاوطنی پائی گئی خواہ وہ کسی طرح سے ہو نکالنے سے ہو یا نکلنے سے۔ پس وعید پورا ہونے کی صورت یہ ہوئی کہ ان میں سے بڑے بڑے لوگ مارے گئے جس سے ان کا سارا زور ٹوٹ کر کس بل نکل گیا۔ اس طرح لایلبثون صادق آگیا۔ آیت لقد کدت ترکن سے آپ کی انتہائی نزاہت شان معلوم ہورہی ہے کیونکہ اول تو رکون یعنی میلان وسوسہ کا بہت ہی ابتدائی درجہ جو بُرا نہیں پھر اس کا پایا جانا بھی بیان نہیں کیا جارہا ہے بلکہ اس کا قریب ہونا ذکر کیا جارہا ہے۔ جس سے اور بھی ہلکی بات ہوگئی اور پھر آنحضرتؐ سے یہ درجہ بھی سرزد نہیں ہوا۔ نیز یہ فرمانا عتاب کے طریقہ پر نہیں بلکہ آپ کی محبوبیت کا اظہار مقصود ہے کہ آپؐ اس درجہ محبوب ہیں کہ آپ کو اس خفیف میلان سے بھی ہم نے بچالیا۔

تہجد گزاری ایک بڑھ کر عبادت ہے:......... آیت اقم الصلوٰۃ میں تمام نمازیں آجاتی ہیں نفل کے معنی کسی ایسی بات

کے ہیں جو اصل مطلوب سے زیادہ ہو۔ پس فرمایا کہ رات کا بھی کچھ حصہ جاگنے اور عبادت میں صرف کیا کرو۔ یہ تمہارے لئے عبادت کی مزید زیادتی ہوگی اس آیت میں خطاب اگر چہ آنحضرتؐ سے ہے لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ شب بیداری کی عبادت تہجد ایک مزید عبادت ہے۔

آنحضرتؐ اور امّت کے بارہ میں تہجّد کا حکم:............ تہجد پہلے سب پر فرض تھا اس کے بعد امت سے تو فرضیت معاف ہوگئی البتہ آنحضرتؐ کے بارہ میں دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ پر فرض رہا۔ دوسری یہ کہ آپؐ پر فرض نہیں رہا ہے۔ پہلی صورت میں نافلہ کے معنی لغوی ہوں گے۔ یعنی فریضۃ زائدۃ لک اور دونوں میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ پہلے امت سے فرضیت منسوخ ہوئی ہو پھر آنحضرتؐ سے بھی فرضیت منسوخ ہوگئی ہو اور یہی صحیح ہے کہ آنحضرتؐ پر بھی تہجد فرض نہیں رہا تھا۔ البتہ دوسرے قول پر لک کی وجہ تخصیص یہ ہوگی، کہ یہ فضیلت زائدہ آپؐ ہی کے ساتھ خاص ہے، ورنہ امت کے لئے تو تہجد گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔ مگر آپؐ چونکہ معصوم ہیں اس لئے کفارہ سیئات ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

مقام محمود کی تشریح:............ مقام محمود سے ایسا درجہ مراد ہے جس کی اطلاع صحاح کی بعض روایات میں آنحضرتؐ کے بارہ میں دی گئی ہے یعنی قیامت میں ''شفاعت کبریٰ'' کا خصوصی مقام جس میں آپؐ تمام مخلوق کے حساب کتاب شروع ہونے کی سفارش فرمائیں گے اور آپؐ کی درخواست پر عدل وانصاف کی ترازو کھڑی کی جائے گی۔ لیکن بعض روایات میں ''مقام محمود'' کی تفسیر شفاعۃ لامتی سے جو آئی ہے اس سے دوسروں کی نفی مراد نہیں ہے۔ اور یا مقام محمود سے مقصود آنحضرتؐ کی عالمگیر ستائش ہے گویا وحی الٰہی نے ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی ہے جو انسان کے لئے عظمت و برتری کا سب سے بلند مقام ہے۔ حسن وکمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر خلائق کی عالمگیر محمودیت اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی۔ یہ مقام انسانی عظمت کی انتہاء ہے اس سے زیادہ اونچی جگہ اولادِ آدم کو نہیں مل سکتی۔ اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا انسان کی سعی وہمت ہر طرح کی بلندیوں تک اڑ کر جا سکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے یہ محمودیت اس کو حاصل ہوسکتی ہے جس میں حسن وکمال ہو کیونکہ روحیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی مدح سرائی میں کھل سکتی ہیں لیکن حسن وکمال کی سلطنت وہ سلطنت نہیں، جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کر سکیں۔ غور کرو، جس وقت سے نوع انسانی کی تاریخ معلوم ہے، نوع انسانی کے دلوں کا احترام اور زبان کی ستائش کن انسانوں کے حصہ میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصہ میں، یا خدا کے ان رسولوں کے حصہ میں جنہوں نے مہم وملک کو نہیں، روح ودل کو فتح کیا تھا؟ پس دنیا میں آپؐ کے لئے مقامِ محمودیت یہی ہو۔ اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ہے جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے وہاں بھی محمود وممدوح ہوگی۔

لطائف آیات:............ آیت ولولا ان ثبتنٰک سے صاف معلوم ہوا کہ انبیاء کے لئے بھی صرف قوت قدسیہ کافی نہیں جب تک تائید الٰہی شامل نہ ہو۔ پس دوسروں کو اپنے تقدس اور نسبت پر گھمنڈ اور ناز کا کیا مقام ہے بلکہ ممکن ہے خود وہ نسبت بھی موہوم ہی ہو۔ آیت قل رب ادخلنی سے معلوم ہوا کہ سالک کو بھی ہر حال میں اسی طرح دعا کی ضرورت ہے کیونکہ نہ معلوم کون سی حالت اس کے لئے مفید ہے اور کون سی مضر۔ آیت قل جاء الحق ہر حق وباطل کو عام ہے۔ پس اس میں باطنی نور وظلمت بھی داخل ہیں اور حُبِ خلق بھی۔ آیت وننزل میں شفاء سے تخلیہ اور رحمت سے تحلیہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ اَىِ الْيَهُوْدُ عَنِ الرُّوْحِ الَّذِىْ يُحْيِىْ بِهِ الْبَدَنُ قُلْ لَهُمُ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ اَىْ عِلْمُهُ لَا تَعْلَمُوْنَهُ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى عِلْمِهِ تَعَالٰى وَلَئِنْ لَامُ قَسَمٍ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَىِ الْقُرْاٰنِ بِاَنْ نَمْحُوْهُ مِنَ الصُّدُوْرِ وَالْمَصَاحِفِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا لٰكِنْ اَبْقَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ عَظِيْمًا حَيْثُ اَنْزَلَهُ عَلَيْكَ وَاَعْطَاكَ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ وَغَيْرَ ذٰلِكَ مِنَ الْفَضَائِلِ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ فِى الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ مُعِيْنًا نَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِهِمْ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَيَّنَّا لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ صِفَةٌ لِمَحْذُوْفٍ اَىْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِيَتَّعِظُوْا فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اَىْ اَهْلُ مَكَّةَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ جُحُوْدًا لِلْحَقِّ وَقَالُوْا عَطْفٌ عَلٰى اَبٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ﴿۹۰﴾ عَيْنًا يَنْبَعُ مِنْهَا الْمَاءُ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ بُسْتَانٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا وَسْطَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا قِطَعًا اَوْ تَاْتِىَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ مُقَابَلَةً وَعِيَانًا فَنَرَاهُمْ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ ذَهَبٍ اَوْ تَرْقٰى تَصْعَدَ فِى السَّمَآءِ بِسُلَّمٍ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ لَوْ رَقِيْتَ فِيْهَا حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا مِنْهَا كِتٰبًا فِيْهِ تَصْدِيْقُكَ نَّقْرَؤُهُ قُلْ لَهُمْ سُبْحَانَ رَبِّىْ تَعَجُّبٌ هَلْ مَا كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ كَسَائِرِ الرُّسُلِ وَلَمْ يَكُوْنُوْا يَاْتُوْا بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَىْ قَوْلُهُمْ مُنْكِرِيْنَ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ وَلَمْ يَبْعَثْ مَلَكًا قُلْ لَهُمْ لَوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ بَدَلَ الْبَشَرِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ اِذْ لَا يُرْسَلُ اِلٰى قَوْمٍ رَسُوْلٌ اِلَّا مِنْ جِنْسِهِمْ لِيُمْكِنَهُمْ مُخَاطَبَتُهُ وَالْفَهْمُ عَنْهُ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ عَلٰى صِدْقِىْ اِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ عَالِمًا بِبَوَاطِنِهِمْ وَظَوَاهِرِهِمْ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ يَهْدُوْنَهُمْ مِنْ دُوْنِهِ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَاشِيْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ سَكَنَ لَهَبُهَا زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ تَلَهُّبًا وَاشْتِعَالًا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا مُنْكِرِيْنَ لِلْبَعْثِ ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مَعَ عِظَمِهَا قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ اَىِ الْاَنَاسِىِّ فِى الصِّغَرِ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لِلْمَوْتِ وَالْبَعْثِ لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ جُحُوْدًا لَهُ قُلْ لَهُمْ لَوْ اَنْتُمْ

تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّىٓ مِنَ الرِّزْقِ وَالْمَطَرِ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ لَبَخِلْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ خَوْفَ نَفَادِهَا بِالْاِنْفَاقِ فَتَفْتَقِرُوْا وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ بَخِيْلًا ع

ترجمہ:.......... اور یہ (یہودی) آپؐ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں (جس سے بدن زندہ رہتا ہے) آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے بنی ہے (یعنی اللہ کو معلوم ہے تمہیں اس کی خبر نہیں) اور تمہیں (علم الٰہی کے مقابلہ میں) بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اور جو کچھ ہم نے آپؐ پر وحی کی ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اسے بھی سلب کرلیں (یعنی قرآن کو سینوں اور کتابوں میں سے مٹادیں) پھر اس کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی نہ ملے مگر (ہم نے اسے باقی رکھا ہے، آپ کے پروردگار کی رحمت سے، بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے (کہ اس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اور آپ کو مقام محمود وغیرہ فضائل عطا فرمائے ہیں) اس بات کا اعلان کردیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہوکر چاہیں (کہ فصاحت وبلاغت میں) اس قرآن کے مانند کوئی کلام پیش کردیں تو کبھی نہیں کرسکیں گے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک کے دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو (کفار نے جب **لو نشاء لقلنا مثل ھٰذا** کہا تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کے عمدہ مضمون طرح طرح سے پیش کئے ہیں (لفظ مثل محذوف کی صفت ہے۔ اصل عبارت اس طرح تھی **مثلاً من جنس کل مثل لیتعظوا**) پھر بھی (مکہ کے) اکثر لوگ (حق سے) بے انکار کئے نہ رہے اور یہ لوگ (ابیٰ پر عطف ہے) کہتے ہیں کہ ہم آپؐ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپؐ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردیں (جس سے پانی بہہ نکلے) یا خاص آپؐ کے لئے کھجور اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیچ میں، جگہ جگہ بہت سی نہریں آپؐ جاری کردیں یا جیسا آپ کہا کرتے ہیں آسمان کے ٹکڑے آپ ہم پر نہ گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لاکر نہ کھڑا کردیں (کہ ہم انہیں کھلم کھلا دیکھ لیں) یا آپؐ کے پاس سونے کا بنا ہوا کوئی گھر نہ ہو یا آپ آسمان پر (سیڑھی لگاکر) نہ چڑھ جاویں اور ہم تو آپ کے چڑھنے کو بھی کبھی باور نہ کریں۔ جب تک ہمارے پاس آپ ایک نوشتہ لے کر نہ آویں (جس میں آپ کی تصدیق ہو) جسے ہم پڑھ بھی لیں۔ آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ سبحان اللہ میں اس کے سوا اور کیا ہوں۔ کہ ایک آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا (دوسرے انبیاء کی طرح کہ بغیر حکم الٰہی کے کوئی نشانی نہیں لائے) اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدایت ظاہر ہوئی تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا (منکرین کے اس کہنے سے) کہ کہنے لگے، کیا اللہ نے ایک آدمی پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟ (اور فرشتہ کو نہیں بھیجا) آپؐ (ان سے) فرمادیجئے کہ اگر زمین پر (انسانوں کے بجائے) فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے، تو ضرور ہم آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے (کیونکہ ہر قوم میں انہی کے ایک فرد کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ بات چیت اور سمجھنے میں آسانی رہے، آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے (میری سچائی پر) یقیناً وہ اپنے بندوں سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا ہے (ظاہر وباطن سے باخبر ہے) جس کسی کو اللہ راہ پر لگادے، فی الحقیقت وہی راہ پر ہے۔ اور جس کسی کو وہ بے راہ کردے تو تم اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے (کہ وہ ان کو راہ پر لگادے) قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو انکے منہ کے بل اٹھائیں گے، اندھے، گونگے، بہرے، ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہوگا، جب کبھی آگ بجھنے کو ہوگی (ذرا دھیمی ہونے لگے گی) اسے اور زیادہ بھڑکادیں گے (دھونکادیں گے) یہ ہے ان کی سزا اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور (قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کہا تھا۔ بھلا جب ہماری ہڈیاں بالکل ریزہ ریزہ ہوجائیں گی۔ تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ازسرِ نو پیدا کرکے اٹھائے جائیں؟ کیا ان لوگوں کو اتنا معلوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان وزمین کی یہ پوری کائنات پیدا کرڈالی وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے (چھوٹے) آدمی دوبارہ پیدا کردے اور ان کیلئے موت اور قیامت کی) ایک میعاد معین کررکھی ہے کہ اس میں کسی طرح کا ذرا بھی شک نہیں کیا جاسکتا؟ اس پر بھی دیکھو بے انصاف لوگ بے انکار کئے نہ رہے۔ آپ (ان سے) فرمادیجئے اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے (رزق اور بارش

کے) تمہارے اختیار میں ہوتے، تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے ہاتھ روک لیتے (کہ کہیں خرچ کرنے سے بالکل ختم نہ ہو جائیں اور تم کنگال ہو کر رہ جاؤ) اور حقیقت یہ ہے کہ انسان ہے بڑا ہی تنگ دل (بخیل)

تحقیق وترکیب:............ **عن الروح** ۔ مراد حقیقۃً روح ہے جس سے جسم کی زندگی وابستہ ہے۔ **وما اوتیتم** خاص طور پر یہود کو خطاب ہے کیونکہ وہ یہ کہتے ہوئے گھمنڈ کرتے تھے کہ **اوتینا التوراۃ وفیھا العلم الکثیر** اور یا پھر سب کو خطاب عام ہے۔ **ولئن شئنا** ۔ یہاں سے وحی قرآن پر احسان جتلانا ہے، کہ جس طرح ہم اس کے دینے پر قادر ہیں، اسی طرح اسے لے بھی سکتے ہیں۔ **الا** استثناء متصل ہے یا منقطع جیسے آنحضرتؐ کا سیّد اولادِ آدمؑ اور فخر کائنات ہونا اور ختم الانبیاء ہونا۔ **فابی** ۔ استثناء مفرغ کا اثبات کے موقعہ پر واقع ہونا باعث اشکال ہے۔ **ضربت الا زیدًا** کی طرح یہ بھی ناجائز ہونا چاہئے جواب یہ ہے کہ لفظ ابی نفی کے معنی میں ہے۔ گویا عبارت **فلم یرضوا الا کفورا** کے معنی میں ہے۔ **عمیا وبکما** یعنی خوش حالی نہیں دیکھ سکیں گے اور دلیل پیش کرنے سے گونگے رہیں گے اور خوشخبریاں نہیں سن سکیں گے۔ غرض کہ خاص قسم کی نفی ہے اس لئے یہ آیت دوسری آیات **وراى المجرمون النار، دعوا ھنالك ثبورا، سمعوا لھا تغیظا وزفیرا** سے اب معارض نہیں رہی۔

ربط آیات:............ پچھلی آیات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کفار کے معاملات پر گفتگو تھی آیت **ویسئلونك** سے بھی امتحاناً کفار کے بعض استفسارات کا تذکرہ کیا جارہا ہے اب خواہ یہود نے آپؐ سے پوچھا ہو یا یہود کے مشورہ سے قریش نے یہ سوال کیا ہو۔ اسی لئے اس آیت کے مکی مدنی ہونے میں اختلاف ہے آگے آیت **ولئن شئنا** سے وحی کے ذریعہ ان علوم کو تعلیم دینے اور باقی رکھنے پر احسان جتلایا جارہا ہے اور آیت **قل لئن اجتمعت** میں اعجاز قرآنی کا اثبات ہے اور آیت **ولقد صرفنا** میں قرآن کا شافی وکافی ہونا لیکن اس کے باوجود اس کو نہ ماننا مذکور ہے۔ اس کے بعد آیت **وقالوا لن نؤمن** سے ان کے فرمائشی معجزات کا جواب ہے اور آیت **وما منع الناس** میں کفار کے اس شبہ کا جواب ہے کہ فرشتہ کے بجائے انسان کو نبی بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے۔ آگے آیت **قل کفی** سے آخری خطاب ہے کہ جب معاندین کسی طرح نہیں مانتے تو قیامت میں ان سے نبٹا جائے گا۔

شانِ نزول:............ علماء یہود کی ایک جماعت نے امتحاناً آنحضرت ﷺ سے تین سوال کئے (۱) روح کیا چیز ہے؟ (۲) اصحاب کہف کون تھے؟ (۳) ذوالقرنین کون شخص ہوئے ہیں؟ پہلے سوال کا جواب یہاں آیت **ویسئلونك عن الروح** میں دیا گیا ہے اور دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب اگلی سورۃ کہف میں آرہا ہے۔ آیت **ولقد صرفنا** کے شان نزول کی طرف خود جلال مفسرؒ اشارہ کررہے ہیں۔ آیت **ونحشرھم** جب نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کفار کیا سر کے بل چلیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو ذات دنیا میں پیروں کے بل تمہیں چلاتی ہے کیا وہ سر کے بل نہیں چلا سکتی؟ حضرت قتادہؒ کو جب یہ حدیث پہنچی تو بول اٹھے۔ **بلی وعزۃ ربنا** ۔ یعنی بخدا ضرور ایسا ہوگا۔

﴿تشریح﴾:............ **روح سے کیا مراد ہے:**............ تورات اور انجیل میں روح کا لفظ فرشتہ کے لئے بولا گیا ہے اور قرآن نے فرشتہ اور وحی دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ پس یہاں روح سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے یا فرشتہ؟ اس بارہ میں ائمہ تفسیر کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ یہاں روح سے جسم انسانی کی روح ہے نہ کہ فرشتہ، کیونکہ جب مطلق روح بولتے ہیں تو یہی روح سمجھ میں آتی ہے جس سے انسان زندہ ہے۔ بہرحال سوال دونوں کی نسبت ہوسکتا ہے اور جواب بھی دونوں کے لئے

مطابقت رکھتا ہے اور آیت کی اصلی موعظت ظاہر نہ کرنے کی وجہ بتلائی ہے اور اس کے حادث ہونے کا ضروری عقیدہ بتلا دیا گیا ہے۔

روح کی حقیقت وحی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے معلوم ہو سکتی ہے یا نہیں؟:............ رہا یہ کہ کسی دوسرے طریقہ سے اس کا انکشاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ آیت اس سے خاموش ہے دونوں باتوں کا احتمال ہے اور آیت کسی شق کے معارض نہیں اس معاملہ کے لئے جو کچھ تمہیں بتلایا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم کام کر رہا ہے اس سے زیادہ تم نہیں پا سکتے اور اس سے زیادہ پانے کی کاوش کیوں کرو، جب کہ تمہارا دائرہ علم نہایت محدود ہے تم علم الٰہی کے آگے اپنے علم وادراک میں ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ تم علم میں سے جو کچھ پا سکتے ہو وہ اصل حقیقت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے، وہ اس سمندر میں چند قطروں سے زیادہ نہیں اور تمہیں اسی پر قناعت کرنا ہے۔

علمِ انسانی کی حد:............ انسان کے علم وادراک کی حقیقت کیا ہے؟ بس یہ کہ اسے حواس دیئے گئے ہیں انہی کے ذریعہ وہ محسوسات کا ادراک حاصل کرتا ہے لیکن خود محسوسات کے دائرہ کا کیا حال ہے یہ کہ کائنات ہستی کے سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں۔ پھر اگر انسان تمام عالم محسوسات کا علم حاصل بھی کر لے تو اس کی مقدار حقیقت کے مقابلہ میں کیا ہوگی؟ ایک قطرہ کا علم اس سے زیادہ نہیں اور حالت یہ ہے کہ انسان محسوسات کے بھی کامل علم کا دعویٰ نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ اسی ایک قطرہ کیلئے پیاسا رہا اور آج تک پیاسا ہے۔ باقی دوسری آیت میں علم کو جو خیر کثیر فرمایا گیا ہے وہ بلحاظ متاع دنیا کے ہے پس قلیل اور کثیر دونوں حکم صحیح ہیں۔

ذکرِ جنات کی وجہ:............ آیت قل لئن اجتمعت میں جنات کا ذکر ممکن ہے اس لئے کیا ہو کہ مشرکین جنات کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حاصل یہ کہ اگر تمہارے خدا بھی آ جائیں تب بھی ایسا قرآن نہیں بنا سکتے یا جنات کے مکلّف ہونے کی وجہ سے انہیں بھی شریک خطاب کیا گیا ہے۔

دو خاص گمراہیاں:............ قرآن کریم نے جابجا منکرین حق کے عقائد واقوال نقل کر کے دو خاص گمراہیوں پر توجہ دلائی ہے۔ ایک یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ روحانی ہدایت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جو محض ایک انسان کے ذریعہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہو اسی خیال نے دیوتاؤں کے ظہور اور ان کی عجائب آفرینیوں کا اعتقاد پیدا کیا۔ دوسری یہ کہ سچائی میں خود سچائی نہیں ڈھونڈتے اچنبھوں اور کرشموں کی تلاش میں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں جو آدمی سب سے زیادہ عجیب قسم کی باتیں کر دکھائے۔ وہی سب سے زیادہ سچائی بتلانے والا ہے۔ گویا سچائی اس لئے سچائی نہ ہوگی کہ وہ سچائی ہے بلکہ اس لئے کہ عجیب عجیب طرح کے کرشمے اس کے پیچھے کھڑے ہیں چنانچہ فرمایا جا رہا ہے ولقد صرفنا یعنی ہم نے قرآن میں عبرت وموعظت کی تمام باتیں دہرا دہرا کر بیان کر دیں مگر یہ باتیں انہی کے دلوں کو پکڑ سکتی ہیں جن میں سچائی کی طلب ہے ورنہ اکثروں کا حال یہ ہے کہ انکار وسرکشی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

بے سروپا فرمائشیں:............ پھر ان کی سرکشی کی باتیں نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ کہتے ہیں ہم تو جبھی مانیں گے جب تم ہمیں اس طرح کی باتیں کر دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کی ریگستانی سرزمین میں اچانک نہر پھوٹ نکلے آسمان کے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آ جائیں، سونے کا ایک بنا بنایا محل نمودار ہو جائے، تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ دوڑو اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لا کر ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دو۔ آگے پیغمبر اسلام کو ان باتوں کا جواب دینے کیلئے کہا جا رہا ہے کہ ان فرمائشوں کے جواب

میں کہہ دو کہ میرے پروردگار کے لئے پاکی ہے میری حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ایک آدمی ہوں۔

قرآن کا جواب:.......... سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ اس جملہ کے اندر وہ سارے دفتر آگئے جو انکار و سرکشی کی ان صداؤں کے جواب میں کہے جاسکتے تھے۔ یعنی میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ نہیں کیا میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان بنادینے والا ہوں اور دنیا کی ساری قوتیں میرے تصرف و اختیار میں ہیں۔ میرا دعویٰ جو کچھ ہے، وہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہوں۔ پیام حق پہنچانے والا پھر تم مجھ سے یہ فرمائش کیوں کرتے ہو؟ کیوں میرے لئے ضروری ہو کہ سونے کے محل دکھاؤں اور آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤں۔

اصل جواب کا رخ:.......... اس پہلو پر غور کرو جس پر جواب کا اصلی زور پڑ رہا ہے اگر ایک شخص نے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ تو ہم دیکھیں گے اس کا دعویٰ کیا ہے اور اسی کے مطابق دلیل مانگیں گے اگر اس شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ لوہار ہے تو ہم دیکھیں گے کہ وہ لوہے کا سامان بنا سکتا ہے کہ نہیں؟ ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ طبیب ہے تو ہم دیکھیں گے کہ علاج میں ماہر ہے یا نہیں اور بیماروں کو اس سے شفاء ملتی ہے یا نہیں۔ ایسا نہیں کریں گے کہ کسی نے دعویٰ تو کیا طبابت کا اور ہم اس سے دلیل وہ مانگنے لگیں جو ایک لوہار سے مانگنی چاہئے۔ یعنی کہیں کہ ہمیں لوہے کی شہتیر بنا کر دکھاؤ اگر ایسا کریں گے تو صریح بے عقلی کی بات ہوگی۔ یہ بات یعنی دعویٰ اور دلیل کی مطابقت ایک ایسی عام اور قدرتی بات ہے کہ ہر آدمی خواہ کتنی ہی موٹی عقل کا ہو، خود بخود اسے پالیتا ہے۔ جونہی ایک آدمی کہے گا میں لوہار ہوں وہ سنتے ہی فرمائش کردے گا کہ قفل بنادو۔ کبھی اس کی زبان سے یہ نہیں نکلے گا کہ شیشے کا برتن بنادو۔

رسول کا پیغامِ حق:.......... اچھا ایک انسان آتا ہے اور کہتا ہے میں رسول ہوں، پیغام حق پہنچانے والا ہوں اب اس کا دعویٰ کیا ہوا؟ یہ کہ خدا نے اس پر سچائی کی راہ کھول دی ہے اور وہ دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانا چاہتا ہے۔ جب دعویٰ یہ ہوا تو اسی کے مطابق دلیل بھی ہونی چاہئے قدرتی طور پر اس کی دلیل یہی ہوسکتی ہے کہ دیکھا جائے وہ سچائی کی راہ پر ہے یا نہیں اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر سچائی ملتی ہے یا نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دعویٰ تو اس نے سچائی کی راہ کا کیا ہو اور ہم دلیل مانگنے لگیں کہ پہاڑ کو سونا بنادے یا آسمان پر اڑ کر چلا جائے۔

ایک لطیف تمثیل:.......... طبیب کہتا ہے، میں بیماروں کو اچھا کر دیتا ہوں اور دیکھتے ہیں اس کے علاج سے بیمار اچھے ہوئے یا نہیں۔ اسی طرح خدا کا رسول کہتا ہے میں روح و دل کی بیماریوں کو دور کر دیتا ہوں اور اگر ہم طالب حق ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہئے اس کے علاج سے روح و دل کی بیماریوں کو شفا ملتی ہے یا نہیں۔ اگر ہم طبیب سے کہیں تیرا دعویٰ ہم جبھی مانیں گے، جب تو آسمان پر اڑ کر چلا جائے۔ تو یقیناً وہ کہے گا میں نے طبابت کا دعویٰ کیا ہے آسمان پر اڑنے کا نہیں کیا ہے ہوسکتا ہے خدا مجھے اڑنے کی بھی طاقت دیدے لیکن طبابت کے دعوے کا اڑنے سے کیا واسطہ؟ اگر میرا دعویٰ پرکھنا ہے تو آؤ تمہارا علاج کر کے اپنی طبابت کا ثبوت دے دوں۔ ٹھیک یہی معنی اس جواب کے ہیں۔ هل کنت الابشرا رسولا میں نے یہ کب کہا ہے کہ آسمان و زمین کے قلابے ملادوں گا؟ میرا دعویٰ تو صرف یہ ہے کہ پیام حق پہنچانے والا ہوں پس اگر طالب حق ہو تو میرا پیام پرکھ لو میرے پاس نسخہ شفاء ہے کہ نہیں؟ میں صراطِ مستقیم پر چلا سکتا ہوں کہ نہیں؟ میں سرتاسر ہدایت اور رحمت ہوں کہ نہیں؟ پھر اس جواب میں یہی نہیں کہ میں رسول ہوں بلکہ بشراً کے لفظ پر بھی زور دیا کیونکہ جو بات منکروں کے دماغ میں کام کر رہی تھی وہ یہی تھی کہ ایک آدمی جس میں مافوق انسانیت کرشمہ نہیں پایا جاتا۔ خدا کا فرستادہ کیسے ہوسکتا ہے اور کیوں ہم اس پر ایمان لائیں؟ فرمایا کہ میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ ایک آدمی ہوں پیام حق پہنچانے والا آدمی۔ میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فرشتہ ہوں یا کوئی انسان سے بالاتخلوق۔ جب کبھی دنیا میں خدا کی ہدایت نمودار ہوئی تو ہمیشہ اسی خیال

فاسد نے لوگوں کو قبولیت حق سے روکا کہ کہنے لگے کیا خدا نے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟ یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہماری طرح ہی کا ایک کھانے پینے والا آدمی خدا کا پیغمبر ہوجائے۔

انسان کی ہدایت کا کام انسان ہی کرسکتا ہے:............ پھر اس کا جواب دیا ہے کہ اگر زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے تو اُن کی ہدایت کے لئے فرشتے ہی اُترتے۔ لیکن یہاں تو انسان بستے ہیں اور انسانوں ہی کی ہدایت مقصود ہے پس ان کی ہدایت کی صدائیں انسانوں ہی کی زبان سے نکلیں گی فرشتے نہیں اتر سکتے اور نہ کبھی اس کام کے لئے فرشتے اُترے ہیں۔

چند شبہوں کا جواب:............ اگر کوئی شبہ کرنے لگے کہ جب مناسبت کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے تو پھر پیغمبرؑ کے پاس انسان ہوتے ہوئے فرشتہ کیسے آتا ہے؟ اور اسے کیوں کر فیض ہوتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ رسول اور نبی میں چونکہ ملکوتی شان بھی ہوتی ہے اس لئے انسان رہتے ہوئے اسے فرشتہ سے بھی مناسبت ہوتی ہے پس وہ ایک طرف سے لیتا ہے اور دوسری طرف پہنچا دیتا ہے برخلاف عام انسانوں کے وہ ملکوتی صفات سے محروم ہوتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ فرشتہ اگر انسانی شکل میں آتا تو عوام کو بھی مناسبت ہوجاتی اس کے دو جواب ہیں۔ ایک جواب سورۃ انعام کی شروع آیت ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا میں گزر چکا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ محض شکل بدلنے سے فرشتہ کی خاصیت نہیں بدلا کرتی اس لئے پھر بھی فرشتہ کو عوام سے مناسبت نہ ہوتی۔ اور اگر شبہ ہو کہ اکتساب فیض کے لئے اگر مناسبت ضروری ہے تو آنحضرتؐ کا انسانوں کے لئے مبعوث ہونا تو خیر صحیح ہے۔ لیکن جنات کے لئے آپؐ کا نبی بننا کیسے صحیح ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ میں جامعیت کا وصف ایسا ہے جس کی وجہ سے انسانوں کی طرح جنات بھی آپؐ سے فیض حاصل کرسکتے ہیں اور فرشتوں کے لئے یمشون مطمئنین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر فرشتوں کو اس صورت میں آسمانوں میں جانے کی اجازت ہوتی تو پھر پیغمبروں کے بھیجنے کی ضرورت نہ رہتی۔

کٹ حجتی سے فرمائشی معجزات قطعاً کارآمد نہیں ہوتے:............ واضح رہے کہ منکروں کی یہ فرمائشیں حجت وبرہان کی طلب میں نہ تھیں بلکہ محض سرکشی اور ہٹ دھرمی کی باتیں تھیں۔ جو اس لئے کہی جاتی تھیں کہ کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اپنے انکار کے لئے سہارا پیدا کیا جائے اور ہمیشہ راست بازوں کے مقابلہ میں نہ ماننے والوں کا ایسا ہی طرز عمل رہا ہے۔ جب کبھی سچائی کی کوئی بات کہی جاتی ہے تو طلب حق رکھنے والی طبیعتیں اور کسی طرف نہیں جاتیں۔ خود اسی بات پر غور کرتی ہیں اور جب سچائی پالیتی ہیں تو فوراً قبول کرلیتی ہیں۔ لیکن ایک سرکش اور ہٹ دھرم آدمی کبھی ایسا نہیں کرتا وہ پہلے سے طے کرلیتا ہے کہ کبھی ماننے والا نہیں۔ پھر کوشش کرتا ہے کہ اپنے نہ ماننے والے کے لئے کوئی بات بنالے وہ طرح طرح کی باتیں ادھر ادھر کی نکالے گا۔ کبھی ایک بات کہے گا کبھی دوسری، پہلے کسی ایک بات پر زور دے گا۔ کہ اس کا جواب کیا ہے؟ جب اس کا جواب مل جائے گا تو کوئی دوسری بات ڈھونڈ نکالے گا اور کہے گا اس کا جواب تمہارے پاس کوئی نہیں؟ یہاں تک کہ اگر تم اس کی ساری کٹ حجتوں کا جواب دے دو اور ساری شرطیں اور فرمائشیں پوری کردو جب بھی وہ کوئی نہ کوئی اور بات ڈھونڈ نکالے گا اور راست بازی کی راہ پر کبھی نہیں چلے گا۔ چنانچہ قرآن نے جابجا منکروں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں اگر وہ ماننے والے ہوتے تو اس طرح کی روش اختیار نہ کرتے۔

کفار کی فرمائشیں راست بازی کی نیت سے نہیں تھیں:............ ان آیات میں غور کرو ان کے اقوال کیا نقل کئے گئے ہیں پہلے کہا نہر بہا دو، باغ اگا دو، سونے کا محل لا دکھاؤ، خود اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کردو، پھر کہا آسمان پر چڑھ

جاؤ، لیکن کیا آسمان پر چڑھ جانا کافی ہوگا؟ نہیں اس پر بھی وہ ماننے والے نہیں۔ یہ بھی ہونا چاہئے کہ وہاں سے لکھی لکھائی کتاب اپنی بغل میں دابے ہوئے واپس آؤ اور پھر وہ لکھی ہوئی بھی ایسی ہو کہ وہ خود اسے پڑھ کر جانچ سکیں۔ تب کہیں جا کر ان کی شرط پوری ہوگی ظاہر ہے کہ کسی راست باز انسان کی زبان سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں اس کے معنی صریح یہی تھے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

حقیقی معنی بننے کی صورت میں مجاز اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں:......... حدیث شیخینؒ میں تصریح ہے کہ قیامت میں کفار منہ کے بل چلیں گے پس علی وجوھھم کے معنی تو یقیناً مجازی نہیں ہیں اور اسی کے قرینہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ عمیا وبکما وصما میں بھی مجاز نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا میں مجاز ہے۔

دفعِ تعارض:......... پھر دوسری آیتوں میں جیسے اسمع بهم وابصر اور مقنعی رؤسهم سے کفار کا سمیع وبصیر ہونا یا ان کا سر اونچا ہونا معلوم ہوتا ہے جو اس آیت کے خلاف ہے۔ اس شبہ کے کئی جواب ہوسکتے ہیں۔ سہل تر اور قریب تر جواب یہ ہے کہ عین حشر کے وقت ذلت کے لئے کفار اندھے، بہرے، گونگے ہوں گے۔ لیکن پھر بعد میں دوسری مصلحتوں سے حواس ٹھیک کر دیئے جائیں گے۔ تاکہ جہنم کی ہولناک مصیبتوں کا پوری طرح احساس ہوسکے غرض کہ قیامت کے لمبے چوڑے عرصہ میں بہت سے حالات پیش آئیں گے، گاہے چنیں، گاہے چناں۔ اس لئے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ اور ان یخلق مثلهم کہنے میں اشارہ ہے کہ از سرنو پیدا کرنا انہی کے ساتھ خاص نہیں ہوگا بلکہ ان جیسے سب کو شامل ہوگا۔

اُخروی زندگی کی دلیل:......... آیت قل لو انتم میں اُخروی زندگی پر رحمت الٰہی کی وسعت سے استدلال کیا ہے۔ اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہئے، انسان کی زندگی کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے۔ اللہ کی رحمت کا فیضان ہے یہ رحمت ہے۔ جو چاہتی تھی کہ وجود ہو، نیاز ہو، حسن ہو، کمال ہو اور اس لئے سب کچھ ظہور میں آگیا۔ اچھا اگر رحمت الٰہی کا تقاضہ یہ ہوا کہ انسان کو زندگی ملے تو اسی رحمت کا کیا یہ تقاضہ نہیں ہونا چاہئے کہ زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو اس کے بعد ہو اور رحمت کا فیضان برابر جاری رہے؟ اس کی رحمت ابدی ہے پھر کیا اس کا فیضان دائمی نہ ہوگا؟ اگر دائمی ہونا ہے تو کیوں انسانی زندگی اس سے محروم رہ جائے؟ کیوں اس گوشہ میں کہ مخلوقات ارضی کا سب سے بلند گوشہ ہے۔ وہ ایک بہت ہی محدود اور حقیر حد سے آگے نہ بڑھے؟ انسان کی دنیوی زندگی کی مقدار کیا ہے؟ محض چند گنے ہوئے دنوں کی زندگی، پھر کیا خدا کی رحمت کا فیضان ہی اتنا تھا کہ چار دن کی زندگی پیدا کر دے اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اس سے زیادہ کچھ نہیں دے سکتی تھی؟ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان منکروں سے کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے بھی تمہارے قبضہ میں ہوتے تو ضرور تم ہاتھ روک روک کر خرچ کرتے، کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ لیکن وہ تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں وہ اس کے قبضہ میں ہیں جس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں جس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں جس کا فیضان دائمی اور لگاتار ہے۔

رحمت سے مراد نبوت بھی ہوسکتی ہے:......... اور یا رحمت سے مراد نبوت ہوگی یعنی نبوت اگر تمہارے قبضہ اور اختیار میں دے دی جاتی تو باوجود یہ کہ وہ ایسی چیز ہے کہ دینے سے بھی نہیں گھٹتی مگر تم اپنے طبعی بخل کی وجہ سے اس کے دینے ہی کو مثل خرچ کرنے کے سمجھ کر کسی کو بھی نہ دیتے۔ جیسے بعض لوگ انتہائی بخل کی وجہ سے کوئی علمی بات کسی کو نہیں بتلاتے۔ پس انسان اس قدر تنگ دل ہے کہ نہ گھٹنے والی چیز یعنی نبوت کے دینے میں بھی دریغ کرتا جس کی وجہ بخل وعداوت کے علاوہ شاید یہ بھی ہوتی کہ اگر کسی کو نبی بنالیا تو پھر خواہ مخواہ احکام کی پابندی کرنی پڑے گی جیسے اتفاق کر کے کسی کو بادشاہ بنالیا جائے تو پھر خود ہی اس کے فرامین کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔

لطائف آیات:............ آیت **ویسئلونک عن الروح** سے معلوم ہوا کہ غیر ضروری اسرار کی جستجو بُری ہے اور آیت **ولئن شئنا** سے معلوم ہوا کہ اہل نسبت کو سلب نسبت سے ڈرتے رہنا چاہئے کیوں کہ جب آنحضرت کو ایسا خطاب فرمادیا تو آپ سے بڑھ کر کون ہے اور دوسرے کس حساب میں ہیں؟ آیت **وقالوا لن نؤمن** سے خوارق طلب کرنے کی مذمت معلوم ہوئی۔ آیت **قل سبحان ربی** سے معلوم ہوا کہ مقبولین میں یہ قدرت نہیں کہ جو بھی ان سے درخواست کی جائے تو وہ اس کو پورا کردیں۔ آیت **قل لو کان فی الارض** سے معلوم ہوا کہ متعلم اور معلم اور اسی طرح مرشد ومسترشد میں باہمی مناسبت ضروری ہے اس کے بغیر فیض نہیں ہوتا۔ آیت **کلما خبت** میں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ زمانہ دراز کے بعد جہنم کا عذاب منقطع ہوجائے گا۔ آیت **قل لو انتم تملکون** میں ان لوگوں کی بُرائی کی طرف اشارہ ہے جو طریق کو طالبین سے چھپاتے ہیں اور وہ طریق کی حقیقت محض ان چند ملفوظات کو سمجھتے ہیں جو انہوں نے اپنے مشائخ سے سن لیئے ہیں اور خدا جانے وہ انہیں کیا دفائن وخزائن سمجھتے ہیں البتہ علوم کشفیہ جو جزو طریق ہیں۔ انہیں ظاہر بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَاضِحَاتٍ وَهِيَ الْيَدُ وَالْعَصَا وَالطُّوفَانُ وَالْجَرَادُ وَالْقُمَّلُ وَالضَّفَادِعُ وَالدَّمُ وَالطَّمْسُ وَالسِّنِيْنُ وَنَقْصٌ مِنَ الثَّمَرَاتِ **فَسْئَلْ** يَا مُحَمَّدُ **بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** عَنْهُ سَوَالَ تَقْرِيْرٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَلٰى صِدْقِكَ اَوْ فَقُلْنَا لَهُ اِسْاَلْ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِلَفْظِ الْمَاضِيْ **اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾** مَخْدُوْعًا مَغْلُوْبًا عَلٰى عَقْلِكَ **قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ** الْاٰيَاتِ **اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ** عِبَرًا وَلٰكِنَّكَ تُعَانِدُ وَفِيْ قِرَاءَةٍ بِضَمِّ التَّاءِ **وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾** هَالِكًا اَوْ مَصْرُوْفًا عَنِ الْخَيْرِ **فَاَرَادَ** فِرْعَوْنُ **اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ** يُخْرِجَ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ **مِّنَ الْاَرْضِ** اَرْضِ مِصْرَ **فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ** اَيِ السَّاعَةِ **جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾** جَمِيْعًا اَنْتُمْ وَهُمْ **وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ** اَيِ الْقُرْاٰنَ **وَبِالْحَقِّ** الْمُشْتَمِلِ عَلَيْهِ **نَزَلَ** كَمَا اُنْزِلَ لَمْ يَعْتَرِهٖ تَبْدِيْلٌ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ** يَا مُحَمَّدُ **اِلَّا مُبَشِّرًا** مَنْ اٰمَنَ بِالْجَنَّةِ **وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾** مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ **وَقُرْاٰنًا** مَنْصُوْبٌ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهٗ **فَرَقْنٰهُ** نَزَّلْنَاهُ مُفَرَّقًا فِيْ عِشْرِيْنَ سَنَةً اَوْ ثَلَاثٍ **لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ** مَهْلٍ وَتُؤَدَةٍ لِيَفْهَمُوْهُ **وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾** شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ عَلٰى حَسَبِ الْمَصَالِحِ **قُلْ** لِكُفَّارِ مَكَّةَ **اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا** تَهْدِيْدٌ لَهُمْ **اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ** قَبْلَ نُزُوْلِهٖ وَهُمْ مُؤْمِنُوْا اَهْلِ الْكِتَابِ **اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ** تَنْزِيْهًا لَهٗ عَنْ خُلْفِ الْوَعْدِ **اِنْ** مُخَفَّفَةٌ **كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا** بِنُزُوْلِهٖ وَبَعْثِ النَّبِيِّ **لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ** عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ **وَيَزِيْدُهُمْ** الْقُرْاٰنُ **خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾** تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَكَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَا اللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ فَقَالُوْا اِنَّهٗ يَنْهَانَا اَنْ نَعْبُدَ اِلٰهَيْنِ وَهُوَ يَدْعُوْا اِلٰهًا اٰخَرَ مَعَهٗ فَنَزَلَ **قُلِ** لَهُمْ **ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا**

الرَّحْمٰنَ اَیْ سَمُّوْهُ بِاَیِّهِمَا اَوْنَادُوْهُ بِاَنْ تَقُوْلُوْا یَا اللّٰهُ یَارَحْمٰنُ **اَیًّا** شَرْطِیَّةٌ **مَا** زَائِدَةٌ اَیْ اَیَّ شَیْءٍ مِّنْ هٰذَیْنِ **تَدْعُوْا** فَهُوَ حَسَنٌ دَلَّ عَلٰی هٰذَا **فَلَهُ** اَیْ لِمُسَمَّاهُمَا **الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی** وَهٰذَانِ مِنْهَا فَاِنَّهَا کَمَا فِی الْحَدِیْثِ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّاهُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَکَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّکُوْرُ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْکَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَکِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَکِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِی الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِیُ الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِیُ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِیُ الْبَدِیْعُ الْبَاقِیُ الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ قَالَ تَعَالٰی **وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ** بِقِرَاءَتِكَ فِیْهَا فَیَسْمَعُكَ الْمُشْرِکُوْنَ فَیَسُبُّوْكَ وَیَسُبُّوا الْقُرْاٰنَ وَمَنْ اَنْزَلَهٗ **وَلَا تُخَافِتْ** تُسِرَّ **بِهَا** لِیَنْتَفِعَ اَصْحَابُكَ **وَابْتَغِ** اُقْصُدْ **بَیْنَ ذٰلِكَ** الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ **سَبِیْلًا** ﴿۱۱۰﴾ طَرِیْقًا وَسَطًا **وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ** الْاُلُوْهِیَةِ **وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ** یَنْصُرُهٗ **مِنْ** اَجْلِ **الذُّلِّ** اَیْ لَمْ یَذِلَّ فَیَحْتَاجَ اِلٰی نَاصِرٍ **وَّکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا** ﴿۱۱۱﴾ عَظِّمْهُ عَظَمَةً تَامَّةً عَنْ اِتِّخَاذِ الْوَلَدِ وَالشَّرِیْكِ وَالذُّلِّ وَکُلِّ مَا لَا یَلِیْقُ بِهٖ وَتَرْتِیْبُ الْحَمْدِ عَلٰی ذٰلِكَ لِلدَّلَالَةِ عَلٰی اَنَّهُ الْمُسْتَحِقُّ لِجَمِیْعِ الْمَحَامِدِ لِکَمَالِ ذَاتِهٖ وَتَفَرُّدِهٖ فِیْ صِفَاتِهٖ رَوَی الْاِمَامُ اَحْمَدُ فِیْ مُسْنَدِهٖ عَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِیِّ عَنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ اٰیَةُ الْعِزِّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ مُؤَلِّفُهٗ هٰذَا اٰخِرُ مَا کَمَلْتُ بِهٖ تَفْسِیْرَ الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ اَلَّفَهُ الْاِمَامُ الْعَلَّامَةُ الْمُحَقِّقُ جَلَالُ الدِّیْنِ الْمَحَلِّیُّ الشَّافِعِیُّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ اَفْرَغْتُ فِیْهِ جُهْدِیْ وَبَذَلْتُ فِیْهِ فِکْرِیْ فِیْ نَفَائِسَ اَرَاهَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تُجْدِیْ وَاَلَّفْتُهُ فِیْ مُدَّةٍ قَدْرِ مِیْعَادِ الْکَلِیْمِ وَجَعَلْتُهٗ وَسِیْلَةً لِّلْفَوْزِ بِجَنَّاتِ النَّعِیْمِ وَهُوَ فِی الْحَقِیْقَةِ مُسْتَفَادٌ مِنَ الْکِتَابِ الْمُکَمَّلِ وَعَلَیْهِ فِی الْاٰیِ الْمُتَشَابِهَةِ الْاِعْتِمَادُ وَالْمُعَوَّلُ فَرَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأً نَظَرَ بِعَیْنِ الْاِنْصَافِ اِلَیْهِ وَوَقَفَ فِیْهِ عَلٰی خَطَاءٍ فَاَطْلَعَنِیْ عَلَیْهِ وَقَدْ قُلْتُ شِعْرًا حَمِدْتُ اللّٰهَ رَبِّیْ اِذْ هَدَانِیْ لِمَا اَبْدَیْتُ مَعَ عِجْزِیْ وَضُعْفِیْ فَمَنْ لِّیْ بِالْخَطَا فَاَرُدَّ عَنْهُ وَمَنْ لِّیْ بِالْقَبُوْلِ وَلَوْ بِحَرْفٍ هٰذَا وَلَمْ یَکُنْ قَطُّ فِیْ خَلَدِیْ اَنْ اَتَعَرَّضَ لِذٰلِكَ لِعِلْمِیْ بِالْعِجْزِ عَنِ الْخَوْضِ فِیْ هٰذِهِ الْمَسَالِكِ وَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّنْفَعَ بِهٖ نَفْعًا جَمًّا وَیَفْتَحَ بِهٖ قُلُوْبًا

غُلُفًا وَاَعْيُنًا عُمْيًا وَاٰذَانًا صُمًّا وَكَاَنِّیْ بِمَنِ اعْتَادَ بِالْمُطَوَّلَاتِ وَقَدْ اَضْرَبَ عَنْ هٰذِهِ التَّكْمِلَةِ وَاَصْلِهَا حَسْمًا وَعَدَلَ اِلٰى صَرِيْحِ الْعِنَادِ وَلَمْ يُوَجِّهْ اِلٰى دَقَائِقِهِمَا فَهْمًا وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى رَزَقَنَا اللّٰهُ بِهٖ هِدَايَةً اِلٰى سَبِيْلِ الْحَقِّ وَتَوْفِيْقًا وَاِطِّلَاعًا عَلٰى دَقَائِقِ كَلِمَاتِهٖ وَتَحْقِيْقًا وَجَعَلَنَا بِهٖ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ قَالَ مُؤَلِّفُهٗ عَامَلَهُ اللّٰهُ بِلُطْفِهٖ فَرَغْتُ مِنْ تَالِيْفِهٖ يَوْمَ الْاَحَدِ عَاشِرَ شَهْرِ شَوَّالٍ سَنَةَ سَبْعِيْنَ وَثَمَانِ مِائَةٍ وَكَانَ الْاِبْتِدَاءُ فِيْهِ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ مُسْتَهَلَّ رَمَضَانَ مِنَ السَّنَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَفَرَغَ مِنْ تَبْيِيْضِهٖ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ سَادِسَ صَفَرٍ سَنَةَ اِحْدٰى وَسَبْعِيْنَ وَثَمَانِ مِائَةٍ

ترجمہ: .... اور ہم نے موسیٰ کو کھلے نو (۹) معجزے دیئے تھے (جو واضح تھے یعنی ید بیضا اور عصاء اور طوفان اور ٹڈی دل اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون اور جھوروں کا بگڑ جانا اور قحط سالی اور پھلوں میں نقصان کا ہو جانا) پس آپ (اے محمد!) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے (تاکہ اس پوچھنے سے آپ کی سچائی کا مشرکین کو یقین ہو جائے، یا تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ ہم نے موسیٰ سے پوچھنے کو کہا اور ایک قرأت میں لفظ سال ماضی کے ساتھ ہے) یہ اس وقت کی بات ہے جب موسیٰ، بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئے تو فرعون نے ان سے کہا اے موسیٰ! میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (جس سے تمہاری عقل فریب میں مبتلا ہو گئی اور تمہیں خبط ہو گیا ہے) موسیٰ نے فرمایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اتاری ہیں مگر اسی نے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے بصیرت کے ذرائع ہیں (عبرت انگیز مگر تو ہٹ دھرمی سے باز نہیں آ رہا ہے۔ اور ایک قرأت میں علمت ضم تاء کی ساتھ ہے) اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ ضرور تیری کم بختی کے دن آ گئے ہیں (تو نے اپنے ملک کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے" یا خیر سے محروم کر دیا گیا ہے) پھر (فرعون نے) چاہا کہ بنی اسرائیل کا قدم اکھاڑ دے (موسیٰ اور ان کی قوم کو نکال باہر کرے) سرزمین (مصر) سے سو ہم نے اس کو اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے غرق کر دیا اور ہم نے اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم اس سرزمین میں رہو سہو پھر جب آخرت (قیامت) کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو اپنے حضور اکھٹا کر لیں گے" (تمہیں اور انہیں سب کو) اور ہم نے قرآن سچائی کے ساتھ اتارا اور وہ سچائی ہی کے ساتھ اترا ہی (جوں کا توں، ذرا بھی اس میں تغیر نہیں ہوا) اور ہم نے آپ کو (اے محمد!) صرف خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے والوں کو جنت کی) اور ڈرانے والا (کفر کرنیوالوں کو جہنم سے) اور قرآن کو (یہ منصوب ہے ایسے فعل محذوف سے جس کی تفسیر آگے آ رہی ہے) ہم نے الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے (ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے بیس تیس سال میں اتارا ہے) تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں (آہستہ اور دیر میں تاکہ لوگ اسے سمجھ سکیں) اور ہم نے اسے دھیرے دھیرے اتارا ہے (مصالح کے لحاظ کر کے بتدریج اتارا ہے) آپ (کفار سے) کہہ دیجئے کہ تم قرآن کو مانو یا نہ مانو (یہ بطور دھمکی کے کہا ہے) جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا (یعنی قرآن آنے سے پہلے مراد اہل کتاب ہیں) تو انہیں جب یہ کلام سنایا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کے لئے پاکی ہو (وعدہ خلافی سے وہ پاک ہے) بلاشبہ ہمارے پروردگار کا وعدہ (قرآن نازل کرنے اور پیغمبر بھیجنے کے بارے میں) ضرور (ان مخففہ ہے) پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں روتے ہیں (یہ معطوف ہے صفت زیادہ کر کے) اور (قرآن) اور بڑھا دیتا ہے ان کا خشوع (اللہ کے آگے عاجزی اور نبیؐ جب کہتے ہیں یا اللہ، یا رحمٰن

تو مشرکین اعتراض کرتے کہ ہمیں تو دو خداؤں کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور محمد خود، اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو بھی پکارتے ہیں؟ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو، یا رحمٰن کہہ کر پکارو، (جونسا چاہے نام لو، جونسے چاہے لفظ سے پکارو، اللہ کہو یا رحمٰن) جس نام سے بھی (ای شرطیہ اور ما زائدہ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ای شی من هٰذین) تم پکارو گے (وہی بہتر ہوگا۔ اس محذوف جزا پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) سو اس کے (یعنی دونوں لفظ جس ذات پر صادق آتے ہیں) سارے نام اچھے اچھے ہیں (یہ دونوں نام بھی منجملہ ان اچھے ناموں کے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں اسماء الحسنیٰ کی تفصیل آتی ہے۔ اللہ. رحمٰن. رحیم. ملک قدوس. السلام. مؤمن. مهیمن. عزیز. جبار. متکبر. خالق. باری. مصور. غفار. قهار. وهاب. رزاق. فتاح. علیم. قابض. باسط. خافض. رافع. معز. مذل. سمیع. بصیر. حکم. عدل. لطیف. خبیر. حلیم. عظیم. غفور. شکور. علی. کبیر. حفیظ. مقیط. حسیب. جلیل، کریم. رقیب. مجیب. واسع. حکیم. ودود. مجید. باعث. شهید. حق. وکیل. قوی. متین. ولی. حمید. محصی. مبدی. معید. محیی. ممیت. حیّ. قیوم. واجد. ماجد. واحد. صمد. قادر. مقتدر. مقدم. مؤخر. اول. آخر. ظاهر. باطن. والی. متعال. برّ. تواب. منتقم. عفو. رؤف. مالك الملك. ذوالجلال والاکرام. مقسط. جامع. غنی. مغنی. مانع. ضارّ. نافع. نور. هادی. بدیع. باقی. وارث. رشید. صبور. (ترمذی) (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) اور اپنی جہری نماز میں نا تو بہت چلا کر پڑھیئے (کہ مشرکین تک پڑھنے کی آواز آجائے اور وہ آپ کو گالیاں دیں اور قرآن اور قرآن اتارنے والی ذات کو گالیاں دیں) اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے (آہستہ) پڑھیئے (تاکہ سننے سے آپ کے صحابہ کو نفع ہو) اور چاہیئے کہ (بلند آوازی اور آہستگی کے) درمیان کی راہ (معتدل طریقہ) اختیار کی جائے۔ اور کہیئے کہ ساری خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت (معبودیت) میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اسکا مددگار ہے اسکی درماندگی کی وجہ سے (یعنی وہ عاجز نہیں کہ اسے مددگار کی ضرورت پڑے) اور اس کی بڑائی کی پکار کو بلند کرو جیسی پکار بلند کرنی چاہیئے (اولاد تجویز کرنے سے اور شریک اور ذلت وغیرہ تمام نامناسب باتوں سے اس کی پاکیاں خوب بیان کیجئے اور حمد کو ان صفات سلبیہ پر مرتب کر کے اس بات پر دلالت کرنی مقصود ہے کہ حق تعالیٰ اپنی کمال ذاتی اور صفات کی یکتائی کی وجہ سے تمام خوبیوں کے لائق ہے۔ امام احمدؒ معاذ جہنیؓ سے اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم فرماتے تھے کہ الحمدلله الذی سے لے کر آخر سورۃ تک آیت عزت ہے۔ واللہ اعلم۔ مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ یہ آخری حصہ ہے قرآن عظیم کی اس تفسیر کا جسے امام، علامہ محقق جلال الدّین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف فرمایا تھا، میں نے اس میں اپنی انتہائی طاقت خرچ کر دی ہے اور ایک نفیس چیزوں میں جو میرے خیال کے مطابق انشاء اللہ نافع ہوگی۔ میں نے اپنی قوت فکر یہ صرف کر دی ہے میں نے اس کتاب کی تالیف صرف ایک چلّہ میں پوری کر دی ہے، اور یہ میری حق میں جنات نعیم کی کامرانیوں کا ایک وسیلہ ہوگا فی الحقیقت میری یہ تصنیف ''کتاب مکمل'' سے ماخوذ ہے۔ اور آیت متشابہ کے سلسلہ میں میں نے ''کتاب مکمل'' ہی پر اعتماد کیا ہے۔ انصاف سے دیکھنے والی آنکھ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اس شخص پر جو میری خطا سے واقف ہو کر مجھے مطلع کر دیں میں نے ایک شعر بھی کہا ہے۔

حمدت الله ربی اذهدانی	لما ابدیت مع عجزی وضعفی
فمن لی بالخطا فاردعنه	ومن لی بالقبول ولوبحرف

جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں اس نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے، شروع کرنے کے وقت عجز و کمزوری کے باوجود کون ہے جو میری خطا کی اصلاح کر دے اور کون ہے جو میرے ایک حرف ہی کو قبول کر لے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ میرے دل میں کبھی یہ بات گزری نہیں تھی کہ میں یہ خدمت انجام دوں گا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس قسم کے کاموں میں گھسنے سے میں عاجز ہوں، پھر بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے نفع عطا فرمائیں گے اور بستہ دلوں کو اور اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اس کے ذریعہ کھول

دیں گے۔ اور یہ کافی ہے اس شخص کے لئے جو مطولات کا عادی ہو درآنحالیکہ وہ اس تکملہ اور اس کی اصل سے قطعاً بے توجہ ہو اور کھلے عناد کی طرف اپنا رخ کرنا چاہتا ہو لیکن اس کی باریکیوں کے سمجھنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور جو اس تکملہ کے بارے میں بے صبر ہو گا وہ دوسری مطولات کے بارے میں بھی بے بصیرت ہو گا۔ حق تعالیٰ ہمیں اس کے ذریعہ راہ حق کی ہدایت بخشے اور اس کے کلمات کے دقائق کی توفیق اور اطلاع اور تحقیق کی دولت عنایت فرمائے اور اس کے ذریعہ ہمیں اس گروہ میں داخل فرمادے جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی جماعت میں جن کا انجام بہترین ہوا ہے۔

ساری خوبیاں اللہ یگانہ کے لیئے ہیں اور اللہ کی رحمت اور بہت سی سلامتیاں ہوں۔ سیّدنا محمد ﷺ اور ان کی آل واصحاب پر، ہمارے لئے اللہ بس ہے اور بہترین کارساز ہے۔ مؤلف کتاب، حق تعالیٰ ان سے لطف ومہربانی کا معاملہ فرمائے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ میں اس کتاب کی تالیف سے ۱۰ شوال ۸۷۰ھ بروز اتوار فارغ ہو گیا ہوں اور اس کی ابتداء اسی رمضان المبارک کی چاندرات بروز بدھ ہوئی تھی اور اس کے مسودہ کو صاف کر کے ۶ صفر ۸۷۱ھ بروز بدھ فراغت ہوئی۔)۔

تحقیق وترکیب:............ ولقد اتینا یعنی تمہاری فرمائشی نشانیوں سے بڑھ کر پہلے زمانہ میں نشانیاں دی جاچکی ہے اگر مصلحت الٰہی کا تقاضہ ہوتا تو اب بھی اس طرح کی نشانیاں ظاہر کی جاسکتی تھیں۔ ھی الید اور صفوانؓ کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے اس کے بارہ میں نبی کریمؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ آیات بنیات سے مراد یہ احکام ہیں کہ شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، ناحق قتل نہ کرو، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، کسی غیر مجرم شخص کو بادشاہ کے پاس لے جا کر قتل نہ کراؤ۔ کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت مت لگاؤ۔ میدان جنگ سے مت بھاگو اور یہودیوں کو خاص طور پر سنیچر کے دن مچھلی کے شکار سے بچنا چاہیئے۔ اس پر یہودی نے آنحضرتؐ کے ہاتھ پاؤں کو بھوسہ دیا۔ غرض کہ اس روایت پر آیات سے مراد احکام عامہ ہے۔ او فقلنالہ اس کا عطف یا محمد پر ہے اور یا موسیٰؑ کو خطاب ہے ای اتینا فقلنالہ اسال بنی اسرائیل ،مسحورا۔ معنی اصلی مراد ہیں کہ جادو کرنے کی وجہ سے تمہارا دماغ العیاذ باللہ مختل ہو گیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسحور بمعنی ساحر ہو ای انت ساحر۔ عجائبات ظاہر کرنے کی وجہ سے ادعوا اسماء الٰہی توفیقی ہیں۔ اور اسماء حسنیٰ کہنے کی وجہ یہ کہ ان سب میں اچھے معنی ہیں۔ حکیم سے مراد یہ ہے کہ غضب اور غصہ جلدی سخت عذاب پر اسے آمادہ نہیں کرتا اور شکورا کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی بھلائی پر بھی بڑا انعام کرتا ہے اور حفیظ کے معنی یہ ہیں کہ اپنی مخلوق کی جب تک چاہتا ہے حفاظت کرتا ہے۔ کریم کا مطلب یہ ہے کہ بغیر سوال ووسیلہ کے وہ مرحمت فرماتا ہے۔ مجیب یعنی دعا کرنے والے کی سنتا ہے اور قبول کرتا ہے، حکیم سے مراد یہ ہے کہ علم اور حق میں ذی اصابت ہے۔ شہید کے معنی یہ ہے کہ کوئی چیز اس سے غائب نہیں ہو سکتی۔ وکیل سے مراد یہ ہے کہ بندوں کی ضروریات پوری کرنے والا ہے۔ محصی کا مطلب یہ ہے کہ معلومات کا احاطہ کرنے والا ہے۔ قیوم کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کی تدبیر میں پوری طرح مصروف ہے۔ فلہ مفرد ضمیر کا مرجع اللہ اور رحمٰن دونوں کا مسمّٰی ذات واحدہ ہے۔ مومن کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے نفس کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اور یا امن سے ماخوذ ہے کہ بندوں کو خوف سے مامون کرنے والا ہے۔ مھیمن کا منشا یہ ہے کہ وہ انتہائی حفاظت ونگرانی کرنے والا ہے۔ اور باری برے سے ماخوذ ہے کسی چیز کا خالص اور کھرا ہونا اور بعض کے نزدیک بلانمونہ پیدا کرنے کے معنی ہے۔ اور مقیت بمعنی مقتدر اور قادر ہے۔ اور حسیب کے معنی کافی کے ہے۔ باعث یعنی رسول کو بھیجنے والا یا مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا ہے۔ اور واجد کے معنی غنی کے ہیں۔ اور ماجد بمعنی مجید اور بزرگ ہے۔ والی بمعنی حاکم اور بر بمعنی محسن۔ باطن کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقلی نظر سے بھی پوشیدہ

ہے۔ متعال نہایت بلند رتبہ، تواب گناہ معاف کرنے والا، منتقم بدلہ لینے والا۔ عفو گناہوں کو مٹا دینے والا۔ جامع قیامت میں جمع کرنے والا۔ نور یعنی خود بھی روشن اور دوسرے کو بھی ظاہر کرنے والا۔ بدیع بلانمونہ کی چیز کو پیدا کر دینا۔ وارث بندوں کے فنا ہونے کے بعد رہنے والا کہ سب املاک اس کی طرف لوٹ آئیں۔ رشید کہ مخلوق کی بہترائی کی طرف رہنمائی کرنے والا۔ یا فعیل بمعنی مفعول ہے۔ صبور جو پکڑ میں جلدی نہ کرنے والا۔ و لاتجھر آنحضرتؐ نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے۔ جسے مشرکین سن کر بھناتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کی روایت بخاری میں ہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور بعض نے دونوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ نماز میں دعا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ لاتجھر بصلا تک ای بقراء تک فیھانھارا و لاتخافت بھالیلا اور علامہ سیوطیؒ نے ابن عباسؓ سے یہ معنی بھی نقل کئے ہیں کہ لاتجعل کلھاجھرا و لا کلھاسرا. لیکن جو حضرات اسے دعا کے باب میں کہتے ہیں اس سورۃ میں آیت تضرعا و خیفه سے منسوخ مانا جائے گا۔ وقل الحمد بعض آثار میں ہے کہ جس گھر میں بھی رات کو یہ آیت پڑھی جائے اس میں نہ کوئی آفت آتی ہے اور نہ چوری ہوتی ہے۔ وترتیب الحمد جلال محققؒ اس شبہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ حمد تو خوبیوں پر ہوا کرتی ہے حالانکہ یہاں صفات معدومہ اور سلبیہ کا بیان ہو رہا ہے۔ پس یہ مقام تنزیہ ہوا نہ کہ مقام حمد؟ حاصل جواب یہ ہے کہ اس میں صفات امکان کی نفی کا امکان ہے جو احتیاج کا مقتضی ہوتا ہے اور اللہ کے لئے واجب الوجود ہونے کا اثبات کرتا ہے کہ وہ بالذات غنی ہیں۔ سب چیزیں اس کی محتاج ہیں۔ اس لئے وہ جواد معطی اور تمام حمد کا مستحق ہوا اور بعض نے جواب کی یہ توجیہ کی ہے کہ اگر کسی کے اولاد اور بیوی ہو تو دوسرے خدام تک انعامات کی نوبت اولاد اور بیوی سے بچنے پر آتی ہے لیکن یہاں یہ بتلانا ہے کہ نہ اس کے اولاد ہے اور نہ بیوی۔ اس لئے سب کچھ افضال وانعام بندوں ہی پر کرتا ہے۔ آیة العز روزانہ تین سو کیاون دفعہ اس کو پڑھنا چاہیئے اور اس سے پہلے یہ عبارت بھی پڑھنی چاہیئے۔ توکلت علی الحی الذی لا یموت الحمد للّٰہ الخ ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ تورات شروع تو ان الفاظ سے ہوئی ہے۔ جن سے سورۂ انعام شروع ہوئی۔ لیکن تورات کا اختتام ان لفظوں سے ہوا ہے جس پر یہ سورت ختم ہوئی ہے و الفته سے مقصود تحدیث نعمت نہ کہ اظہار فخر۔ علامہ سیوطیؒ کی عمر تالیف کے وقت بائیس سال سے بھی کم تھی۔ فمن لی یعنی اس بارے میں میری غلطیوں کی کون کفالت کرتا ہے اور فارد عنه کے معنی یہ ہیں کہ پھر میں اس غلطی کی اصلاح کرلوں۔ و من کان فی ھذه یعنی جو شخص اس تکملہ اور اس کی اصل سے کنارہ کش ہو کر اس کے دقائق سے بے خبر رہے گا وہ دوسری مطولات سے بھی بے بہرہ رہے گا۔ گویا فی بمعنی مع ہے اور ھذہ سے اپنی اور محلیؒ کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے اور آخرۃ سے دوسری مطولات تفسیر مراد لی ہیں۔ فرغت علامہ محلیؒ کی وفات سے چھ سال بعد اس کی تالیف کی نوبت آئی ہے۔

ربط آیات :............ پچھلی آیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت اور رسالت کی دلیل یعنی اعجاز قرآنی کو ثابت کیا گیا تھا اور کفار کے عناد کا بیان ہوا تھا۔ اب آیت ولقد اتینا الخ سے بطور نظیر حضرت موسیٰ کی رسالت اور ان کے معجزات کا اور فرعون کے عناد کا ذکر ہے جس سے کفار کی فرمائشی نشانیوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ فرعون کی طرح ضرور یہ بھی انکار کرتے اور عذاب کے مستحق ہوتے اور آنحضرت کی تسلی کے لئے فرعون کے عناد اور بنی اسرائیل کے صبر کا انجام بھی بتلا دیا تا کہ موجودہ عناد پسند کفار اپنا انجام سوچ لیں اور مسلمانوں کے لئے استقلال سہل ہو سکے اس نظیر کے بعد پھر آیت وبالحق الخ سے پھر اصلی مدعا یعنی رسالت اور دلیل رسالت کی تحقیق کی طرف رجوع ہے۔ اس کے بعد سورت کے ختم پر آیت قل ادعوا اللہ الخ سے توحید کے متعلق بعض تحقیقات اور

تعلیمات کا بیان ہے اور چونکہ سورت کے شروع میں سبحان سے اللہ کی تنزیہ کا بیان ہوا ہے اس لئے اختتام پر اس مضمون سے لطف اور دوبالا ہو جاتا ہے۔

شانِ نزول: .... ایک روز آنحضرت ﷺ نے دعا میں یا رحمٰن کہا تو مشرکین کہنے لگے ہمیں تو شرک سے منع کرتے ہیں اور محمد خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں۔ اس پر آیت قل ادعوا اللہ نازل ہوئی۔ اسی طرح آنحضرت نماز میں ذرا بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے تو مشرکین اللہ تعالیٰ اور جبریلؑ کی شان میں گستاخی کرنے لگے اس پر ولا تجھر کا حکم نازل ہوا۔ عرب کے لوگوں کا شرک تو کھلا ہوا تھا ہی لیکن اہل کتاب بھی اللہ کے اولاد ہونے کا عقیدہ کر کے شرک کے مرتکب ہوئے اور فرقہ صابی اور مجوس کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر یہ اللہ کے یہاں مخصوص نہ ہوں تو اللہ کی قدر ہی کم ہو جائے۔ اس پر وقل الحمد للّٰہ کے الفاظ نازل ہوئے۔

﴿تشریح﴾: .... حدیث ترمذی سے آیت کا بظاہر تعارض: .... حدیث ترمذی میں یہود کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نو نشانیوں کے بارہ میں سوال کرنا اور پھر جواب میں احکام بیان کرنا آیا ہے۔ لیکن اس آیت میں اس کا مراد لینا سیاق کلام سے بعید ہے۔ کیونکہ ظاہراً کلام معجزات میں ہو رہا ہے۔ ممکن ہے حدیث کے معنی یہ ہوں کہ آپ نے جواب میں پہلے معجزات بیان کر دیئے ہوں اور پھر بطور زیادتی کے کچھ احکام بھی بیان فرمائے ہوں۔ لیکن راوی نے احکام کو مہتم بالشان سمجھ کر بیان کر دیا اور معجزات کو کلام سے حذف کر دیا اور فرعون کو مسحورا کہنا اگر شفقت کے لہجہ میں ہو تو قولا له قولا لینا کے خلاف نہیں ہوگا۔

سجدہ میں گرنے سے کیا مراد ہے: .... آیت ان الذین اوتوا العلم الخ میں سجدہ میں گرنا بطور شکریہ کے ہے کہ پچھلی آسمانی کتابوں کا وعدہ پورا ہوا یا بطور تعظیم کے ہے کہ قرآن سن کر ہیبت طاری ہوتی ہے یا بطور مجاز، کمال خشوع وخضوع سے کنایہ ہے اور سجدہ اگرچہ چہرے کے بل ہوتا ہے مگر ٹھوڑی کے بل کہنا مبالغہ کے لئے ہے کہ اپنے چہرے کو زمین اور مٹی سے اس قدر لگا دیتے ہیں کہ ٹھوڑی زمین سے لگنے کے قریب ہو جاتی ہے۔

دنیا میں بہت سے اختلافات محض لفظی جنگ کی حیثیت رکھتے ہیں: .... آیت قل ادعوا اللہ الخ میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ ہے دنیا میں انسان کے اکثر اختلافات محض لفظی ہوتے ہیں وہ معنی پر نہیں لڑتا صورت لفظ پر لڑتا ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے لیکن چونکہ نام مختلف ہوتے ہیں، صورتیں مختلف ہوتی ہیں، اسلوب اور ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لئے ہر انسان دوسرے انسان سے لڑنے لگتا ہے اور نہیں جانتا کہ ساری لڑائی لفظ کی لڑائی ہے من کی لڑائی نہیں ہے۔ اگر دنیا صرف اسی بات کو پالے تو نوع انسانی کے دو تہائی اختلافات جنہوں نے دائمی نزاعوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لی ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔ اس آیت میں اور اس کے ہم معنی آیات میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مشرکین عرب اللہ کے لفظ سے آشنا تھے کیونکہ یہ لفظ پروردگار عالم کے لئے بطور اسم ذات کے پہلے سے استعمال ہوتا رہا ہے لیکن وہ لوگ دوسرے ناموں سے آشنا نہ تھے جن کا قرآن نے اس کی صفتوں کے لئے اعلان کیا تھا۔

اللہ اور رحمٰن کا مصداق ایک ہی ہے: .... مثلاً: الرحمن، رحمٰن کا لفظ بولا جاتا تھا لیکن وہ نہیں مانتے تھے کہ اسے اللہ کے لئے بولنا چاہئے، پس جب ایسے الفاظ سنتے تو تعجب کرتے اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے قرآن کہتا ہے، تم اسے اللہ کہہ کر پکارو، یا

رحمٰن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو، پکار اسی کے لئے ہے اور ناموں کے کئی ہونے سے حقیقتیں کئی نہیں ہو جاتیں اس کا نہیں اس کے بہت سے نام ہیں لیکن جتنے نام ہیں حسن وخوبی کے نام ہیں کیونکہ وہ سرتا سر حسن وکمال اور کبریائی وجلال ہے تم ان نا میں سے کوئی نام بھی لو، تمہارا مقصود ومطلوب وہی ہوگا۔

عبارتنا شتی وحسنك واحد وكل الى ذالك الجمال يشيرُ

جہری نماز میں زیادہ زور سے نہ پڑھنے میں دو مصلحتیں ہیں:............**لا تجھر** کا حکم ظاہر ہے کہ جہری نمازوں میں ہوگا، کیونکہ زور سے پڑھنے ہی میں کفار کے سننے اور بکنے کا احتمال ہوگا اور زیادہ زور زور سے پڑھنے میں علاوہ کفار کی بکواس کے، نماز میں خشوع وخضوع بھی باقی نہیں رہتا۔ قلب مشوش ہو جاتا ہے زیادہ زور سے نہ پڑھنے میں یہ مصلحت بھی ملحوظ ہوگی۔ برخلاف تبلیغ کے، وہاں چونکہ دوسروں کو سنائے بغیر غرض حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے تبلیغ کے وقت اگر قلب مشوش بھی ہو تب بھی اس نقصان کو مقصد کی خاطر گوارا کرلیا جاتا ہے لیکن نماز میں غرض اصلی حضور قلبی ہے۔ زیادہ زور سے پڑھنے اور سنانے میں چونکہ یہ فوت ہوتی ہے اس لئے روکا گیا ہے۔ انسان کو قوت ومدد کبھی تو اپنے سے چھوٹے سے پہنچتی ہے جیسے اولاد سے، اور کبھی برابر سے جیسے شریک سے اور کبھی بڑے سے جیسے ناصر وحامی کی جانب سے، لیکن حق تعالیٰ میں یہ تینوں صورتیں اس لئے نہیں کہ وہاں مقسم ہی نہیں کیونکہ وہ خود اتنے قوی ہیں کہ کسی سے بھی انہیں قوت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اس سورت کو تسبیح سے شروع کر کے تحمید وتکبیر پر ختم کیا گیا ہے۔ **سبحان الله والحمد لله والله اكبر.**

لطائف آیات:............آیت **انی لاظنك الخ** معلوم ہوتا ہے کہ اگر تسامح اور رعایت کرنے میں کوئی مصلحت نہ ہو تو ترکی بترکی جواب دینا، کمال اخلاق کے خلاف نہیں ہے آیت **ویخرون الخ** سے خشیت حق سے رونے کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے۔

فسبحان الله على ما وفقني لخدمة ايضاح تفسير الجلال للسيوطي رحمه الله بلسان الاردية والحمد لله على اتمامه في حالة الصوم وقت الافطار ولكل صائم فرحتان ولي ثلاث فرحات والله اكبر۔ فارجو منه ان يوفقني لاتمام ايضاح تفسير الجلال الباقي للمحليؒ۔ محسن الختام وما اردت ان يكون تاليفي مثقلا وقيعا بالاكثار من نقل الماخذ ولكني اعترف باستفادتي في اكثر المواضع المهمة من "التفسيرات الاحمدية" وبيان القرآن ومسائل السلوك وترجمان القرآن وغيرهم، اللهم اغفرلي خطيئاتي وامحو عني زلاتي ومسامحاتي واجعله لي اجرا وذخرا يا رب العلمين وهو حسبي ونعم الوكيل نعم المولى ونعم النصير وقد تم التسويد والتبييض يوم الاثنين التاسع من شعبان ۱۳۸٤ھ المطابق لاربعة عشر من دسمبر ۱۹٦٤ء العبد الاثيم المكنى بابي عبد الله المسمى بمحمد نعيم خادم التدريس بدارالعلوم الديوبنديه دارالسلام ابو البركات ديوبند۔